دار العلوم کراچی کا ترجمان

ماہنامہ

البلاغ

کراچی

اشاعت خصوصی

بیادِ عارف باللہ حضرت مولانا ڈاکٹر محمد عبد الحی صاحب قدس سرہ
صدر دار العلوم کراچی
وخلیفہ مجاز حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ

مرتبہ
محمد تقی عثمانی

الکوپ
المونیم کی
معیاری مصنوعات

alcop المونیم کمپنی آف پاکستان (انڈسٹریز) لمیٹڈ
سیلز آفس: بیرٹ روڈ ۔ کراچی ۲۳ ۔ فون: ۲۳۱۷۲۸ – ۲۲[illegible]۸۵
ریجنل آفس: ۵ ۔ رحیم پلازہ ۔ ۱۱۲ ۔ مری روڈ ۔ راولپنڈی ۔ فون: ۹۳۹۲۱
ریجنل آفس: ۲۱ عابد مجید روڈ لاہور کینٹ ۔ فون: ۰۳۷۲۶۸۱
Telex : 25713 ALCOP PK

دارالعلوم کراچی کا ترجمان

ماہنامہ

البلاغ

کراچی

اشاعتِ خصوصی

صفر تا ربیع الثانی ؁۱۴۰۷ھ

بیادِ عارف باللہؒ

حضرت مولانا ڈاکٹر محمد عبدالحیؒ صاحب قدس سرہٗ

المتوفی ۱۵ ؍ رجب ؁۱۴۰۶ھ

مرتبہ

محمد تقی عثمانی

نگران ——— حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب
صدر دار العلوم کراچی ۔۱۴
مدیر ——— حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب
ناظم ——— شہزاد محمود

جلد: ۲۱

شمارہ ——— صفر تا ربیع الثانی ۱۴۰۷ھ
قیمت مجلد۔
مطبع ——— مشہور آفسٹ پریس کراچی

ترتیب

حمد		۵
سلام		۶
جذبۂ بے اختیار (نظم)		۸
ذکر و فکر		۹

سوانح

حالاتِ زندگی	جناب حسن عباس صاحب	۱۱
معمولاتِ مرشدی حضرتِ عارفیؒ	ڈاکٹر محمد الیاس صاحب	۵۷
سفرِ حج	حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالحی صاحب عارفی قدس سرہٗ	۷۳
سفرِ عمرہ	〃 〃 〃 〃 〃	۸۴
حضرت کے ساتھ رفاقتِ حج - چند یادیں	محمد اکمل خان صاحب	۹۶
حضرتِ مرشد عارفی اور ان کا ذوقِ مزاح	مولانا رشید اشرف صاحب سیفی	۱۰۳
تواریخِ وفات	مولانا خلیل احمد تھانوی	۱۰۷
تواریخِ ولادت و وفات	سید علی حماد رضا صاحب	۱۱۰
گلہائے عقیدت	سید اظہر حسین صاحب	۱۱۲
تاثرات (نظم)	جناب مولانا اشرف علی تھانوی صاحب	۱۱۳
نذرانۂ عقیدت	نشتر کاظمی صاحب	۱۱۵

مُشاہدات وتأثرات

تعلیماتِ عارفی — حضرت مولانا سبحان محمود صاحب — ۱۱۷
مرشد و مشفق حضرت عارفیؒ — مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب — ۱۳۶
سیدی وسندی — محمد تقی عثمانی — ۲۱۵
مشاہدات و تأثرات — مولانا نذیر احمد صاحب مہتمم جامعہ امدادیہ فیصل آباد — ۲۶۴
یہ حالت ہوگئی ہے ایک ساقی کے نہ ہونے سے — حضرت حکیم سید محمد ابراہیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ — ۲۸۷
شفقت و رحمت کی جیتی جاگتی تصویر — مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب — ۲۹۴
بزمِ اشرف کا پرانا چراغ — مولانا حکیم محمد اختر صاحب — ۳۱۳
حضرت ڈاکٹر صاحبؒ مکارمِ اخلاق کے آئینے میں — مولانا مفتی رشید احمد صاحب مدظلہم — ۳۲۹
حضرت مولانا ڈاکٹر محمد عبدالحی صاحب عارف باللہ — نصرت علی صدیقی صاحب — ۳۳۶
جمالِ اولیاء مستور ہوگیا — جناب حافظ ابرار الحق صاحب — ۳۴۳
مراحلِ سلوک وطریقت — جناب ڈاکٹر محمد الیاس صاحب — ۳۵۵
آہ! مرشدی ڈاکٹر محمد عبدالحی صاحب عارفیؒ — جناب حافظ عتیق الرحمٰن صاحب — ۳۶۳
حضرت والاؒ — جناب مظفر احمد اشرف صاحب — ۳۶۸
تأثرات بر حیاتِ قدسی قطب الارشاد — جناب عشرت علی خان قیصر صاحب — ۳۷۶
خاموش ہوگیا چمن بولتا ہوا — جناب حاجی محمد فاروق صاحب سکھر — ۳۹۰
حضرت عارف باللہؒ — جسٹس ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن صاحب — ۳۹۶
تأثرات — حضرت مولانا محمد عاشق الٰہی صاحب مدینہ منورہ — ۴۰۰
مسیحائے ظاہر و باطن — مولانا راحت علی صاحب ہاشمی — ۴۰۴
چند یادیں، چند آنسو — جناب جہاں زیب صاحب — ۴۴۳
ہمارے حضرت والاؒ — جناب نجم الثاقب صاحب — ۴۵۰

باتیں ان کی یاد رہیں گی	مولانا زبیر اشرف عثمانی	۴۵۴
حضرت عارفیؒ کے کچھ سبق آموز واقعات	محمد بدر عالم صدیقی	۴۵۹

افادات

افاداتِ حضرت عارفیؒ	محمد تقی عثمانی	۴۶۵
افاداتِ عارفیؒ	حضرت مولانا مفتی عبدالحکیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ	۵۰۵
جواہر حضرت عارفیؒ	مولانا محمد عبداللہ میمن صاحب	۵۱۷
افتتاحِ بخاری کے موقع پر اساتذہ وطلبہ سے خطاب	حضرت عارفی رحمۃ اللہ علیہ ضبط وترتیب: رشید اشرف سیفی	۵۲۱
فہرست خلفاء مجازین		۵۳۳

نقد وتبصرہ

مآثرِ حکیم الامتؒ	محمد تقی عثمانی	۵۳۵

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى

نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه

ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا

من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادي له

ونشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له

ونشهد ان سيدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله

صلى الله تعالى عليه وعلى آله واصحابه اجمعين

حمد

محو ہوں لطفِ ناز میں تیرے　　گم ہوں راز و نیاز میں تیرے
کتنا عالم فریب عالم ہے　　حسن عالم طراز میں تیرے
یہ فسونِ نظر۔ معاذ اللہ　　جلوۂ پردہ ساز میں تیرے
چشمِ نظارہ محوِ حیرت ہے　　حسن نیرنگ ساز میں تیرے
شانِ تسخیرِ عالمِ جاں ہے　　التفاتِ مجاز میں تیرے
بے نیازی سی بے نیازی ہے　　لطفِ بندہ نواز میں تیرے
اپنی ہستی مٹا چکا ہوں میں،　　عشقِ ہستی نواز میں تیرے
عارفیؔ بھی ہے ایک کشتۂ ناز
غمزۂ ترکتاز میں تیرے

علیگڈھ ۱۹۲۲ء

(از: کلامِ عارفیؒ)

ھدیۂ سلام

السلام اے رازِ حسنِ زندگی

السلام اے ذکرِ تو روحِ زبان   السلام اے یادِ تو جانانِ جان
السلام اے جلوۂ نورِ احد   السلام اے مظہرِ ذاتِ صمد
السلام اے مایۂ رازِ حیات   السلام اے وجہِ خلقِ کائنات
السلام اے رحمۃ للعالمین   السلام اے ہادیِ دنیا و دیں
السلام اے عالمِ اُمّی لقب   السلام اے سیدِ والا نسب
السلام اے پیکرِ خُلقِ عظیم   السلام اے آیتِ ربِ کریم
السلام اے رہبرِ راہِ صفا   السلام اے مجتبیٰ و مصطفیٰ
السلام اے رونقِ بزمِ زمین   السلام اے زینتِ عرشِ بریں
السلام اے رازِ حسنِ زندگی   السلام اے نازِ عجز و بندگی
السلام اے مونسِ بیچارگان   السلام اے دستگیرِ بیکسان

السلام اے امن و ماوائے ما   السلام اے والی و مولائے ما

آنکہ در عقلم نہ گنجد شانِ تست   در گمانم آنچہ ناید آنِ تست
ایں قدر دانم کہ ربِّ ذو الجلال   آفریدت منتہائے ہر کمال
یا رسول اللہ بر تو صبح و شام
بیشمار از من درود است و سلام

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّ
آلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ كَثِيْرًا كَثِيْرًا

(جونپور ۲۰ نومبر ۱۹۳۳ء)

(از: کلامِ عارفیؒ)

جذبۂ بے اختیار

محفلِ سوز و گدازِ غم کو گرمائے گا کون
اہلِ دل کو اپنے دردِ دل سے تڑپائے گا کون
موجزن ہے کس کے دل میں آتشِ سیالِ غم
مستیٔ خونِ جگر آنکھوں سے برسائے گا کون
کس پہ طاری ہے جنونِ شوق کی وارفتگی
یوں زباں پر والہانہ رازِ دل لائے گا کون
عارفی میرا ہی دل ہے محرمِ ناز و نیاز
بعد میرے رازِ حسن و عشق سمجھائے گا کون

از: کلامِ عارفیؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمد وستائش اس ذات کے لئے جس
نے اس کارخانۂ عالم کو وجود بخشا
اور
درود وسلام اس کے آخری پیغمبرؐ پر جنہوں نے دنیا میں
حق کا بول بالا کیا

الحمد للہ۔ تین چار ماہ کے انتظار کے بعد آج ہم البلاغ کا "حضرت عارفی نمبر" قارئین کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ ہمیں اندازہ ہے کہ قارئین "البلاغ" کتنی بے تابی کے ساتھ اس خصوصی اشاعت کا انتظار کرتے رہے ہیں، اور ہماری کوشش مسلسل یہ رہی کہ انتظار کی یہ مدت کم سے کم کی جائے، لیکن جن حضرات کو اس قسم کے نمبر نکالنے یا اس میں کسی جہت سے حصہ لینے کا عملی تجربہ ہے، وہ جانتے ہیں کہ اس قسم کی خصوصی اشاعت کیلئے مضامین کی فراہمی سے لیکر اسے منظرِ عام پر لانے تک کتنے صبر آزما مراحل سے گذرنا پڑتا ہے۔ لہٰذا اتنے ضخیم نمبر کے لئے یہ مدت یقیناً زیادہ نہیں تھی۔

اس کے علاوہ اس زمانے میں احقر کو متواتر ملکی اور غیر ملکی سفر بھی پیش آتے رہے، اور اس سب پر مستزاد یہ کہ اس دوران البلاغ کے انتظام میں بھی تبدیلی آئی۔ اور البلاغ کے انتظامی امور نئے ہاتھوں میں آئے، جس کے نتیجے میں کچھ عرصہ کیلئے دفتری امور میں تعطل اور بے قاعدگی لازمی تھی۔

لیکن اللہ تعالیٰ کا ہزاراں ہزار شکر ہے کہ ان تمام رکاوٹوں کے باوجود آج ہمیں اس

خصوصی اشاعت کو قارئین کی خدمت میں پیش کرنے کی توفیق ہو رہی ہے جو تمام تر عارف باللہ حضرت مولانا ڈاکٹر محمد عبدالحیؒ صاحب عارفی قدس سرہٗ کے مبارک تذکرے کے لئے وقف ہے۔

الحمدللہ، اس خصوصی نمبر میں حضرت والاؒ کی سوانح حیات، حضرتؒ کے خصوصی مزاج ومذاق، تالیف وتصنیف اور اصلاح وارشاد کے میدان میں حضرتؒ کے اہم کارناموں، اور حضرتؒ کے عارفانہ افادات کا ایک گرانقدر ذخیرہ جمع ہو گیا ہے۔ اگرچہ حضرت والاؒ کی جامعیت کے پیش نظر پانچ سو سے زائد صفحات کی یہ اشاعت پیش کرنے کے باوجود اب بھی یہ احساس دامنگیر ہے کہ یہ تذکرہ ابھی تشنہ ہے، اور حضرتؒ کی حیاتِ طیبہ کے نہ جانے کتنے گوشے ابھی معرضِ بیان میں نہیں آئے، لیکن اُمید ہے کہ انشاءاللہ یہ سادہ اور متواضع کوشش اس موضوع پر مزید کام کے لئے بنیاد بن سکیگی۔

حضرت والاؒ کا ایک خاص ذوق یہ تھا کہ کسی بزرگ کی سوانح محض برائے سوانح ہو کر نہ رہ جائے، بلکہ ان کی زندگی کے وہ پہلو بطور خاص اُجاگر کئے جائیں جو پڑھنے والے کے لئے عملی زندگی میں سبق آموز ہوں۔ حضرت والاؒ نے اپنے شیخ کا جو تذکرہ "مآثرِ حکیم الامّت" کے نام سے تحریر فرمایا ہے، وہ حضرتؒ کے اسی ذوق کی درخشاں مثال ہے، لہٰذا اس اشاعت میں بھی ہم نے کوشش یہی کی ہے کہ اسمیں تاریخی معلومات سے زیادہ حضرتؒ کے مزاج و مذاق اور آپ کی تعلیمات وافادات زیادہ سے زیادہ سامنے آئیں، تاکہ وہ ہم سب کیلئے عملی زندگی میں مشعلِ راہ بن سکیں۔ الحمد للہ، حضرتؒ سے تعلق رکھنے والے بیشتر حضرات نے مضامین اسی نقطۂ نظر سے تحریر فرمائے ہیں۔

بہرکیف! اب "حضرت عارفیؒ نمبر" آپ کے سامنے ہے، یہ حضرت والاؒ کے اندازِ زندگی اور آپکے مذاقِ زیست کے مختلف پہلوؤں کا ایک رنگا رنگ گلدستہ ہے جس کی لطیف اور پاکیزہ خوشبو انشاء اللہ مشامِ جان کو معطر کریگی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حضرتؒ کے نقشِ قدم پر چلنے اور حضرتؒ کی تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں آمین۔

محمد تقی عثمانی

۱۳ ربیع الثانی ۱۴۰۷ھ

جناب حسن عباس صاحب

حالاتِ زندگی

ہمارے آباؤ اجداد عرب سے ہمایوں بادشاہ کے زمانہ میں ہندوستان آئے تھے اور قاضی القضاۃ کے منصب پر فائز تھے۔ ضلع اٹاوہ کے ایک دیہات اکبر پور میں آباد تھے۔ مورثِ اعلیٰ قاضی علاؤالدین عربی صدیقیؒ اسی زمانہ میں تھے۔ انکے کئی پشتوں بعد ہمارے والد صاحبؒ کے دادا حضرت مولوی کاظم حسین تھے۔ ایک دوسرا خاندان جو ہمارے خاندان سے مدغم ہوا انکے جد امجد مولوی فرخ حسین تھے، انکے صاحبزادے مولوی نادر حسین صاحب والد صاحب کے دادا مولوی کاظم حسین صاحب کے پھوپا تھے۔ یہ دونوں خاندان ضلع اٹاوہ میں قیام پذیر تھے۔

ریاست کدورہ باؤنی بندیلکھنڈ یوپی میں ضلع جھانسی کے حلقہ میں ہے۔ غدر سے قبل نواب ریاست نے شاہ اودھ سے ایک قابل وزیر کی ضرورت ظاہر کی جس پر ہاشمی خاندان سے حضرت مولوی فرخ حسین منتخب کرکے بھیجے گئے۔ انہیں بزرگ کے ساتھ ہمارے جدامجد مولوی ناظم حسین صاحب اٹاوہ سے کدورہ چلے گئے اور وہیں دونوں خاندان آباد ہوگئے۔ مولوی ناظم حسین حضرت شاہ ابوالخیر قدس سرّ العزیز سے بیعت تھے اور شاید خلافت بھی مل گئی تھی۔ حضرت کاظم حسین صاحب تاریخ گوئی میں

ماہر تھے اور ایک اچھے شاعر بھی تھے، دونوں کا مجموعہ ”نشیدِ کاظم“ میں شائع ہوا، ۱۹۱۳ء میں دونوں خاندان کدورہ سے کالپی منتقل ہو گئے اور وہاں ۱۹۲۲ء تک آباد رہے لیکن یہ مرکزیت ۱۹۲۲ء کے بعد منتشر ہو گئی۔ زیادہ تر لوگ کانپور جا کر مقیم ہو گئے اور کچھ بسلسلۂ ملازمت مختلف مقامات پر چلے گئے۔ ہمارے دادا صاحب کا نام مولوی علی عباس تھا شروع میں نواب کدورہ جناب ریاض الحق صاحب مرحوم کے سکریٹری تھے۔ بعد میں کانپور میں کسی اسکول میں ماسٹر ہو گئے تھے اور مئی ۱۹۳۹ء میں فجر کی اذان کے ساتھ انتقال فرمایا۔

والد صاحب کی پیدائش ریاست کدورہ میں بروز سہ شنبہ بتاریخ ۸ محرم الحرام ۱۳۱۶ھ فجر ہشتم محرم مطابق جون ۱۸۹۸ء میں ہوئی۔ بچپن ہی سے والد صاحبؒ اپنے دادا مولوی ناظم حسینؒ کی زیر تربیت رہے۔

۱۹۰۴ء میں کلام پاک کے علاوہ عربی صرف اور فارسی کی کتابیں پڑھانا شروع کی گئیں ۱۹۰۸ء میں انگریزی اسکول کے درجہ سوئم میں داخلہ لیا۔ کانپور اور پھر علیگڑھ میں تعلیم حاصل کی اور آخر میں ۱۹۲۶ء میں لکھنؤ یونیورسٹی سے قانون کی ڈگری حاصل کی کچھ عرصہ سہارنپور میں وکالت کر کے ۱۹۲۷ء سے ہردوئی میں باقاعدہ وکالت شروع کی۔

۱۹۳۳ء میں ہمارے نانا صاحب جونپور میں ڈپٹی کلکٹر تھے انہوں نے والد صاحب کو ہردوئی سے جونپور بلا لیا اور وہیں وکالت کرنے کا مشورہ دیا، چنانچہ جولائی ۱۹۳۳ء میں ہردوئی سے جونپور آ گئے اور وکالت شروع کر دی۔

دسمبر ۱۹۳۵ء میں وکالت کا پیشہ ختم کر کے جنوری ۱۹۳۶ء سے ہومیوپیتھک ڈاکٹری کو ذریعہ معاش بنایا۔ یومًا فیومًا کامیابی پیش پیش رہی تمام ضلع اور قرب جوار کے اضلاع میں اللہ جل شانہٗ نے اپنے فضل و کرم سے شہرت عطا فرمائی۔ ہر طرح سے سکون و فراغت کی زندگی عطا فرمائی مکان بنانے کا خیال اور وطن بنانے کا سب سامان موجود تھا۔ وہم و گمان بھی نہ تھا کہ اب جونپور سے کہیں اور بھی جانا ہے اور کیوں جانا ہو سکتا ہے۔ پردۂ غیب سے کچھ اور ہی مقصود تھا۔ جس کا ظہور ہوا اور ۱۹ مئی ۱۹۵۰ء کو مع اہل و عیال ترک جونپور پر مجبور ہوئے اور ۱۳ جون ۱۹۵۰ء کو کراچی آ گئے۔ دوسرے دن سے ماہ رمضان المبارک شروع ہو گیا کچھ روز پرنس روڈ پر خالو ظفر احمد صاحبؒ کے مکان پر قیام رہا اور پھر پیر الٰہی بخش کالونی

میں قیام کیا ۱۹ر اگست ۱۹۵۰ء سے رابسن روڈ پر مطب شروع کیا۔ ۱۹۵۰ء سے ۱۹۵۵ء تک پیر الٰہی بخش کالونی میں قیام رہا، پھر ریڈیو پاکستان کے قریب رتن تلاؤ میں ایک فلیٹ مل گیا جو کہ رابسن روڈ کے مطب اور خالو ظفر احمد صاحبؒ کے مکان واقع برنس روڈ سے قریب تھا، وہاں منتقل ہو گئے

مارچ ۱۹۵۸ء میں ناظم آباد نمبر ۵ میں مکان تعمیر ہوا اور وہیں منتقل ہو گئے یہاں تقریباً روزانہ عصر سے مغرب تک مجلس ہوتی تھی اور روز بروز لوگوں کا رجوع بڑھتا چلا گیا۔

دسمبر ۱۹۶۹ء کو نئے مکان ای ۶۵ بلاک ۴ شمالی ناظم آباد میں منتقل ہو گئے۔ ناظم آباد میں روزانہ بعد عصر مجلس ہوتی تھی۔ اس نئے مکان میں پہلی مجلس ۱۹ر دسمبر ۱۹۶۹ء کو منعقد ہوئی اور احباب فی الدین کو دعوت عصرانہ دی گئی۔ ۲ر جنوری ۱۹۶۹ء بروز جمعہ کو باقاعدہ مجلس شروع ہوئی اور آخری مجلس ۲۱ر مارچ ۱۹۸۶ء کو ہوئی۔ شروع میں روزانہ مجلس ہوتی تھی، پھر ہفتہ میں دو بار جمعرات اور جمعہ۔ بعد میں جمعہ اور پیر کو مجلس منعقد ہونے لگی۔

۱۳ر مارچ ۱۹۶۳ء کو حج کے لئے روانگی ہوئی اور ۲۲ر مئی ۱۹۶۳ء کو واپسی ہوئی۔

اسکے بعد ۲ر مئی ۱۹۶۵ء کو بحری جہاز سے عمرہ کے لئے گئے، ۲ر جون ۱۹۶۵ء کو واپسی ہوئی، دوسرا عمرہ مئی ۱۹۶۷ء میں ادا کیا۔

شمالی ناظم آباد میں قیام کے کچھ عرصہ بعد صرف صبح کے وقت مطب کرتے تھے مطب بیت الاشرف ناظم آباد نمبر ۴ ہی میں رکھا۔ پیر اور جمعہ کو مطب بند رہتا تھا۔ جمعہ کے دن عصر سے مغرب تک عام مجلس ہوتی تھی جبکہ پیر کے روز عصر سے مغرب تک خاص مجلس ہوتی تھی۔ جمعہ کے روز تقریباً چار پانچ سو کا مجمع ہوتا تھا۔ پیر کے روز تقریباً سو ڈیڑھ سو حضرات تشریف لاتے تھے۔

۲۳ر مارچ ۱۹۸۶ء بروز اتوار حسب معمول صبح کے ناشتہ کے بعد مطب تشریف لے گئے۔ راستہ میں کچھ پیٹ میں تکلیف کا ذکر کیا اور اسی روز دار العلوم کورنگی میں بسلسلہ تقریب ختم بخاری شریف جانا تھا۔ اول تو پیٹ کی تکلیف کی وجہ سے ارادہ ملتوی کر دیا لیکن پھر اس خیال سے کہ اس سعادت سے کیوں محروم رہا جائے اُسی تکلیف کی حالت میں دار العلوم تشریف لے گئے۔ لیکن جب تکلیف بڑھ گئی تو بغیر شرکت کئے واپس گھر آگئے۔ جس وقت گھر میں داخل ہوئے میں اندر برآمدہ میں بیٹھا ہوا تھا۔ مجھ سے مخاطب

ہو کر کہنے لگے کہ پیٹ میں بہت تکلیف ہے۔ فوراً لیٹ گئے۔ ہاضمہ کی دوائیں دی گئیں کچھ افاقہ نہیں ہوا تو پڑوس میں ڈاکٹر اظہر حسین صدیقی رہتے ہیں انکو بلوالیا، انہوں نے کچھ دوائیں تجویز کیں لیکن اس کے استعمال سے بھی کوئی افاقہ نہیں ہوا تو رات کے گیارہ بجے ڈاکٹر عبدالحمید صاحب (ڈاکٹر عبدالصمد صاحب مرحوم کے صاحبزادہ) کو بلایا گیا انہوں نے ایک انجکشن دیا جس سے درد میں کمی ہوئی اور سو گئے۔ صبح متلی اور قے شروع ہوگئی اور بیچینی بڑھ گئی۔ غذا اور پانی بالکل نہیں لے رہے تھے اس لئے گلوکوز کی DRiP لگائی گئی۔ گذشتہ ہفتہ مسلسل پانچ روزہ رکھے تھے اس لئے کمزوری اور پانی کی کمی ہوگئی تھی۔ مشورہ کیلئے ڈاکٹر سعید اختر زیدی۔ ڈاکٹر جمیل۔ پروفیسر نذیر چوہدھری کو بھی بلایا گیا اور ڈاکٹر نذیر چوہدھری کے مشورے سے سرجن حمید کو بھی بلایا۔ ڈاکٹر محمد الیاس صاحب جو کہ والد صاحب کے خلفاء میں سے ہیں شروع سے تیمارداری میں مصروف تھے اور انہیں کے مشورہ سے ڈاکٹروں سے رجوع کیا جارہا تھا وہ خود بھی ڈاکٹروں سے مشورہ کر رہے تھے۔ خون کا TEST ہوا تو معلوم ہوا BLOO DUREA بہت بڑھ گیا ہے۔ اس کے لئے کافی دوائیں دی گئیں لیکن کوئی افاقہ نہیں ہوا۔ تکلیف بڑھتی گئی۔ پیشاب پیخانہ بھی برائے نام ہو رہا تھا۔ ۲۶ر مارچ کی صبح سب ڈاکٹروں کا مشورہ ہوا کہ اسپتال میں داخل کیا جائے لیکن والد صاحب نے نصیحت فرمائی تھی کہ خواہ کیسی ہی حالت ہو جائے ہرگز ہسپتال میں داخل نہ کرنا لیکن بدرجۂ اشد ضرورت اور مجبوری ہسپتال لے گئے۔ ناظم آباد ۲ میں المرتضیٰ ہسپتال میں ڈاکٹر الیاس صاحب کے مشورہ سے داخل کیا گیا کیونکہ وہاں کے ڈاکٹر قمر سے خصوصی تعلقات ہیں اور ہر طرح کی سہولتیں مہیا ہو سکتی تھیں، ہم لوگ و دیگر اعزہ واحباب برابر ہسپتال آتے جاتے رہے۔ والدہ صاحبہ کی تقویت کی وجہ سے ہم لوگوں کو گھر پر رہنا پڑا۔ ہسپتال میں لوگوں کا ہجوم رہا لیکن کمرے میں جانے کی اجازت نہ تھی۔ والد صاحب کے خاص تعلق رکھنے والے سید ممتاز علی کمرے میں جم کر رہ گئے اور بضد تھے کہ وہ ہر وقت خدمت میں لگے رہیں گے۔ انکو بہت منع کیا لیکن وہ نہ مانے، ہم لوگوں کو ٹھہرنے ہی نہ دیتے تھے۔ بلاکسی تکان کے مسلسل خدمت میں لگے رہے، اللہ تعالیٰ انکو جزائے خیر دے اور درجات بلند کرے۔ انہوں نے حق محبت ادا کر دیا کیوں کہ سید ممتاز علی وہاں موجود رہے اور انہوں نے آخری لمحات کے حالات بڑی محبت سے قلم بند کئے ہیں اس لئے میں انہی کی تحریر پیش کر رہا ہوں۔

مرضِ وفات کے حالات بزبانِ ممتاز علی صاحب

ہسپتال جاتے ہی ڈاکٹر حضرات نے حضرتؒ کو آکسیجن دینا شروع کر دی۔ دوپہر کے تقریباً دس بجے تھے اس وقت کمرے میں ڈاکٹر الیاس صاحب اور ڈاکٹر حبیب الحق صاحب موجود تھے۔ حضرت والاؒ مجھ سے بار بار فرماتے تھے کہ بھئی، تم آرام کرلو، اللہ اکبر! اتنی بیماری میں بھی اپنے خدام کا اس قدر خیال تھا۔ میں نے کہا حضرتؒ! میں بالکل آرام سے ہوں آپ فکر نہ فرمائیں۔ تھوڑی دیر بعد حضرتؒ نے فرمایا، بھئی! یہ ہسپتال کہاں واقع ہے۔ میں نے کہا حضرتؒ ناظم آباد میں ڈاکٹر جمیل صاحب کے گھر کے پیچھے فرمانے لگے "اچھا جامع مسجد کے پیچھے؟ میں نے کہا بالکل درست، پھر فرمانے لگے کیا بارہ بجے ہیں: میرے پاس گھڑی نہ تھی، ڈاکٹر الیاس صاحب نے دیکھا تو واقعی پورے بارہ ہی بجے تھے، الحمد للہ حضرت والاؒ چہرے سے بالکل مطمئن نظر آتے تھے اور ہوش وحواس کا یہ عالم تھا کہ تمام دوائیوں کی تفصیل خود ڈاکٹر حضرات سے فرمادیا کرتے تھے: کہ بھئی، ہمیں یہ دوائی دی گئی ہیں، اسکا رنگ یہ تھا، نام یہ تھا، پھر یہ انجکشن دیا، اس کا نام یہ تھا وغیرہ وغیرہ، حضرت بڑے ہی پیارے اور معصومانہ انداز میں بار بار فرماتے تھے "میرے اللہ": اسکے بعد پھر غنودگی کے عالم میں ہو جاتے، حضرت والاؒ کو سردی بھی محسوس ہوتی تھی، فرمانے لگے بھئی ہمیں کمبل اڑھادو: میں نے نرس سے کہا کہ بھئی کمبل لادو، حضرتؒ فرمانے لگے "ہم ہسپتال کے کمبل نہیں لیں گے گھر کے چاہییں": میں نے نرس سے کہا "بھئی فی الوقت تو لادو" بہت ہلکی آواز سے کہا تھا، مگر حضرتؒ نے سن لیا اور فرمایا "فی الوقت، ہرگز نہیں" خیر کچھ دیر بعد گھر سے کمبل آگیا:-

حضرتؒ نے چاروں نمازیں یعنی ظہر، عصر، مغرب، عشاء اول وقت میں ادا کیں میں نے کہا حضرتؒ! ابھی کچھ دیر بعد پڑھ لیں، فرمانے لگے نہیں بھئی، نماز اول وقت ہی پڑھنا افضل ہے۔ دوائی انجکشن اور جوس وغیرہ کا سلسلہ چلتا رہا، اس دوران حضرتؒ نے کئی مرتبہ فرمایا کہ بھئی، ہم حاجت کے لئے بیت الخلاء ہو آئیں - حضرت والاؒ اس قدر باہمت تھے کہ اتنی کمزوری کے باوجود بھی کھڑے ہونے کی کوشش فرماتے: تقریباً چار بجے شام کو میں نے حضرتؒ سے کہا، حضرت والاؒ نے احکام میت میں تحریر فرمایا ہے کہ اگر کوئی مریض اپنے لئے دعا کرے تو فرشتے آمین کہتے ہیں" اس پر حضرتؒ نے فرمایا

"ماشاءاللہ"، اور پھر اسقدر دعائیں فرمائیں کہ ڈاکٹر حضرات بھی کہنے لگے کہ حضرت خاموش رہیں۔ لیکن تھوڑے وقفے کے بعد پھر دعائیں:

یا اللہ مجھے شفاء عطاء فرمائیے، یا اللہ میرے تمام دوست احباب عزیز و اقارب پر رحمتیں نازل فرمائیے، انہیں عافیت کاملہ عطا فرمائیے رزقِ حلال عطاء فرمائیے۔ طیب روزی عطا فرمائیے انکے رزق میں برکت عطا فرمائیے، یا اللہ اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے طفیل سے انکو تمام برائیوں سے محفوظ فرمائیے۔

ربنا ولا تحملنا مالا طاقة لنا به واعف عنا واغفرلنا وارحمنا انت مولانا فانصرنا على القوم الكافرين ۰

یا اللہ دوائی میں تاثیر عطاء فرمائیے،

اور یہ دعاؤں کا سلسلہ آخر دم تک جاری رہا:

عصر کی نماز کے بعد حضرت والاؒ کے خدام بہت زیادہ تعداد میں آرہے تھے ہر ایک اپنے پیر و مرشد اور نہایت شفیق اور محبت کرنے والے شیخ کے لیے بے قرار تھا، ہسپتال کے کمرے کی کھڑکی جو باہر لان کی جانب تھی تمام خدام اس کھڑکی سے حضرت والاؒ کی زیارت کر رہے تھے، میں نے کہا "حضرتؒ! تمام لوگ آپ کے لئے .... دعائیں کر رہے ہیں اور ڈاکٹر حضرات بھی کہہ رہے ہے کہ انشاءاللہ تعالیٰ کل صبح تک تمہارے شیخ اپنے پیروں سے چل کر جائیں گے اس لئے تمام لوگ اور بھی مطمئن ہیں": اس پر حضرتؒ نے فرمایا "انشاءاللہ تعالیٰ": حضرت والاؒ نے جب سنا کہ بہت سے حضرات کھڑے ہوئے ہیں تو فرمانے لگے کہ "بھئی انہیں بٹھا دیا جائے" پھر حضرت والاؒ نے ایک ایک کے نام دریافت فرمایا، میں نے تمام حضرات جو وہاں موجود تھے انکا نام بتایا اور سب کے لئے نام لے کر بے انتہا دعائیں فرماتے رہے۔ حضرتؒ نے معمولی جنبش کے ساتھ اپنے چہرے کو ان تمام حضرات کی جانب کر دیا اور فرمانے لگے کہ "بھئی یہ لوگ بیٹھ جائیں، آپ زحمت نہ کریں، اپنے اپنے کام میں لگیں، وقت ضائع نہ کریں، وقت بہت قیمتی ہے، اور ان تمام حضرات کا ہماری طرف سے شکریہ ادا کر دینا اور تمام ڈاکٹر حضرات کا بھی" کچھ دیر بعد مغرب کا وقت ہوگیا: حضرتؒ نے فرمایا: "لاؤ بھئی پتھر دے دو تاکہ ہم وضو کرلیں": اس وقت پتھر یا کوئی

بھی چیز موجود نہ تھی میں بالکل حواس باختہ ہو گیا، کبھی ادھر جاتا ہوں کبھی اُدھر، حضرتؒ کی ذہانت کا یہ عالم تھا فرمانے لگے "بھئی پریشان نہ ہو، ہمارا بستر تھوڑا آگے کر دو دیوار سے تیمم کر لیں گے"۔ خیر اس وقت تک پتھر آ چکا تھا، حضرت والاؒ نے تیمم فرمایا وہ تیمم دیکھنے کے قابل تھا: بالکل صحیح تمام ارکان تیمم کے ادا کئے، ہاتھ کو گھمانا مسح کرنا جبکہ ہاتھ میں ڈرپ لگی ہوئی تھی اور مجھے ڈر لگ رہا تھا کہ کہیں تکلیف نہ ہو، بہر حال نماز پوری ادا کی یہاں تک کہ نوافل بھی، اسکے بعد حضرتؒ فرمانے لگے "بھئی ممتاز پڑھو، لا الہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین۔ اشہد ان لا الہ الا اللہ واشہد ان محمدا رسول اللہ۔ اس دوران جناب ڈاکٹر الیاس صاحب تشریف لے آئے، وہ سورۂ واقعہ، سورۂ یٰسین، سورۂ ملک حضرت والاؒ کے کان میں سناتے رہے، حضرتؒ آنکھ بند کئے بڑے ہی اطمینان کے ساتھ سنتے رہے اور ماشاءاللہ فرماتے رہے، پھر اسکے بعد عزیز اقارب باری باری ملنے آتے رہے۔

تھوڑی دیر بعد حضرتؒ فرمانے لگے آج کونسا دن ہے ؟ اس وقت آدم ٹیل صاحب بھی تشریف فرما تھے، انہوں نے فرمایا "حضرت آج بدھ ہے"۔ اس پر حضرتؒ نے فرمایا ماشاءاللہ۔ حضرت والاؒ کے تینوں صاحبزادے، جناب حسن عباس صاحب، جناب احسن عباس صاحب، جناب مستحسن عباس صاحب اور حارث میاں (حضرت کے پوتے) موجود تھے، مجھ سے بار بار فرماتے رہے کہ "بھئی تم آرام کر لو ہم اباجی کے پاس بیٹھ جاتے ہیں لیکن میں نہ مانا اور ان حضرات نے جذبۂ ایثار سے کام لیا اور اس ناکارہ کو آخر وقت تک بیٹھے رہنے دیا، اور یہ حضرات باہر بیٹھے رہے، میں ظہر کی نماز کے بعد سے یہ دیکھ رہا تھا کہ حضرت والاؒ اپنی شہادت کی انگلی کو بار بار اپنے لبوں پر رکھتے تھے جیسے کوئی حیرت زدہ منظر دیکھ رہے ہوں" اور حضرت والاؒ کی طبیعت کچھ بہتر بھی ہو رہی تھی، خیر، عشاء کی نماز کے بعد کیا دیکھتا ہوں کہ حضرتؒ کے سینے میں گھڑ گھڑ کی آواز آ رہی ہے، جس کی وجہ سے حضرت والاؒ کی طبیعت بگڑنے لگی، اس پر میں گھبرا گیا کہ یا اللہ ابھی تو طبیعت بالکل ٹھیک تھی اب کیا ہو گیا۔

پھر حضرت خود بھی بڑے اطمینان سے فرمانے لگے دیکھو بھئی یہ نئی علت اور لگ گئی "شاید بلغم جمع ہو گیا ہے" فوراً ڈاکٹر حضرات کو بلایا، حضرتؒ نے ڈاکٹروں سے فرمایا "اب یہ کیا ہو رہا ہے، اور دیکھو ہمارے جلن بھی ہو رہی ہے" ڈاکٹر قمر نے کہا "حضرتؒ آپ فکر نہ کریں"

حضرتؒ مسکرائے اور فرمانے لگے "ماشاءاللہ بھئی ہم فکر نہ کریں تو پھر کون کرے"؟

لیکن حضرتؒ کی طبیعت بگڑنے لگی اور قے ہونے لگی میں نے کہا "حضرتؒ! آپ قے میرے ہاتھوں میں کر دیں" حضرتؒ نے فرمایا ہرگز نہیں، برتن لاؤ" خیر فوراً برتن منگوایا پھر حضرتؒ نے اس میں بلغم تھوکا، صفائی کا بہت ہی زیادہ خیال تھا، بار بار روئی یا رومال صاف طلب فرماتے، اور پھر حالت بگڑتی رہی، اور حضرتؒ فرماتے "بھئی سانس لینے میں بڑی دشواری ہو رہی ہے" ڈاکٹروں نے آکسیجن لگا دیا لیکن اس سے بھی کوئی فرق نہیں ہوا، پھر اسکے بعد بلغم صاف کرنے کی مشین سے سارا بلغم صاف کر دیا گیا، بہت سارا پانی نکلا، میں نے تمام کپڑے سے صاف کر دیا، حیرت کی بات یہ ہے کہ اس پانی میں معمولی بھی بدبو نہیں تھی، اسکے بعد پھر حضرتؒ فرمانے لگے "پڑھو بھئی لا الٰہ الا انت سبحانک انی کنت من الظلمین"۔ اب سانس میں کچھ آرام تھا، حضرتؒ نے فرمایا بڑی جلدی میں بھئی حسن احسن مستحسن اور خورشید کو بلاؤ۔ جلدی بلاؤ، یہ تینوں بھائی فوراً آگئے، حضرت والاؒ نے ان سے فرمایا "جاؤ بھئی آرام کرو فی امان اللہ ...... اور دیکھو اپنی آپا کا خیال رکھنا"۔ اسکے بعد تمام حضرات تشریف لے گئے، اور ڈاکٹر صاحب دل کی مشین لگا کر چلے گئے، اس وقت شاید رات کے دو۲، یا تین۳ بجے ہونگے اس وقت ڈاکٹر طلحہ اور عارف رضا صاحب موجود تھے جو حضرت والاؒ کے قریبی عزیز ہوتے ہیں، میں حضرتؒ کے سرہانے کھڑا حضرتؒ کو غور سے دیکھ رہا تھا اور پڑھتا بھی جاتا تھا، خیر حضرت والاؒ کی طبیعت پر کچھ سکون دیکھکر میں تھوڑی دیر لیٹ گیا، اور میری آنکھ لگ گئی، پھر تھوڑی دیر بعد آنکھ کھلی تو دیکھا کہ ماشاءاللہ حضرت آرام فرما رہے ہیں اور سانس بھی حسبِ معمول صحیح آ رہا ہے کچھ دیر بعد فجر کی اذان ہوگئی دیکھا کہ حضرت والاؒ کے لب اذان کی آواز پر جنبش کر رہے ہیں۔ میں رفع حاجت کے لئے بیت الخلا چلا گیا، جب باہر نکلا تو حضرت والاؒ کے بھانجے شکیل گھبرائے ہوئے آئے اور کہنے لگے "ممتاز بھائی ماموں کی طبیعت بہت زیادہ بگڑ رہی ہے"، میں فوراً بھاگا ہوا کمرے میں داخل ہوا دیکھا ڈاکٹر حضرات حضرت والاؒ کو آکسیجن دے رہیں اور دل سہلا رہے ہیں اس منظر کو دیکھ کر اپنے دل پر قابو نہ رکھ سکا، اور میں زور سے کہنے لگا بھئی یہ تمام چیزیں نہ کرو، ڈاکٹر طلحہ رضا اور عارف رضا صاحب نے مجھے سمجھایا کہ "ممتاز بھائی آپ فکر نہ کریں ابھی ٹھیک ہو جائیں گے لہٰذا مجھے باہر کر دیا گیا۔

پانچ منٹ بعد میں پھر اندر گیا تو حضرت والاؒ کی آواز آ رہی تھی اور آواز میں کوئی گھبراہٹ نہیں تھی۔ غالباً ہلکے ہلکے کچھ پڑھ رہے تھے۔

اور اسکے فوراً بعد میرے پیارے حضرتؒ اللہ کو پیارے ہو گئے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون [1]

سفر آخرت

۲۶ر مارچ چہارشنبہ کا دن خیریت ہی گزرا تھا ڈاکٹروں نے اطمینان دلایا تھا کہ انشاءاللہ تین روز میں بالکل ٹھیک ہو جائیں گے، ۲۷ر مارچ تقریباً ۲ بجے صبح ہسپتال سے مستحسن کا فون آیا کہ حالت ٹھیک نہیں ہے، ہم لوگ حماد ماموں، زاہد ماموں، نسیم دادا صاحب و دیگر اعزہ فوراً ہسپتال پہنچ گئے، کچھ دیر بعد طبیعت سنبھل گئی، میرا ارادہ تھا کہ ٹھہر جاؤں لیکن ڈاکٹروں نے اطمینان دلایا کہ اب آرام ہو گیا ہے، انشاءاللہ صبح تک بالکل ٹھیک ہو جائیں گے۔ ڈاکٹر الیاس صاحب بھی مطمئن تھے۔ والدہ صاحبہ کی پریشانی کی وجہ سے اور اس نیت سے کہ صبح سید ممتاز علی کو آرام کے لئے بھیج کر ہم لوگ ہسپتال میں ٹھہر جائیں گے، لیکن مشیت خداوندی کچھ اور تھی، میں صبح جلدی اٹھ گیا اور ارادہ کیا کہ بجائے مسجد میں فجر کی نماز جلد از جلد گھر پر ادا کر کے ہسپتال روانہ ہو جاؤں ابھی سنتیں ہی پڑھی تھیں کہ ہسپتال سے شاید مستحسن کا فون آیا کہ فوراً آ جاؤ حالت خراب ہے۔ جلدی سے فرض پڑھ کر ہسپتال کے لئے روانہ ہو گیا۔ حماد ماموں، زاہد ماموں، حارث، نسیم دادا...... یہ سب لوگ بھی پہونچ گئے، ڈاکٹر مسلسل کوشش میں لگے تھے لیکن فجر کی اذان کے ساتھ اس عالم فانی سے اپنے تمام فرائض اور ذمہ داریوں سے بطریق احسن سبکدوش ہو کر رفیق اعلیٰ سے جا ملے اور اپنے پس ماندگان اور خدام تشنہ کام کو ہمیشہ کے لئے جمال جہاں آرا سے محروم کر گئے، مگر انشاءاللہ تعالیٰ والد صاحبؒ کے انوار و برکات و فیوض روحانی ہمیشہ جاری و ساری رہیں گے اور جن لوگوں کے قلوب پر والد صاحب کی نظر کیمیا اثر پڑ چکی ہے۔ انشاءاللہ تعالیٰ ہمیشہ انکے دل

---

[1] یہاں ممتاز علی صاحب کا بیان ختم ہو گیا، آگے جناب حسن عباس صاحب کا مضمون دوبارہ شروع ہو رہا ہے۔

میں نسبت باطنی سے دریا موجزن رہیں گے، بقول حضرت خواجہ صاحبؒ ؎

ہرگز نہ میرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

؎

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد
روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

میت کو مکان پر لایا گیا۔ تجہیز و تکفین کے انتظامات جناب برادرم محمد کلیم صاحب نے اپنے ذمہ لئے۔ اعزہ احباب کو فون کے ذریعہ مطلع کرنے کا اہتمام کیا گیا۔ ریڈیو پاکستان نے ۸ بجے سے اپنی نشریات میں اعلان شروع کر دیا۔ جلد ہی لوگوں کی آمد کا تانتا لگ گیا۔ تقریبًا ۹ بجے جنرل ضیاء الحق صدر پاکستان کا فون آیا انہوں نے مجھ سے دریافت کیا کہ کس وقت نمازِ جنازہ اور تدفین ہوگی۔ میں نے کہا کہ ۴ بجے شام کا وقت مقرر ہوا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ وہ اپنے پروگرام منسوخ کر کے ۴½ بجے تک پہونچیں گے۔

والد صاحبؒ کا وصیت نامہ تلاش کیا گیا جس میں انہوں نے تفصیلی وصیت فرمائی تھی کہ غسل کیسے دیا جائے کفن میں کیا اہتمام کئے جائیں۔ مولوی مفتی محمد رفیع عثمانی، مولوی مفتی محمد تقی عثمانی کی معیت میں محمد کلیم صاحب، محمد ہارون صاحب اور بعض دیگر خدام نے بڑے اہتمام کے ساتھ غسل دیا اور کفن پہنایا۔

نمازِ جنازہ پڑھانے اور دفنانے سے متعلق کوئی وصیت نہ تھی۔ ہم سب بھائیوں اور بزرگوں کے مشورہ سے یہ طے پایا کہ نمازِ جنازہ مولانا رفیع صاحب یا مولانا تقی صاحب پڑھائیں اور دارالعلوم کراچی کے قبرستان میں حضرت مفتی اعظم محمد شفیع صاحبؒ کے قریب ہی آخری آرام گاہ ہو۔ شام کے ۴ بجے نمازِ جنازہ بھی وہیں پڑھائی جائے۔ گو ریڈیو سے برابر اعلان ہو رہا تھا پھر بھی بہت سے حضرات کو اطلاع نہ مل سکی۔

ٹھیک تین بجے سہ پہر کو جنازہ اٹھا۔ کندھوں پر حیدری مارکیٹ کے قریب تک لے گئے جہاں روڈ پر آٹھ بسوں کا انتظام تھا بسوں کے علاوہ سو ڈیڑھ سو کاریں بھی تھیں۔ کندھا دینا مشکل ہو گیا

لوگ والہانہ ٹوٹ رہے تھے ہر شخص کندھا دینے کے لئے کوشش میں تھا اور جو وہاں تک پہنچ جاتا چھوڑنا نہیں چاہتا تھا۔ جنازہ کا قافلہ روانہ ہوا ٹریفک پولیس نے معقول انتظام کیا تھا کہ راستہ میں کہیں رکاوٹ نہ ہو۔ ایک ٹریفک انسپکٹر موٹر سائیکل پر میت بس کے آگے آگے راستہ کو صاف کرتا ہوا جا رہا تھا۔ ہر چوراہے پر ٹریفک کو پہلے سے ہی روک دیا جاتا۔ ہمارا قافلہ بغیر کہیں رُکے ہوئے نہایت آرام سے ۴ بجے کورنگی کے دارالعلوم پہونچ گیا۔ وہاں لوگوں کا ایک ہجوم پہلے سے موجود تھا۔ وہاں کندھا دینے کے لئے بانس باندھ دیئے گئے تھے پھر بھی اکثر لوگوں کو موقع نہ مل سکا۔ ساڑھے چار بجے صدر ضیاء الحق صاحب بھی تشریف لے آئے، مولانا مفتی جسٹس تقی عثمانی صاحب نے نمازِ جنازہ کی امامت کی۔ صدر صاحب کے ساتھ گورنر سندھ جنرل جہانداد صاحب بھی تشریف لائے۔

تدفین تقریباً ۵ بجے ہوئی اس کے بعد نمازِ عصر دارالعلوم کی مسجد میں ادا کی۔ حضرت مفتی محمد رفیع صاحب اور مفتی محمد تقی صاحب نے کھانے کا انتظام کیا تھا اس لئے ہم لوگ رک گئے۔ تقریباً عشاء کے وقت گھر واپس پہنچے۔

دوسرے دن صبح کافی تعداد میں لوگ تعزیت کے لئے آئے۔ جناب محمد خان جونیجو وزیرِ اعظم پاکستان۔ جناب غوث علی شاہ وزیرِ اعلیٰ سندھ انکے ساتھ کمشنر کراچی جناب سردار صاحب و ڈپٹی کمشنر بھی تھے۔ جنگ و جسارت اخبار نے پہلے صفحہ پر جلی حروف میں خبر شائع کی ڈان نے بھی پہلے صفحہ پر خبر شائع کی۔ ریڈیو اور ٹی وی پر خبریں نشر ہوئیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ "المبطونُ شہیدٌ" یعنی جو پیٹ کی بیماری میں وفات پائے شہید ہوتا ہے۔ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کا انتقال بھی اسی عارضہ اسہال میں ہوا تھا۔

حضرت حکیم الامتؒ کے انتقال کے بعد حضرت مولانا مسیح اللہ صاحبؒ مدرس مدرسہ جلال آباد نے جو حضرت کے مخصوص خلفاء میں سے ہیں دوسری شب میں خواب دیکھا تھا کہ حضرتؒ نے فرمایا کہ میں زندہ ہوں مجھے مردہ نہ سمجھنا جس طرح زندگی میں فیض حاصل کرتے تھے اسی طرح اب بھی کرنا اور اللہ تعالیٰ نے مجھ کو مقام شہداء عطا فرمایا ہے۔

حضرت والد صاحبؒ کے انتقال کے چند روز بعد میری خالہ صاحبہ نے خواب دیکھا کہ آپ گھر میں تشریف فرما ہیں اور چل پھر رہے ہیں بچوں سے باتیں کر رہے ہیں۔ مجھے خیال ہوا کہ کوئی جاکر حماد (ماموں صاحب) کو بلا لائے تاکہ وہ بھی مل لیں۔ پھر میں نے آپ سے دریافت کیا کہ آپ تو انتقال فرما گئے ہیں کیسے تشریف لے آئے فرمایا کہ اجازت مل گئی، پھر آنکھ کھل گئی۔

والد صاحب کا نکاح ۲۴ر دسمبر ۱۹۲۴ء کو پھوپی زاد بہن سے ہوا تھا۔ سید علی سجاد صاحبؒ والد صاحبؒ کے خسر اور پھوپا تھے۔ اولاد میں چھ لڑکے ہوئے تین کا انتقال کمسنی میں ہو گیا تھا۔ تین لڑکے اور اہلیہ بقیدِ حیات ہیں۔

والد صاحبؒ نے بہت تفصیلی وصیت نامہ تحریر فرمایا ہے جس میں تمام حساب اور ترکہ کے متعلق ہدایات درج ہیں۔ اسکے علاوہ اولاد کو اور بہت سی وصیتیں کی ہیں جو کہ عام لوگوں کے لئے بھی بہت مفید ہیں۔ انکو میں آئندہ صفحات میں نقل کر رہا ہوں۔

معمولاتِ زندگی

گھریلو زندگی نہایت سادہ تھی، سنت پر عمل کا خاص اہتمام تھا۔ شب و روز بہت مصروفیت میں گذرتے تھے۔ آرام کا وقت بہت کم ملتا تھا، صبح تہجد میں اٹھنے کے بعد بھوک لگتی تھی اس لئے کچھ بسکٹ اور ایک پیالی چاء پینے کا معمول تھا۔ چاء بنانے کی سعادت مجھے نصیب تھی۔ فجر کی نماز پڑھ کر کچھ دیر آرام فرماتے تھے۔ پھر اُٹھ کر قرآن شریف کی تلاوت اور اشراق کی نماز کے بعد ناشتہ کرتے تھے اور تقریباً ۸½ بجے مستحسن سلمہٗ کے ساتھ مطب تشریف لے جاتے تھے۔ مطب میں کچھ احباب تشریف لاتے تھے اس لئے وہاں بھی روحانی علاج ہوتا تھا اسکے بعد مریضوں کو دیکھتے تھے۔ واپسی میں شمالی ناظم آباد کی مسجد میں نمازِ ظہر خالو ظفر احمد صاحب کے ساتھ ادا کرتے تھے پھر کچھ دیر کے لئے انکے مکان پر ہوتے ہوئے تقریباً ۲½ بجے گھر پہونچتے تھے۔ کھانا کھا کر تھوڑی دیر قیلولہ فرماتے تقریباً ۴ بجے اُٹھ جاتے تھے اور کچھ لکھنے پڑھنے کا کام کرتے تھے عصر کے بعد اکثر لوگ ملاقات کے لئے آجاتے تھے یا پھر لکھنے پڑھنے میں مصروف رہتے تھے یہ سلسلہ عشاء کے وقت تک جاری رہتا خطوط کے

جوابات بھی انہی اوقات میں لکھتے تھے۔ پیر اور جمعہ کو عصر سے مغرب تک مجلس میں .... فرماتے تھے۔ عشاء کے بعد کھانا کھاتے اور پھر یا تو آرام کرتے یا خطوط کے جوابات لکھتے، یا پھر کوئی خاص ملاقاتی احباب یا اعزہ میں سے آگیا تو ان سے گفتگو فرماتے۔ سونے سے پہلے اوراد وظائف کا معمول تھا گھر والوں کو بہت کم وقت ملتا تھا پھر بھی سب کا خیال رکھتے تھے اور پوچھتے رہتے تھے۔ سب سے بے تکلف تھے۔ چھوٹے بچوں سے دلچسپی تھی۔ گھریلو معاملات میں بھی دلچسپی لیتے تھے اور مشورہ دیتے رہتے، ہم لوگوں کو کبھی کبھی ساتھ کھانا کھانے کا موقع مل جایا کرتا تھا، انکی گفتگو زیادہ تر نصیحتوں پر ہوتی۔ شکر کی تلقین تو بہت ہی زیادہ کرتے تھے۔ باوجود ضعیفی کے اپنے بزرگوں کی مزاج پرسی کے لئے اکثر جایا کرتے تھے۔ عیدین میں تو اہتمام سے اپنے بزرگوں سے ملنے ضرور جاتے تھے۔ نانا صاحب (سید علی سجاد صاحب مرحوم) کی بیماری کے زمانہ میں معمول بنالیا تھا کہ عصر کے بعد ایک گھنٹہ انکے گھر پر جاکر بیٹھا کرتے تھے۔ وقت کی پابندی اور معمولات کا اہتمام ہمیشہ رہا، فرمایا کرتے تھے کہ وقت کو اپنا تابع کرلو تو وقت تمہارا تابع ہوجائے گا اور کاموں میں برکت ہوجائے گی ارادہ اور ہمت سے بڑے بڑے کام ہوجاتے ہیں۔ فرمایا کرتے تھے کہ جب آنکھ کھلتی ہے تو بغیر سوچے اُٹھ بیٹھتا ہوں۔ ایک مرتبہ بخار تھا اور کافی نقاہت تھی تہجد میں حسبِ معمول آنکھ کھل گئی تو اٹھ کر بیٹھ گئے والدہؒ صاحبہ نے فرمایا کہ آج تہجد ناغہ کردیجئے جو نفل ہے اور اس حالت میں ناغہ ہوسکتا ہے۔ والد صاحبؒ نے جواب میں فرمایا کہ ٹھیک ہے تیمم کرکے بستر پر بیٹھ کر دو رکعت پڑھ لیتا ہوں تاکہ نام لکھ دیا جائے اور ناغہ نہ ہو۔ پھر خیال ہوا کہ غسل خانہ قریب ہے استنجہ کے لئے چلے گئے۔ واپس آکر فرمایا کھڑا تو ہو ہی گیا ہوں کیوں نہ نماز کھڑے ہوکر پڑھ لوں۔ چنانچہ نماز کھڑے ہوکر ادا کی بیماری کے علاوہ کبھی بیٹھ کر نماز پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا۔

رمضان المبارک میں مجلس کا سلسلہ منقطع رہتا۔ روزانہ عصر کی نماز مسجد میں ادا کرنے کے بعد مسجد میں مغرب تک تشریف رکھتے۔ قرآن مجید کی تلاوت کرتے رہتے یا اور کوئی وظیفہ پڑھتے۔ افطار سے چند منٹ قبل دعا مانگتے جس میں وہاں موجود حضرات بھی شریک ہوتے۔ افطار مسجد میں احباب کے ساتھ کرتے پھر نماز مغرب سے فارغ ہوکر مکان تشریف لاتے۔ کھانا تناول فرماکر

تراویح سے قبل کچھ دیر آرام کرتے۔ پڑھنے لکھنے کا بچپن سے شوق تھا۔ شاعری طالب علمی کے زمانہ سے ہی شروع کر دی تھی۔ وکالت کے ترک کرنے کے بعد جب ہومیوپیتھک کی پریکٹس کا ارادہ کیا تو بہت کتابوں کا مطالعہ کیا۔ اور دوران پریکٹس کئی کتابیں لکھیں۔ ساتھ ساتھ علوم دینی کی طرف طبیعت راغب ہوئی تو حضرت مجدد ملت مولانا محمد اشرف علی قدس سرہٗ کی تصانیف اور وعظوں کا مطالعہ کثرت سے کیا اور پھر آخر عمر میں متعدد کتابیں لکھیں۔

شاعری میں کافی عبور حاصل کیا۔ کلام کا مجموعہ "صہبائے سخن" کے نام سے چھپا۔ جس پر نیاز فتح پوری، حضرت بابا نجم احسن صاحبؒ اور مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہٗ العزیز نے تقریظ لکھی۔ اور بعد میں مولانا علی ندوی صاحب نے ایک تعریفی خط لکھا ہے جو انشاء اللہ نئے ایڈیشن میں شائع ہوگا۔

پنسل قلم اور گھڑیاں جمع کرنے کا شوق تھا۔ طرح طرح کے قلم اور گھڑیاں اکٹھا کرتے تھے جو کہ چند سالوں سے تقسیم کرنا شروع کر دی تھیں۔ ایک صاحب کو قلم دیتے ہوئے فرمایا کہ اب اس کا کام ختم ہو گیا ہے۔ اور گھڑی کا شوق تھا تو اب وقت بھی پورا ہو گیا ہے۔

کتابیں جمع کرنے کا بہت شوق تھا۔ ایک چھوٹی سی لائبریری بنائی تھی جس کے لئے وصیت فرما گئے ہیں کہ اولاد در اولاد اسکو قائم رکھا جائے۔

ایسا معلوم ہوتا تھا کہ شفقت اور محبت اپنے اوپر لازم کر لی تھی ہر شخص یہی سمجھتا تھا کہ سب سے زیادہ اس سے محبت فرماتے تھے۔ ہر تعلق رکھنے والے کے لئے خصوصی دعائیں مانگتے تھے اور سونے سے قبل اپنے احباب اور متعلقین کے گھروں کا حصار کرتے تھے۔

وصیت میں ایک جگہ ارشاد فرمایا ہے کہ: مجھ کو اللہ تعالیٰ نے ظاہر و باطن کی بہت سی نعمتیں عطا فرمائی ہیں۔ دین و دنیا کی فلاح و صلاح عطا فرمائی ہیں۔ زندگی کے تمام معاملات میں اللہ تعالیٰ سے رجوع اور شریعت کے مطابق عمل عادتِ ثانیہ بن گیا تھا، اس سلسلے کی دو عجیب و غریب سبق آموز واقعات خود میرے ساتھ پیش آئے جن سے حضرتِ والد صاحبؒ کے مقامِ بلند کا کچھ اندازہ کیا جا سکتا ہے:۔

۱۔۔۔ یہ ۱۹۵۷ء کا واقعہ ہے کہ ملازمت کی تلاش میں تھا۔ اس زمانہ میں حکومتِ پاکستان کے ایک

سکریٹری صاحب والد صاحبؒ کے پاس آیا کرتے تھے۔ والد صاحبؒ نے ان سے میری ملازمت کے لئے کہا اور یہ بھی فرمایا کہ "یہ کام میں نے اپ کے سپرد کر دیا"۔ اسکے بعد میں ان صاحب سے ملا اور انہوں نے میرے سامنے ایک بڑے ادارے کے چیئرمین کو فون کیا۔ ظاہر ہے کہ سکریٹری کا فون کرنا ہی کافی تھا۔ انہوں نے ملازمت ملنے کا پورا یقین دلایا۔ والد صاحبؒ کو خیال ہوا کہ انہوں سے بہت غلط بات کی کہ کہدیا کہ آپ کے سپرد کیا۔ سپرد تو اللہ تعالیٰ کے کرنا چاہیئے۔ اس کا ذکر حضرت مفتی صاحبؒ سے کیا تو انہوں نے تسلی دی کہ آپ نے یہ بات محض محاورۃً کہدی ہوگی، لیکن والد صاحبؒ کو تسکین نہ ہوئی اور پھر استغفار کیا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ یہ ملازمت نہ ملے چنانچہ باوجود اتنی بڑی سفارش کے وہ ملازمت مجھے نہ ملی اور کچھ روز بعد اس سے بہتر ملازمت بغیر سفارش کے دوسری جگہ مل گئی۔

۲ ـــــ بیت الاشرف نمبر ۵ ناظم آباد میں قیام تھا مطب رابسن روڈ پر کرتے تھے۔ روزانہ صبح میرے ساتھ مطب جاتے تھے۔ مطب میرے آفس کے راستہ میں تھا۔

ایک روز برنز روڈ کے قریب میری موٹر ایک دوسری موٹر سے ٹکرا گئی۔ غلطی میری تھی دونوں موٹروں کو کافی نقصان ہوا۔ پولیس والے رپورٹ لکھنے آئے تو والد صاحبؒ نے بیان میرے خلاف دیا اور صاف صاف بتادیا کہ غلطی انہی کی ہے۔ پولیس انسپکٹر کو تعجب بھی ہوا کہ وہ اپنے بیٹے کے خلاف بیان لکھا رہے تھے، بعد میں میرا اور دوسری موٹر کے مالک کا آپس میں سمجھوتا ہوگیا اور اس طرح سے پولیس سے نجات ملی۔

منجملہ وصایا

ہر نماز پنجگانہ کے بعد۔ آیۃ الکرسی ایک بار۔ تسبیح فاطمہ۔ درود شریف استغفار، نماز اوابین. ۶ رکعت۔ نماز اشراق ۴ رکعت۔ نماز چاشت ۴ رکعت۔ نماز تہجد ۱۲ رکعت۔ معمولاً ۸ رکعت رکھا جائے۔ جب انبساط ہو ۱۲ رکعت جب کوئی عذر طبعی وغیرہ ہو ۴ رکعت ورنہ نماز عشاء کے بعد قبل وتر ۸ رکعت صلوٰۃ اللیل کی نیت سے التزاماً پڑھا جائے۔ یہ نماز بمنزلہ نماز تہجد کے ایک درجہ میں ہو جاتی ہے۔

سورہ فتح بعد نماز ظہر۔ سورہ واقعہ بعد نماز عصر۔ سورہ تبارک الذی بوقت خواب روزانہ

سورۃ کہف بروز جمعہ۔

حسبنا اللہ نعم الوکیل ۳۴۱۔ بعد نماز عشاء یا جس وقت آسانی ہو۔

لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ دو سو بار۔ بوقت فجر یا جب فرصت ہو۔

کثرت ذکر۔ لاالٰہ الا اللہ۔ گاہ گاہ محمد رسول اللہ۔ ہر وقت ہر جگہ۔ عادت ڈال لی جائے۔ استغفار اور درود شریف بھی ہر وقت چلتے پھرتے۔ کثرت سے ورد میں رکھا جائے۔ اہتمام نماز باجماعت۔ مسجد میں پنجگانہ۔

مطالعہ۔ مواعظ۔ ملفوظات۔ مسائل فقہ۔ سبط نبویؐ وغیرہ

حضرت حکیم الامت سے تعلق

حضرت والد صاحب قدس سرہٗ کی سوانح کا اہم ترین مرکزی نقطہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ کے ساتھ آپ کا تعلق ہے۔ کیونکہ خود فرمایا کرتے تھے کہ مجھے جو کچھ ملا ہے، حضرت حکیم الامتؒ ہی کے توسل سے ملا، ــــ حضرت حکیم الامتؒ سے آپ کا تعلق کیسے پیدا ہوا؟ اس کا تذکرہ آپ نے متعدد مجلسوں میں فرمایا، لیکن اب آپ کے کاغذات میں خود آپ ہی کی ایک مفصل تحریر مل گئی جس میں آپ نے اس تعلق کے قائم ہونے کا واقعہ خود بڑی تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ ذیل میں آپ کی یہ تحریر بلفظہٖ پیش خدمت ہے۔

اس تعلق کا واقعہ خود حضرت والد صاحب کے قلم سے

سنہ ۱۹۱۴ء میں پھوپھا علی سجاد صاحبؒ کانپور میں نائب تحصیلدار تھے۔ اور میں اس زمانہ میں انگریزی اسکول کرائسٹ چرچ ہائی اسکول کانپور میں ساتویں درجہ میں تعلیم پا رہا تھا۔ اسی زمانہ میں حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب غوری مدظلہ العالی کانپور میں ڈپٹی کلکٹر تھے۔ ہم لوگ ٹھنڈی سڑک پر نہر کے قریب رہتے تھے اور خواجہ صاحب پریڈ پر بنگلہ میں رہتے تھے۔ روزانہ صبح خواجہ صاحب قبلہ سیر کے لئے ٹھنڈی سڑک تک تشریف لاتے تھے اور پھوپھا صاحب قبلہ کو سڑک پر سے آواز دیتے تھے۔ پھوپھا صاحب قبلہ مکان کے چھجے پر سے خواجہ صاحب قبلہ سے باتیں کیا کرتے تھے۔ میں بھی سنا کرتا تھا، اعلیٰ حضرت قبلہ و کعبہ حکیم الامت شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانویؒ کا ذکر مبارک ہوا کرتا تھا، حضرت خواجہ صاحب قبلہ پھوپھا علی سجاد صاحب قبلہ دونوں علیگڈھ کالج میں ایک ساتھ پڑھتے تھے اور ہم وطن بھی تھے اس لئے آپس میں بے تکلفی بہت کافی تھی۔ جب آپس میں ملاقات ہوتی تھی حضرت مولانا تھانوی ہی کا ذکر ہوتا تھا۔ رفتہ رفتہ پھوپھا صاحب قبلہ پر حضرت مولانا تھانوی قدس سرہٗ کا بہت اثر ہونے لگا۔

میرے دادا صاحب قبلہ تو مولانا ابو الخیر صاحب قبلہ رحؒ سے بیعت تھے۔ حضرت ممدوح حضرت مجدد صاحبؒ کے اولاد میں تھے، دہلی میں محلہ چتلی قبر میں مقیم تھے۔ دادا صاحب قبلہ اکثر انکی خدمت میں حاضری کے لئے تشریف لے جایا کرتے تھے۔ پھوپا علی سجاد صاحب قبلہ کے والد بزرگوار خان بہادر منشی سید رضا حسین صاحب میرے والد صاحب قبلہ کے حقیقی ماموں تھے یہ حضرت مولانا احسان الحق صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے۔ حضرت شاہ احسان الحق صاحبؒ حضرت شاہ غلام رسول صاحب قدس سرہٗ العزیز رسول نما کے صاحبزادہ ہیں۔ کانپور بیکن گنج میں انہیں کی خانقاہ مشہور ہے، اس خانقاہ سے ہم لوگوں کو بہت عقیدت تھی۔ اس لئے جب حضرت مولانا تھانوی کا چرچا گھر میں ہونے لگا تو تمام اعزار بہت مخالف ہوگئے۔ اور طرح طرح کے اعتراضات شروع ہوگئے، لیکن خواجہ صاحب قبلہ مدظلہ کے ذریعہ سے روز بروز حضرت مولانا تھانویؒ کی تصانیف کا ہمارے خاندان میں زیادہ اضافہ ہوتا گیا، خصوصًا بہشتی زیور اور حضرتؒ کے مواعظ بہت پڑھے جانے لگے۔ ۱۹۱۶ء میں پھوپھا صاحب قبلہ مچھلی شہر میں تحصیلدار تھے اور ۲۰ء تک وہاں رہے آخر ۱۷ء میں حضرت مولانا تھانویؒ مچھلی شہر تشریف لے گئے وہاں سے واپسی پر پھوپا صاحب قبلہ حضرت والا کو کالپی بھی ساتھ لائے۔ اس زمانہ میں ہمارا سارا خاندان کالپی میں مقیم تھا۔ گویا ایک طرح سے وطنی حالت تھی۔ حضرت مولانا تھانویؒ جس وقت کالپی تشریف لائے تھے اس وقت تمام اعزہ حسن اتفاق سے جمع تھے۔ دسمبر کی آخری تاریخ تھی۔ ہم لوگوں نے گویا پہلی بار اُس دن حضرت مولانا کی زیارت کی۔ مجھ پر حضرت والا کی طرف بڑی کشش اور بڑی عقیدت محسوس ہوتی تھی حالانکہ اس وقت میری عمر بیس سال کی تھی اور میں کچھ زیادہ واقف بھی نہ تھا کہ بزرگ کیسے ہوتے ہیں اور ان سے کیا تعلق رکھا جاتا ہے۔ میں نے سب سے پہلی نماز مغرب کی اس روز حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کے پیچھے پڑھی۔ میں کہہ نہیں سکتا کہ اس وقت میرے قلب کی کیا حالت تھی، سراپا شوق اور ہمہ تن وارفتگی کی سی حالت تھی دوسرے روز صبح یعنی یکم جنوری ۱۹۱۸ء کو ہمارے دادا صاحب کاظم حسین صاحب قبلہ رحؒ کے مکان پر صبح نماز فجر کے بعد حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کا وعظ ہوا۔ اس وعظ کا نام الکاف ہے

دادی صاحبہ محترمہ مدظلہ حضرت قبلہ مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوئیں۔

دادا صاحب قبلہ نے حضرت سے عرض کیا کہ اسکی بڑی تمنا تھی کہ حضرت سے بیعت ہوں مگر مقام دوری کی وجہ سے کوئی امید نظر نہیں آتی تھی کہ یہ آرزو مستقبل قریب میں پوری ہو سکے گی اللہ تعالیٰ نے اسکی دُعا قبول فرمائی اور ایسا انتظام فرمایا کہ حضرت خود یہاں تشریف لے آئے آپکی آرزو پوری ہو گئی اور تو مرید ہوتے ہیں وہ مراد ہیں۔ گھر میں اور بھی بہت عورتیں اور لڑکیاں مرید ہوئیں۔ مردوں میں بھی دو ایک لوگ مرید ہوئے، اسی روز مغرب کے قریب حضرت والا قدس سرہ العزیز۔ دادا صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ملنے کے لئے اپنے جائے قیام سے تشریف لائے حضرت قبلہ جہاں تشریف رکھتے تھے انکے سامنے ہی دادا صاحب قبلہ بیٹھے ہوئے تھے اور دادا صاحب قبلہ کے پیچھے حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب قبلہ مدظلہ بیٹھے ہوئے تھے، ایک دفعہ گبھرا کر دادا صاحب قبلہ نے فرمایا کہ خواجہ صاحب کہاں تشریف رکھتے ہیں دیکھا تو پیچھے بیٹھے ہیں دادا صاحب نے فرمایا کہ مہربانی فرما کر ذرا ہٹ کر بیٹھئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت والا آپ کے قلب کی طرف متوجہ ہیں درمیان میں میرا قلب پڑتا ہے جو اس کا متحمل نہیں ہو سکتا میرے قلب کی حالت دگرگوں ہو رہی ہے۔ دادا صاحب قبلہ پر اس وقت عجیب حالت طاری تھی۔ بڑے ضابط اور متحمل مزاج کے آدمی تھے۔ سنجیدگی اور متانت انتہا سے زیادہ فطرۃً حاصل تھی مگر حضرت والا کی موجودگی نے بالکل بیخود بنا رکھا تھا۔ حضرت والا دیر تک گفتگو فرماتے رہے بعد میں حضرت والاؒ نے فرمایا کہ بڑے صاحب دل ہیں۔ دادا صاحب قبلہ نے حضرت والا سے ملاقات کے لئے کپڑے تبدیل کئے تھے۔ عمامہ۔ اور عبا، وغیرہ زیب تن فرما کر بڑے اہتمام سے ملاقات کے لئے تیار ہوئے تھے۔ اس روز رات بھر دادا صاحب کی عجیب حالت رہی۔ فرماتے تھے کہ رات بھر قلب جاری رہا اور بنِ مو تمام جسم سے ذکر جاری تھا، نیند نہیں آئی۔ اور برابر رقت طاری رہی۔ حضرت والا قدس سرہٗ العزیز کی ملاقات کا دادا صاحب قبلہ پر بہت اثر رہا اور حضرت والا کی تصانیف برابر مطالعہ میں رکھتے تھے۔ آخر وقت تک اسی مطالعہ کا ذوق و شوق رہا۔ دادا صاحب کا اسی سال ۱۶ر نومبر ۱۸ء کو بروز شنبہ انتقال ہوا۔ میں اسی سال انٹر میں پاس ہوا تھا اور دادا صاحب قبلہ نے تعلیم کے لئے علیگڈھ کالج بھیج دیا تھا۔

میں نے حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کے کئی وعظ کانپور میں سنے۔ بڑے بڑے مجمع میں

وعظ ہوتے تھے۔ اسی سال یا آئندہ سال والد صاحب قبلہ بھی حضرت سے بیعت ہو گئے اور رفتہ رفتہ تمام افراد خاندان حضرت سے بیعت ہو گئے۔ اللہ کا شکر ہے کہ ہمارے خاندان کی حالت بہت سنبھل گئی۔ ہم لوگ بدعات میں تو کبھی الحمد للہ مبتلا نہ تھے البتہ چند رسوم ضرور شامل زندگی ہو گئی تھیں۔ مثلاً شب برات وغیرہ کے حلوے، محرم میں مجالس عاشورہ سادی طور پر محض ذکر الشہادتین پڑھ لی جاتی تھی۔ شربت وغیرہ بن جاتا تھا۔ فاتحہ وغیرہ کے لئے کبھی کبھی کھانا پک جاتا۔ بس اس کے علاوہ اور کچھ نہ تھا عقائد ہمیشہ سے ایسے تھے مگر حضرت والا سے تعلق ہو جانے پر متذکرہ باتیں ترک کر دیں گئیں اور دین کا زیادہ اہتمام شروع ہو گیا۔ الحمد للہ علی احسانہ میں جب تک علیگڈھ میں پڑھتا رہا ہر سال امتحان میں کامیابی کے لئے حضرت والا کو خط لکھا کرتا تھا۔ جس سال بی۔ اے کا امتحان دیا ہے اُس سال بھی دعا کے لئے خط لکھا تھا اس سال میں ناکامیاب رہا۔ پھر علیگڈھ کالج پڑھنے کے لئے گیا۔ اس سال حضرت قبلہ بھی اپنے خاص مرید شفاعت اللہ صاحب پیشکار کے پاس تشریف لائے تھے اور انہیں کے مکان پر قیام تھا۔ مجھ پر کسی ذریعہ سے اطلاع ہو گئی تھی میں بھی جائے قیام پر قدم بوسی کے واسطے حاضر ہوا۔ میں نے اپنا تعارف حضرت سے کرایا۔ پہلے فرمایا کہ میں نے آپ کو پہچانا نہیں جب میں نے کاپی اور پھوپھا صاحب قبلہ کا نام لیا تو فرمایا جی ہاں اب پہچان لیا۔ میں نے عرض کیا حضرت میں نے امتحان میں کامیابی کے لئے دعا کرائی تھی مگر اس سال فیل ہو گیا۔ فرمایا "پھر محنت کرو پھر دعا کریں گے"۔ پھر میں دیر تک حضرت کی خدمت میں بیٹھا رہا۔ ایک صاحب جو کھدر پوش تھے۔ انہوں نے خلافت کے زمانہ کے علماء کے فتوٰی مطبوعہ اور اس پر عطر اور پھول رکھ کر حضرت کی خدمت میں پیش کیا حضرت نے عطر و پھول اٹھا لئے اور مطبوعہ فتوٰی انہیں صاحب کو واپس کیا انہوں نے واپس لینے میں تامل کیا۔ حضرت نے فرمایا کہ آپ اسکو لے لیں پھر جو میں عرض کروں اسکو سُنیں، انہوں نے واپس لے لیا، فرمایا۔ میرا یہ نام ہے اور یہ پتہ ہے آپ اس پر ٹکٹ لگا کر بھیج دیجئے گا پھر انہوں نے دریافت کیا کہ حضرت کھدر کا پہننا کیسا ہے۔ فرمایا میں آپ کے شہر میں مہمان ہوں اس لئے آپ ہی کا مہمان ہوا اور مہمان کو اذیت دینا کب مناسب ہے یہ ایسے مسائل ہیں جو آپ عمداً مجھ سے پوچھکر مجھکو تکلیف دینا چاہتے ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے اور چند سوالات کئے تھے اس کے جواب فرماتے رہے۔ انہوں نے پوچھا تھا کہ آپ نے کچھ ایسے اصول بنا رکھے ہیں جو خلاف سنت

ہیں۔ مثلاً بعد عصر سے جب خانقاہ سے مکان جاتے ہیں تو راہ میں اپنے ساتھ کسی کو چلنے نہیں دیتے عشاء کے بعد خدام سے پاؤں دبواتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ حضرت نے ان سب کی تردید فرمائی اور پھر فرمایا کہ اگر کوئی شخص اپنی راحت کے لئے چند اصول بنالیئے تو دوسروں کو اس میں دخل کا کیا حق اول تو میرے کوئی اصول ایسے نہیں جن سے دوسروں کو تکلیف ہو بلکہ جن لوگوں سے تعلقات نہیں انکو بھی ان سے راحت ہے۔ اس قسم کی باتیں دیر تک ہوتی رہیں۔ پھر میں چلا آیا۔ اسکے بعد دوبارہ پھر وہاں حاضری کا موقعہ نہیں ملا مجھے حضرت سے ہر دفعہ ملکر ایک خاص قسم کا تعلق محبت محسوس ہوتا تھا، جس کا قلب پر ہمیشہ اثر رہتا تھا۔

اس کے بعد پھر عرصہ تک کہیں حضرت سے شرف ملاقات حاصل نہیں ہوا۔ البتہ امتحانات میں کامیابی کے لئے خطوط بھیجا کرتا تھا البتہ جب ۱۹۲۵ء میں لکھنؤ میں قانون کی تعلیم حاصل کر رہا تھا۔ اس وقت حضرت کو اپنی اصلاح باطن اور محبت کے لئے خطوط لکھے جن کا اقتباس آئندہ کے صفحات میں انشاء اللہ تعالیٰ درج کرونگا۔

۲۶ء کی اپریل میں میں نے قانون کا آخری امتحان دیا۔ امتحان سے فارغ ہو کر میں سہارنپور چلا گیا وہاں اس زمانہ میں پھوپھا صاحب ڈپٹی کلکٹر تھے۔ کچھ دنوں کے بعد ہم لوگوں کا تھانہ بھون جانے کا اتفاق ہوا۔ میرے لئے تھانہ بھون کا یہ پہلا سفر تھا، داداخان بہادر صاحب قبلہ بھی ہمراہ تھے اور پھوپھا صاحب بھی تھے۔ میں نے وہاں پہنچ کر اور حضرت کی زیارت ہونے پر عجیب کیفیت دل میں محسوس کی جو بیان سے باہر ہے۔ ہم لوگ حضرت ہی کے یہاں مہماں ہوئے، حضرت ہم لوگوں سے بہت ہی خصوصیت سے ملے۔ کھانا بھی ساتھ ہی تناول فرمایا۔ آم کی فصل تھی قلمی آم کھلائے۔ کھانا اندر سے خود لے کر آتے تھے، ہر وقت ہم لوگوں کا خیال فرماتے تھے، میں نے زمانہ تعلیم قانون لکھنؤ سے ایک مرتبہ حضرت کی خدمت بابرکت میں ایک عریضہ لکھا تھا کہ اب تک تو صرف امتحانات میں کامیابی کے لئے دعا کے لئے عریضہ لکھا کرتا تھا مگر اب جی چاہتا ہے کہ حضرت مجھے ایسی تعلیم فرمادیں جس سے اللہ اور رسولؐ کی محبت دل میں پیدا ہو اور تزکیہ نفس کا ہو اس پر حضرت نے تحریر فرمایا کہ میں فتویٰ تو دیتا نہیں مگر یہ باقی ماندہ تعلیم قانون کی پوری کرلی جائے اور پھر مجھ سے زبانی گفتگو کرلی جائے فقط اس کے بعد یہ پہلا موقع تھا کہ میں حاضر خدمت ہوا تھا اور امتحان قانون کا نتیجہ نکل چکا تھا

جس میں کامیاب ہو گیا تھا۔ جیسا کہ اس حاضری کے وقت میں نے موقع دیکھ کر اس خط کے حوالہ سے حضرت کی خدمت میں عرض کیا کہ حضرت نے یوں تحریر فرمایا تھا۔ سن کر فوراً فرمایا کہ جی ہاں مجھے تو صرف یہ کہنا ہے کہ "تارک الوکالت ہونا بہتر ہے بہ نسبت متروک الوکالت ہونے کے"۔ بس۔ میں نے اس وقت تک وکالت شروع بھی نہ کی تھی نتیجہ نکلے ہفتہ عشرہ گذرا تھا۔ مگر حضرت کا یہ ارشاد پورا ہو کر رہا۔ درمیان میں نو سال گذر گئے جس کی تفصیل آگے لکھوں گا۔ خیر ہم لوگ وہاں سے واپس آئے۔ دل میں مگر اک لگاؤ اک کشش سی اس ذاتِ گرامی کے ساتھ پیدا ہو گئی۔ اور رفتہ رفتہ اس کا اثر اندر ہی اندر ہوتا رہا۔

جولائی ۲۶؁ میں عدالتیں جب تعطیل کلاں کے بعد کھلیں تو میں نے سہارنپور ہی میں وکالت شروع کی الہ آباد ہائیکورٹ میں نام لکھوا لیا۔ اور مولوی منفعت علی صاحب جو سہارنپور کے ممتاز وکیل ہیں ان کے ساتھ کام سیکھنا شروع کیا۔ مگر ماہ نومبر تک چند وجوہات کے ماتحت مجھے ہردوئی آنا پڑا اور اسی ماہ میں لکھنؤ چیف کورٹ میں نام لکھوا لیا۔ اور جنوری ۲۷؁ سے باقاعدہ وکالت ہردوئی میں شروع کر دی۔

ماہ اگست ۱۹۲۷؁ میں پھر سہارنپور جانے کا اتفاق ہوا۔ اور خان بہادر صاحب قبلہ اور پھوپھا علی سجاد صاحب قبلہ کے ہمراہ پھر تھانہ بھون جانے کا شرف نصیب ہوا جس وقت ہم لوگ خانقاہ کے قریب پہونچے یک بیک قلب میں یہ خیال پیدا ہوا اور اسی وقت میں نے دادا خان بہادر صاحب قبلہ سے عرض کیا کہ آپ حضرت سے فرما دیں کہ حضرت مجھے بیعت کر لیں۔ انہوں نے فرمایا کہ تم خود عرض کر دو۔ مگر میں نے انہیں سے درخواست کرنے کی استدعا کی۔ چنانچہ بعد نمازِ ظہر انہوں نے حضرت سے عرض کیا کہ عبد الحیٔ بیعت کی استدعا کر رہے ہیں فرمایا جی ہاں کیا عذر ہے۔ دریافت کیا کہ کس وقت فرمایا بعد نماز مغرب موجود رہنا میں خود بلاؤں گا۔ پھوپھا صاحب قبلہ نے عرض کیا جی ہاں ساتھ ہی کچھ شیرینی بھی منگوا لی جائے فرمایا کہ کوئی ضروری تو نہیں جیسے آپکی خوشی ہو۔

یومِ بیعت روزِ شنبہ بعد مغرب ۲۰/ اگست ۱۹۲۷؁

الحمد للہ علیٰ احسانہٖ: بعد نماز مغرب جب حضرت نوافل سے فارغ ہوئے تو مجھ سے فرمایا

کر آجائیے میں کچھ فاصلہ پر مسجد میں بیٹھا ہوا تھا اور حضرت اپنی سہ دری کے سامنے ٹین کے سائبان کے نیچے جو مسجد کی حدود سے علیحدہ ہے۔ نماز پڑھتے ہیں، وہیں مجھکو بلالیا۔ اور پھر بطریق معلومہ بیعت فرمایا۔ اس وقت وہاں کوئی اور قریب موجود نہ تھا۔ بیعت کے بعد فرمایا کہ اگر کوئی حالت کبھی پیش آئے تو مجھ کو مطلع کرنا اور کسی سے کچھ ذکر نہ کرنا اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ہر ہفتہ اپنے حالات کا خط لکھتے رہنا۔ میں نے عرض کیا اگر کوئی حال نہ ہو اس حالت میں کیا کیا جائے فرمایا یہی لکھدینا کوئی حال نہیں ہے۔ اس وقت جو میرے دل کی حالت تھی اسکا اظہار لفظوں میں ناممکن ہے۔ اللہ اللہ میری خوش نصیبی کی کچھ انتہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم نے اس قدر رحمت واسعہ کے ساتھ مجھ پر نزول فرمایا کہ جس کا احساس صحیح بھی میرے امکان اندازہ سے باہر ہے۔ اس عہد حاضرہ کے اس قدر زبردست شیخ۔ اس صدی کے اتنے عظیم المرتبت مجدد ملت۔ قطب الاقطاب۔ غوث زماں یکتائے روزگار۔ یگانہ عصر پیر و مرشد کے قدموں کے ساتھ مجھے متوسل فرمادیا۔ مجھے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب میرے بزرگوں کی دعاؤں کی برکت کا ظہور تھا۔ خصوصًا میرے جدِ امجد حضرت مولوی کاظم حسین صاحب قدس سرہٗ العزیز جو مجھ سے خاص اور بہت ہی زیادہ محبت فرماتے تھے جنکے آغوش شفقت میں مَیں نے پرورش پائی تھی۔ میرا بچپن سنہ ۱۹۱۸ء کے نومبر تک انہیں کی تعلیم و تربیت میں گذرا تھا۔ جنکی توجہات اور دعائیں ہر آن ہر لمحہ میرے ساتھ تھیں۔ جن کا یہ کرشمہ تھا کہ مجھے ایسے مرشد کامل کے حلقہ غلامی کا شرف نصیب ہوا میں اللہ جل شانہ کی اس نعمت عظیم کا تمام عمر بھی شکر ادا کر دوں تو ناممکن ہے کہ ایک ذرہ بھی شکر کا حق ادا ہو سکے۔ الحمدللہ ثم الحمدللہ۔ ثم الحمدللہ بیعت کے بعد پھوپھا صاحب قبلہ نے شیرینی حضرت کے سامنے لاکر رکھدی پھر حضرت کی اجازت سے اہلِ خانہ میں تقسیم کردی گئی دوسرے روز ہم لوگ مکان واپس ہوئے، یعنی میں ہردوئی واپس آگیا۔ اور پھوپھا صاحب قبلہ وغیرہ سہارنپور تشریف لے گئے۔

حضرت والد صاحبؒ کا وصیت نامہ اہلِ خانہ کیلئے

حضرت والد صاحب نے اہلِ خانہ کے لئے اتباعِ سنت کے مطابق وصیت نامہ تحریر فرمایا ت

اس کا ایک حصہ تو ترکہ وغیرہ سے متعلق ہے، اور ایک حصہ تمام اہل خاندان کے لئے گرانقدر نصائح پر مشتمل ہے، اب ذیل میں وہ وصیت نامہ حضرت والد صاحبؒ ہی کے الفاظ میں نقل کرتا ہوں۔

میراثِ پدر خواہی علمِ پدر آموز

میں نے جو کچھ اپنے باپ اور دادا کی میراث پائی وہ علم دین اور علم دنیا ہے، الحمد للہ جس قدر بھی اپنی صلاحیت واستعداد تھی اس سے نفع بھی اٹھایا جس کی برکت یہ ہے کہ الحمد للہ دین کی تعلیم جو حضرت جد امجدؒ سے حاصل ہوئی تھی اور انکی توجہات خاص اور دعائیں میرے ساتھ تھیں انکا نتیجہ یہ ہوا کہ تعلیم انگریزی۔ بی۔ اے (B-A) سنہ ۱۹۲۴ء اور ایل۔ ایل۔ بی (B-L-L) سنہ ۱۹۲۶ء پاس کرنے کے بعد اور دس سال تک (طالب علمی از سنہ ۱۹۰۸ء تا سنہ ۱۹۲۶ء وکالت سنہ ۱۹۲۶ء تا سنہ ۱۹۴۵ء ہردوئی، جونپور۔ مہاجرت ۱۵ر جون سنہ ۱۹۵۰ء) ہردوئی اور جونپور میں وکالت کرنے کے بعد بلکہ دوران زمانہ وکالت میرا تعلق حضرت مرشدی ومولائی شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ العزیز سے ہوگیا۔ اور یہ تعلق اگست سنہ ۲۷ سے جولائی سنہ ۴۳ تک حضرت کی حیات تک رہا۔ اور الحمد للہ اب بھی روحانی تعلق قوی سے قوی ہے۔

حضرت نے مجھے مجاز بعیت سنہ ۳۶ جنوری) میں بنایا۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ: یہ بات قابل ذکر ہے کہ باوجود اسکے کہ میں انگریزی تعلیم یافتہ ہوں اور میں نے عربی یا دین کی کتابیں نجی طور پر تو ضرور پڑھی ہیں لیکن باقاعدہ نصاب سے تعلیم حاصل نہیں کی ہے. بایں ہمہ دینی کتب کے مطالعہ کا شوق ابتدا ہی سے رہا اور میں نے کثرت سے حضرت کے مواعظ کا مطالعہ کیا ہے، ملفوظات اور تربیت السالک کا مطالعہ کیا ہے اور مزید برآں خود حضرت کے مواعظ اور ملفوظات سنے ہیں۔ ان تمام باتوں میں الحمد للہ ایسی تاثیر تھی کہ دین کے متعلق تمام ضروری باتیں ذہن نشیں ہوگئیں عقائد صحیح اور مضبوط ہو گئے۔ اعمال میں اہتمام پیدا ہو گیا. حسنات کے حاصل کرنے کا تقاضا پیدا ہوا اور معاصی سے نفرت اور مغائرت ہوگئی۔ اور یہی مقصود ہے شریعت اور طریقت کا۔

نہ کوئی مجاہدے کئے نہ ریاضتیں کیں نہ زیادہ اوراد و وظائف کی مقدار رہی۔ نہ زیادہ ذکر وغیرہ کی تعداد بڑھی، البتہ نماز کی بہت زیادہ پابندی اور مسجد میں نماز ادا کرنے کا بہت زیادہ

فکر و اہتمام ابتدائی سن ہی سے رہا۔

کلام پاک کی تلاوت محض ناظرہ بھی زیادہ سے زیادہ ایک پارہ روزانہ معمول رہا۔ تسبیحات بھی صبح و شام ایک ایک تسبیح اور استغفار، اور درود شریف ایک ایک تسبیح پڑھنے کا معمول رہا۔ ویسے چلتے پھرتے کلمہ طیبہ کا ورد بھی ہوتا رہا۔ وما توفیقی الا باللّٰہ۔

الحمد للّٰہ ان مختصر سے معمولات کا نتیجہ یہ ہوا کہ دینی فہم اور اہتمام عمل اور معاصی سے اجتناب کی توفیق برابر حاصل رہی۔

ایک مشغول شخص کے لئے صرف اسی قدر علم دین اور یہی مختصر سے معمولات انشاءاللّٰہ بہت کافی ہے۔

دین کی فہم اور صحت ایمانی اور اعمال میں اتباع سنت کی توفیق۔ بزرگان دین ہی کی صحبت بابرکت سے میسر ہوتی ہے، ورنہ پھر دینی کتب کے مطالعہ سے ہوتی ہے۔ اس کے لئے حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ العزیز کے مواعظ اور ملفوظات بہت ہی زیادہ مفید اور بالکل کافی شافی ہیں، زیادہ سے زیادہ انکا مطالعہ کیا جائے۔ کتاب اسوۂ رسول اکرم صلی اللّٰہ علیہ وسلم و تبصائر حکیم الامت۔ معمولات یومیہ، کتاب مآثر حکیم الامت۔ ضرور مطالعہ میں رکھی جائے۔ انشاءاللّٰہ پھر کسی دوسری تصانیف پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ دنیا کے شر و فتن سے بچنے کے لئے اور انقلاب معاشرہ کے لعنتوں کے لئے۔ بہت ضرورت ہے کہ دین کا زیادہ سے زیادہ اہتمام کیا جائے۔ اور اللّٰہ تعالیٰ سے برابر روزانہ پناہ مانگی جائے۔ اپنے لئے اور اپنی اولاد کے لئے اور اپنے اعزہ و احباب کے لئے دعا مانگنا بھی لازمی ہے

فتنۂ دورِ حاضر

اس وقت ایک مومن و مسلمان کے لئے سخت آزمائش کا وقت ہے۔

۱ــــ عقائد بھی عموماً خراب ہو رہے ہیں خالصتہً توحید پر ایمان۔ کمزور ہو چکا ہے آخرت کا خوف دلوں سے ختم ہو چکا ہے۔

۲ــــ عبادات میں بھی سنگین کوتاہیاں ہو رہی ہیں، نماز جو عبادات میں سب سے اہم ترین فریضہ ہے۔

اس کی طرف سے بہت بے رغبتی اور بے حسی پیدا ہو رہی ہے۔ اور یہ ایک مسلمان کے لئے یقیناً ہلاکت کا باعث ہے اس کا خمیازہ دنیا میں بھی بھگتنا پڑتا ہے اور آخرت میں تو یقیناً دردناک عذاب سے اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں مطلع کیا ہے جہاں تک زیادہ سے زیادہ کوشش اور اہتمام کیا جائے کہ گھر کے سب لوگ نماز پڑھیں۔ خصوصاً عورتوں اور لڑکوں اور لڑکیوں کو بہت تاکید کے ساتھ نماز پڑھائی جائے ورنہ ہر طبقہ کی تباہی اور بربادی یقینی امر ہے اللہ تعالیٰ محفوظ رکھیں۔ یہ بات بڑی تاکید کے ساتھ ہے۔ میرے لئے عالم برزخ میں۔ میری اولاد کی کوتاہیوں کی وجہ سے ممکن ہے سخت مواخذہ ہو۔ اللہ تعالیٰ سے اپنے لئے اور اپنی اولاد کے لئے بڑی خصوصیت کے ساتھ پناہ مانگتا رہتا ہوں۔

وصایا خاص و اہم

بغیر ہمارے کسی استحقاق کے اللہ جل شانہٗ نے ہم کو سب سے بڑی نعمت "ایمان کی عطا فرمائی ہے 'ایمان' کی حفاظت سوائے 'اعمالِ صالحہ' کی پابندی کے ناممکن ہے۔

ایمان کی حقیقت اور اعمالِ صالحہ کا علم بغیر دینی کتب کے مطالعہ کے کسی اور طرح ممکن نہیں اس مقصد کے لئے حضرت مرشدی و مولائی مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ العزیز کی تصانیف کا مطالعہ بہت ضروری ہے۔ خصوصاً:

بہشتی زیور۔ حیات المسلمین۔ قصد السبیل۔ مواعظ، ملفوظات وغیرہ خصوصاً مواعظ بیحد نافع ہونگے۔ ان میں تمام تر دینی معلومات بیک وقت حاصل ہو جاتی ہیں۔

اسکے علاوہ میں تاکیداً وصیت کرتا ہوں کہ دیندار اور اللہ والوں کی صحبت کا ضرور ضرور اہتمام رکھا جائے۔ زندگی کی حقیقت، زندگی کی صلاحیت۔ زندگی کی عافیت اِن حضرات کے فیوض و برکات صحبت سے نصیب ہوتی ہے۔

دوسری ضروری کتابیں برائے مطالعہ۔ تعلیم الدین۔ جزاء الاعمال۔ تبلیغ دین۔ حقوق الاسلام۔ فروع الایمان۔

۱ــــ سب سے بڑا حق میرا جو میری اولاد پر ہے وہ یہ ہے کہ وہ میری نصیحت و وصیت کو دل

سے مانیں اور اس پر عمل کریں۔

۲ —— مجھکو اللہ تعالیٰ نے ظاہر و باطن کی بہت سی نعمتیں عطا فرمائی ہیں۔ دین و دنیا کی بہت سے فلاح وصلاح عطا فرمائی ہیں جن کا منجملہ اور اسباب و وجوہات کے یہ بھی ایک سبب ہے کہ مجھ کو اللہ تعالیٰ نے دین کی عظمت دل میں عطا فرمائی ہے میں ہمیشہ سے لڑکپن سے بزرگوں کی خدمت میں بیٹھا کرتا تھا۔ میں نے اپنے بڑوں کی خواہ وہ اہل خاندان ہوں یا غیر ہمیشہ عزت کی۔ میں نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ہمیشہ قدر اور اس پر شکر ادا کرنے کی عادت ڈالی۔ میں ہمیشہ باعزت لوگوں سے ملاقات پیدا کرتا رہا۔ میں ہمیشہ ظاہر و باطن کی پاکی کا اہتمام کرتا رہا، ہمیشہ اپنے بزرگوں کی وضع قطع اختیار کی۔ تم بھی اگر چاہتے ہو کہ دین دنیا کی عزت حاصل کرو تو یہی طریقہ اختیار کرو۔ انشاء اللہ تعالیٰ تم پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل و کرم ہوگا۔

۳ —— میری اولاد پر میرا یہ بھی حق ہے کہ وہ روزانہ یاد کر کے ایک بار سورۂ یٰسین شریف یا کم از کم تین بار سورۂ اخلاص پڑھکر ایصالِ ثواب کر دیا کریں۔

۴ —— عالم برزخ میں ہر ہفتہ اولاد کے اعمال انکے والدین کے سامنے پیش ہوتے ہیں۔ اس لئے مجھکو وہاں کی اذیت سے محفوظ رکھیں۔

۵ —— اتباعِ شریعت اور اتباعِ سنت میں آخرت اور دین کی عزت تو قطعی ہے لیکن دنیا میں بھی ساری عزت اور عافیت بھی انہیں میں منحصر ہے۔ اس لئے ہرگز ہرگز غفلت نہ کریں ورنہ بڑی محرومی ہوگی۔

۶ —— قرآن شریف کی تلاوت بہت ضروری ہے۔ روزانہ کوئی مقدار (کم از کم ایک پارہ) مقرر کردہ ضرور پڑھنا چاہیئے اگر قرآن شریف کا ترجمہ پڑھا جائے تو اسکے مطالب میں ہرگز غور نہ کیا جائے۔ اس سے بہت گمراہی پیدا ہو جاتی ہے، قرآن شریف کے مضامین بہت نازک ہیں کسی سمجھدار دیندار عالم سے پڑھنا چاہیئے۔ جو اشکال ہوں وہ بھی کسی عالم سے حل کرنا چاہیئے۔ خود عقل نہ لگانا چاہیئے۔

حدیث شریف کا ضرور مطالعہ کرنا چاہیئے، مثلاً بخاری شریف۔ مشکوٰۃ شریف۔ شمائل ترمذی۔ وغیرہ سیرت النبوی ضرور مطالعہ کرنا چاہیئے۔ اسی طرح سیرت صحابہ کا ضرور مطالعہ کرنا چاہیئے۔ دینی کتب کا مطالعہ روزانہ کرنا چاہیئے۔ مثلاً بہشتی زیور۔ حیات المسلمین۔ تبلیغ دین۔ قصد السبیل اس کے

جسمانی صحت و تندرستی بڑی قابل حفاظت نعمت ہے اس کے زائل ہونے سے طبیعت میں سکون باقی نہیں رہتا۔ اس کے تحفظ کے لئے خاص اہتمام رکھنا چاہیئے اور اس کے اہتمام کے لئے تنظیم الاوقات کا قائم رکھنا نہایت ضروری ہے یعنی وقت کے تعین کے ساتھ کھانا، پینا سونا۔ آرام کرنا۔ تفریح کرنا۔ کچھ ہلکی سی ورزش کرنا۔ ان سب کے لئے روزمرہ کی زندگی میں وقت کا تعین ضروری ہے۔ تاکہ ہر بات اپنے وقت پر ادا کرنے کی عادت ہو جائے۔ اگر خدانخواستہ کوئی بیماری لاحق ہو جائے تو اس سے بے فکری نہ کی جائے اور جلد اس کا تدارک کر لیا جائے۔ ورنہ بعض وقت مرض پیچیدہ اور دشوار العلاج ہو جاتا ہے۔ (از : افاداتِ عارفیہ)

علاوہ حضرت حکیم الامت مجدد ملت مولانا محمد اشرف علی صاحب قدس سرہٗ العزیز کے مواعظ و ملفوظات بہت ضروری ہیں حضرت مرشدی قدس سرہٗ العزیز سے جو میری خط و کتابت ہوئی ہے وہ مکتوبات اشرفیہ میں جمع ہے۔ اس کا مطالعہ بھی بہت ہی نافع ہے۔

۱ ــــ حضور سرور عالم رحمت دو عالم۔ ہادی اعظم۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید فرمائی ہے کہ جس مسلمان کو اپنی کسی چیز کے متعلق وصیت کرنا ہو تو وہ دو رات بھی اس حالت میں نہ گزارے کہ وہ وصیت اس کے پاس لکھی ہوئی رکھی نہو۔ فقط :

۲ ــــ حضرت حکیم الامت مجدد ملت مرشدی و مولائی محمد اشرف علی صاحب قدس سرہٗ العزیز نے وصیت نامہ تحریر کرنے کی عملی تعلیم دی ہے اور ہمیشہ اسکے لئے تاکید فرماتے رہے ہیں چنانچہ اشرف السوانح حصہ سوم میں اس کا نمونہ درج فرمایا ہے۔

۳ ــــ انہیں ارشادات کی تعمیل میں چند سطور میں نے بھی تحریر کی ہیں۔ اسکی اہمیت اسکے مطالعہ کرنے اور بار بار مطالعہ کرنے سے معلوم ہوگی۔

۴ ــــ زندگی کے دوران میں مختلف لوگوں کے ساتھ مختلف معاملات کے سابقہ رہتا ہے۔ اعزہ کے ساتھ بھی اور احباب کے ساتھ بھی۔ اور دوسرے لوگوں کے ساتھ بھی۔ اس لئے فطری امر ہے کہ کسی نہ کسی عنوان سے ضرور کوئی بات ایسی ہو جاتی ہے جو خلاف طبع ہو۔ یا جس میں کسی قسم

کے حق کا آتلاف ہو۔ مثلاً عزت، آبرو، مال وغیرہ کا۔

اس لئے پیش نظر اس امر کے حقوق العباد بڑا سنگین مسئلہ ہے۔ اور آخرت میں اس کا بہت سخت مواخذہ ہے۔ اللہ تعالیٰ محفوظ رکھیں اور معاف فرمادیں۔ آمین۔ میں اس بات کی کوشش کرتا ہوں کہ سب اہلِ معاملہ سے معافی مانگتا رہوں پھر بھی میرے مرنے کے بعد میرے وارث اگر میرے اعزہ اور اقربا اور احباب سے عند الملاقات میری طرف سے معافی مانگ لیں تو بہت بہتر ہے تاکہ مجھ پر کسی قسم کا مواخذہ آخرت میں نہ ہو، جو بہت ہی شدید بات ہے۔

میں دل وجان سے سب کو معاف کرتا ہوں جنکی وجہ سے میرا کسی قسم کا بھی کوئی حق تلف ہوا ہو۔ اللہ تعالیٰ انکو معاف فرمادیں۔ آمین۔

مجملہ وصایا ونصائح

اس کا اہتمام رکھنا چاہیئے کہ شرافت نسبی قائم رہے۔ اپنے عادات وخصائل۔ اپنی معاشرت لوگوں سے معاملت۔ اور طرز عمل ہمیشہ شریفانہ اور متحملانہ ہونا چاہیئے۔ لباس وپوشاک میں بھی دیندار اور وضعدار لوگوں کی سی حالت رکھنا چاہیئے۔ اپنی وضع۔ اپنے اخلاق۔ ضرور عوام سے ممتاز رکھنا چاہیئے۔ شرافت نسبی بہت بڑی نعمت ہے اسکی حفاظت کرنا چاہیئے۔

ہم لوگ صدیقی النسب ہیں۔ اس لئے کچھ تو خصوصیات صدیقیت پیدا کرنا چاہیئے۔ حضرت صدیق کی سیرت کو مطالعہ کرنا لازمی ہے۔ محض نام کے آگے لفظ صدیقی بڑھانا اور صورت شکل ویسی نہ ہونا۔ سخت بے ادبی اور گستاخی ہے۔ یہ محض مغربی نصاریٰ کی اتباع ہے جو حد درجہ مذموم ہیں۔

اپنی معاشرت کو دینی اور اسلامی معاشرت بناؤ۔ اسی زندگی میں لذت ہے اور اسی زندگی میں عافیت ہے۔ مغربی تہذیب کی ہر بات بہت دلکش اور آسان اور صاف ستھری معلوم ہوتی ہے لیکن آخر میں وبال جان بن کر رہ جاتی ہے۔ میں اپنے ذاتی تجربہ سے کہتا ہوں کہ مغربی تہذیب پناہ مانگنے کی چیز ہے۔

پردہ بہت ضروری ہے۔ خدا اور اسکے رسولؐ کا حکم ہے۔ اسکے خلاف کرنے والوں کو بڑی شرمناک اور عبرت ناک سزائیں ملا کرتی ہیں۔ بیحیائی، بے غیرتی، دیوثی پیدا ہوتی ہے۔ خانگی

زندگی بے کیف ہو جاتی ہے آپس میں بدظنی اور بدگمانی پیدا ہونے لگتی ہے۔ طبیعت میں کمینہ پن پیدا ہو جاتا ہے۔ غور کرو اور دیکھو دنیا میں کیا ہو رہا ہے۔ اپنے متعلقین کو اسکے انجام کار کی تباہی اور بربادی سے بچاؤ۔ ورنہ یہ ایسا نقصان ہو گا جس کی تلافی ناممکن ہے۔

اپنے متعلقین کے ساتھ بہترین سلوک کرو۔ حدیث شریف میں ہے کہ بہترین شخص وہ ہے جو اپنے اہل و عیال کے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہے۔

اپنے اعزہ و اقربا کے ساتھ ہمیشہ حسن سلوک کرنا چاہیئے۔ ان سے اگر تکلیف پہونچے۔ صبر کرے بدلہ نہ لے، معاف کر دے۔ اور جب انکو کسی مدد اور اعانت کی ضرورت ہو۔ ہرگز دریغ نہ کرے یہ بڑی شرافت اور بڑے حوصلہ کی بات ہے۔ حدیث شریف میں اس کی بڑی تاکید ہے۔

والدین کی اطاعت بہت بڑا سرمایۂ سعادت ہے، ایمان و اسلام کے بعد۔ اللہ اور اللہ کے رسول کی محبت کے اور ادائے حقوق کے بعد جو درجہ اہمیت حقوق کا ہے وہ والدین کا ہے زندگی میں انکی خدمت کر کے انکو راضی رکھنا۔ اور انکی خوشنودی حاصل کرنا اور انکے مرنے کے بعد انکے لئے دعائے مغفرت اور ایصال ثواب کرتے رہنا واجب ہے۔ ایصال ثواب مالی بھی ضرور ہونا چاہیئے۔

آپس میں بھائیوں میں محبت رکھنا۔ بڑی تقویت کا سبب ہے۔ ایک دوسرے کی رواداری لحاظ۔ عزت و محبت کرتے رہنا چاہیئے۔ ایک دوسرے کی کوتاہیوں پر چشم پوشی کرنا چاہیئے۔ بیویوں کی وجہ سے بھائی سے بگاڑ کر لینا بڑی جہالت اور حماقت ہے۔ بھائی کے تعلق محبت کے مقابلہ میں ہر دوسرے جذبات کا ایثار کرنا۔ بہت ضروری ہے۔ ورنہ عافیت خراب ہو جاتی ہے۔ کوئی معاملہ ہو فوراً اسکی غیر جانبدارانہ تحقیق کر لینا چاہیئے، محض کسی ایک کی روایت پر بدگمانی اور بدظنی نہ کرنا چاہیئے۔

اپنی بیوی کے ساتھ بھی نہایت حسن سلوک اور مراعات کی ضرورت ہے۔ وہ ایک مجبور ہستی ہے۔ اسکی تمام مسرتوں اور راحتوں اور نصرت و حمایت کا انحصار تمہاری محبت اور توجہات پر۔ تمام عمر اور تمام زندگی کے ہر شعبہ کی عافیت اس کے ساتھ یکجہتی پر منحصر ہے۔

حضرت والد صاحبؒ کے بارے میں اکابرین کے تاثرات

مشہور مثل ہے کہ جوہر کی قدر جوہری ہی جانتا ہے۔ چنانچہ حضرت والد صاحبؒ کے بارے میں اکابرینِ عصر نے مدح و توصیف کے تاثرات ارشاد فرمائے۔ بعض نے بشارتیں بیان فرمائیں۔ یہ تاثرات ذیل میں پیشِ خدمت ہیں:۔

حضرت حکیم الامت مجددِ ملت شاہ محمد اشرف علی تھانویؒ

۱ —— ۵ ر جنوری ۱۹۳۱ء، مقام ہردوئی والد صاحبؒ نے خواب دیکھا:

کسی خاص مقام پر ہوں ذہن میں نہیں کہ وہ کون سی جگہ ہے۔ میں لیٹا ہوا ہوں حضرت مرشدی مولائی حکیم الامت مدظلہ میرے قریب بیٹھے ہوئے ہیں۔ فرما رہے ہیں رموز سینہ ہوتے ہیں وہ تمہارے سینہ میں بھرے دیتا ہوں۔ یہ کہکر حضرت قبلہ جلد جلد میرے سینہ پر ہاتھ پھیر رہے ہیں اور کچھ پڑھتے جاتے ہیں۔ میری عجیب حالت ہے عجیب طرح کی کیفیت محسوس ہو رہی ہے۔ کچھ دیر یہ حالت رہی پھر آنکھ کھل گئی۔

۲ —— ایک مرتبہ دورانِ قیام تھانہ بھون میں جبکہ میرے دو چھوٹے بھائیوں کا انتقال ہوا تھا والد صاحب ایک روز حضرتؒ کی مجلس میں نہ جاسکے۔ شام کو حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ تشریف لائے اور والد صاحبؒ کے قریب بیٹھ گئے۔ جب والد صاحب ذرا کھسکے تو وہ اور قریب ہو گئے اور فرمایا کہ آپ کے پاس بیٹھنے آیا ہوں کیونکہ آج کی مجلس میں، حضرتؒ صرف آپ ہی کا ذکر کرتے رہے۔

۳ —— دورانِ قیام تھانہ بھون ایک روز والد صاحبؒ حضرتؒ کے ہمراہ خانقاہ سے گھر جاتے ہوئے ساتھ ہوئے۔ راستہ میں حضرتؒ نواب جمشید علی خان صاحبؒ کا ذکر کرتے رہے کہ وہ حضرت کے مکان پر ٹھہرے ہوئے ہیں۔ جب تک مکان پر پہنچے تو والد صاحبؒ سے فرمایا کہ ذرا تھوڑی دیر ٹھہرنا۔ والد صاحبؒ باہر کے کمرہ (ڈیوڑھی) میں کھڑے انتظار کرتے رہے کچھ دیر بعد حضرت پیرانی صاحبہ نے دستک دی اور ایک پیالہ میں کچھ سالن اور آدھی روٹی

عنایت فرمائی کہ کھالو۔ حضرتؒ نے کھانے کے بعد اپنے سامنے کا بچا ہوا سالن اور روٹی ازراہ شفقت والد صاحب کو خصوصیت کے ساتھ بھجوائی تھی۔ والد صاحبؒ فرماتے تھے کہ میری عجیب کیفیت تھی کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کروں سر پر رکھوں یا کھاؤں۔ بہرحال وہیں زمین پر بیٹھ کر کھالیا۔

۴ — جس وقت والد صاحبؒ نے دسمبر ۱۹۲۵ء میں وکالت ترک کی عمر ۳۸ سال تھی جب حضرتؒ کو مطلع فرمایا تو وہ بہت خوش ہوئے مجاز بیعت بنایا اور فرمایا کہ اسی کا انتظار تھا۔

۵ — دوران مرضِ وفات حضرت حکیم الامتؒ نے چند روز والد صاحبؒ سے ہومیوپیتھک علاج بھی کرایا۔ ایک روز والد صاحبؒ نے کچھ غذاؤں سے پرہیز کے لئے عرض کیا۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ مجھ سے پرہیزی غذائیں نہیں کھائے بنتیں ہیں۔ والد صاحبؒ نے عرض کیا کہ اسہال معدی میں حضرت کے ضعف اور مرض کے لحاظ سے ہلکی اور زود ہضم غذائیں تجویز کی جاسکتی ہیں، فرمایا جی ہاں ساری مشق اور احتیاط ہمارے ہی لئے ہے ہم نے تم سے کوئی پرہیز نہیں کرایا۔ صرف معمولی نوک پلک درست کر کے جانے کہاں سے کہاں پہونچادیا۔

۶ — حضرت حکیم الامتؒ کی نگاہِ کرم والد صاحبؒ پر روزِ اول ہی ہوگئی تھی جو کہ حسبِ ذیل واقعہ سے ظاہر ہوتی ہے۔ والد صاحبؒ نے اپنی بیاض میں ایک جگہ تحریر فرمایا ہے، دسمبر ۱۹۱۸ء کی آخری تاریخ تھی ہم لوگوں نے گویا پہلی بار حضرت مولاناؒ کی زیارت کی۔ مجھے حضرت والا کی طرف بڑی کشش اور بڑی عقیدت محسوس ہوتی تھی۔ حالانکہ اس وقت میری عمر بیس برس تھی میں کچھ زیادہ واقف بھی نہ تھا کہ بزرگ کیسے ہوتے ہیں اور ان سے کیا تعلق رکھا جاتا ہے۔ میں نے حضرت کے پیچھے سب سے پہلی نماز مغرب اسی روز پڑھی میں کہہ نہیں سکتا کہ اس وقت میرے قلب کی کیا حالت تھی۔ سراپا شوق اور ہمہ تن وارفتگی کی سی حالت تھی۔

۷ — ۲۰ اگست ۱۹۲۷ء کو والد صاحبؒ کے اصرار پر ہمارے بزرگ حضرت خان بہادر منشی رضا حسین صاحبؒ نے حضرتؒ سے عرض کیا کہ عبدالحئی بیعت کی استدعا کر رہے ہیں۔ فرمایا "جی ہاں کیا عذر ہے" پھر فرمایا کہ "بعد مغرب قریب موجود رہنا میں خود بلالوں گا۔"

۸ — والد صاحبؒ حضرتِ حکیم الامتؒ کے مرض وفات کا تفصیلی حال لکھتے ہوئے ایک

جگہ تحریر فرماتے ہیں "خدا کا شکر ہے کہ ایک بار اس کا بھی موقع ملا اور دیر تک میں نے حضرت اقدسؒ کے پاؤں دبائے مجھے وہ منظر بھی یاد ہے کبھی کبھی حضرت اقدسؒ آنکھیں کھول کر ایک خاص انداز سے نظر میری طرف ڈالتے تھے۔"

عارفی پیرِ مغاں نے ایسی کچھ ڈالی نظر
میری ہستی مظہرِ اعجاز ہو کر رہ گئی

باریابِ مجلسِ اشرف رہا ہوں عارفی
یہ شرف میرے لئے سرمایۂ صد ناز ہے

دیکھتے ہیں مجھکو عزت کی نگاہ سے اہلِ دل
اللہ اللہ انکی نسبت میں بھی کیا اعجاز ہے

حضرت مفتی اعظم مولانا محمد شفیع صاحبؒ

۱ — حضرت مفتی صاحبؒ نے "مآثرِ حکیم الامت" کی تقریظ میں تحریر فرمایا ہے کہ:۔ خانقاہِ امدادیہ تھانہ بھون کہیئے یا ایک دوکانِ معرفت۔ اس کے دورِ اوّل کا تذکرہ ہی بزرگوں سے سُنا ہے۔ البتہ دوسرے دور میں سیدی حکیم الامت قدس سرہٗ کی مجلس کو بحمد اللہ آنکھوں سے دیکھنے کا شرف حاصل ہوا ہے۔ ع نازم بچشمِ خود کہ جمالِ تو دیدہ است
اس مجلس کے جرعہ نوش ملک بھر میں لاکھوں کی تعداد میں پھیلے ہوئے تھے اور بحمد اللہ اب تک بھی بہت سے موجود ہیں۔ کراچی میں ہمارے محترم بزرگ حضرت ڈاکٹر عبد الحیٔ صاحب دامت برکا کو حق تعالیٰ نے حضرت سے بچند وجوہ خصوصی تعلق عطا فرمایا تھا۔ خلیفۂ مجاز تو بحمد اللہ اور بھی بہت ہ مگر شیخ کا رنگ جن میں جھلکتا ہو وہ کم ہی ہوا کرتے ہیں۔ ہمارے محترم خواجہ عزیز الحسن صاحبؒ مجذوبؒ نے فرمایا تھا ؎

مجھے دیکھ آئینۂ یار ہوں　　جلا کردۂ دستِ دلدار ہوں

اللہ تعالیٰ مبالغہ اور تزکیہ من غیر حق سے محفوظ رکھیں، ڈاکٹر صاحبؒ کو دیکھ کر مجھے مجذو صاحبؒ کا یہ شعر یاد آیا کرتا ہے اور جب انکو دیکھتا ہوں تو عموماً اصغر گونڈوی کا یہ مصرع زبا

پر بھی آجاتا ہے ع

ابھی کچھ لوگ ہیں ساقی کی محفل دیکھنے والے

اب اس زمانہ میں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ نے حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ کے فیوض و برکات کو مسلمانوں میں عام کرنے کے لئے ہمارے محترم ڈاکٹر صاحب کو چن لیا ہے اللہ تعالیٰ ہم کو اور سب مسلمانوں کو آپ کے فیوض و برکات سے نفع عطا فرمائیں۔

۲ ـــ حضرت مفتی صاحبؒ نے اپنے دو صاحبزادگان مولانا محمد رفیع عثمانی صاحب اور مولانا محمد تقی عثمانی صاحب کو والد صاحبؒ سے بیعت کرایا اور تربیت دینی کے لئے انکے سپرد کیا۔ حالانکہ دونوں خود بھی عالم دین ہیں۔

۳ ـــ حضرت مفتی صاحبؒ والد صاحبؒ سے کتنی شفقت فرماتے تھے اسکا اندازہ لگانا ہم لوگوں کے لئے دشوار ہے۔ بزرگان دین کے آپس کے تعلقات وہی بہتر سمجھتے ہیں۔ ہم لوگ چند ظاہری واقعات سے ہی کچھ اندازہ لگا سکتے ہیں۔

ایک روز حضرت مفتی صاحبؒ مکان پر تشریف لائے تو والد صاحبؒ سے فرمایا کہ آپ کا کمرہ دیکھنا چاہتا ہوں۔ میرے چھوٹے بھائی مستحسن عباس موجود تھے وہ مفتی صاحبؒ کو اندر کمرہ میں لے گئے۔ وہاں انہوں نے دریافت فرمایا کہ ڈاکٹر صاحبؒ کا بستر کون سا ہے۔ انکو بتایا گیا تو آپ اسی پر تشریف فرما ہوئے اور فرمایا کہ میں کونگی سے محض اس پر بیٹھنے آیا تھا۔ تفصیل یاد نہیں۔ بہرکیف اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کو حضرت والد صاحبؒ سے کتنا قوی تعلق تھا۔

حضرت سید سلیمان ندوی صاحبؒ

۱ ـــ جب حضرت ندوی صاحبؒ جونپور تشریف لائے تو ۲ نومبر ۱۹۴۲؁ کو حسب ذیل اشعار لکھ کر والد صاحب کو دیئے۔

ترے روئے روشن پہ وہ نور ہے — کہ بے پردہ ہو کر بھی مستور ہے
چلا چل تو منزل بہ منزل یونہی — ٹھہرنے کی منزل ابھی دور ہے

کشش پر ہے قائم نظام وجود
یہ گھر اک محبت سے معمور ہے
نہ جانے وہ ہیں جلوہ فرما کہاں
جدھر دیکھئے نور ہی نور ہے !
تراوش سے خون جگر کی نہ ڈر
کہ مرہم سراپا یہ ناسور ہے
یہ عالم ہے دل کا غمِ عشق میں
کہ مغموم ہوکر بھی مسرور ہے
ابھی قطع کرا ور راہِ طلب
مقامِ محبت بہت دور ہے !
یہاں آج پہلی غزل یہ ہوئی
یہ آغاز فیضِ جونپور ہے !

۲ — سید صاحب نے وصیت فرمائی کہ انکی نماز جنازہ والد صاحب پڑھائیں۔ چنانچہ ان کے صاحبزادہ سلمان میاں نے والد صاحبؒ سے نماز پڑھانے کی درخواست کی۔

۳ — سید صاحبؒ کے وصال کے بعد والد صاحبؒ نے تین مرتبہ سید صاحب کو خواب میں دیکھا۔

خواب

۱ — پانچ چھ روز کے بعد خواب میں دیکھا۔ جو خوب اور اچھی طرح یاد نہیں ہے، لیٹے ہوئے ہیں اور اپنے پاؤں کو دوسرے پاؤں کے پنجہ پر رکھ کر دبا رہے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ درد وغیرہ ہے میں نے پاؤں دبانا شروع کیا۔ فرمایا کہ تم اپنے وقت کے بڑے لوگوں میں ہوگے اس کے بعد کچھ یاد نہیں ہے۔ فقط۔ ۱۵ر دسمبر ۵۳ء

۲ — تین چار روز کے بعد میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک مضمون پڑھ رہے۔ مجھے خیال ہوتا ہے کہ گویا یہ مضمون میرا لکھا ہوا ہے۔ طالب علمی کے زمانہ کا ہے، میں نے سرِ مبارک کے قریب جاکر مضمون میں دیکھا کہ اس مضمون کا عنوان کیا ہے۔ سرخی میں لکھا ہے کہ صحیح طریقہ مولود شریف۔ یا اسی مفہوم کی کوئی عبارت تھی، مضمون میں مَیں نے دیکھا کہ حضرت سید صاحبؒ کا اسمِ گرامی بھی گویا حوالہ کے طور پر لکھا ہوا ہے۔ مجھے خوشی ہوئی کہ سید صاحبؒ ملاحظہ فرماکر مسرور ہونگے۔ جو کچھ فرمایا ہے مجھے یاد نہیں رہا۔

۳ — آج رات میں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت سید سلیمان صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے دیر تک تنہائی میں گفتگو رہی۔ خواب اچھی طرح یاد نہیں ہے، صرف آخری حصہ کچھ یاد ہے۔

حضرت مولانا سید سلیمان صاحب ندوی قدس سرہٗ کا علمی مقام محتاجِ تعارف نہیں، آخر میں حضرتؒ نے اپنے تمام علم وفضل کے باوجود حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ سے اپنی اصلاح کے لئے رجوع فرمایا۔ اور حضرتؒ کی طرف سے بیعت کی اجازت عطا ہونے کے بعد حضرتؒ کے اجل خلفاء میں شمار ہوئے۔ حضرت والد صاحبؒ کے ساتھ حضرت سید صاحبؒ کا بڑا والہانہ تعلق تھا۔ اسی تعلق کا نتیجہ تھا کہ حضرت سید صاحبؒ نے اپنی نمازِ جنازہ حضرت والد صاحبؒ سے پڑھوانے کی وصیت فرمائی۔ الحمد للہ، حضرت والد صاحبؒ کے کاغذات میں حضرت سید صاحبؒ کے چند مکاتیب حضرت والد صاحبؒ کے نام مل گئے۔ جو ایک نادر تحفہ ہیں اور ذیل میں پیش خدمت ہیں:۔

اعظم گڑھ

مکرم و معظم جناب ڈاکٹر صاحب زادکم اللہ تعالیٰ حیاً فی اللہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ ۔ والا نامہ مشتمل بر تحریر پرتاثیر بدست عزیزی سیّد حسین احمد ملا۔ جو آپ کے دلی جذبات کا آئینہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عزیز موصوف کے ذریعہ ڈاکٹر عبدالحی نہیں۔ بلکہ ایسا بھائی مجھے ملا۔ جس کے اخلاص اور محبت پر پورا بھروسہ تھا اور ہے اور عزیز موصوف کو ایک شفیق عزیز و مشفق مشیر میسّر آیا جس کے مشورہ اور اشارہ پر اون کو اور ہم کو یعنی ہمارے سارے گھر کو بے انتہا بھروسہ تھا، ہم اپنی غیر حاضری میں بھی آپ کی موجودگی کے باعث پوری طمانیت رکھتے تھے۔ قرب مکانی اور سہولت تو خیر کہنے کی بات ہے۔ حقیقت میں آپ کا وجود ہم سب کی تسلّی کا باعث تھا جس سے ان کو روحانی و اخلاقی و انتظامی تربیت کا موقع حاصل تھا۔

بہر حال مقصد یہی ہے اور اللہ تعالیٰ سے دعا بھی ہے کہ یہ اتفاقی عقدِ مواخات۔ حقیقی و پائدار عقد مواخات حاصل ہو۔ میرے گھر کے تاثرات بھی یہی ہیں۔ اور

مجھ جیسا مریض تو ہر وقت آپکی تدابیر کا محتاج ہے۔

دعاء فرمائیے کہ ہمارے یہ تعلقات طرفین کی دینی و دنیاوی بھلائی اور خیر و فلاح کا باعث ہوں۔ اور آپ کے فیض محبت سے آئندہ بھی برکات حاصل ہوں۔

عزیزی شمیمہ بحمد اللہ اچھی ہیں۔ آج دو بجے دن کو بھی ۹۹ ہے۔ اب شوربا اور بارلی اور دودھ پانی ملا ہوا اُن کو دیا جارہا ہے۔ الحمد للہ آپ حضرات کی دعائیں کارآمد ہوئیں۔ والسلام

سید سلیمان۔ ۱۶ ج ا ۱۳۶۴ھ

* * *

بھوپال

محبی مخلصی ادام اللہ فیوضکم

السلام علیکم و رحمۃ اللہ۔ اخلاص نامہ ملا۔ آپکی محبت کا شکریہ کہ وہ میری اصلاح کا باعث ہو رہی ہے۔ کیونکہ خیال ہوتا ہے کہ مجھ جیسے ہیچ کارسے جب آپ جیسے لوگ اپنا تعلق خاطر ظاہر کریں تو شرم آتی ہے اور یہ دعا مانگنے کو جی چاہتا ہے کہ اے پروردگار مجھے حقیقۃً ویسا ہی بنا جیسا میرے دوست اپنی محبت اور حسن ظن سے وہمًا مجھے سمجھتے ہیں۔

الحمد للہ تعالیٰ خیریت ہے۔ روزے بفضلہ تعالیٰ ہو رہے ہیں۔ رویت ۲۹، شعبان کو یہاں نہیں ہوئی مگر دوسرے مقامات کی رویت کی اطلاع پر کل سے یہاں تاریخ سہ شنبہ کو یکم رمضان مانکر بدل دی گئی۔ چنانچہ آج جمعہ کو ۲۵، رمضان ہے۔

امسال پھر سفر حج کا قصد ہے۔ عزیزی سید حسین نہیں جارہے ہیں۔ اب سفر ہو یا نہ ہو قصد کے ثواب سے محرومی تو انشاء اللہ تعالیٰ نہ ہوگی۔

پھر بہ شہر جراحت دل کو چلا ہے عشق
سامان صد ہزار نمکداں کیے ہوئے۔

جہازوں کے مسافر پورے ہو چکے ہیں اسلئے ہملوگوں کو جگہ معذرین کے بچ جانے سے ملے گی۔ عادۃً ایسا ہی ہوتا ہے۔ انشاء اللہ اگست کے وسط تک سفر ہو سکے گا۔ اور دعاء فرمائیں کہ امسال محرومی نہو۔

والدہ سلمان سلام کہتی ہیں۔ آج کل عزیزی عاصم مع اہلیہ یہاں ہیں۔ کراچی کا جلد عزم رکھتے ہیں۔ والسلام

سید سلیمان۔ ۲۵، رمضان المبارک ۱۳۶۸ھ

* * *

بھوپال۔

محب مکرم دام فضلکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ عنایت نامہ کا شکریہ۔ الحمدللہ تعالیٰ مع الخیر ہوں۔ اور اہل وعیال بخیریت ہیں۔ عزیزی سید حسین کل اناؤ سے چند روز کی رخصت لیکر آئے ہیں۔ اور تنہا واپس جانا چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے کرم بالائے کرم کے مشاہدہ کے باوجود انکو جو ڈھن لگی ہوئی ہے، وہ دفع نہیں ہوتی۔ مجبور ہو کر میں نے بھی اجازت دیدی، اللہ تعالیٰ خیر فرمائے۔

اپنے اخوانِ طریقت میں آپکے عنایات سے بیحد متاثر ہوں، اور یہ بھی میرے لئے ایک نعمت ہے۔ ایک ایسے مخلص کی محبت کی سعادت مجھے حاصل ہے۔

احسن سلمہ کی ظاہری و باطنی کامیابی کی دعاء ہے۔ حسن سلمہ کے متعلق یہ معلوم کرکے مسرت ہوئی کہ وہ اب تکمیل کے لئے کراچی ہیں۔

اہلِ خانہ کو ہمارے یہاں کے لوگوں کی طرف سے سلام پہنچا دیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایمان کامل وتوفیق عمل صالح مرحمت فرمائیں۔

والسلام

سید سلیمان

۸، مارچ ۱۹۴۹ء

حضرت شاہ عبد الغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا شاہ عبد الغنی صاحب پھول پوری رحمۃ اللہ علیہ حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ کے اجل خلفاء میں سے تھے ۔ جب آپ کراچی تشریف لائے تو ابتداءً آپ کی مجلسیں بھی حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مطب کے باہر ہوا کرتی تھیں ، اور حضرتؒ کو والد صاحبؒ سے خاص تعلق تھا ، اس تعلق کی دو نشانیاں دو خطوں کی صورت میں ذیل میں پیش کر رہا ہوں :۔

عزیزم سلمک اللہ تعالیٰ

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ ۔ مسرت نامہ ملا نصف ملاقات سے کچھ زائد ہی لطف آیا آپ کی محبت نے آنکھوں سے آنسو کے قطرے آخر کار نکال کر چھوڑے دل سے دعاء نکلی اور آپ کے گرہیم کے لئے شفاء کاملہ عاجلہ مستمر کی دل سے دعاء کرتا ہوں ۔ والسلام والدعاء

عبد الغنی

* * *

عزیزم سلمک اللہ تعالیٰ

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ ۔ عزیزم آپ کی تحریر پڑھ کر دل بہت مسرور ہوں محبت کا شکم کبھی پُر نہیں ہو سکتا آپ کی بڑی قدر میرے دل میں بڑھتی جا رہی ہے اسی کا نام توجہ ہے ماشاء اللہ تعالیٰ آپ کی حالت نہایت محمود ہے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیجئے ، اللہ تعالیٰ آنعزیز کو مراتبِ عالیہ پر فائز فرمائیں ۔ والسلام والدعاء

عبد الغنی

حضرت مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی مدظلہم

حضرت مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی مدظلہم العالی اس وقت عالمِ اسلام کی گرانقدر متاع ہیں، حضرت والد صاحبؒ سے ان کو بھی خصوصی تعلق تھا، ذیل میں حضرت مولانا کی وہ تحریرِ پیش خدمت ہے جو انہوں نے حضرت والد صاحبؒ کے مجموعۂ کلام "صہبائے سخن" پر بطورِ تعارف تحریر فرمائی تھی، اور ابھی تک طبع نہیں ہوئی۔ اس سے حضرت والد صاحبؒ کے کلام اور شعری مذاق کا بھی بہترین تعارف ہو سکیگا۔

کلامِ عارفی کا تعارُف

از:۔ حضرت مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی مدظلہم العالی

علماء و مشائخ نے ہر دور میں اسلام کی علمی و عملی خدمت انجام دی ہے اور اپنے ذوق و وجدان اور ذہنی رجحان کے مطابق علم و فن، شعر و ادب، تاریخ و تراجم، اور سیر و سوانح کی مختلف شاخوں میں گل بوٹے کھلائے ہیں۔ جن سے علم و فن کی محفلوں میں رونق اور بہار نظر آتی ہے اور مشامِ روح و جاں معطر ہوتا ہے۔

نقطۂ نظر کی صحت، ایمان و یقین کی کیفیت، اخلاص و دلسوزی، علمِ صحیح و عمل صالح، حسن مذاق و حسنِ طبیعت، ایسی نادر خصوصیات ہیں جو علماء و مشائخ کی علمی و ادبی یادگاروں میں آج بھی تر و تازگی اور بقائے دوام کی کیفیت پیدا کر دیتی ہیں اور اُن کا کام اور کلام پیشہ ور اور روایتی و رسمی عالموں، ادیبوں اور شاعروں کے مقابلے میں کہیں زیادہ اہمیت، سامانِ بصیرت، اور مسرّت و افادیت کا حامل ہے اور اپنے اندر روح و قلب، اور ذوق و وجدان کی بالیدگی، تعمیر سیرت و شخصیت، ذہن سازی اور دل افروزی، قوت تاثیر و تسخیر اور جلال و جمال رکھتا ہے۔

دیگر فنون سے قطع نظر صرف شاعری ہی کو سامنے رکھیے اور اہلِ دل شعراء کی ادبی خدمات اور اُن کی دیرپا اور دور رس اثرات پر ایک سرسری نظر ڈالیے تو ایسے بے شمار نام ملیں گے جو اسلامی اور عام ادبیات کی تاریخ میں نمایاں اور ممتاز مقام پانے کے مستحق ہیں مگر چونکہ وہ شعر

وادب کی روِش عام اور مذاقِ عوام سے دُور رہتے اور اپنا مخصوص پیغام رکھتے تھے ۔ اس لئے انھیں نظر انداز کیا گیا یا اُن کی اہمیت کو کم کرنے کی کوشش کی گئی ۔ ایسے شعراء میں عہد صحابہ میں حضرت حسانؓ بن ثابت ، حضرت عبد اللہ بن رواحہؓ ، حضرت عبد اللہ بن عباسؓ ، نابغہ جعدیؓ ، حضرت کعب بن مالک انصاریؓ ، عدی بن حاتمؓ ، حضرت علیؓ وغیرہم ، بعد کے شعراء میں دعبل الخزاعی ، امام شافعیؒ ، امام محمدؒ (صاحب موطأ) اور عہد اموی وعباسی کے دوسرے اسلامی الفکر شعراء ،

خود ہندوستان کے فارسی واردو شعراء میں شیخ حسن صغانی ، حسن دہلوی نظامی (صاحب تاج المآثر) عصامی (صاحب فتوح السلاطین) شیخ جمالی دہلوی (صاحب سیر العارفین) مسعود سعد سلمان لاہوری ، قاضی عبد المقتدر کندی ، شیخ احمد تھانیسری ، وغیرہ ،

عہد مغلیہ اور اسکے بعد شیخ ناصر علی سرہندی ، مولانا غلام علی آزاد بلگرامی ، مولانا عبد الجلیل بلگرامی ، مرزا مظہر جال جاناںؒ ، میر ناصر عندلیب ، شاہ محمد اجمل الٰہ آبادی ، شاہ محمد فاخر زائر ۔ مفتی سدر الدین خاں ، حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ ، شاہ سعد اللہ گلشن ، شاہ نیاز بریلوی ، شاہ عبد العلیم آسی غازی پوری ، خواجہ عزیز الحسن مجذوبؒ ، وصل بلگرامی ،

جیسے متعدد نام ہیں جن کا کلام اہلِ دل کے لئے حرز جان ہے مگر تاریخ ادب میں اُن کی ادبی خدمات کو شایانِ شان اہمیت نہیں دی گئی ۔ اور اُن سے دانستہ صرف نظر اور چشم پوشی اور اُن کی حق تلفی کی گئی ۔

اور آخر کے مشائخ میں حضرت حاجی امداد اللہ تھانویؒ اور مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی کے خلفاء ومریدین میں ان مشائخ کے اثر سے پاکیزہ ادبی ذوق کا نشوونما بھی ہوا ۔ حضرت حاجی صاحبؒ کا اردو فارسی کلام کلیات کی شکل میں محفوظ ہو گیا ہے جو ان کے بلند پایہ ادبی وعرفانی مذاق کا آئینہ دار ہے ، مولانا گنج مرادآبادیؒ اپنی محفلوں میں اردو فارسی کے منتخب اشعار بکثرت پڑھتے تھے جن سے لوگ مستفید ہوتے اور اُن کے ذوق کی تربیت ہوتی تھی ۔

حضرت حاجی صاحبؒ کے خلیفۂ اجل حکیم الامت حضرت مولانا تھانویؒ کا ادبی ذوق بہت پختہ تھا جس کے نمونے انکی کتابوں اور تقریروں میں دیکھے جا سکتے ہیں ، اُن کا یہ ذوق اُن کے خلفاء ومریدین پر بھی اثر انداز ہوا اور اُن میں متعدد حضرات صاحبِ دیوان با کثیر الکلام شاعر بھی تھے

مثلاً خواجہ عزیز الحسن مجذوب، وصل بلگرامی، علامہ سید سلیمان ندوی، مفتی محمد شفیع صاحب دیو بندی، مولانا اسعد اللہ صاحب (ناظم مظاہر علوم) وغیرہم۔

حضرت تھانویؒ کے ایسے ہی اہل ذوق خلفاء میں مخدوم و محترم و مشفق مکرم حضرت ڈاکٹر عبدالحی عارفیؔ زید مجدہم کی ذاتِ گرامی ہے جو انگریزی تعلیم یافتہ اور ایک صاحبِ مطب ڈاکٹر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک صاحبِ وجد و حال صوفی، ایک مخلص و دردمند انسان اور ایک خوش فکر و خوش گو شاعر بھی ہیں اور ایسے دور میں (جس میں شعر و شاعر کے معنیٰ ہی بدل گئے ہیں اور شعر و سخن میں رفعت و طہارت کی جگہ ابتذال و پست مذاقی، حقیقت طلبی و حق پسندی کے بجائے مجاز پسندی اور شاہد پرستی، اخلاقی گراوٹ، سوقیت ولایعنیت اور ہر طرح کی بد مذاقی اور تسفّل نے لے لی ہے) خوش مذاقی و بلند فطرتی، عالی ظرفی و بلند نگاہی حق طلبی و حقیقت سنجی، اخلاص و للّٰہیت، سوز و گداز، اور درد و محبت کی پاکیزہ روایات قائم رکھے ہوئے ہیں اور بڑھاپے میں بھی اُن کی عرفانی شاعری جوان، پُر کیف، رُوح پرور اور دل افروز ہے۔ اور صالح خیالات و جذبات، سنجیدہ و چیدہ مضامین، عارفانہ حقائق، اور عشقِ حقیقی کی تجلیات کے لئے بہت ممتاز، قابل قدر و تحسین، اور لائقِ تقلید و استفادہ ہے۔

اور اس دور میں معرفت روحانی و وجدان، اور شعری فیضان کا ایک منفرد نمونہ اور اعلیٰ مثال ہے، بیشتر غزلوں میں پختہ کار اور مشہور اساتذہ کا رنگ جھلکتا ہے، مگر بنظرِ غائر دیکھا جائے تو حضرت عارفی کا کلام اساتذہ کی غزلوں سے کہیں آگے اور معنویت میں بڑھا ہوا ہے جس کا سبب اُن کے وہ قلبی احساسات اور پاکیزہ جذبات ہیں جو اُن کی شخصیت کا حصّہ ہیں۔

اس بلند کلام کو جو واردات دل کی ترجمانی اور سروش غیب کی ہم زبانی ہے کسی مقدمہ اور تعارف کی ضرورت نہیں تھی پھر بھی ایک صاحب دل، صاحبِ ذوق عارف کا بسیط مقدمہ شاملِ کتاب ہے۔ ایسی حالت میں مجھ جیسے آدمی کا کچھ لکھنا "دخل در معقولات" سے بڑھ کر بھی ایک جرأت تھی۔ لیکن تعمیلِ حکم میں اور اپنی سعادت سمجھ کر یہ چند سطور سپرد قلم کر دی ہیں ؎

اُن کی شفقت سے الٰہی پائیں یہ رنگِ قبول
پھول کچھ میں نے چُنے ہیں اُن کے دامن کیلئے

ابوالحسن علی
بمبئی ۱۸ ربیع الاول ۱۴۰۳ھ

میں شاید کچھ اپنے تعلقات کا انکے ساتھ ذکر کر رہا ہوں جس کے جواب میں فرمایا کہ "بلا شک بزرگوں سے تعلق اور ان سے محبت بڑے کام کی چیز ہے" مجھے یہ بھی محسوس ہو رہا ہے کہ میں ان سے خواب میں باتیں کر رہا ہوں۔ شاید میں نے ان سے یہ بھی کہا کہ میں کئی بار آپ کو خواب میں دیکھ چکا ہوں۔ پھر اسکے بعد میں ان سے رخصت ہو گیا اور ایسا معلوم ہوا کہ جیسے اس خواب سے بیدار ہو گیا اب خواب ہی میں اُس خواب کا ذکر کسی اور سے کر رہا ہوں کہ حضرت سید صاحبؒ کو میں نے خواب میں انکے ملاقات کے کمرہ کے دروازہ کے قریب ہی فرش پر بیٹھا ہو دیکھا اور یہ مذکورہ بالا خواب بیان کر رہا ہوں۔ ۱۰ر فروری ۵۵ء چہار شنبہ

حضرت بابا نجم احسن صاحب قدس سرہٗ

حضرت حکیم الامتؒ کے مجازِ صحبت حضرت بابا نجم احسن صاحب قدس سرہٗ اس زمانے کے بڑے قابلِ قدر بزرگ تھے جن سے سینکڑوں انسان فیض یاب ہوئے۔ انکو حضرت والد صاحب قدس سرہٗ کے ساتھ بڑا خصوصی تعلق تھا، جو انکی ان تقاریظ سے ظاہر ہے جو انہوں نے حضرت والد صاحبؒ کی مختلف کتابوں پر تحریر فرمائی ہیں ایک مرتبہ انہوں نے لاہور سے (مورخہ ۲۵ر دسمبر ۱۹۶۱ء کو چند اشعار حضرت والد صاحبؒ کو لکھ کر بھیجے جن سے انکے خصوصی تعلق کا اظہار ہوتا ہے۔ اشعار یہ ہیں:۔

محبت کا یہ طرفہ انداز ہے فغاں میری محروم آواز ہے
نہ دم ہے زباں میں نہ دل میں سکت خموشی محبت کی آواز ہے
سلامت رہو با کرامت رہو بہ صحت رہو با فراغت رہو
خدا نعمتیں اپنی بھرپور دے سدا صدر بزم محبت رہو
خدا دے تمہیں عمر نوح و خضر شفا بخشیونکی ہو تم پر نظر
کرد کار اصلاح و تبلیغ خوب بنو اشرفی سکۂ معتبر

۲۵ر دسمبر ۶۱ء

حضرت ڈپٹی علی سجاد صاحبؒ

ہمارے نانا اور حضرت والد صاحبؒ کے پھوپا حضرت ڈپٹی علی سجاد صاحب قدس سرہٗ کا تذکرہ مضمون کے شروع میں آچکا ہے، وہ حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ سے خصوصی تعلق رکھتے تھے، اور حضرت کے مجازینِ صحبت میں سے تھے، حضرت والد صاحبؒ سے متعدد خاندانی رشتوں کے باوجود اور حضرت والد صاحبؒ کے بزرگ ہونے کے باوجود وہ والد صاحب سے عقیدت کی حد تک محبت و تعلق رکھتے تھے، حضرت والد صاحبؒ کے باطنی معاملات سے جتنی قریبی واقفیت انکو تھی۔ شاید ہی کسی اور کو، ذیل میں انکے دو خط پیش کئے جاتے ہیں جو انہوں نے تھانہ بھون سے والد صاحب کو ارسال کئے تھے۔

شفقت نامہ پھوپھا علی سجاد صاحب قبلہ از تھانہ بھون

مورخہ ۲۷ جنوری ۱۹۵۷ء

آج شب کو خواب میں تمہاری حالت بہت ہی بلند نظر آئی۔ جو اس مصرعہ کے مصداق سمجھ میں آئی۔

چو فقر اندر قبائے شاہی آمد
ز تدبیر عبید اللہی آمد

تمہاری وسیع محل کا زینہ یشب کے پتھر کا اور اس پر فنائیت کا یہ غلبہ کہ میرے پاس فرش پر لیٹے ہوئے عجیب سوز و گداز کے ساتھ بوستان یا کسی معرفت کی کتاب کے اشعار رقت کی حالت میں پڑھ رہے تھے پھر مجھ سے مخاطب ہوئے اور میں نے تم کو اپنا خواب خواب ہی میں سنانا شروع کیا۔ فقط۔

اللہ تعالیٰ تمہاری ظاہری و باطنی حالت میں ترقی عطا فرمادیں۔

*

۱۳ شعبان یوم سہ شنبہ

نورِ چشم عبد الحئی سلمہ اللہ تعالیٰ مطابق ۲۲ جنوری ۴۸ء تھانہ بھون

دعا ہے! اس مرتبہ تمہاری سعادتمندی و نیز تمہاری صحبت سے قلب میں علاوہ مسرت

کے ایک گونہ تعلق مع اللہ میں تقویت کی زیادتی محسوس کی جزاکم اللہ۔

اللہ تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل میں حضرت شیخ قدس سرہٗ کے فیوض تمہارے ذریعہ سے جاری وساری فرمادیں اور مخلوق کو نفع حقیقی عطا فرمائیں۔ تم سے رخصت ہوتے وقت یکایک میرا دل بھر آیا اور پھر تابِ گفتگو باقی نہ رہی، اس لئے مزید کلام نہ کرسکا اور خاموشی کے ساتھ تم کو رخصت کر دیا۔ یہ سب حضرت اقدس کا فیض ہے اور شکر کا موقع ہے۔ آج کل گرمی یہاں سخت ہو رہی ہے، البتہ آج صبح کچھ ترشح ہوا اس سے ہوا میں لو کا اثر نہیں معلوم ہوتا۔ باقی حالات بدستور ہیں جویریا سلمہا کو دعا بچوں کو دعا۔ احسن سلمہٗ کے لئے اب ملازمت ہی بہتر معلوم ہوتی ہے۔ یہاں تو کامیابی دشوار اور اس لئے تعلیم لاحاصل۔ ابراہیم کو دعا۔ علی سجاد

حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوب رحمۃ اللہ علیہ

حضرت خواجہ صاحب حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ کے اجل خلفاء میں سے تھے، حضرت تھانوی قدس سرہٗ کے عاشق صادق، اور انکے رنگ میں پوری طرح رنگے ہوئے۔ ہمارے خاندان کو حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ سے وابستہ کرنے میں ان کا بھی بڑا دخل ہے جسکی تفصیل پیچھے خود والد صاحبؒ کے الفاظ میں آچکی ہے۔ ذیل میں حضرت مجذوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دو مکتوب پیشِ خدمت ہیں جو انہوں نے حضرت والد صاحبؒ کو لکھے تھے:

مکرمی و مشفقی زاد لطفکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

آپ کا سفر خانقاہ کے ذوق وشوق کے اشعار مجھے بیحد پسند آئے۔ بس ایسی شاعری ہی اب کیا کیجئے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اور اس ناکارہ کو بھی حضرت اقدس سے کامل طور پر فیضیاب فرمائے۔ حاجی بشیر صاحب کو اس قدر پسند آئے کہ فوراً مجھ سے لے لئے پھر مجھے بوجہ دورۂ مسلسل ان سے لینے کا موقع نہ ملا۔ اورئی جانا ہوا تو خان بہادر صاحب کو سنا لئے۔ اب یاد بھی نہیں رہے۔ لکھنؤ سے ۲ دسمبر کو انشاء اللہ تعالیٰ واپس ہونگا اس وقت حاجی جی سے لے لوں گا۔ میں نے تو اب

الحمدللہ شاعری بالکل چھوڑ دی ہے ؎ بس اب ایک ہی آشنا چاہتا ہوں ٭ ہٹو دوستوں
راستہ چاہتا ہوں ؎ بتوں کو لرائے خدا چاہتا ہوں ٭ سر خم دل مبتلا چاہتا ہوں ؎
بھلاتا ہوں پھر بھی وہ یاد آرہے ہیں ٭ وہی چاہتے ہیں میں کیا چاہتا ہوں
جو مرضی ہو تیری وہی میں بھی چاہوں ٭ یہی اب تو بس اے خدا چاہتا ہوں

یہ گویا آخری اشعار ہیں اور سب سے آخری آخر کا شعر ہے خاتمہ بخیر ہے انشاءاللہ تعالیٰ آپ کی علالت کی خبر سننے میں آئی تھی جس سے تردد پیدا ہو گیا تھا۔ حال لکھئے۔ کتابیں تقسیم کرا کر علی سجاد صاحب اور وحشی صاحب کے حصے کے اپنے اسباب کے ساتھ ادریٔ خان بہادر صاحب کے یہاں رکھوانے کی غرض سے لے جانے کا قصد ہے۔ اگر اور کوئی تجویز ہو علی سجاد صاحب سے پوچھکر لکھئے۔ میں انشاءاللہ تعالیٰ بڑے دن کی چھٹی سے غالباً ۲۵ دسمبر کو تھانہ بھون سوا دو برس کی چھٹی پر چلا جاؤں گا۔ گھر کے لوگ غالباً بعد عید پہونچیں گے۔ علی سجاد صاحب کی خدمت سلام شوق اور استدعائے دعائے خیر۔ اپنی وکالت کا بھی حال لکھئے گا۔ والسلام

نیازمند عزیزالحسن عفی عنہ ۴ دسمبر ۳۳ء

از لکھنو مکرمی و مشفقی مدفیضہم۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ، !

کیا عرض کروں سخت محجوب ہوں کہ جناب کس محبت و کرم کے ساتھ یاد فرماتے ہیں اور مجھکو اظہار ممنونیت کی بھی توفیق نہیں ہوتی۔ اوّل تو فطری بدنظمی پھر سخت ہجوم مشاغل مانع ترسیل جواب ہوتے رہے۔ اور جناب کی شان کرم سے یہ بھی توقع رہی کہ برا نہ مانیں گے ورنہ ڈر کے مارے ضرور لکھتا لیکن نہ لکھنا زیادہ قرین خلوص تھا بہ نسبت لکھنے کے۔ آپ میری عدیم الفرصتی کا صحیح اندازہ بھی نہیں لگا سکتے دم مارنے کی بھی فرصت بعض اوقات مشکل سے ملتی ہے۔ آپ کی خوشحالی ظاہری و باطنی کے حالات سنتا رہتا ہوں اور مسرور ہوتا رہتا ہوں اللّٰھم زد فزد۔ اللہ تعالیٰ آپکو دونوں جہاں کی نعمتوں سے مالا مال اور دونوں جہان میں خوشحال و خوش اقبال رکھے آمین ثم آمین۔ بہت ہی مسرت ہے کہ آپ بفضلہ تعالیٰ حضرت اقدس مدت فیوضہم کی دعاؤں کی برکت سے بہ نسبت وکالت کے دینی اور دنیوی دونوں لحاظ سے بہتر حالت میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ روز افزوں برکات عطا فرمائے۔ مجھ بدکار کی اصلاح عقیدہ و

عمل کے لئے بھی للہ دعا فرمائیں۔

اے صاحب کرامت شکرانۂ سلامت ؎ روزے تفقدے کن درویش بے نوارا

آپ ہی جیسے حضرت کے لئے میں نے کہا ہے۔

تصور عرش پر ہے وقف سجدہ ہے جبیں میری ؎ میرا اب پوچھنا کیا آسمان میرا زمیں میری
خدا شاہد ہے سچ کہتا ہوں میں دن رات روتا ہوں ؎ نہ نم ہیں گو میری آنکھیں نہ تر ہے آستیں میری
طلب تا حد امکاں ہی ہے پایاں رہ الفت ؎ جہاں پر بیٹھ جاؤں تھک کے میں منزل وہیں میری
کسی کی یاد ہی سے اب تو میرا جی بہلتا ہے ؎ اسی سے اب تو پائی ہے سکوں جان حزیں میری
بایں ریش و عمامہ شرکت بزم بتاں تف تف ؎ یہ نفریں کر رہی ہے مجھ پہ پیہم وضع دیں میری

ان سا کوئی ہمدم کوئی دمساز نہیں ہے   ہر وقت ہیں باتیں مگر آواز نہیں ہے
یہ نغمۂ دلکش مرا بے ساز نہیں ہے   وہ بول رہے ہیں مری آواز نہیں ہے
جانباز ہے مجذوب سخن ساز نہیں ہے   پروانہ ہے بلبل کا سا انداز نہیں ہے
ہم خاک نشینوں کو نہ مسند پہ بٹھاؤ   یہ عشق کی توہین ہے اعزاز نہیں ہے
مجذوب ہوں پیتا ہی چلا جاتا ہوں پیہم   کتنی مجھے پینا ہے یہ انداز نہیں ہے

نسخہ پائریا و دندان لرزان۔ ایک صاحب کو ایک حکیم صاحب نے لکھیم پور میں لکھ کر دیا تھا انہوں نے اسکی بہت تعریف کی تھی کہ خود انکو بیحد نافع ہوا۔ آپ بھی آزمالیں اللہ تعالیٰ نافع فرمائے۔ نسخہ یہ ہے:۔

ھو الشافی: ساق بز سوختہ دال ارہر نمک طعام مرچ سرخ کات سفید ہیلا دان کچلہ تمباکو خوردنی (پتی دار) ہموزن گرفتہ بلریک نمودہ در ظرف گلے انداختہ یک سوراخ داشتہ دہان بستہ تہ پنج سیر پاچک دشتی خاکستر نمایند بعدہٗ در یک پاؤ سیر ادویہ بالا ایک تولہ سنگ مقناطیس جب تک سیاہ دھواں نکلتا رہے جلایا جائے جب سفید دھواں شروع ہو نکال کر پیس لیا جائے۔

اب دفتر کو دیر ہو رہی ہے لہٰذا دفعۃً ختم کرتا ہوں۔ والسلام۔

دعا گو و دعا جو احقر عزیز الحسن عفی عنہ

۲۶ر اپریل سنہ ۳۷ء

• جناب ڈاکٹر محمد الیاس صاحب

معمولاتِ مرشدی حضرت عارفی

بزرگانِ دین و حاملینِ شریعت و طریقت بدرجۂ وارثانِ نبئ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول رہا ہے کہ وہ اپنے تعلق مع اللہ کو مضبوط اور قوی کرنے اور اپنے تزکیۂ نفس کیلئے اذکار، اوراد اور دعائیں اللہ تعالیٰ ہی کے کلام اور نبئ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے اخذ کر کے اپنے لئے چند معمولات منتخب فرمالیتے ہیں بموجب ارشادِ باری تعالیٰ۔ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ (ترجمہ) اور تم اللہ کا ذکر کثرت سے کرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۝ (پارہ ۲۹۔ آیت ۲۵۔ سورۃ الدھر)
(ترجمہ) اپنے رب کے نام کا ذکر کیجئے صبح و شام۔ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى۔

ان معمولات پر تواتر اور دائمی عمل سے نہ صرف تزکیۂ نفس حاصل ہوتا ہے بلکہ اس کی وجہ سے زندگی کے اوقات ایک صحیح سمت میں مرتب ہو جاتے ہیں۔ اور بالآخر یہی نظام انسان کی روزمرہ کی زندگی اور اُس کے مختلف النوع تقاضوں کی انجام دہی میں سہولت پیدا کر دیتا ہے اور اس عالمِ تعلقات کے تمام انسانی تقاضوں کو دینی خطوط پر پورا کرنیکی صلاحیت پیدا کر دیتا ہے

روزمرہ کے انسانی مشاغل کو سامنے رکھتے ہوئے بزرگانِ دین نے اپنے ساتھ وابستہ طالبین کیلئے اُن کی دُنیاوی ذمہ داریوں اور مصروفیتوں کے پیشِ نظر یہ معمولات ہر ایک کیلئے

الگ الگ مقرر کئے ہیں۔ ہمارے حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی صاحب علیہ الرحمہ نے بھی مُناجاتِ مقبول کے آخر میں امورِ طریقت کے حصول اور تزکیۂ نفس کیلئے کچھ معمولات تحریر فرمائے اور اُنہی کے تحت مرشدی حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحیؒ قبلہ نے تائیدِ غیبی کے ساتھ ایک کتابچہ "**معمولاتِ یومیہ**" کے نام سے مرتّب فرمایا اور الحمدُ للہ چند ہی سالوں میں اللہ تعالےٰ نے اس جامع اور مختصر کتابچہ کو وہ مقبولیت عطا فرمائی کہ یہ لاکھوں کی تعداد میں مختلف ایڈیشنوں میں شائع ہو کر طالبینِ دین اور سالکینِ شرع متین کے لئے ایک چشمۂ فیض بن گیا۔

ہر چند کہ "**معمولاتِ یومیہ**" حضرت ہی کے ارشادات اور املاء سے قلمبند ہوئی تھی اور حضرت کا یہ بھی ارشاد تھا کہ اِسے حرزِ جان بنا لیا جائے لیکن پھر بھی طالبین اور خدامِ حضرت والا میں ایک قسم کی تشنگی پائی جاتی تھی کہ کس طرح حضرت والا کے ذاتی معمولات تک دسترس ہو جائے۔ حضرتِ والا کی نگاہِ دوربین اور فراستِ بے پایاں نے اپنے خدام کی اس تشنگی کو محسوس فرمالیا اور بالآخر ہم جیسے کوتاہ علم و فہم طالبین کی راہ نمائی اور فہم دین و تزکیۂ نفس کے لئے اپنے معمولاتِ یومیہ ارشاد فرما کر قلمبند کرنے کی اجازت فرمائی اور یہ فرمایا کہ ان معمولات کو اپنے پر لازم نہ کیا جائے بلکہ اس سلسلہ میں ان ہدایات پر عمل کیا جائے جو رسالہ "معمولاتِ یومیہ" میں تفصیل سے بیان کیگئی ہیں سیّدی حضرت عارفی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ذاتی معمولات اس غرض سے قلمبند کرلئے تھے کہ جس طالب کو موقع ہو وہ ان کی ادائیگی کا اہتمام کر سکے اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ طالب کو چاہیئے کہ وہ اپنے لئے اتنے ہی معمولات اختیار کرے کہ جن پر دوام ہو سکے یعنی مسلسل روزانہ آرام و اطمینان کے ساتھ اُن پر عمل کر سکے اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اگر کبھی بہت ہی ضروری مشغولیت کی وجہ سے اپنے مقررہ اوقات میں مقرّرہ معمولات پورے نہ ہوں تو جب بھی وقت مل جائے ان کو پورا کر لیا جائے۔ یہ خیال نہ کیا جائے کہ چونکہ وقت پر یہ کام نہ ہو سکا تو بس چھوڑ دیا جائے، طالب اور سالک کے لئے یہ بہت ہی نقصان دہ ہوتا ہے۔ پورے معمولات پر اگر کسی روز قدرت نہ ہو تو انہیں مختصر کر دیا جائے۔ مثلاً اگر صبح کی ایک تسبیح ۱۰۰ کی پوری کرنی ہے اور کسی وجہ سے اتنا وقت ہے تو ایک سو کے بجائے ۳۳ مرتبہ، ۱۱ مرتبہ، ۷ مرتبہ اگر اتنا بھی وقت نہیں تو

صرف ۴ ہی مرتبہ پڑھ لینا چاہیئے۔ کلیتاً چھوڑا نہ جائے۔ حضرت قبلہ سے وابستہ طالبین اور سالکین کے لیئے اسکی بڑی ہی اہمیت ہے۔

معمولاتِ حضرت مرشدی عارفی رحمۃ اللہ علیہ

تہجُد:۔ علی الصُّبح تہجُد کے لئے ایسے وقت اُٹھتے تھے کہ اذانِ فجر سے قبل تک یہ معمولات پورے ہو جائیں۔

(الف) آٹھ رکعت نفل برائے تہجُد۔ قوت و وقت کی گنجائش کے مطابق کوئی بھی سورتیں پڑھ لیتے۔

(ب) یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ: لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ، ۴۴ مرتبہ

(ج) دوازدہ تسبیح۔ (۲۰۰ مرتبہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ـــ ۴۰۰ مرتبہ اِلَّا اللّٰهُ۔ ۶۰۰ مرتبہ اَللّٰهُ اَللّٰهْ (اس طرح کہ پہلے لفظ اَللّٰهُ پر پیش ہو اور دوسرے پر جزم) (اور ۱۰۰ مرتبہ صرف اَللّٰهُ)

اگر بیماری، کسل یا کسی اور عُذر کی وجہ سے دوازدہ تسبیح پوری پڑھنے کا موقعہ نہ ہوتا تو ایک ایک تسبیح ۳۳ مرتبہ پڑھ لیتے۔ جہاں تک ممکن ہوتا ناغہ نہ فرماتے تھے۔

(د) ایک ایک تسبیح۔ (۱) اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّیْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّ اَتُوْبُ اِلَیْهِ

(۲) درودِ شریف۔

(۳) سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ۔

(۴) لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ ۝

(لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ کی تسبیح ختم کر کے تین مرتبہ لَا مَلْجَاَ وَ لَا مَنْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّا اِلَیْهِ پڑھتے)

(۵) سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِیْمِ۔ ۳ مرتبہ درودِ شریف پڑھ کر ۴۱ مرتبہ سورۂ فاتحہ مع بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط ۳ مرتبہ درودِ تُنَجِّیْنَا جو یہ ہے۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ سَیِّدِنَا

وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ صَلٰوةً تُنَجِّيْنَا بِهَا مِنْ جَمِيْعِ الْاَحْوَالِ وَالْاٰفَاتِ وَتَقْضِىْ لَنَا بِهَا جَمِيْعَ الْحَاجَاتِ وَتُطَهِّرُنَا بِهَا مِنْ جَمِيْعِ السَّيِّئَاتِ وَتَرْفَعُنَا بِهَا عِنْدَكَ اَعْلَى الدَّرَجَاتِ وَتُبَلِّغُنَا بِهَا اَقْصَى الْغَايَاتِ مِنْ جَمِيْعِ الْخَيْرَاتِ فِى الْحَيٰوةِ وَبَعْدَ الْمَمَاتِ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ۔

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ، ۴۱ مرتبہ الحمد شریف (سورۂ فاتحہ) مع بسم اللہ اور ۳ مرتبہ درودِ تُنَجِّيْنَا نمازِ فجر کی سنتوں اور فرضوں کے درمیان بھی پڑھی جا سکتی ہے۔

تہجّد کے ان تمام وظائف سے فارغ ہوکر اذانِ فجر سے پہلے تھوڑی دیر بیٹھ جاتے اور خشوع وخضوع کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور یہ معروضات پیش کرتے "اے اللہ آپ کا یہ سراپا خطاکار بندہ حاضر ہے، میں کس قابل ہوں۔ آپ ہی نے بغیر کسی استحقاق کے مجھے لاتعداد نعمتیں عطا فرمائی ہیں اور آپ جس کو چاہیں اپنے فضل سے بغیر کسی استحقاق کے جو چاہیں عنایت فرمادیں۔ اے اللہ میں خشوع وخضوع سے بھی محروم ہوں، اے اللہ تُو تو خالقِ مطلق ہے، مجھ میں خشوع وخضوع پیدا فرمادے، اے اللہ، مجھ پر میرے اہل وعیال پر اور میرے عزیز واقارب پر اپنی نعمتیں نازل فرما۔ اے اللہ، ہم بہت محتاج ہیں۔ ہماری اعانت فرما، اے اللہ! میرے آبا واجداد اور میرے والدین پر اور میرے گذرے ہوئے عزیز واقارب پر اپنی رحمتیں نازل فرما اور اے اللہ! ہمارے اہل وعیال کو ہدایت فرما۔ آمین۔

نمازِ فجر کے بعد عمومًا الحمد شریف، آیۃ الکرسی، سورۃ کافرون (قل یاایھا الکفرون) سورۃ نصر (اذا جاء نصر اللہ) سورۃ اخلاص (قل ھو اللہ) سورۃ فلق (قل اعوذ برب الفلق) اور سورۃ الناس (قل اعوذ برب الناس) پڑھتے۔

اور ۳ مرتبہ مَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۳ مرتبہ درودِ تُنَجِّيْنَا (جسکے الفاظ پہلے گذر چکے ہیں) ۳ مرتبہ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ السَّمِيْعِ الْعَلِيْمِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ کے ساتھ ایک مرتبہ سورہ حشر کی آخری تین آیتیں هُوَ اللّٰهُ

اَلَّذِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ .... وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمِ۔ پڑھتے۔ اور ۳ مرتبہ سورہ توبہ کی آخری آیتیں لَقَدْ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ....... رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ پڑھتے تھے۔

نمازِ فجر کے بعد اگر کسل نہ ہو اور روزانہ اس پر عمل ہو سکے تو اسی وقت ورنہ پھر نمازِ فجر کے بعد قدرے آرام فرماتے، اور پھر اُٹھ کر تلاوتِ قرآن پاک فرماتے، ایک پارہ نصف پارہ یا چوتھائی پارہ ایک یا دو صفحات نشر الطیب کے وہاں سے جہاں سے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ کا بیان شروع ہوتا ہے پڑھتے۔ روزانہ پڑھنے کے بعد جب یہ بیان ختم ہو جاتا تو پھر اسے ہی دُوبارہ شروع فرما دیتے۔

نشر الطیب کے بعد بقدرِ ہمت و فرصت زاد السعید کے ایک یا دو صفحے جہاں سے درودِ شریف کے صیغے شروع ہوتے ہیں پڑھتے۔ اس کے بعد مُناجاتِ مقبول کی ایک منزل پڑھتے (اگر ایک منزل پوری پڑھنے کی ہمت اور وقت نہ ہو تو نصف ہی پڑھ لی جائے۔ آہستہ آہستہ تھوڑا تھوڑا کر کے ان دُعاؤں کی معانی مطالب بھی یاد کرتے جائیں تاکہ جب یہ دُعائیں پڑھی جائیں اُن کا مطلب بھی ہمارے اذہان میں مُستحضر ہو اور ہمیں یہ احساس رہے کہ ہم اپنے مالک سے کیا مانگ رہے ہیں) مناجاتِ مقبول کی منزل کے بعد اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اتِّبَاعَہٗ وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَّارْزُقْنَا اجْتِنَابَہٗ ---- آمین یارب العالمین پڑھ لیا جائے۔ اس کے بعد مناجاتِ مقبول جمعہ کے روز کی بالکل آخری دُعا جو درج ذیل ہے۔

”وَتَقَبَّلْ ھٰذِہِ الدَّعْوَاتِ فِیْ حَقِّ مَوْلَانَا مُحَمَّدْ اَشْرَفْ عَلِیْ وَعَبْدِ الْوَاسِعْ وَ مُحَمَّدْ عَلِیْ وَ مُحَمَّدْ مُصْطَفٰی وَفِیْ حَقِّ آبَائِھِمْ وَ اُمَّھَاتِھِمْ وَجَمِیْعِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی سَیِّدِ الْکَائِنَاتِ وَاَکْرَمِ الْمَخْلُوْقَاتِ صَلٰوۃً تَسْبِقُ الْغَایَاتِ“۔

پھر درود شریف نعتیہ منظوم کے چار اشعار پڑھ لئے جائیں۔

اس کے بعد شجرہ مبارک پڑھ کر یہ دعا فرماتے۔

” یا اللہ ! اپنے پیارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ وطفیل

ہیں میرے پیر و مرشد[1] حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانوی علیہ الرحمہ، حضرت حاجی امداد اللہ صاحب اور تمام بزرگانِ چہار سلسلہ چشتیہ، قادریہ نقشبندیہ اور سہروردیہ کے ارواح پاک کو اس کا ثواب پہنچا کر اِن کو درجاتِ رفیعہ عطاء فرما اور اُن کے آبا وٴ اجداد و متعلقین پر اپنی رحمتوں کا نزول فرما اور اپنے ان تمام مقبول بندوں کے طفیل میں اور اپنے نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ میں اے اللہ تو ہمارے آبا وٴ اجداد پر بھی رحم فرما۔ اُن کی بخشش فرما۔ اور اپنے ہاں اُن کے درجات بلند فرما۔ اے اللہ تو اپنے مقبول بندوں کے صدقہ و طفیل ہماری اولاد کو بھی ہدایت فرما۔ اُن کو فواحش و منکرات اور حادثات و سانحات سے محفوظ و مامون فرما۔ اے اللہ! تو ہمیں اپنی رضا کے ساتھ دین و دنیا دونوں جہانوں میں ہر قسم کی عافیت فرما۔ (اَللّٰهُمَّ اِنِّیٓ اَسْأَلُكَ رِضَاكَ وَالْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِیْ دِیْنِیْ وَدُنْيَایَ وَاَهْلِیْ وَمَالِیْ) اے اللہ ہمارے سارے کام، ہمارا اُٹھنا. بیٹھنا۔ چلنا پھرنا، کھانا، پینا سب تیرے لئے ہیں۔ اے اللہ ہمارے ان تمام کاموں کو اپنی مرضی کے مطابق پورا کرا دے اے اللہ ہمارے تمام کاموں کو آسان فرما دے۔

اَللّٰهُمَّ يَسِّرْ لَنَآ اُمُوْرَنَا مَعَ الرَّاحَةِ لِقُلُوْبِنَا وَاَبْدَانِنَا وَالسَّلَامَةِ فِیْ دِيْنِنَا وَدُنْيَانَا وَكُنْ صَاحِبًا فِیْ سَفَرِنَا وَخَلِيْفَةً فِیْ اَهْلِنَا وَاطْمِسْ عَلٰی وُجُوْهِ اَعْدَآئِنَا۔

اے اللہ تو ہماری نصرت و اعانت فرما۔ ہم تیرے عاجز بندے ہیں ہماری اعانت فرما۔

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ۔

اے اللہ! تو ہی ہمارا پیدا کرنیوالا ہے، تو ہی ہماری ہر قسم کی کفالت

---

[1] حضرت ڈاکٹر صاحبؒ سے جو حضرات بیعت ہیں اُنکو چاہیئے کہ لفظ "پیر و مرشد" کے بعد "حضرت ڈاکٹر عبد الحیؒ صاحبؒ" کے اسم گرامی کا اضافہ کر لیں۔

کرتا ہے اور تو ہی ہمارا ولی ہے ہماری غیب سے نُصرت و اعانت فرما۔

اَنْتَ رَبِّیْ ۔ اَنْتَ حَسْبِیْ ۔ اَنْتَ وَلِیِّ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ ۔ اُفَوِّضُ اَمْرِیْ اِلَی اللّٰهِ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِیًّا وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِیْرًا۔

اس کے بعد نمازِ اشراق دو، دو نفل کی نیت سے چار نفل ادا فرماتے۔

(مُناجاتِ مقبول اور شجرہ مُبارکہ کے بعد کی یہ دُعا بعد نمازِ اشراق بھی اللّٰہ کے حضور میں پیش کی جا سکتی ہے یعنی شجرہ مبارکہ کے بعد اشراق کے نفل پڑھ لیئے جائیں پھر یہ دُعا مانگی جائے)

قبلہ مرشدی صبح کے ان تمام اوراد وظائف اور ناشتہ سے فارغ ہو کر تقریباً ۸½ بجے مطب تشریف لے جاتے تھے۔ مکان سے روانگی اور مطب پہنچنے پہنچنے حضرت کا یہ معمول رہتا تھا۔

۳۳، بار ۔ یَا اَللّٰهُ. یَا مُغْنِیُ ۔

۳۳، بار ۔ یَا اَللّٰهُ، یَا رَحْمَانُ یَا رَحِیْمُ ۔

۳۳، بار ۔ حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ ۔

۳، بار ۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ۔

۳، بار ۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ ۔

۳، بار ۔ لَآ اِلٰهَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ۔

۳، بار ۔ لَآ اِلٰهَ سُبْحَانَ اللّٰهِ ۔

۳، بار ۔ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ ۔ وَارْحَمْهُمَا کَمَا رَبَّیَانِیْ صَغِیْرًا ۔

۲۷، بار ۔ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ

۳۳، بار ۔ فَاللّٰهُ خَیْرٌ حَافِظًا وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ۔

۳۳، بار ۔ سَلَامٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ الرَّحِیْمِ ۔

۳۳، بار ۔ مَاشَآءَ اللّٰهُ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ۔

۳۳ بار ۔ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ الَّذِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ ۔
۳۳ بار ۔ رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَیْرُ الرَّاحِمِیْنَ ۔
۳۴ بار ۔ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ ۔

راستہ میں اگر کسی مسجد کے پاس سے گذر ہوتا تو آپ اس طرح دُعا فرماتے تھے ۔

" اے اللہ یہ تیرا پاک گھر ہے ۔ اسمیں آنیکی اور سجدہ ریز ہونیکی تو ہر مؤمن کو توفیق عطا فرما "

اسی طرح اگر کسی ہسپتال کے سامنے سے گذر ہوتا تو آپ اس طرح دُعا فرماتے تھے ۔

" اے اللہ اس ہسپتال میں جتنے مریض اسوقت ہیں اُن سب کو اپنی رحمتِ بے پایاں سے صحت یاب فرما ۔ اور جو بھی اسمیں آئے انہیں بھی شفائے کلّی عطا فرما ۔

اے اللہ تکلیف و بیماری بھی تو ہی دیتا ہے اور اسکو دُور بھی تو ہی کرتا ہے ۔

اے اللہ ہم کو اور ہمارے متعلقین کو ان حدود ، سے محفوظ رکھ ۔

مطب میں تشریف لانے کے بعد پابندی کے ساتھ ساڑھے نو بجے تک پھر مطب ہی میں طالبین و سالکین کے لئے درس و تدریس کا سلسلہ رہتا اُس کے بعد مریضوں کے ساتھ مشغول ہوجاتے ۔

ظہر کی نماز کے بعد تسبیحات مقررہ (یعنی تسبیحاتِ فاطمی)

عصر کی نماز کے بعد مقررہ تسبیحات کے بعد نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کے صدقہ اور طفیل سے حضرت مولانا اشرف علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے درجات کی بلندی کے لئے نہایت ادب و احترام کے ساتھ دُعا فرماتے ، پھر اپنی اولاد اور اپنے سے وابستہ تمام منتسبین کی عافیت ، نفس و شیطان کے شر اور مکائد سے حفاظت کے لئے دُعا فرماتے تھے ۔

مغرب ۔ نمازِ مغرب اور دو سنّتوں کے بعد چھ رکعت نمازِ نفل اوّابین ادا فرماتے ، پھر مقررہ تسبیحات کے بعد ۳ مرتبہ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ السَّمِیْعِ الْعَلِیْمِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ ، پڑھ کر ایک مرتبہ سورۂ حشر کی آخری تین آیتیں تلاوت فرماتے ۔

حضرت والا کے معمولاتِ شب

بستر پر لیٹنے کے بعد حضرت والا سب سے پہلے سونے کے وقت کی یہ دُعا فرماتے ۔
بِاسْمِكَ رَبِّيْ وَضَعْتُ جَنْبِيْ وَبِكَ اَرْفَعُهٗ اِنْ اَمْسَكْتَ نَفْسِيْ فَاغْفِرْ لَهَا وَاِنْ اَرْسَلْتَهُمَا فَاحْفَظْهُمَا بِمَا تَحْفَظُ بِهٖ عِبَادَكَ الصَّالِحِيْنَ ۔ اَللّٰهُمَّ قِنِيْ عَذَابَكَ يَوْمَ تَبْعَثُ عِبَادَكَ ۔ اِس کے بعد ایک بار سُورۃ فاتحہ اور ایک بار آیۃ الکرسی پڑھ کر اور کلمہ کی انگلی پر دم فرما کر اپنے پورے گھر کا حصار فرماتے پھر اس طرح دُعا فرماتے "اے اللہ میں نے جو کلمت پڑھے ہیں، آپ کا وعدہ سچّا ہے اپنے کلام پاک کی برکت سے سب کو فی امان اللہ چوروں، ڈاکوؤں سے اور ہر آنے والی مصیبت سے محفوظ فرمالے ۔ اے اللہ تو میرے تمام اہلِ معاملہ، اہلِ محلّہ ۔ میرے تمام عزیز و اقارب میرے تمام بہن بھائیوں اور اعزہ و احباب جو جہاں جہاں بھی ہوں، وہ تمام اصحاب جو کراچی میں ہوں ۔ وہ جو میرے پاس مطب میں آتے ہوں ان تمام کو اپنی حفاظت اور امان میں لے لے ۔ اے اللہ سب کو تندرستی کی نعمت عطا فرما ۔ اے اللہ اپنی اس حفاظت میں اُن تمام اصحاب کو بھی شامل فرمالیجئے ۔ جو محض تیرے لئے اور تیرے دین سے تعلق رکھنے کیلئے، چاہے وہ کراچی میں ہوں یا پاکستان میں کسی علاقہ میں ہوں ۔ ہندستان میں ہوں ۔ حجاز میں ہوں ۔ امریکہ میں ہوں یا لندن میں ہوں یا دنیا کے کسی بھی خطّہ ہوں مجھ سے بذریعہ خط و کتابت تعلق رکھتے ہیں اور محض تیرے دین کے لئے مجھ سے رجوع ہوتے ہیں ۔

اے اللہ تو علیم ہے ۔ تو خبیر ہے ان سب کی ترقی دین ترقی دنیا اور ان کی حفاظتِ دین کے لئے میں دل سے دُعا کرتا ہوں ۔ اے اللہ میری دعاؤں کو بصدقہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم سب کے لئے شرفِ قبولیت عطا فرما دے ۔

اس کے بعد ایک بار پھر الحمد شریف ایک بار سورۃ ملک (تبارک الذی) اور سورۃ بقرہ کی آخری دو آیتیں (آمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ سے ...... فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ تک) سورۃ آلِ عمران کی آخری سے پہلی آیتیں (اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ سے ...

لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ تک) پھر سورۃ توبہ کی آخری دو آیتیں (لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ سے ...... وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ تک) تلاوت فرماتے۔

پھر تین مرتبہ درود شریف۔

اس کے بعد ایک ایک مرتبہ۔

○ اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّآمَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ۔
○ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ۔
○ اَللّٰهُمَّ عَافِنَا وَاعْفُ عَنْهُ۔
○ رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ۔
○ رَبِّ اَنِّيْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ۔
○ رَبِّ اَنِّيْ مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ۔
○ سُبْحَانَكَ يَا حَنَّانُ يَا مَنَّانُ۔
○ يَا بَدِيْعَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔
○ اَنْتَ رَبِّيْ حَسْبِيْ اَنْتَ وَلِيِّ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ۔ اُفَوِّضُ اَمْرِيْ اِلَى اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ بَصِيْرٌ بِالْعِبَادِ حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ۔
○ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا وَّاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا۔
○ اَللّٰهُمَّ اَعِنَّا عَلٰى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ۔
○ اَللّٰهُمَّ اَذْهِبْ عَنِّي الْهَمَّ وَالْحُزْنَ۔
○ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْكُفْرِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ وَعَذَابِ النَّارِ۔
○ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ فِتْنَةِ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ۔
○ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا۔
○ اَللّٰهُمَّ اكْفِنِيْ بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ وَاَغْنِنِيْ عَمَّنْ سِوَاكَ۔
○ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ جَمِيْعِ الْفِتَنِ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ۔
○ اَللّٰهُمَّ فَارِجَ الْهَمِّ كَاشِفَ الْغَمِّ مُجِيْبَ دَعْوَةِ الْمُضْطَرِّيْنَ

رَحْمٰنَ الدُّنْيَا وَرَحِيْمَهَا اَنْتَ تَرْحَمُنِيْ فَارْحَمْنِيْ بِرَحْمَةٍ تُغْنِيْنِيْ بِهَا عَنْ رَّحْمَةِ مَنْ سِوَاكَ۔

○ اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ قُلْتَ فِيْ كِتَابِكَ الْحَقِّ اُدْعُوْنِيْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ وَاِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ۔ اِسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا يُّرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهَارًا۔

پھر تین مرتبہ۔ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ

اَللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ ...... وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ (آلِ عمران)

سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَّبُّنَا وَرَبُّ الْمَلٰٓئِكَةِ وَالرُّوْحِ۔

يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِيْثُ۔ اَصْلِحْ لِيْ شَاْنِيْ كُلَّهٗ وَلَا تَكِلْنِيْ اِلٰى نَفْسِيْ طَرْفَةَ عَيْنٍ۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْـَٔلُكَ مِنْ خَيْرِ مَا سَاَلَكَ مِنْهُ نَبِيُّكَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا اسْتَعَاذَ مِنْهُ نَبِيُّكَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنْتَ الْمُسْتَعَانُ وَعَلَيْكَ الْبَلَاغُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ۔

اس کے بعد یہ دعا پڑھتے۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ فِيْ قَلْبِيْ نُوْرًا وَّفِيْ لِسَانِيْ نُوْرًا وَّفِيْ بَصَرِيْ نُوْرًا وَّفِيْ سَمْعِيْ نُوْرًا وَّعَنْ يَّمِيْنِيْ نُوْرًا وَّعَنْ شِمَالِيْ نُوْرًا وَّخَلْفِيْ نُوْرًا وَّاجْعَلْ لِّيْ نُوْرًا وَّفِيْ عَصَبِيْ نُوْرًا وَّفِيْ لَحْمِيْ نُوْرًا وَّفِيْ دَمِيْ نُوْرًا وَّفِيْ شَعْرِيْ نُوْرًا وَّفِيْ بَشَرِيْ نُوْرًا وَّفِيْ لِسَانِيْ نُوْرًا وَّاجْعَلْ فِيْ نَفْسِيْ نُوْرًا وَّاَعْظِمْ لِيْ نُوْرًا وَّاجْعَلْنِيْ نُوْرًا وَّاجْعَلْ مِنْ فَوْقِيْ نُوْرًا وَّمِنْ تَحْتِيْ نُوْرًا اَللّٰهُمَّ اَعْطِنِيْ نُوْرًا۔

اَللّٰهُمَّ زِدْنَا وَلَا تَنْقُصْنَا وَاَكْرِمْنَا وَلَا تُهِنَّا وَاَعْطِنَا وَلَا تَحْرِمْنَا وَاٰثِرْنَا وَلَا تُؤْثِرْ عَلَيْنَا وَاَرْضِنَا وَارْضَ عَنَّا۔

یہ تو وہ عام دُعائیں ہیں جو حضرت والا شب کو سونے سے پہلے فرماتے تھے لیکن اِن کے علاوہ حضرتِ والا کا ایک خاص عمل یہ رہا ہے کہ "ایک مرتبہ آیۃ الکرسی پڑھ کر

شہادت کی اُنگلی سے خانۂ کعبہ اور روضۂ اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم کا حصار فرماتے اور سَلَامٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ. فَاللّٰهُ خَيْرٌ حَافِظًا وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ. پڑھ کر اس طرح دُعا فرماتے تھے۔

یا اللہ! حرمِ کعبہ اور حرمِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلّم یہ دونوں حرمین شریفین تیرے اور تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مُقدّس مقامات ہیں۔ یا اللہ انہیں ارضی و سماوی آفات سے محفوظ رکھیے۔ ان دونوں مقامات پر یا اللہ تیری تجلّیات کا نزول ہو رہا ہے اور تیری نعمتوں کی بارش ہو رہی ہے۔ یا اللہ یہاں کے رہنے والوں کو حیاتِ طیّبہ نصیب فرمائیے اور ہر طرح کی خیر و برکت انہیں عطا کیجیے۔ انہیں ہر قسم کی سازشوں سے محفوظ رکھیے۔ یا اللہ یہاں زائرین کو جو حج و زیارت کیلئے آتے ہیں، اُن کے تمام فرائض و واجبات اور عبادات کو، اُن کی مناجاتوں کو اور اُن کی دُعاؤں کو قبول فرمالیجئے۔ اُن کے حج و عُمرہ کو قبول فرمالیجئے

یا اللہ یہ خانۂ کعبہ اور روضۂ اقدس نبیٔ کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم آپکی تجلّی گاہیں ہیں۔ اِن کی تجلّیات انوار سے پاکستان و دیگر تمام مُمالکِ اسلامیہ کی ظلمتوں کو دُور فرمادیجئے ہر قسم کے فسق و فجور کو دُور کر دیجئے۔ رشد و ہدایت عطا فرمائیے۔

اَللّٰهُمَّ اَعِزِّ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ.

رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ وَ نَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ.

اَللّٰهُمَّ اَعِزِّ الْاِسْلَامَ وَ الْمُسْلِمِيْنَ.

اے اللہ صدرِ مملکت پاکستان اور حکومت کے صاحبِ اقتدار حُکّام کو توفیق و ہدایت اور صلاحیت دیجئے کہ وہ نفاذِ شریعت کر سکیں۔ اے اللہ ان کی نصرت و اعانت فرمائیے۔

اس کے بعد تین ۳ مرتبہ درودِ ابراہیمی پڑھتے۔

پھر چار ۴ مرتبہ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ، عَدَدَ خَلْقِهٖ وَزِنَةَ عَرْشِهٖ وَرِضٰى نَفْسِهٖ وَمِدَادَ كَلِمَاتِهٖ ۔ پڑھتے۔ اس کے بعد پھر ۵ مرتبہ درودِ ابراہیمی پڑھتے۔

اِس کے بعد حضرتِ مرشدی اس طرح دُعا فرماتے تھے۔

" یا اللہ تمام انبیاء و مُرسلین علیہم السّلام کو نبیِّ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں مقاماتِ قُرب میں پیہم ترقی عطا فرمائیے۔ یا اللہ تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ اہلِ بیت، و اعزّہ، ازواجِ مطہرات، تابعین، تبع تابعین اور انکی ازواج پر اپنی رحمتیں نازل فرمائیے۔ یا اللہ تمام خلفائے راشدین عشرۂ مُبشّرہ مُہاجرین و انصار اور اُن کی ارواح پاک پر اپنی رحمتیں نازل فرمائیے۔ یا اللہ، ان سے ہمارا تعلق قوی فرمائیے۔

یا اللہ، جو کچھ میں نے اسوقت پڑھا ہے وہ اپنے ان مقبول بندوں کے صدقہ اور طفیل میرے ماں باپ، آبا وَ اجداد اعزّہ و اقارب اور دوست احباب کے لئے بھی قبول فرمالیجئے اور ان سب کی مغفرت فرمادیجئے۔

یا اللہ! اپنے ان مقبول بندوں کے صدقہ و طفیل میرے اہل و عیال کو عافیت عطا فرمائیے۔ رشد و ہدایت عطا فرمائیے۔ شفائے کاملہ عطا فرمائیے۔ ہر طرح کی گمراہیوں سے انہیں بچا لیجئے۔

یا اللہ میری دعائیں میرے اہل و عیال کے حق میں، عزیز و اقارب کے حق میں میرے دوست احباب کے حق میں اور مجھ سے وابستہ اصحاب کے حق میں اور اُن سب کی دُعائیں میرے حق میں قبول فرمالیجئے۔

یا اللہ! آپ نے میرے سُپرد جو کام کیا ہے (جتنے بھی میرے زیرِ علاج مریض ہیں) اُن سب کو شفاء عطا فرمائیے۔

یا اللہ! اِن سب کو اپنے حفظ و امان میں رکھ کر عافیت کاملہ عطا فرمائیے۔

یا اللہ! جو دین آپ نے مجھے عطا فرمایا ہے، آپ ہی کی عطا ہے، یہ آپ ہی کی عطا کردہ نعمت ہے کہ میں آپ سے دعاء کر رہا ہوں، اے اللہ سب کو شرفِ قبولیت عطا فرمادیجئے۔ اور ہماری لغزشوں کو معاف فرماتے رہیئے۔ میرے دوست و احباب کو اِس سے زیادہ سے زیادہ نفع عطا فرمائیے اور سب کو اپنا موردِ رحمت و مغفرت بنا دیجئے۔ اور اسکو میرے لئے اپنی رضا کا مورد بنائیے۔ آمین یا ربّ العالمین بحقِ سیّد المرسلین۔ آمین۔

تَشَکُّر

اللہ تعالیٰ کی ان گنت نعمتوں پر حضرتِ مرشدی کچھ اس طرح کلماتِ شکر ادا فرماتے۔ "یا اللہ کہاں لیٹا ہوا ہوں، آپ کے انعامات برحق ہیں آپ نے ایمان عطا فرمایا ہے، اسلام عطا فرمایا ہے، آپ نے حبیب صلی اللہ علیہ وسلّم کا اُمتی بنایا ہے اور اپنے مقبول بندوں کے ساتھ وابستہ فرمایا۔ اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ وَلَکَ الشُّکْرُ۔ یا اللہ اسکی اہلیت عطا فرمایئے، ان نعمتوں کو صحیح طور پر استعمال کرنیکی توفیق عطا فرمایئے۔ یا اللہ میں جو شکر ادا کر رہا ہوں اُسکو شرفِ قبولیت عطا فرمایئے۔

اِس کے بعد حضرت مرشدی استغفار ان الفاظ میں فرماتے۔

یا اللہ! حق تو ادا نہیں ہوا۔ نفس ہے۔ شیطان ہے۔ کوتاہیاں ہیں۔ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ۔ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ۔

یا اللہ میری صلاحیتوں کو درست فرما دیجئے۔ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ تین بار۔

یا اللہ میری اہلیت درست فرما دیجئے۔ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ۔

یا اللہ میری قابلیتوں کو درست فرما دیجئے۔ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ۔

یا اللہ مجھے بندگی کی توفیق عطا فرما دیجئے۔

سب سے آخر میں حضرتِ مرشدی آنے والے انقلابات سے پناہ مانگتے۔

" اے اللہ۔ آنے والا انقلاب نہ معلوم مجھ میں۔ میرے اہل وعیال میں کیا تبدیلی پیدا کردے۔ اے اللہ میں ایسے ہر آنیوالے انقلاب سے پناہ مانگتا ہوں۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ جَمِیْعِ الْفِتَنِ مَا ظَھَرَ مِنْھَا وَمَا بَطَنَ۔

اَعُوْذُ بِکَلِمَاتِ اللّٰہِ التَّامَّاتِ کُلِّھَا مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ۔

اُفَوِّضُ اَمْرِیْ اِلَی اللّٰہِ۔ اِنَّ اللّٰہَ بَصِیْرٌ بِالْعِبَادِ۔

یا اللہ ہر قسم کے فتنوں سے بچا لیجئے۔ ہماری توبہ واستغفار کو قبول فرما لیجئے، آمین۔

یا اللہ میں اپنے ایمان کی تجدید کرتا ہوں۔

اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔

پھر معوذتین (قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس) تین بار پڑھ کر ایک مرتبہ پھر استغفار فرماتے، اور دعا فرماتے کہ یا اللہ آپ توفیق عطا فرمائیے کہ جب تک جاگتا رہوں ذکر کرتا رہوں۔

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ

حضرت مرشدی کا جمعہ کا معمول

جمعہ کے روز حضرت مرشدی کا علاوہ روزمرہ کے معمولات کے نماز جمعہ سے قبل کا یہ معمول رہتا تھا۔ تقریباً گیارہ بجے مسجد پہنچ جاتے، اور مندرجہ ذیل عبادات میں مشغول رہتے۔

۲ رکعت تحیۃ المسجد ادا کرنے کے بعد ۴ رکعت صلوٰۃ التسبیح ادا فرماتے ہیں۔ اور اس کا ثواب بہ صدقہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم، عمِ محترم حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں ان الفاظ کے ساتھ پیش فرما دیتے۔

یا اللہ! حضرتِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو معیتِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عطا فرمائیے اور ان کے صدقہ طفیل میری ۴ رکعت نماز قبول فرمائیے۔ میں اپنی تمام روحانی اور ایمانی صلاحیتوں کے ساتھ مناسب ادب و احترام کے ساتھ اس کا ہدیہ (ثواب) بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں پیش کرتا ہوں۔ اسے قبول فرمائیے۔

یا اللہ حرمین شریفین کی انوار و تجلیات سے میرے ایمان کو اور میرے اہل و عیال کے ایمان کو منور و مجلیٰ فرما دیجئے۔ اور جتنی نفس و شیطان کی ظلمتیں ہیں، ان سب کو رفع فرما دیجئے۔

صلوٰۃ التسبیح کی چار رکعت اور اس کی دعا کے بعد حضرت مرشدی ۲ - ۲ رکعت نفل کی نیت دس نفل خصوصی طور پر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ثواب پیش کرنے کے لئے ادا فرماتے، اور ان نفلوں کے بعد یہ دعا فرماتے تھے کہ جمعہ تک جتنے کام کی آپ نے توفیق عطا فرمائی ہے، یا اللہ اسے شرفِ قبولیت عطا فرمائیے۔ اور اس کا ثواب میرے والدین، آباؤ اجداد، عزیز و اقارب اور دوست احباب کو پہنچا دیجئے۔

بھائیوں میں آپس میں محبت قائم رکھنا بہت ہی ضروری ہے ورنہ تمام زندگی لطفِ زندگی حاصل نہیں ہوتا اور زندگی میں قوت نہیں محسوس ہوتی۔ بڑی تباہی کی علامت ہے کہ بھائی بھائی آپس میں اتفاق نہ رکھ سکیں سارا فساد بچوں سے بیویوں سے شروع ہوتا ہے اور آپس میں غلط فہمی اور بدمزگی پیدا ہونے لگتی ہے۔ خوب سمجھ لیا جائے عقل اسی واسطے ہے کہ پہلے سے اندازہ کر لے کہ یہ فتنہ شروع ہی نہ ہونے پائے ورنہ آخر میں جب دل بُرے ہونے لگتے ہیں اس وقت جذبات سے متاثر ہو کر عقل بھی ماؤف ہو جاتی ہے اور یہی خانہ بربادی کا باعث ہوتی ہے۔ ہر شخص کو فرداً فرداً رواداری۔ ایثار۔ چشم پوشی اور معمولی معمولی باتوں کو درگزر کرنے کی عادت ڈالنا چاہیئے۔ اسی طرح آپس میں محبت قائم رہتی ہے اور جو معاملہ غلط فہمی پر مبنی ہو اس کو فوراً صاف کر لینا چاہیئے۔ اور قصور ہو تو اعتراف کر لے اور معافی مانگ لے۔ (از: افادات عارفیہ)

منجانب: **عارفی جیولرز** (۲۲ کرڈ کی ضمانت)
۳۴، محمدی شاپنگ سینٹر
بلاک "G"، حیدری۔ نارتھ ناظم آباد کراچی

واقعات مشاہدات

سفرنامہ حج

حضرت والا قدس سرہ نے بفضلہ تعالیٰ متعدد بار ارضِ مقدّس کا سفر فرمایا۔ ان سفروں میں سے ایک حج اور ایک عمرے کا سفر نامہ خود حضرتؒ ہی کے قلم سے تحریر فرمودہ حضرتؒ کے کاغذات میں محفوظ تھا۔ حضرتؒ کے بڑے صاحبزادے جناب حسن عبّاس صاحب کے شکریہ کے ساتھ یہ دونوں سفر نامے پیش کئے جا رہے ہیں۔ ـ ـ ـ ـ ـ ادارہ

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ احسان و شکر ہے کہ اس نے محض اپنے فضل و کرم سے غیب سے ایسے سامان دفعۃً مہیا فرمادئے کہ ہم لوگوں کے لئے سفرِ حجاز اس قدر آسان ہوگیا کہ جسکا وہم و گمان کے درجہ میں بھی کوئی امکان نہ تھا ایک خفیف سی تمنّا تو ضرور مدّتوں سے تھی مگر بظاہر کوئی ذریعہ نہ تھا قرض کا سلسلہ کم و بیش تمام عمر میرے ساتھ وابستہ رہا۔ پھر دل میں وہاں کی حاضری کی کبھی کوئی صلاحیت و قابلیت ہی محسوس نہ ہوتی تھی۔

جو لوگ حرمین شریفین کی زیارت کے لئے جاتے تھے ان کے ذریعہ نیک دُعاؤں اور

اور تمناؤں کو اُن بارگاہوں میں پیش کیے جانے کا اہتمام ہمیشہ رہا۔

دسمبر ۶۲ء میں کچھ خفیف سی تحریک دل میں پیدا ہوئی جو اپنے بزرگوں اور احباب سے بار بار کے تذکرہ سے برابر بڑھتی گئی۔

پھوپھا علی سجاد صاحب قبلہ مدظلہ کی پنشن رُکی ہوئی تھی وہ الحمدللہ جاری ہو گئی۔ ان کے دل میں بھی عرصہ سے اس سفر کا ارمان تھا، وہ اور پھپھی صاحبہ بھی تیار ہونے لگے بلکہ ان کا اشتیاق بہت بڑھنے لگا۔

چچا محمد ہادی صاحب قبلہ مدظلہ کے پاس کوئی زادِ سفر نہ تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے کچھ ایسا سامان فرمایا کہ انہوں نے اپنی کسی اور مصلحت سے ناظم آباد ۱ میں نو تعمیر کردہ مکان فروخت کر ڈالا۔ جس کے عوض میں دوسرا مکان تعمیر کرنے کا ارادہ تھا۔ لیکن جب سفرِ حجاز کے متعلق میں نے اپنی آمادگی ظاہر کی تو وہ بھی مع چچی صاحبہ بغیر کسی عذر کے تیار ہو گئے اور رقم جسقدر موجود تھی وہ سفرِ حجاز کے لئے بالکل کافی تھی۔

چنانچہ وہ بہت اشتیاق کے ساتھ آمادہ ہو گئے، چچا علی ساجد بھی تیار ہو گئے۔ انہوں نے دفعتہً بڑی مستعدی کے ساتھ ارادہ قائم کیا۔ اور اخراجات سفر کا بہت جلد انتظام کیا۔ اپنے لئے بھی اور خاتون سلمہا کے لئے بھی۔ میرے اور والدہ حسن کے پاس کوئی رقم محفوظ نہ تھی اور نہ اس کے فراہم ہونے کا کوئی بظاہر امکان تھا مگر الحمدللہ بہت آسانی سے وقت پر انتظام ہو گیا فی کس تقریباً ڈھائی ہزار روپیہ کی ضرورت تھی۔ جسمیں ایک ہزار روپیہ سکنڈ کلاس کا کرایہ بحری جہاز سے اور پندرہ سو روپیہ حجاز میں ذاتی اخراجات کے لئے شامل تھا۔

اس طرح اپنے بزرگ اور ہم لوگ آٹھ افراد آمادہ سفر ہو گئے۔

احباب سے ذکر ہوا تو محترمی نجم الحسن صاحب مدظلہ عم نصیر ابن بلال سلمہٗ بھی سفر کے لئے مضطرب ہو گئے اور غیب سے ان کے لئے زادِ سفر کی رقم مہیا ہو گئی۔

ولایت حسین صاحب تاجر الہ آبادی بھی مع اپنی اہلیہ کے تیار ہو گئے اسطرح کُل گیارہ افراد ہو گئے۔ طے یہ ہوا کہ سب یکجائی اپنے نام کے فارم داخل کریں چنانچہ یکجائی درخواست فارم داخل کر دیا گیا۔ اور الحمدللہ قرعہ ہم لوگوں کے نام نکل آیا۔

دوسرے احباب بھی آمادہ سفر ہو گئے۔ چنانچہ اوصاف احمد صدیقی جو پورٹ ٹرسٹ ں ملازم ہیں اور خاص احباب میں ہیں وہ بھی تیار ہو گئے۔

اکمل خان صاحب مع اپنی اہلیہ کے اور عبدالوسیم خان بھی مع اپنی اہلیہ کے تیار وگئے۔ مگر ان کے نام قرعہ نہیں نکلا۔ البتہ یہ لوگ پاسپورٹ کے ذریعہ سے سفر کر سکے۔

الحمد للہ ہملوگوں کے تمام انتظامات قبل سفر بہت آسانی اور راحت کے ساتھ سرانجام وگئے عید کے دو تین دن ہی بعد پان اسلامک کمپنی کا بحری جہاز سفینۃ الحجاج ۶ شوال ۸۳ھ وز سہ شنبہ مطابق ۲ مارچ ۶۳ء مسافرانِ حج کو لیکر روانہ ہوا۔ ہملوگ سب اسی جہاز سے وانہ ہوئے۔ الحمد للہ سب کو حسبِ دلخواہ اچھے اور آرام دہ کیبن مل گئے۔ حسن سلمٰنہ تعارف لرادینے سے تمام افسران جہاز نے ہملوگوں کا بہت خیال کیا اور بہتر سے بہتر کھانے وغیرہ کا نتظام ہمارے لئے مہیا کیا۔

۹ مارچ - ۱۲ شوال کو ہملوگ جدہ پہونچے۔ جدہ سے کچھ مسافت قبل ہملوگوں کے لئے میقات یلم۔ ہے وہاں ہملوگوں نے احرام باندھ لئے، جدہ میں اُتر کر۔ سامان تو بندرگاہ کے قلیوں کی معرفت کسٹم ہاؤس پہونچا دیا گیا۔ اور ہملوگ بھی بسوں کے ذریعہ سے وہاں ہونچ گئے۔ نیا مقام ہونے کے سبب اور زبان عربی سے ناواقفیت کیوجہ سے کسٹم ہاؤس یں سامان کی جانچ کے وقت کچھ پریشانی ضرور ہوئی۔ مگر بہرحال معلم کے ایجنٹ کی معرفت ہملوگوں کو مدینۃ الحجاج جو سرکاری طور پر حاجیوں کے قیام کے لئے ہے وہاں عشاء کے قت پہونچ گئے۔ وہاں تمام حاجیوں کا سامان مخلوط طریقہ پر لاریوں کے ذریعہ سے پہونچ یا جاتا ہے۔ اس وقت ہات میں البتہ یہ کام ذرا دشوار تھا بہت بڑے بڑے انبار میں سے پنا سامان شناخت کر کے نکالنا پڑا۔ تمام سامان پر ہم لوگوں کے نام اور معلم علی حسن سباغ کا نام لکھا ہوا تھا۔ اس لئے سامان سب مل ہی گیا۔ جدہ میں رات بھر اور پھر دوسری روز ن بھر رہنا پڑا۔ جدہ سے مکہ المکرمہ جانے کے لئے سرکاری بسیں مقرر ہیں جنکا انتظام معلم کا ایجنٹ کرتا ہے ہمارے معلم کے ایجنٹ کا نام محمد محسن تھا۔ مغرب کے بعد بس چلی اور ہم سب مکہ المکرمہ کی طرف روانہ ہوئے۔ عرب میں اوقات مختلف ہیں وہاں ٹھیک بارہ

بجے مغرب ہوتی ہے اس حساب سے تقریباً نصف شب کے قریب ہملوگ حدود مکۃ المکرمہ میں داخل ہوئے ۔ بس کا سفر آرام دہ ہوتا ہے ۔ کوئی خاص تکلیف نہیں ہوتی ۔ جو کچھ تکلیف ہوتی ہے وہ سامان کی زیادتی کیوجہ سے ہوتی ہے ۔ ہملوگوں کے پاسپورٹ جدہ میں معلم کا ایجنٹ لے لیتا ہے اور پھر جس بس پر حاجی روانہ ہوتے ہیں وہ پاسپورٹ اس بس کے ڈرائیور کو دیدیئے جاتے ہیں ۔ جگہ جگہ پولس اور جانچ کرنے والے محکموں میں خود ڈرائیور ہی پاسپورٹ دکھاتا ہے ۔

بس مکۃ المکرمہ پہونچی اور ایک خاص مقام پر ہملوگوں کو اُتار دیا ۔ معلم کو اطلاع دیگئی اور معلّم صاحب نے فوراً آکر ہم سب کا سامان بس سے اُتار کر سڑک کے کنارے انبار کر دیا ۔ سامان کو وہیں شب کی تنہائی میں اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں چھوڑ دیا گیا ۔ اور معلم صاحب نے ہملوگوں کو یقین دلایا کہ سامان سب محفوظ رہیگا ۔ کوئی فکر کی بات نہیں ہے ۔ اُسی وقت جب معلم صاحب تشریف لائے ہیں ہمارے ماموں صاحب سید محمد علی اسد اللہ بھی تشریف لائے وہ ہملوگوں کے منتظر تھے ۔ معلم صاحب ہم سب کو اپنے مکان پر لیگئے تمام شہر میں اس وقت سناٹا تھا ۔ ایک متنفس بھی کہیں نظر نہ آتا تھا ۔ معلم صاحب کا مکان کافی بلندی پر واقع ہے جسکو جبل هندی کہتے ہیں ۔

ہم لوگوں کو مکان کی اوپر کی کھلی چھت پر بٹھایا گیا ۔ عورتیں نیچے کے درجہ میں معلم صاحب کی عورتوں کے ساتھ مقیم ہوئیں ۔ معلم صاحب کا مکان اوپر نیچے تین درجوں میں ہے مگر ہے بہت ہی مختصر ۔ اور معلّم صاحب میرٹھ کے رہنے والے ہیں اور اُردو خوب اچھی طرح سمجھتے اور بولتے ہیں ۔ اُن کو وہاں کی ہجرت دوسری نسل میں ہے ہملوگوں کیلئے بہت سادہ کھانا تیار تھا ۔ صرف خمیری روٹی اور آلو کا گوشت ۔ مگر بہت ہی لذیذ تھا ۔ کھانے سے فراغت کے بعد ہی معلّم صاحب نے ہم کو ساتھ لیکر عمرہ ادا کرنے کے لئے حرم کعبہ شریف کیطرف روانہ ہوئے ۔ ہمارا چودہ آدمیوں کا قافلہ تھا ۔ آٹھ مرد اور چھ عورتیں ۔ چاندنی رات تھی اور سڑک پر انتہائی خاموش فضا طاری تھی ۔ معلم صاحب آگے آگے تلبیہ پڑھتے ہوئے لبیک اللھمّ لبیک .... الخ

اور اس کے علاوہ دعا ہائے ماثورہ پڑھتے ہوئے جارہے تھے اور ہم سب

یچھے پیچھے ان کلمات کو دہراتے جاتے تھے۔ حرم شریف تقریباً وہاں سے دو فرلانگ ہوگا۔ ہم سب
حرام باندھے ہوئے سفر کی تکان سے خستہ اور مقامِ عظمت کی وجہ سے حواس باختہ عجب رَو میں جا رہے
ھے حرم شریف میں اس زمانہ میں تعمیری توسیع ہو رہی تھی اسلئے جب ہملوگ بابِ ابراہیم پر
ہونچے تو داخل ہونے کے قبل تعمیری سامان ہر طرف پھیلا ہوا تھا اور چھت کی تعمیر کے سلسلہ
یں لکڑیوں کے ستون سہارے کے لئے لگے ہوئے تھے ان سب سے گذرتے ہوئے دفعۃً
رم کعبہ آنکھوں کے سامنے آگیا۔ حواس ہی بجا نہ تھے جو ماثورہ دعائیں پڑھتے یا اور کوئی نذرانہ
قیدت و عظمت ادا کرتے۔ واللہ اعلم کس عالم میں ہم سب تھے کہ یاد ہی نہ رہا کہ کس مقام پر
گئے۔ مسجد حرم میں داخل ہوتے ہی معلم صاحب نے عشاء کی نماز کی امامت فرمائی اور ہم سب
لم گستگی کے عالم میں مقتدی بن گئے اور نماز ادا کی پھر معلم صاحب فوراً ہی ہم سب کو طواف
ے لئے لیگئے اور یہ بھی خبر نہیں کہ ہم سب نے کس طرح سنگ اسود کے مقام پر پہونچکر نیت
واف کی۔ اور کسطرح طواف شروع کیا۔ بہرحال معلم صاحب آگے آگے کچھ پڑھتے جاتے تھے
ور ہملوگ دہراتے جاتے تھے اور طواف کرتے جاتے تھے۔ طواف ختم ہوا۔

ہم سب کو ملتزم پر جاکر دعا کرنے کی تلقین کی پھر مقامِ ابراہیم پر پہونچکر دو رکعت
از طواف ادا کی پھر چاہ زمزم پر جاکر خوب سیراب ہوئے پھر وہاں سے صفا مروا کی طرف
ب عمرہ سے باہر آئے اور صفا مروا میں سعی شروع کی۔ معلم صاحب کا آدمی دعائے ماثورہ
ور زور سے پڑھتا ہوا ہم سب کی رہنمائی کرتا رہا۔ ساتواں چکر مروا پر ختم ہوا۔ عورتوں کو
ہیں بٹھا دیا اور مرد سب قریب ہی کے دروازے سے باہر گئے اور وہاں حجام کی دکان پر سر
ے بال صاف کرائے۔ ارکان عمرہ ختم ہوگئے۔ اور ہمارے احرام کھولدئے جانے کا موقعہ
یا۔ مگر ہم لوگ ابھی احرام ہی ملبوس رہے۔ پھر مسجد حرم شریف میں پہونچکر دو رکعت
ل نماز ادا کی۔ اور پھر معلم صاحب ہم سب کو لیکر اپنے مکان کیطرف روانہ ہوئے۔ عجیب
نظر تھا۔ ہم سب اُسی بدحواسی میں چلے جا رہے تھے۔ سڑکوں میں بڑی پُرکیف خاموشی
اری تھی۔

شب معلم صاحب کے مکان پر بسر ہوئی۔ اور نماز فجر بھی وہیں ادا ہوئی۔ پھر ہملوگ

چائے پی کر مکان کی تلاش میں نکلے۔ معلم صاحب نے متعدد مکان دکھائے مگر کوئی بھی مکان ہمارے لئے مناسب نہ ملا۔ پھر ہملوگ یعنی میں اور مولوی ولایت حسین اور حافظ ریاض الحق صاحب مکان کی تلاش میں سرگرداں رہے۔ سامان جو سڑک پر رات بھر پڑا رہا تھا اسکو معلم صاحب نے مدرسہ صولتیہ پہونچا دیا۔ مدرسہ صولتیہ کے مہتمم مولانا محمد سلیم صاحب کیرانہ کے رہنے والے ہیں اور یہ چچی صاحبہ یعنی والدہ محترمہ کے عزیز قریب ہیں۔ سامان کے ساتھ باقی سب لوگ بھی مدرسہ صولتیہ میں آگئے وہاں نیچے کے درجہ میں اِن سب کو قیام کی جگہ دیدی گئی۔ ہم تین افراد مکان کی تلاش میں پھرتے پھرتے اپنے محترم محب دیرینہ حافظ محمد زکریا صاحب تاجر عطر جونپور کی تلاش میں ان کے مکان پر کسی ذریعہ سے پہونچے مکان باب سعود کے بالکل مقابل سڑک کے اُس پار واقع ہے۔

حافظ زکریا صاحب تقریباً پچیس سال سے ہجرت کر کے مکہ المکرمہ میں مقیم ہیں اُن کے ساتھ اُن کی اہلیہ اور دو لڑکے محمد الیاس اور محمد احمد ہیں۔ اور وہاں عطریات کی دکان ماشاء اللہ بڑے پیمانہ پر قائم ہے۔

حافظ زکریا صاحب سے ان کے مکان پر ملاقات ہوئی۔ مجھکو دیکھ کر بیتاب ہوگئے اور معانقہ فرما کر رونے لگے اور فرمایا کہ آپ اب آئے جب ہم کسی خدمت کے قابل نہ رہے حافظ صاحب کو ثقل سماعت بہت زیادہ ہوگیا ہے۔ اور اعضار میں نیچے کے دھڑ میں فالج اور وجع المفاصل کی کمزوری بہت زیادہ لاحق ہوگئی ہے۔

ہملوگوں کو اپنے کمرہ میں لاکر شربت وغیرہ پیش کیا۔ ہم نے مکان کی دشواری کا مسئلہ پیش کیا۔ حافظ صاحب نے براہ راست ہم سے کچھ نہ کہا بلکہ اشارہ میں فرمایا کہ تقریباً تین ہزار ریال میں مکان مل سکتا ہے۔ اگر اس سے کم میں طلب ہو تو پھر اسکی تلاش کی جائیگی معلوم ہوا کہ خود حافظ کے مکان کا زیریں درجہ اس غرض کے لئے خالی ہے۔ جو حجاج کو اس زمانہ میں کرایہ پر دیا جاتا ہے۔ حافظ صاحب نے فرمایا کہ اس کا تعلق چونکہ براہ راست اُن سے نہیں ہے اسلئے وہ کچھ نہیں کہہ سکتے بہرکیف ان کے صاحبزادے محمد الیاس صاحب نے اس مکان کو ہمارے مقام کے لئے صاف کرادیا۔ پھر ہملوگ بعد مغرب مدرسہ صولتیہ

سے معہ سب ہمراہیوں اور سامان کے اس مکان میں پہونچ گئے مکان کے دوسرے درجہ میں دو کمرے ہیں ایک بہت بڑا کمرہ ہے جسمیں ہمارے واسطے بہت بڑا قالین بچھا دیا گیا۔ اس میں ہم سب مرد فرد کش ہو گئے اور اس سے ملحق کمرہ جو کافی وسعت کا ہے اور اس میں سب عورتیں آرام پذیر ہو گئیں۔ اندر کے کمرے کے متصل برابر میں ایک اور کمرہ ہے جسمیں سامان رکھ دیا گیا اور اُسی سے متصل غسل خانہ اور پانی رکھنے کی جگہ ہے۔ سامان کے کمرے سے باہر جانے کے لئے پتلی گلی سی ہے۔ جس کے آخر میں پاخانہ ہے نیچے کی طرف جانے میں بھی ایک پاخانہ ہے اور پھر سب سے نیچے کے درجہ میں بھی ایک پاخانہ ہے اسلئے الحمد للہ بہت ہی آرام کا مکان ہے سب سے بڑی نعمت اور خوبی اس مکان میں یہ ہے کہ مکان سے نکل کر سامنے چند قدم پر شارع عام ہے اور اُس کے اُس طرف حرم شریف ہے باب سعود نو تعمیر شدہ عمارت کی عالیشان عمارت ہے۔ اذان کی آواز اسی طرح سُنی جاتی ہے جس طرح خود حرم شریف میں۔ عورتوں کے لئے بالکل فراغت اور اطمینان کے ساتھ آمد و رفت میں جو آسانی تھی۔ اسکی طرف سے بالکل اطمینان تھا۔ بحمد اللہ تعالیٰ ہم سب کو حرم شریف میں پانچوں وقت باجماعت نماز نصیب تھی اور اسکے علاوہ طوافِ کعبہ شریف کے لئے حسب دلخواہ اوقات میسّر تھے۔ باب سعود کے سامنے بازار تھا جہاں کھانے اور دیگر ضروریات کے حاصل کرنے میں بھی بے انتہا آسانی تھی۔

سفر مدینہ طیّبہ

تقریباً ۲۲؍یوم مکۃ المکرمہ میں قیام کے بعد ہم سب لوگ ۲؍اپریل ۶۳ء کو مدینہ طیّبہ روانہ ہوئے بعد مغرب بس کے ذریعہ سے روانگی ہوئی اور دوسرے روز ۳؍اپریل ۶۳ء کو ظہر کے قریب ہملوگ اس ارض پاک میں پہونچ گئے۔ حواس یہاں بھی بجا نہ تھے۔ سفر کا تکان اور اجنبیت مقام کی وجہ سے طبیعتوں میں عجب بے حسی سی طاری تھی ہماری بس بالکل حرم شریف کے سامنے باب مجیدی کے مقابل میں ٹھہری سڑک کے بالکل مقابل میں اصطفا منزل ہے۔ وہاں پہلے سے محب صادق جناب اصطفا خان مرحوم نے

بہاؤالدین رئیس المزورین کو ہملوگوں کے متعلق خصوصی خط لکھ دیا۔ وہ ہملوگوں کے منتظر تھے۔ عجب اتفاق ہے ہمارے مدینہ طیبہ پہونچنے سے ایک ہی ہفتہ قبل جناب اصطفا خان صاحب کراچی میں رحلت فرماگئے۔ انّا للہ وانّا الیہ راجعون۔ بہت ہی متواضع بزرگ تھے اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرماویں۔

اصطفا منزل میں نیچے کے درجہ میں عورتوں کے لئے ایک کشادہ کمرہ مل گیا اور اوپر کی منزل میں ہملوگوں کے لئے تین کمرے اور غسلخانہ و پاخانہ کا انتظام تھا۔ ہملوگ جلد از جلد ظہر کی نماز سے فارغ ہوئے حرم شریف میں نماز ظہر ہو چکی تھی۔ پھر وہاں سے کسی صاحب کے ساتھ حرم شریف میں داخل ہوئے باب جبرئیل کی طرف سے شرف باریابی ہوا نماز تحیۃ المسجد ادا کی اور پھر ہم سب مواجہ شریف کے سامنے لائے گئے۔ حواس یقیناً صحیح نہیں تھے معلّم نے ہملوگوں کو جسطرح صلوٰۃ وسلام تلقین کیا وہ ہم ادا کرتے رہے۔ پھر اس کے بعد کہاں رہے اور کس طرح رہے کچھ یاد نہیں۔ مغرب سے قبل ہی تمام حرم شریف بجلیوں کے فانوس سے منور اور روشن ہو گیا۔ نماز مغرب باجماعت ادا ہوئی۔ پھر ہملوگ اپنی قیام گاہ پر آئے۔ تقریباً بیس یوم تک اس ارضِ تجلیات میں قیام رہا۔ نماز پنجگانہ کے علاوہ نماز تہجد کی بھی سعادت ملتی رہی۔ اور روضۃ الجنت اور ممبر شریف اور محراب نبوی صلّی اللہ علیہ وسلّم میں نمازیں ادا کیں۔ دو قرآن شریف ختم کئے۔ مناجاتِ مقبول اور دلائل الخیرات ایک ایک بار ختم کی۔ دو تین بار جنت البقیع میں حاضری ہوئی اور پھر مسجد قبا۔ مسجد ذو قبلتین۔ جبل اُحد۔ مزار حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور اسی سے متعلق مقامات قدس میں ایک بار حاضری ہوئی۔

۲۹؍ ذیقعدہ ۲۳؍ اپریل بوقت مغرب یہاں سے واپسی ہوئی۔ مسجد نبوی میں حاضری اور آخری سلام عرض کرنے کے بعد احرام باندھا۔ نماز احرام ادا کی اور واپسی کے لئے تیاری ہوئی۔ کس طرح ہوئی اور کس دلی کیفیات کے ساتھ ہوئی وہ قابل بیان نہیں ہو سکتی۔ مکۃ المکرمہ سے آتے وقت اثنار راہ میں شب و دن مقام رافع میں قیام رہا تھا۔ واپسی میں مقام مستورہ میں شب گذاری۔ اور ۳۰؍ ذی قعدہ کو بعد عصر مکۃ المکرمہ

میں پہونچ گئے۔

ہمارے ہمراہیوں نے عمرہ ادا کیا اور احرام کھولدیئے۔ مگر میں بیمار تھا۔ اور شب مستورہ بھی میں بخار میں مبتلا ہو گیا تھا۔ وُرود مکہ المکرمہ کے وقت بھی شدید بخار میں مبتلا تھا اسلیئے عمرہ ادا نہ کر سکا۔ اسیطرح ۷ ذی الحجہ تک بخار شدید میں مبتلا رہا۔ چونکہ ۸ ذی الحجہ سے مناسک حج شروع ہونے ہیں اس لئے میں نے ۷ ذی الحجہ کو بعد عشاء شبری پر سوار ہو کر عمرہ ادا کیا اور نصف شب کے قریب عمرہ سے فارغ ہو کر احرام کھولدیا۔

دوسرے روز ۸ ذی الحجہ تھی۔ پھر ہم سب نے مسجد حرم میں جا کر احرام باندھا اور نماز احرام ادا کر کے تقریباً نصف النہار سے قبل سب لوگ معلم صاحب کی بس پر منیٰ روانہ ہوئے قبل نماز ظہر منیٰ پہونچ گئے۔

معلم صاحب سے ہملوگوں نے کچھ رقم زائد دیکر منیٰ میں رمی جمار کے قریب ہی جگہ مقرر کرائی تھی۔ معلم صاحب نے ہملوگوں کے لئے ایک پہاڑی کے نیچے دو خیمے لگوا دیئے ہیں ایک عورتوں کے لئے اور دوسرا مردوں کے لئے۔ استنجاء خانہ اور پانی کا بہت کافی اچھا انتظام تھا۔ کھانا بازار سے آجاتا تھا۔ دوسرے روز ۹ ذی الحجہ کو معلم صاحب ہم سب کو اپنی بس پر عرفات لیگئے۔ وہاں قبل ظہر ہملوگ پہونچ گئے۔ ہمارے خیمے تیار تھے ایک عورتوں کے لئے دوسرا ہملوگوں کے لئے۔ ہمارے خیموں کے قریب ہی ماموں محمد علی اسداللہ صاحب کے اور ان کے بھائی اور داماد کے بھی خیمے تھے معلم صاحب کا خیمہ بھی بالکل قریب تھا۔ بعد ظہر معلم صاحب کیطرف سے ہم لوگوں کی دعوت تھی۔ اسمیں صرف دُنبہ کا پلاؤ تھا پانی بہت اچھا۔ ٹھنڈا اور افراط کے ساتھ مہیا تھا۔ عصر کے بعد معلم صاحب نے زور زور سے ماثورہ دُعائیں عجب انداز محویت میں پڑھیں۔ جس پر ہم لوگ آمین کہتے رہے۔ اس کے علاوہ بعد ظہر ہی سے ہم سب اپنی اپنی دعاؤں میں مشغول رہے اور ایک بار بلند آواز سے پوری مناجات مقبول پڑھی گئی جس پر سامعین برابر آمین کہتے رہے۔

مغرب کی نماز عرفات میں نہیں پڑھی جاتی بلکہ مزدلفہ میں پہونچ کر عشاء کی نماز سے قبل ادا کر لی جاتی ہے۔

ہملوگ عرفات سے معلم صاحب کی بس پر مزدلفہ سے بعد مغرب روانہ ہوئے اور کافی تاریکی ہو جانے کے بعد مزدلفہ پہونچے۔ نماز مغرب اور اسکے بعد ہی نماز عشاء پڑھی گئی۔ ہملوگوں نے اپنے بستر ریت پر بچھائے۔ عجیب منظر تھا دُور دُور تک مسلسل ایک ایک کے ساتھ لاکھوں اللہ کے بندے امیر و غریب سب بستر لگائے ہوئے تھے رات کافی ٹھنڈی تھی۔ میری طبیعت اچھی نہ تھی بخار و حرارت کا اثر تھا۔ رات میں کمبل اوڑھنا پڑا۔ احرام کے شرائط کی بھی نادانستہ کئی بار خلاف ورزی ہوئی۔ صبح فجر کے قبل سب حاجی تیار ہو گئے۔

طلوع فجر کے بعد ہی سب لوگ نماز فرض فجر سے فارغ ہوئے۔ اپنی اپنی جماعت جو جہاں تھا وہاں بنالی۔ چند منٹ وقوف کیا۔ یعنی قبلہ رُخ کھڑے ہو کر دُعائیں مانگی گئیں پھر وہاں سے بس پر روانہ ہوئے۔ مزدلفہ سے منیٰ تک مشکل سے ۳ر میل کا فاصلہ ہے۔ مگر تقریباً بیس لاکھ حاجی بیک وقت روانہ ہوتے ہیں۔ ہزار ہا۔ موٹر۔ اور بس چلتی ہیں سڑکیں متوازی تقریباً چھ سڑکیں ہیں اور ایک ایک سڑک اس قدر کشادہ ہے کہ برابر چار بسیں چلتی ہیں۔ مگر اتنی مختصر مسافت بھی چھ سات گھنٹے میں طے ہوتی ہے۔ مشکل سے ایک ایک بالشت حرکت ہو سکتی ہے۔ بہت لوگ پیادہ جاتے ہیں بعض مقامی لوگ اونٹوں پر سفر کرتے ہیں منیٰ میں پہونچتے ہی بڑے شیطان پر رمی جمار ہوتا ہے۔ سات کنکریاں بیک وقت ماری جاتی ہیں۔ ہملوگوں نے مزدلفہ میں شب کے قیام میں کافی تعداد میں چھوٹی ۲ کنکریاں جمع کر لی تھیں چونکہ لاکھوں آدمی بیک وقت رمی جمار کے لئے سبقت کرتے ہیں اس لئے کمزور اور بیمار لوگوں کے لئے کچھ توقف ضروری ہے۔

رمی جمار کے فوراً بعد مذبح جانا ہوتا ہے اور وہاں قربانی کرنا پڑتی ہے۔ جانور بکرے۔ دُنبے۔ گائیں۔ اُونٹ اور اُنکو ذبح کرنے والے وہاں موجود ہوتے ہیں۔

ہملوگوں نے منیٰ پہونچکر کچھ ناشتہ وغیرہ کیا اور زوال سے پیشتر ہم سب رمی جمار کے لئے روانہ ہوئے۔ عورتیں بھی ہمراہ پیدل ساتھ تھیں۔ اس وقت مجمع بہت کم ہو گیا تھا۔ عورتوں نے بھی بہت قریب سے پہونچکر کنکریاں ماریں۔ ہملوگ واپس قیام گاہ پر آئے اور ہمارے چند احباب قربانی کرنے کے لئے گئے ہماری طرف سے بھی وکالتاً

قربانی کی۔ قربانی کرنے کے بعد اُن لوگوں نے سر کے بال صاف کرائے اور کچھ قربانی کا گوشت لیکر قیام گاہ پر آئے۔ اُن کے آجانے کے بعد تقریباً مغرب کے وقت ہملوگوں نے بھی سر کے بال اُترائے اور ہم سب کے احرام کھل گئے۔ روزمرہ کے لباس پہن لئے

تمام حاجی زیادہ تر اُسی روز طوافِ زیارت کے لئے روانہ ہو جاتے ہیں اور پھر منیٰ واپس آجاتے ہیں۔ ہملوگوں کو بھی مشورہ دیا گیا کہ چونکہ سب رفقار ضعیف ہیں اور مستورات بھی ہیں اس لئے ہجوم اور ازدہام کا تحمّل نہو سکیگا مناسب یہ ہے کہ دوسرے روز یعنی ۱۱ر ذی الحجہ کو بعد عصر رمی جمار سے فارغ ہو کر طواف زیارت کے لئے مکہ المکرمہ جائیں۔ چنانچہ اسی مشورہ پر عمل ہوا اور ہملوگ ۱۱ر ذی الحجہ کو نماز مغرب کے وقت مکہ المکرمہ پہونچے۔ نماز باجماعت مل گئی۔ اس کے بعد ہملوگوں نے اپنے جائے قیام پر جاکر کچھ آرام کیا۔ اور سفر کا تکان ختم ہو جانے پر طواف زیارت کے لئے روانہ ہوئے بحمد اللہ تعالیٰ بہت سکون کے ساتھ اس کا موقعہ مل گیا۔ طواف سے فارغ ہو کر۔ ملتزم اور مقامِ ابراہیم اور زمزم کے مراتب ادا کر کے صفامروا میں سعی کی اور پھر نماز عشاء ادا کرنے کے بعد معلّم صاحب کی بس پر منیٰ واپس آگئے۔ احرام تو ہملوگوں کے ۱۰ر ذی الحجہ ہی کو مغرب کے وقت کھل گئے تھے اس لئے سادہ لباس میں سعی صفا و مروا ادا کیا۔ ۱۲ر ذی الحجہ کو بعد عصر پھر آخری رمی کی گئی اور ہملوگ قبل مغرب منیٰ سے مکہ المکرمہ روانہ ہو گئے اگر منیٰ میں مغرب کا وقت ہو جاتا تو پھر ایک شب وہاں اور قیام کرنا پڑتا اور پھر ۱۳ر تاریخ کو رمی کرنیکے بعد مکہ المکرمہ جاسکتے۔

پھر ۱۳ر ذی الحجہ سے ۱۸ر ذی الحجہ تک مکہ المکرمہ میں قیام رہا۔

۱۸ر ذی الحجہ ۸۲ھ مطابق ۱۲ر مئی ۶۳ء طواف وداع کر کے ہملوگ مکہ المکرمہ سے جدہ روانہ ہو گئے۔

دو روز جدہ میں انتظار جہاز میں قیام کرنا پڑا ۲۱ر ذی الحجہ مطابق ۱۵ر مئی سفینہ الحجاج جدہ سے صبح اشراق کے بعد روانہ ہوا۔

۲۷ر ذی الحجہ مطابق ۲۱ر مئی ۶۳ء بروز چہار شنبہ بوقت گیارہ بجے دن ہملوگ بحمد اللہ کراچی پہونچ گئے ———— اس سفر کے معلومات۔ تجربات۔ مشاہدات و تاثرات انشاء اللہ تعالیٰ کسی وقت مفصل لکھنے کا ارادہ ہے۔

سفر عمرہ

واقعات و مشاہدات

۱۳۸۲ھ مطابق ۱۹۶۳ء میں ادائیگی حج بیت اللہ شریف کے بعد دل میں تمنا تو یہی تھی کہ پھر ان آستانوں پر حاضری کی توفیق ہو۔ دل میں برابر ایک تشنگی سی محسوس ہوتی تھی یہ خیال بہت غالب تھا کہ دونوں آستانوں پر کچھ غفلت سی طاری رہی اور حق حضوری تھا وہ ادا نہ ہو سکا۔ کاش پھر دوبارہ حاضری ہو تاکہ کچھ ہوش و حواس کے ساتھ اُن آستانوں کا حق ادا کیا جائے۔

دوبارہ حج کے لئے بہت سی دشواریاں حائل ہیں۔ حکومت ایک بار حج کے بعد پھر پانچ سال حج کے لئے اجازت نہیں دیتی اس لئے عمرے ہی کے لئے خیال تھا۔

رمضان المبارک کے عمرے کے بڑے فضائل احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں وارد ہیں۔ یہ معلوم ہو کر کہ اس زمانہ میں مکہ المکرمہ اور مدینہ طیبہ میں اسقدر سردی ہوتی ہے کہ جسکا تحمل شاید نہ ہو سکے۔ اس ارادہ کو ملتوی کر دیا۔ چونکہ عام پاسپورٹ پہلے سے تیار تھا۔ اس لئے پھر خیال ہوا کہ جب حاجیوں کو واپس لانے کے لئے پہلا جہاز کراچی سے جائیگا اسسے جائیں اور آخری جہاز سے قبل جو جہاز حاجیوں کو لیکر آتا ہے اسسے واپس آئیں۔ چنانچہ ماہ اپریل کی ۱۰ تاریخ سے قبل اسٹیٹ بنک کو عمرے کے واسطے ایکسچینج کے واسطے درخواست دیگئی مگر قرعہ میں ہملوگوں کا نام نہیں نکلا۔ فوراً دوسری تدبیر پر عمل کیا گیا۔ یعنی اسٹیٹ بنک کی اجازت جو "پی،، فارم پر حاصل کی جاتی ہے اس کے لئے تدابیر کی گئی اور الحمد للہ اس میں کامیابی ہو گئی۔ مگر بنک نے صرف دس پونڈ فی کس منظوری دی۔ ہملوگوں نے پان اسلامک کمپنی کے منیجر وغیرہ سے ٹکٹ کے لئے کوشش کی۔ الحمد للہ ہملوگوں کو دو ٹکٹ فرسٹ کلاس میں مفت حاصل ہو گئے صرف کھانے کے مصارف ادا کرنے پڑے اور دو نفر کے لئے۔

۳٪ ڈالر کے مبادلہ میں ۲۷۵/- روپے صرف ہوئے۔ کھانے کے لئے ادا کئے۔ ۴۵۵/۵۰ روپے

اس طرح کل رقم صرف ہوئی ۷۳۰/۵۰ روپے۔

جہاز ۲۹ ، ذی الحجہ ۸۴ھ مطابق ۲ ، مئی ۶۵ء کو بروز یکشنبہ صبح ۱۱ ، بجے روانہ ہوا اور ہملوگ یکشنبہ ۱۰ ، مئی کو جدہ پہونچے بعد ظہر حسن سلمہٗ کے تعارف کرادینے پر۔ کپتان جہاز اور دیگر عمال نے ہملوگوں کا بہت خیال کیا اور بحمداللہ سفر نہایت آرام اور راحت کے ساتھ پورا ہوا۔ جدہ میں حکیم سید محمد ابراہیم صاحب اور حافظ ریاض الحق صاحب موجود تھے۔ معلم صاحب علی حسن صباغ اپنی موٹر لیکر موجود تھے۔ سامان موٹر پر رکھ کر پہلے کسٹم ہاؤس گئے وہاں سے فراغت کے بعد نصرت علی صاحب کے مکان پر گئے۔ وہاں نماز عصر ادا کی اور چاء پی کر ہملوگ مکہ المکرمہ روانہ ہوگئے عین نماز مغرب کے وقت حرم شریف پہونچے مغرب کی نماز ادا کرنے کے بعد فوراً عمرے کے ارکان ادا کئے پھر جائے قیام پر آگئے۔

حافظ ریاض الحق صاحب نے ہملوگوں کے لئے باب السعود کے مقابل ہی میں فندق عرفات میں دو کمرے قبل سے طے کر لئے تھے ایک ماہ کے لئے مبلغ دو سو ریال میں کرایہ جمع کر دیا گیا تھا۔ ہوٹل کے کمرے صاف ستھرے اور آرام دہ ہیں۔ بجلی کا پنکھا۔ روشنی۔ اور پانی۔ اور پاخانہ غسلخانہ آرام دہ ہے۔

تیسری منزل پر ہمارا قیام تھا۔ ہوٹل میں لفٹ ہونے کی وجہ سے بہت آرام ملا ہر وقت آمد و رفت کی سہولت تھی۔ ۱۲ ، مئی ۶۵ء کو ہم سب نے مقام جعرانہ سے ایک عمرہ اور ادا کیا۔ یہ وہ مقام ہے جہاں سے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کے لئے احرام باندھا تھا

مکہ مکرمہ کے قریب ایک مقام ‘‘تنعیم،، بھی ہے جہاں سے عمرے کے لئے احرام باندھا جاتا ہے یہ وہ مقام ہے جہاں سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عمرہ کے لئے احرام باندھا تھا۔ روزانہ بعد نماز فجر باب السعود پر ٹیکسی والے آواز لگاتے رہتے ہیں کہ بڑا عمرہ کے لئے جو حاجی جانا چاہیں وہ ایک ریال آمد و رفت کے لئے دیکر جا سکتے ہیں۔ آنے جانے میں مشکل سے ایک گھنٹہ بھر لگتا ہے۔ ان مقامات پر مسجد بھی ہے اور پانی کا انتظام بھی ہے

۱۵ ، محرم الحرام ۸۵ھ ۱۵ ، مئی ۶۵ء بعد نماز عصر۔ ماموں محمد علی اسد اللہ صاحب مدظلہ نے دو موٹر کار ہملوگوں کے لئے مہیا کئے اور ہملوگوں کو میدان عرفات لیگئے۔

جبل رحمت کے نیچے ہملوگ فروکش ہوئے۔ چاروں طرف تاحد نظر بڑا وسیع میدان ہے

اور اس کے گرد پہاڑیاں ہیں حج کے دن تاحد نظر مختلف مقامات کے حاجیوں کے خیمے ہی خیمے نظر آتے ہیں۔ مکہ المکرمہ سے عرفات تک بڑی وسیع اور متوازی چھ سڑکیں ہیں۔ پانی کا بہت بڑا ذخیرہ نہر زبیدہ کے ذریعے ہر جگہ موجود ہے۔ نل بھی لگے ہوئے ہیں۔ ہملوگ جبل رحمت پر اوپر تک گئے۔ چڑھائی پر کشادہ زینے بنے ہوئے ہیں۔ اوپر دو مقام پر چھوٹی سی کھلی ہوئی مسجدیں ہیں وہاں مشہور ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ دیر مقام و وقوف فرمایا تھا۔ ان دونوں مقامات پر ہملوگوں نے بھی دعائیں کیں۔ واپسی پر مسجد نمرا کی زیارت کی پھر مشعر الحرام کی زیارت کی اور پھر مغرب کی نماز مسجد خیف جو منیٰ میں واقع ہے وہاں ادا کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جس مقام پر نماز ادا کی تھی وہاں محراب بنی ہے ہملوگوں نے بھی دو رکعت نفل وہاں ادا کی۔

۱۷ مئی ۶۵ء کو بعد نماز عصر۔ محمد شمیم صاحب ابن محمد سلیم صاحب منتظم مدرسہ صولتیہ نے ہملوگوں کو اپنے مکان پر چاء پر مدعو کیا۔ وہاں سے وہ ہم کو جنت المعلیٰ کی زیارت کے لئے لے گئے۔ اس قبرستان کے دو حصے ہیں۔ آخری حصہ قرونِ اولیٰ کا ہے۔ اس کے کچھ حصہ میں پہاڑ کے بالکل نیچے کفار عرب کے قبور ہیں اور شروع کے حصے میں اصحاب کبار رضی اللہ عنہ کے مزارات ہیں سب سے زیادہ محترم ہستی جو اس خطہ پاک میں آسودہ ہے وہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا ہیں۔ ہملوگوں کو اس مقام پر حاضری کی سعادت نصیب ہوئی۔ پہلے تمام قبور پر گنبد اور کتبے تھے اب سب کے نشانات منہدم کر دئے گئے ہیں۔ اور اکثر و بیشتر قبور بے نام و نشان ہیں۔ محمد شمیم صاحب کی نشاندہی پر ہملوگ ان معروف مزارات پر حاضر ہوئے۔ ہملوگ پھر حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی قدس سرہٗ العزیز کے مزار پر حاضر ہوئے۔ اس محدود خطہ میں تین بہت مقتدر ہستیاں خوابیدہ ہیں۔ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہٗ العزیز کے مزار پر حاضری کے بعد متصل ہی مولوی رحمت اللہ صاحب نوّر اللہ مرقدہٗ کا مزار ہے یہ بزرگ کیرانہ کے رہنے والے اور بانی مدرسہ صولتیہ ہیں۔ مولوی سلیم صاحب کے دادا ہیں ان بزرگ کے مزار سے متصل ہی حضرت صاحب دلائل الخیرات قدس سرہٗ العزیز کا مزار ہے۔ ہملوگوں نے ہر

مزار پر فاتحہ پڑھی اور دعائیں کیں۔ میں نے مزار صاحب دلائل الخیرات پر بعد فاتحہ یہ بھی عرض کیا کہ مجھکو صاحب دلائل الخیرات اپنی روحانی توجہ سے دلائل الخیرات کی اجازت عطا فرماویں۔ اللہ تعالیٰ اس التجا کو قبول فرمائیں۔ اس محدود خطہ قبرستان میں اور بھی بڑے بڑے مراتب کے صحابی آرام فرما ہیں۔ مگر نشانات کا پتہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن سب پر اپنی رحمت و مغفرت ہمہ وقت بیحد و بے حساب تا قیامت نازل فرماویں۔ آمین۔

۲۰ محرم الحرام ۸۵ھ ۲۰ مئی ۶۵ء سفر مدینہ طیّبہ جمعرات

ماموں محمد علی اسد اللہ صاحب مدظلہٗ کے صاحبزادے محمود سلّمہٗ نے ہملوگوں کو اپنی کار سے مدینہ طیبہ لیجانے کا انتظام کیا چنانچہ ہملوگ جمعرات کو بعد نماز عصر جو عربی وقت سے ۹ بجے ہوتی ہے۔ ۱۰ بجے روانہ ہوئے۔ رات میں مقام بدر میں ایک گھنٹہ قیام کیا اور پھر مدینہ طیبہ روانہ ہوگئے۔ اسی مقام بدر سے مدینہ طیّبہ ۲ گھنٹے کے سفر کا ہے جس وقت ہملوگ فجر میں مدینہ طیبہ میں حرم شریف کے سامنے پہونچے ہیں۔ اُسی وقت نماز فجر ختم ہوئی تھی۔ ہملوگوں نے سامان کار ہی پر رہنے دیا۔ اور استنجے خانہ میں وضو کرکے نماز فجر مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ادا کی۔ پھر جائے قیام کے تعین کے لئے دو گھنٹہ تک سرگردانی رہی جہاں جہاں ٹھہرنے کا انتظام ممکن تھا وہاں جاکر دیکھا کہیں آرام کی صورت نظر نہ آئی۔ آخر کار اصطفا منزل ہی میں قیام کے لئے انتظام ہوگیا۔

اصطفا منزل بالکل حرم شریف کے سامنے ہی ہے صرف ایک کشادہ سڑک سامنے ہے۔ عورتوں کے لیے نیچے کا درجہ اور ہملوگوں کے لئے اوپر کا درجہ آرام دہ اور فراغت کا مل گیا۔ اس جگہ قیام کی برکت سے ہر وقت نہایت ہی آسانی سے حرم شریف میں آنا جانا ممکن تھا۔ اور بحمد اللہ یہ ہمارے لئے بڑی نعمت غیر مترقبہ ثابت ہوا۔ جائے قیام پر فرد کش ہونے کے بعد ہملوگوں نے وضو خانہ ہی میں غسل کیا۔ کپڑے بدلے۔ حرم شریف میں داخل ہوکر روضۃ الجنۃ میں نماز تحیۃ المسجد ادا کی پھر باب جبریل کی طرف سے جاکر حجرہ شریف میں حاضر ہوئے۔۔

الحمد للہ پانچوں وقت نماز باجماعت بہت آسانی سے صفوفِ اوّل میں مل جاتی تھی ۔ اسوقت حرم شریف میں ہجوم کم تھا مگر ایک ہفتہ کے اندر جسقدر حاجی مکہ المکرمہ میں باقی رہ گئے ہیں ۔ اور انکو ابھی واپسی کے جہازوں کا انتظار تھا وہ سب مدینہ طیبہ آگئے ۔ اس لیۓ روز بروز ہجوم بڑھتا گیا اور پورا حرم ماشاء اللہ ہر وقت لبریز رہتا تھا ۔

ہملوگوں کو صرف دو بار جنت البقیع جانے کا موقعہ ملا ۔ ایک روز سنیچر کی صبح کو ۔ دوسرے روز کسی وقت بعد عصر ۔ یہاں بھی مزارات زمین کی سطح کے برابر کردیۓ گئے ہیں ۔ پھاٹک کے بالکل سیدھے آخر میں امیر المؤمنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا مزار شریف کچھ بلند سطح پر ہے اور اطراف میں کوئی دوسرا مزار نہیں ہے ۔ اس کے بعد ہی حضرت سیّدہ حلیمہ رضی اللہ عنہا کا مزار ہے ۔ پھر دیگر شہداء کے مزارات یکجا ہیں ۔ پھاٹک سے داخل ہونے پر داہنے ہاتھ میں سب سے آخر ابتداء میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا مزار ہے اور اس کے نیچے کے حصّہ میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ اور حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے مزارات ہیں پھر اور نیچے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور دیگر ازواج مطہرات رضی اللہ عنہم کے مزارات سب ایک ہی قبر میں ہیں ۔ اور آگے صاحبزادگان حضرت طیب و طاہر علیہما السلام کے مزارات ہیں ۔ وہیں ایک طرف حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ کا مزار ہے ۔

پھاٹک کے پاس گوشہ میں حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھیوں کے مزارات ہیں ۔

اللہ تعالیٰ ان تمام ازواج مطہرہ و معظمہ و محترمہ پر اپنی مغفرتیں اور رحمتوں کا تا قیام قیامت نزول پیہم فرماویں ۔ آمین ۔

یکم صفر مطابق ۳۱ مئی سنہ ۶۵ء کو ہملوگ زیارت کے لیۓ جبل اُحد پر گئے ۔ وہاں ایک وسیع احاطہ میں صرف تنہا وسط احاطہ میں حضرت سیّدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کا مزار شریف ہے وہاں فاتحہ اور ایصال ثواب کی سعادت نصیب ہوئی ۔ جبل اُحد کی زیارت کی ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں جبل اُحد سے محبت کرتا ہوں اور جبل اُحد مجھ سے محبت کرتا ہے آج کے سائنس دان طبقہ کا خیال ہے کہ اس پہاڑ کے نیچے سونے کی بہت بڑی کان ہے اس پہاڑ کے نیچے سے ایک قدرتی چشمہ جاری ہے جو زیر زمین ہے اور کچھ دور تھوڑے حصّہ

ہیں مزار حضرت سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے سرہانے احاطہ کے نیچے اس کا پانی حوض کی مورت میں محفوظ ہے۔ وہاں قریب ہی ایک قدیم مسجد ہے جسمیں ہملوگوں نے نماز نفل ادا لی پھر ہملوگ بیر عثمان گئے۔ وہاں حضرت عثمان کے زمانہ کا کنواں ہے جو خاص تاریخی اہمیت یکھتا ہے۔ کنواں بہت کشادہ ہے مگر اسمیں پانی نہیں ہے۔ اس کے متصل ہی ایک وسیع حوض تعمیر لیا گیا ہے جسمیں کہا جاتا ہے کہ اس کنوے کا پانی ہے۔ بیر عثمان ایک بہت ہی سرسبز اور پُر یف وسرور مقام ہے بہت وسیع باغ ہے اور دور دور تک اسمیں سبزہ اور شاداب رختوں کا ذخیرہ ہے۔

کچھ پرند اور جانور بھی اسمیں بطور zoo (چڑیا گھر) رکھے گئے ہیں۔ وقت ی کمی کی وجہ سے ہملوگ اندر سے سیر نہ کر سکے۔

پھر ان مساجد کی زیارت کی جو ایک ہی جگہ پانچ مسجدیں ہیں۔ جو سب سے بلندی پر ہے اسمیں ہملوگوں نے دو رکعت نماز نفل ادا کی۔

پھر مسجد ذو قبلتین کی زیارت کی۔ وہاں بھی دو رکعت نفل ادا کی۔ پھر مسجد قبا میں اضر ہوئے۔ یہ وہ مسجد ہے جو خاتم الانبیاء سید المرسلین رحمۃ اللعالمین محبوب رب العالمین نے ہجرت مدینہ میں اوّل قیام کے وقت مدینہ طیبہ سے باہر اپنے دست مبارک سے بنیاد کھی تھی اور اس کی تعمیر کی تکمیل فرمائی تھی۔ اس کے متعلق حدیث شریف میں وارد ہے ہ جس نے اس میں نماز پڑھی اسکو ایک عمرہ کا ثواب ملتا ہے۔

یہاں مدینہ طیبہ میں مقدس ہستیاں ہیں جن سے شرف ملاقات حاصل ہوا۔

① حضرت شاہ شیر محمد صاحب گھوٹکی والے (سندھ) جو عرصہ پندرہ سال سے ہجرت رکے یہاں مقیم ہیں حضرت حکیم الامت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ العزیز کے خلیفہ ہیں اور مناسک حج جو مسائل حج کا ایک نادر اور بہت ہی مستند اور مشرح ذخیرہ ہے۔ ان کی تالیف گرانقدر ہے۔ متوکل زندگی ہے۔ ہملوگوں سے نسبت سلسلہ کے باعث بہت ہی اخلاق و محبت سے پیش آئے۔ ہملوگوں نے دوبار ان سے ملاقات کی۔ ور انکی توجہات اور دعاؤں سے بہرہ ور ہوئے۔ اللہ تعالیٰ ان پر اپنا رحم و فضل بیکراں فرمادیں

اور درجات بلند فرمادیں۔

② حضرت مولانا شاہ عبدالغفور صاحب عباسی مدنی۔ عرصہ ۲۵ سال سے ہجرت کر کے مقیم ہیں۔ وہیں مکان بنوالیا ہے صاحب اولاد ہیں سلسلہ نقشبندیہ کے بزرگ ہیں۔ سرحد ہزارہ کے قریب کے رہنے والے ہیں۔ ہملوگوں سے انتہائی تواضع اور اخلاق سے پیش آئے۔ ہملوگ تین بار اُن سے مشرف بہ ملاقات ہوئے۔ ہر بار خاطر و مدارت سے معاملہ کیا۔ ایک بار خصوصی دعوت کی اور بہت اچھے کھانے کھلائے۔ اُن کے ایک مرید نے اسی زمانہ میں مری صہبائے سخن ان کی خدمت میں پیش کی تھی۔ مجھ سے زبانی اس کی بہت تعریف فرمائی اور اشعار کی پسندیدگی کا بہت خصوصی الفاظ میں اظہار فرمایا۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمادیں۔ چلتے وقت مکان سے باہر آکر بغلگیر ہو کر ہملوگوں کو رخصت کیا

③ حضرت شاہ سید بدر عالم صاحب (میرٹھی) یہ حضرت ایک مدّت طویل سے ہجرت کر کے یہاں مقیم ہیں۔ بڑے درجہ کے عالم ہیں اور عربی میں کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ مگر تقدیر الٰہی تین چار سال سے صاحب فراش ہیں۔ سر میں اس قسم کی تکلیف ہے کہ بہ مشکل سر اُٹھا سکتے ہیں۔ شدید دوران سر پیدا ہو جاتا ہے۔ اس تکلیف کے سبب ہمہ وقت بستر ہی پر لیٹے رہتے ہیں۔ ویسے تمام جسم اور اعضاء صحیح ہیں۔ گو دن بدن نقاہت بڑھتی جاتی ہے باایں ہمہ ملاقات کرنے والوں سے دیر دیر تک دین کی باتیں کیا کرتے ہیں اور روزانہ معمول ہے کہ عصر و مغرب کے درمیان بیٹھ کر حاضرین کو دین کی باتیں بتایا کرتے ہیں۔

میں جب ۶۲ھ میں مدینہ طیبہ حج کے زمانہ میں گیا تھا اسوقت بھی دو تین بار ان سے ملاقات کی تھی۔ ایک بار مجھے چار پر مدعو بھی کیا تھا اس بار بھی میں نے متعدد ملاقاتیں کیں ہر دفعہ بڑی تواضع اور اخلاق کا معاملہ فرمایا۔ اور بہت ہی خصوصی بے تکلفی کی باتیں کرتے رہے۔ ایک بار میری اور میرے ہمراہیوں کی نہایت پُرتکلف دعوت کی۔

اسی زمانہ میں سید امیر حسن صاحب جو کراچی سے آئے تھے۔ میری کتاب صہبائے سخن حضرت مدظلہ کی خدمت میں پیش کی۔ جب میں حاضر ہوا تو کتاب کے ظاہری و باطنی محاسن وخوبیوں کا بڑی دلچسپی کے ساتھ تذکرہ فرماتے رہے۔ اور اشعار کی سنجیدگی اور متانت

پر اظہار پسندیدگی فرماتے رہے کتاب کھول کر نعتیہ اشعار کی غزل خود پڑھ کر سنائی۔

جب کبھی وہ ادھر سے گذرے ہیں
کتنے عالم نظر سے گذرے ہیں

بہت مزے سے لے کر شعر پڑھے جب اس شعر پر پہونچے۔

دل پر ایک تازہ چوٹ کھائی ہے
جب بھی ہم ان کے در سے گذرے ہیں

توآب دیدہ ہو گئے اور پورا شعر نہ پڑھ سکے کتاب بند کر دی۔

یہ امر میرے لئے بڑا سرمایہ ناز ہے کہ ایک اہلِ دل نے میری بیاض کو پسند فرمایا۔ رخصت ہوتے وقت بہت متاثر تھے۔ فرمانے لگے۔

بسفر رفتنت مبارک باد
بسلامت روی و باز آئی

اس شعر کو پڑھ کر فرمایا کہ یہ شعر بڑے مقام کا شعر ہے۔ حضرت جامی رحمۃ اللہ علیہ جب مدینہ طیبہ سے رخصت ہوتے تھے تو مواجہ شریف میں جاکر عرض کرتے تھے۔ بسفر میروم چہ فرمائی۔ تو روضہ اقدس سے جواب ملتا تھا۔

بسلامت روی و باز آئی

چنانچہ کئی بار ایسا ہی ہوتا رہا۔ آخر دفعہ جب حضرت جامی رحمۃ اللہ علیہ نے یہی عرض کیا تو جواب نہیں ملا۔ سمجھ گئے کہ بس اب اس کی سعادت نہ میسر ہوگی۔

اس واقعہ کے نقل کرنے کے بعد حضرت سید بدر عالم صاحب مدظلہ نے فرمایا کہ میں آپ کے لئے بھی پڑھتا ہوں کہ۔

بسلامت روی و باز آئی

میں نے عرض کیا کہ بغیر درخواست کے آپ کا ایسا فرمانا۔ انشاء اللہ فال نیک ہی ہے پھر حاضری ہوگی۔ اور بخیر و خوبی ہوگی۔

ایک دفعہ میں ملاقات کے لئے گیا تو تنہائی تھی مجھ سے دریافت کیا کہ تمہارا

خیال لاؤڈ اسپیکر، ریڈیو اور ٹیپ ریکارڈ کے متعلق کیا ہے میں نے عرض کیا کہ ان کے استعمال پر منحصر ہے اگر استعمال لغویات سے پاک ہے تو استعمال میں کوئی مضائقہ نہیں۔

فرمایا کہ میں نے تمہارے ذوق کو معلوم کرنے کے لئے پوچھا تھا کہ اگر اس کو جائز سمجھتے ہو تو میں نے اپنی ایک نظم کراچی میں ایک صاحب سے ٹیپ ریکارڈ کرائی ہے۔ جس کا عنوان "شانِ حضور" ہے پھر اپنے صاحبزادے سے ٹیپ ریکارڈ منگواکر وہ نظم سنوائی۔ ماشاء اللہ عجیب واردات بے تکلف ہیں جنمیں رعایت قواعد شاعری نہ سہی مگر جذبات بے ساختہ اور واردات صحیحہ کی ترجمانی ہے۔ یہ کتاب کی صورت میں شائع ہوئی ہے۔ بہت خوشخط چھوٹی سی تقطیع پر ہے اس کے علاوہ اپنی ایک کتاب "فریاد مظہر" بھی عطا فرمائی۔ اسمیں بھی مختلف اشعار مسلسل نظم کی صورت میں ہیں اور بہت خوب ہیں یہ کتابیں بہت ہی خصوصی امتیاز اور محبت کے ساتھ مجھ کو عطا فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ ممدوح کو صحت و توانائی اور قوت عطا فرمادیں۔ اور اپنے محبوب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میں تادیر اس معصوم ہستی سے فیوض و برکات دیں جاری رکھیں۔ آمین۔

④ جناب مولوی عبدالقدوس صاحب مدظلہ (بنگالی) خلیفہ حضرت مولانا تھانوی قدس سرہٗ العزیز۔ یہ بزرگ بھی مہاجر ہیں اور عرصے سے رباط بنگالہ میں مقیم ہیں حضرت والا قدس سرہٗ العزیز کی نسبت معلوم ہونے پر ہملوگوں سے بہت ہی خصوصیت کا معاملہ فرمایا۔ پہلی بار جب حج میں آنا ہوا تھا اسوقت ہم سب ہمراہیوں کی جو تقریباً چودہ نفر تھے دعوت بھی کی تھی۔ اس بار بھی بڑی تواضع و اخلاق سے ہملوگوں کے ساتھ معاملہ فرمایا۔

اللہ تعالیٰ ان مراتب باطنہ میں ترقی عطا فرماویں۔ آمین۔

⑤ جناب احمد عبداللہ المیمنی۔ یہ بھی مہاجر ہیں اور طویل عرصے سے یہاں مقیم ہیں کپڑے کی دوکان ہے اور ہمارے سلسلہ کے بزرگ ہیں۔ بہت ہی متواضع ہیں۔ حاجیوں کی خدمت کرتے رہے ہیں۔ ہمارے تمام ضروریات خرید وغیرہ میں ان سے بہت مدد ملی۔ خصوصاً کھجوروں کے خریدنے اور ان کے بند کرانے میں خاص توجہ سے کام لیا۔ ایک بار ہم سب اہل سلسلہ کی دعوت بھی بڑی پُر تکلف طریقہ پر کی۔ باب مجیدی کے بازار میں ان کی

دو کان ہے:

⑥ عبدالرزاق طالب علم۔ متوطن جیکب آباد پاکستان۔ یہ بھی بہ سلسلہ تعلیم کئی سال سے یہاں مقیم ہیں مجھ سے بڑی محبت کا اظہار کیا اور ہملوگوں کو ناشتہ وچاء پر مدعو کیا۔ اللہ تعالیٰ ان کے مقاصد حسنہ پورے فرماویں۔

⑦ ڈاکٹر سید شریف حسنین۔ بہاری۔ داماد محمد نسیم صاحب وکیل مرحوم (برادر محمد سلیم صاحب وکیل) یہ سعودی عرب میں فوجی ڈاکٹر ہیں۔ محمد سلیم صاحب وکیل نے ان کو خط لکھدیا تھا۔ یہ پہلے سے ہی مجھ سے واقف تھے۔ انہوں نے ہملوگوں کا بڑا خیال کیا روزانہ مغرب میں حرم شریف میں آتے اور ہم سے ملاقات کرتے تھے۔ بہت مختلف ضرورتوں کے لئے بار بار دوائیں اپنے پاس سے لاکر دیتے رہے۔ آجکل مدینہ طیبہ میں تنہا ہیں۔ انکی بیوی کراچی گئی ہوئی ہیں۔ کھانا ہوٹل میں کھاتے ہیں۔ پھر بھی ہملوگوں کی بڑی پرتکلف دعوت کی۔ اور سارا انتظام ہوٹل سے کیا۔ مگر خود ہی سب کام انجام دیا۔ بڑی محبت کے اور سادہ وضع کے نوجوان صالح ہیں۔ دین کا رجحان بہت زیادہ ہے۔ اللہ تعالیٰ انکو اپنی مرضیات کی زندگی عطا فرماویں۔

ہملوگ ۲۱ر محرم الحرام مطابق ۲۱ر مئی ۶۵ء بروز جمعہ بوقت فجر۔ بعد ختم نماز فجر حرم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر پہونچے ہیں۔ اور ۵ر صفر ۸۵ھ بروز جمعہ بعد نماز عشاء واپسی ہوئی۔ اس طرح الحمدللہ پندرہ دن کے قیام میں تین جمعہ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں مل گئے۔ روضۃ الجنۃ میں ایک قران شریف ختم کرنے کی سعادت بھی حاصل ہوئی۔ ایکبار پوری مناجات مقبول ختم کی ایک بار دلائل الخیرات ختم کی۔

نفل نمازیں روضۃ الجنۃ میں اکثر وبیشتر ادا کیں۔ ممبر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ستونِ عائشہ رضی اللہ عنہا کے چاروں طرف۔ ستون ابولبابہ رضی اللہ عنہ کے سامنے۔ نفل نمازیں ادا کیں۔

اکثر قرآن شریف مزار شریف کے سرہانے والی جالی ہی کے متصل بیٹھ کر تلاوت کیا۔ ان تمام مقامات پر دعائیں مانگیں۔ مواجہ شریف میں اکثر وبیشتر حاضری کی سعادت

نصیب ہوئی۔ اعزہ و احباب کی طرف سے سلام عرض کیے۔ والدین کی مغفرت کے لئے دعائیں کیں۔ ابا و اجداد اور اعزہ و اقرباء و احباب کے لئے دعاہائے مغفرت کیں اور موجودہ بزرگان خاندان۔ اعزہ و اقرباء بھائی بہن۔ اہل وعیال۔ اور احباب اور جمیع مؤمنین و مؤمنات کے لئے دعائیں کیں۔

ہملوگوں کا قیام باب مجیدی کے بالکل مقابل اصطفا منزل میں تھا۔ درمیان میں صرف سڑک ہے۔ الحمد للہ ہر طرح کی سہولت و آرام و جمیعت خاطر حاصل رہی۔

۵؍ صفر مطابق ۴؍ جون بروز جمعہ بعد نماز عشاء اس دیار حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے واپسی ہوئی۔ مدینہ طیبہ سے تقریباً سات آٹھ میل کے فاصلہ پر مقام ذوالحلیفہ ہے۔ یہاں حضور محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام باندھا تھا۔

ہم لوگ جب اس مقام پر پہونچے۔ تو تازہ وضو کیا۔ احرام باندھا۔ اور تلبیہ شروع کر دیا۔ نماز فجر جدّہ سے کچھ قبل ایک مقام پر ادا کی جدّہ پہونچکر دوسری ٹیکسی کر کے مکہ المکرمہ روانہ ہوئے۔ وہاں عربی وقت سے تقریباً ایک بجے پہونچے۔ سامان ہوٹل میں رکھ کر عمرے کے لئے حرم شریف حاضر ہوئے۔ بحمد اللہ آسانی سے تمام ارکان پورے ہو گئے۔

ماموں محمد علی اسد اللہ صاحب مدظلہ گرمیوں میں بعد حج طائف میں مع اہل وعیال چلے جاتے ہیں۔ اس بار ہملوگوں کو بہت خصوصیت کے ساتھ مدعو کیے گئے تھے۔

اُن کے صاحبزادے محمود سلمہٗ اپنی کار لیکر آ گئے۔ ہملوگ ۷؍ جون ۶۵ء کو بعد نماز ظہر طائف روانہ ہوئے۔ طائف کا نیا راستہ جو پہاڑ کے بلندی پر سے بنایا گیا ہے۔ ابھی ایک ہفتہ ہوا کہ اسکی افتتاح کی رسم امیر فیصل نے ادا کی تھی۔ ہملوگ اسی راستہ سے پہاڑ کی پیچیدہ راہوں سے ہوتے ہوئے تقریباً دو گھنٹہ میں طائف پہونچے۔ عصر کی نماز طائف میں ادا کی۔

ماموں صاحب مدظلہ کا مکان محلہ یمانیہ میں متصل جامع مسجد واقع ہے۔ مکان بہت مختصر سا ہے مگر آرام دہ ہے۔ بڑی محبت اور تواضع کے ساتھ ہملوگوں کی مہمان نوازی کی۔

اپنے ہمراہ لیکر شہر طائف کی سیر کرائی اور خاص بازار وغیرہ دکھائے۔ مغرب کی نماز مسجد ابن عباس رضی اللہ عنہ میں ادا کی۔ یہاں مسجد کے داہنی طرف حضرت عبداللہ ابن عباس

ی اللہ عنہ کا مزار ہے۔ جو چاروں طرف سے بند کر دیا گیا ہے مسجد بہت خوبصورت اور بہت سیع ہے دالان اندر دالان نئی عمارت کی توسیع کی گئی ہے۔ تمام مسجد میں قیمتی مخملی نئے قالین چھے ہوئے ہیں۔ پرانی مسجد۔ مسجد کے صدر دروازہ کے بعد ہی سے ہے اور یہ بھی کافی وسیع ہے۔ اب توسیع ہو جانے پر بہت ہی عالی شان اور کشادہ ہوگئی ہے۔

اس مسجد میں نماز مغرب کے بعد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی روح مبارک پر ایصالِ ثواب کیا۔ اور اُن کے توسل سے دعائیں مانگی۔

۹ر جون کی نماز فجر کے بعد ہملوگ پھر محمود سلمہٗ کی کار پر واپس مکہ المکرمہ پہونچے۔ ہملوگوں نے طائف ہی سے عمرہ کا احرام باندھ لیا۔ اشراق کے وقت حرم شریف پہونچے اور اس بار ہم سب نے نہایت اطمینان اور آسانی سے ارکان عمرہ ادا کئے۔ الحمد للہ علیٰ ذٰلک۔

معلوم ہوا کہ جہاز ۱۲ر جون کو آ رہا ہے اور ۱۳ر جون کو کراچی روانہ ہوگا۔ اس لئے ہملوگ مکہ المکرمہ سے طواف کرنے کے بعد اور مغرب کی نماز ادا کرنے کے بعد جدّہ کے لئے روانہ ہوئے۔ مدینہ الحجاج میں قیام کیا۔ نصرت علی صاحب کا مکان تلاش کیا۔ اور عورتوں کو صبح اِن کے گھر پہونچا دیا۔ ہملوگ مدینہ الحجاج ہی میں مقیم رہے۔

جہاز سے واپسی کے لئے بہت کوشش کرنا پڑی کیونکہ عمرے والوں کو آخری جہاز سے واپسی ملتی ہے بہرحال اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ہملوگوں کو ۱۳ر جون کے جہاز سے اجازت سفر مل گئی۔ ۱۳ر جون ۶۵ء یوم یکشنبہ بعد نماز عصر جدّہ سے جہاز روانہ ہوا۔ منگل کی شام کو مغرب کے قریب عدن پہونچا اور پھر بدھ کی صبح کو عدن سے روانہ ہو کر صبح یکشنبہ ۲۰ر جون کو کراچی پہونچا۔ الحمد للہ علیٰ احسانہ۔ سفر نہایت خیر و خوبی کے ساتھ سرانجام ہوگیا۔

۲ر مئی ۶۵ء کو بروز یکشنبہ کراچی سے روانہ ہوئے اور بروز یکشنبہ ۲۰ر جون ۶۵ء واپسی ہوگئی۔

محمد اکمل خان

حضرت کے ساتھ رفاقت کی چند یادیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سیّدی و مُرشدی الحاج جناب ڈاکٹر محمد عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جو سنہ ۱۹۶۳ء میں معہ دیگر حضرات فریضۂ حج ادا کیا تھا اور احقر بھی ہمراہ تھا اُس سلسلہ میں مختصر حالات عرض ہیں۔

احقر محمد اکمل خاں خادم دیرینہ الحاج جناب ڈاکٹر محمد عبدالحئی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا سلسلہ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ سے ۱۹۶۰ء سے تھا اور حضرت والا کی مجالس میں پاپوش نگر میں حاضر ہوا کرتا تھا ان مجالس میں جناب بابا نجم احسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ جناب مولوی ولایت حسین صاحب مدظلہ العالی اور دیگر اکابر شریک ہوا کرتے تھے۔

جنوری سنہ ۱۹۶۳ء میں احقر کو معلوم ہوا کہ ہمارے حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ معہ اہلیہ محترمہ و دیگر بزرگان فرائض حج ادا کرنے تشریف لیجا رہے ہیں اور یہ سُنکر احقر کی بھی دلی خواہش ہوئی کہ کاش حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی ہمراہی میں احقر کی بھی حاضری حرم شریف میں ہو سکے۔

حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے مورخہ ۸ جنوری سنہ ۱۹۶۳ء کو ایک گروپ کی شکل میں گیارہ حضرات کی درخواستیں اَدائے فریضۂ حج کے سلسلہ میں کمشنر کراچی کے دفتر میں روانہ کر دیں

اور خود گروپ کے لیڈر تھے۔ اس گروپ میں مندرجہ ذیل حضرات کی درخواستیں تھیں۔

سیّدی و مُرشدی الحاج جناب ڈاکٹر محمد عبد الحئی صاحب رحمۃ اللہ علیہ معہ اہلیہ محترمہ صاحبہ	
الحاج جناب ڈپٹی علی سجاد صاحب رحمۃ اللہ علیہ معہ اہلیہ محترمہ صاحبہ	۲
الحاج جناب ڈاکٹر عبد الہادی صاحب رحمۃ اللہ علیہ معہ اہلیہ محترمہ صاحبہ	۲
الحاج جناب علی ساجد صاحب رحمۃ اللہ علیہ معہ اہلیہ محترمہ صاحبہ	۲
الحاج جناب مولوی ولایت حسین صاحب مد ظلہ العالی معہ اہلیہ محترمہ صاحبہ	۲
الحاج جناب بابا نجم احسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ	۱

اُس زمانہ میں حج گروپ زیادہ سے زیادہ گیارہ حضرات پر مشتمل ہوتا تھا چنانچہ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے بھی گیارہ ہی حضرات کا گروپ بنا کر درخواستیں پیش کر دیں۔ درخواستوں کا نتیجہ ۱۴ جنوری ۱۹۶۳ء کو معلوم ہونا تھا۔

احقر کی بھی دلی خواہش تھی کہ اس موقعہ پر حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی ہمراہی میں فریضۂ حج ادا ہو جائے چنانچہ احقر نے بھی گیارہ حضرات کا ایک گروپ بنا کر درخواستیں پیش کر دیں اور حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی اِتباع میں احقر اُس گروپ کا لیڈر بن گیا۔

مورخہ ۱۴ جنوری ۱۹۶۳ء کو نتیجہ برآمد ہونے والا تھا اُس روز جوق در جوق معتقدین کمشنر کے دفتر میں پہونچے احقر بھی وہاں پہونچا۔ ہمارے حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ اور بابا نجم احسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ پاپوش نگر ہی میں حضرت والا کے دولت کدہ پر تشریف فرما تھے۔

عصر اور مغرب کے درمیان درخواستوں کا بکس جناب حافظ محمد اسحاق صاحب سکریٹری کمشنر آفس کے پاس لایا گیا اور جناب حافظ صاحب موصوف نے ایک معصوم بچہ کو بلوا کر اُس میں سے صرف ۱۲۸ درخواستوں کے لفافے نکلوائے یہ خیال کر کے کہ سیکنڈ کلاس میں صرف اِسی قدر حضرات جا سکیں گے۔ ان لفافوں میں مختلف تعداد کی درخواستیں تھیں کسی لفافہ میں ۲، کسی میں ۳، کسی میں ۶ وغیرہ وغیرہ اور ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے لفافہ میں گیارہ درخواستیں تھیں۔

چنانچہ لفافہ کھُلنے شروع ہوئے اور درخواستوں کی جانچ پڑتال ہونے لگی۔ بتّیس بتّیس کامیاب حضرات کے بعد ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا اسم گرامی یہ کہہ کر پکارا گیا کہ ڈاکٹر محمد عبد الحئی صاحب

معہ دیگر حضرات کامیاب امیدوار قرار دیئے گئے۔ حضرت والا کی کامیابی کی خبر سُن کر معتقدین مختلف اریوں میں خوش خبری سُنانے کیلئے حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اد خوش خبری سُنائی۔ احقر کا نام اوّل ۱۲۸ حضرات کی فہرست میں نہیں آیا تھا۔

جب حضرت والا کو خوش خبری سُنائی گئی تو حضرت والا نے احقر کے بارہ میں بھی دریافت کی جملہ حضرات خاموش رہے جس سے پتہ چلا کہ احقر کا نام کامیاب حضرات کی فہرست میں نہیں آیا اسپر حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت عاجزی اور انکساری کے ساتھ بارگاہ ایزدی میں دُعا کی ک یا اللہ آپکے علم میں ہے کہ ہم سب لوگ ضعیف ہیں بصارت کمزور ہے گھٹنوں سے چلا نہیں جاتا ہمارے سا اگر کوئی جوان العُمر ہوتا تو ہمیں آرام مل جاتا مزید عرض کیا کہ آپ قادرِ مُطلق ہیں ہر شئے پر قادر ہیں ہما مدد کے لئے کوئی جوان العُمر ہمراہ فرمادیں۔

احقر عرض کر چکا ہے کہ عصر اور مغرب کے درمیان کا وقت تھا اُدھر حضرت والا دُعاؤں میں مشغول تھے اور اِدھر دفتر کمشنری میں جناب حافظ محمد اسحاق صاحب نے اعلان کیا کہ سیکنڈ کلاس کے لئے انتظاری فہرست (waiting list) میں ۶۲ حضرات کی درخواستیں مزید لی جائینگی چنانچہ معصوم بچہ بُلا کر اُسی بکس میں سے ۶۲ حضرات کی درخواستوں کے لفافے نکالے گئے اِتفاق سے اُن لفافوں میں احقر کے نام کا لفافہ بھی شامل تھا۔

طریقہ یہ ہے کہ لفافہ کھول کر اُسمیں سے درخواستیں نکالی جاتی ہیں اور ہر درخواست کی جانچ پڑتا ہوتی ہے کہ فوٹو وغیرہ موجود ہیں اور مطلوبہ خانوں میں اُمیدوار کے دستخط موجود ہیں تو وہ درخواست کامیاب قرار دی جاتی ہے۔ اندازہ لگائیں کہ اگر صرف ایک ہی درخواست کی جانچ کی جائے تو اُسمی کم از کم ایک منٹ ضرور صرف ہوگا تو گیارہ درخواستوں میں اگر گیارہ گیارہ منٹ نہیں تو کم از کم ۶۔۷ منٹ ضرور لگیں گے۔ خدا کی قدرت کا کرشمہ کہ میری گیارہ درخواستوں کا لفافہ جانچ پڑتال کے بعد سب سے پہلے جناب حافظ محمد اسحاق صاحب سکریٹری کی میز پر پہونچ گیا جس پر جناب حافظ محمد اسحاق صاحب نے آواز دی کہ محمد اکمل خاں معہ دیگر حضرات فہرست انتظاریہ (waiting list) میں سب اوّل نمبر پر ہیں اور مزید فرمایا کہ تم اپنے حضرت سے پہلے جاؤ۔

چونکہ مغرب کی اذان ہو رہی تھی اور نماز پڑھنے چلا گیا۔ واپسی پر احقر نے جناب حافظ صاحب

سے دریافت کیا کہ کیا واقعی میرا نام اوّل نمبر پر ہے یا ویسے ہی دل خوش کر رہے ہیں۔ اس پر جناب حافظ صاحب نے ٹائپ شدہ فہرست دکھائی جسمیں میرا نام سرفہرست تھا۔ یہ دیکھکر اَحقر خوشی خوشی حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پاپوش نگر پہونچا اور عرض کیا کہ حضرت کی دُعاؤں سے میرا نام کامیاب امیدواروں میں سرفہرست ہے۔ یہ سُن کر حضرت والا بہت خوش ہوئے اور سر جُھکا کر باری تعالیٰ کا شکریہ ادا کیا۔

حضرت والا کی تاریخ روانگی ۳ر۳ر۱۹۶۳ء تھی اور اَحقر کی تاریخ روانگی معلوم نہیں تھی چونکہ جس جہاز میں جگہ خالی ہوتی اُوسی میں اَحقر کو جانا ہوتا لیکن دلی خواہش یہ تھی کہ حضرت والا ہی کے ہمراہ جانا ہو جائے تو اچھا ہو۔

عیدالفطر سے قبل بھی پانی کے جہاز جانے والے تھے اور حضرت بابا نجم احسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تم ان جہازوں میں ہم سے پہلے چلے جاؤ اور مکہ مکرمہ ہی میں عیدالفطر کرنا۔ اَحقر نے جانے کا ارادہ کرلیا۔ اتفاق کی بات ہے کہ جو جہاز ماہ فروری ۶۳ء میں عیدالفطر سے قبل روانہ ہوئے اُوسمیں ایک بھی سیٹ خالی نہ تھی اس لئے اَحقر نہ جا سکا۔

اب ۳ر۳ر۱۹۶۳ء کے جہاز کی انتظاریہ فہرست کا ثمر آیا جس میں حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ تشریف لیجانے والے تھے۔ اَحقر کو اس جہاز میں سیٹیں مل گئیں اور اَحقر خوشی خوشی مع اہلیہ مرحومہ حضرت والا کی ہمراہی میں سفینۂ حجاج جہاز میں سوار ہو گیا جو کہ ۳ر۳ر۶۳ء کو روانہ ہوا اور ۹ر۳ر۱۹۶۳ء کو بندرگاہ جدہ پہونچ گیا۔ راستہ بھر حضرت والا کی مجالس ہوتی رہیں اور اَحقر اور دیگر حضرات شریک ہوتے رہے۔

جدہ کی بندرگاہ پر جناب نُصرت علی صدیقی صاحب ہم کو لینے آئے جو کہ جدہ ہی میں ملازم تھے اور رات کو اُون کے مکان ہی میں قیام کیا اور اپنی آمد کی خانہ پُری کرائی۔

دوسرے روز ۱۰ر۳ر۱۹۶۳ء کو ہم لوگ مکہ مکرمہ روانہ ہوئے۔ حضرت والا کے ماموں صاحب اُوس وقت مکہ مکرمہ ہی میں تشریف فرما تھے اور ہم لوگوں سے بڑے اخلاق و محبت سے پیش آئے۔ جناب علی حسن صباغ صاحب ہمارے معلّم مقرر ہو گئے جو خود بہت نیک اور با اخلاق تھے۔

چونکہ فریضۂ حج کی ادائیگی میں تقریباً دو ماہ تھے اس لئے مُعلّم صاحب نے ہم لوگوں کو مدینہ منورہ شریف روانہ کر دیا۔ مدینہ منورہ شریف میں ہمارا قافلہ مصطفیٰ منزل میں ٹھیرا اور اللہ کے

فضل وکرم سے ۲۳ روز قیام رہا اور مدینۃ النبی کے فیوض وبرکات سے مستفید ہوتے رہے۔ جناب مولانا شاہ بدر عالم صاحب رحمۃ اللہ علیہ، جناب مولانا شیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ جناب مولانا شاہ عبد الغفور صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ ودیگر اکابرین سے بھی فیض حاصل ہوتا رہا اور ۲۳ روز کے بعد ہم لوگ واپس مکہ مکرمہ آگئے۔

مکہ مکرمہ میں احقر حضرت بابا نجم احسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو طواف کرا رہا تھا کہ احقر نے دیکھا کہ مولانا ولایت حسین صاحب اور جناب حافظ ریاض الحق صاحب مرحوم تیزی سے طواف کر رہے ہیں اور عصر سے مغرب تک ۸، ۹ طواف کر لیا کرتے ہیں جبکہ احقر بابا صاحب کے ہمراہ مشکل سے ۳ طواف کرتا تھا۔ اور اس وقت کم بخت شیطان ملعون نے میرے دل میں وسوسہ ڈالا کہ مکہ مکرمہ شریف میں سب سے زیادہ ثواب طواف کرنے والوں کے لئے ہے اور طواف سوائے مکہ مکرمہ کے دوسری جگہ ہو نہیں سکتا اس لئے احقر نے سوچا کہ بابا صاحب کو چھوڑ دیا جائے اور مولوی ولایت حسین صاحب وجناب حافظ ریاض الحق صاحبان سے زیادہ طواف کروں اور احقر نے دورانِ طواف بابا صاحب کو چھوڑ دیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ہمارے حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ تشریف لے آئے اور بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ہاتھ پکڑ کر طواف کرا رہے ہیں یہ دیکھ کر احقر نے بابا صاحب کا ہاتھ دوبارہ پکڑ لیا اور یہ سوچ کر طواف کرانا شروع کیا کہ کل سے بابا صاحب کے ساتھ ہی نہ آؤں گا۔

مکہ مکرمہ میں ہمارا مکان باب سعود میں تھا جو کہ حرم شریف کے بالکل قریب تھا۔ اُس سال کراچی سے جناب مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔ جناب مولوی عزیز الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ جناب مولانا محمد یوسف صاحب بنوری رحمۃ اللہ علیہ ودیگر اکابرین بغرض ادائے فریضۂ حج تشریف لے گئے تھے اور ہندوستان سے بھی جناب مولانا محمد احمد صاحب معہ چند حضرات تشریف لائے ہوئے تھے

قریب قریب روزانہ بعد مغرب حضرت والا کی مجلس جمتی تھی اور مذکورہ بالا جُملہ اکابرین بھی شریک ہوتے تھے۔ دورانِ تقریر حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ نجم صاحب بہت معذور ہیں۔ نجم صاحب ہمارے ساتھ آئے ہوئے ہیں جس نے نجم صاحب کو ایک طواف کرایا اُوسے سیکڑوں کیا بلکہ ہزاروں طوافوں کا ثواب ملے گا۔

حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ سے یہ الفاظ سُنکر احقر ششدر رہ گیا اور سوچنے لگا کہ ہمنے تو ابھی تک کسی سے

ذکر بھی نہیں کیا ہے اور حضرت والا میرے دل کی بات بیان فرما رہے ہیں۔ اُسوقت سے شیطان ملعون کو مُخاطب کرکے کہا کہ تم دفع ہو جاؤ اب تمہاری نہیں چلیگی اور حسب معمول بابا صاحب کو طواف کرانا شروع کردیا۔

چونکہ احقر بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس روزانہ جاتا تھا اور قدرے بے تکلف سا تھا اسلئے اس واقعہ کو مفصل طور سے بابا صاحب سے عرض کیا اُسپر بابا صاحب نے فرمایا کہ تمہیں میرا انتخاب نہیں معلوم ہے صرف ایک ہی شخص کا انتخاب کیا ہے اور وہ ہیں جناب ڈاکٹر محمد عبدالحی صاحب جو کہ قطب الارشاد بھی ہیں۔

یہ بات بھی عرض کرتا چلوں کہ حضرت والا کی جدہ سے کراچی کے لئے واپسی ۱۴، ۵، ۶۳ء کی تھی جبکہ احقر کی واپسی ۲۱، ۵، ۶۳ء کی تھی۔ مکہ مکرمہ کے قیام میں حضرت والا نے احقر سے فرمایا کہ واپسی کا کیا خیال ہے یعنی منشا یہ تھا کہ ہمارے ساتھ چلوگے یا ۲۱، ۵، ۶۳ء کو۔ اللہ پاک معاف کریں کہ احقر نے غلط بیانی کی اور عرض کیا کہ حاضر ہوں یعنی ہمراہ چلوں گا بات آئی گئی ہوگئی۔ احقر نے جناب بابا نجم احسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ میں تو طواف کرونگا ہمنے بہت کم طواف کئے ہیں اور میں ہمراہ نہیں چلونگا۔

مورخہ ۱۳، ۵، ۶۳ء کو حضرت والا معہ دیگر اصحاب گروپ جدہ کے لئے روانہ ہوئے اور احقر کو کچھ ریال دیئے کہ ملازموں میں تقسیم کردیں اور احقر سے چلنے وغیرہ کے بارہ میں کچھ نہیں فرمایا اور سوار ہوگئے۔ خدا کی قدرت کہ اُسی رات میری اہلیہ مرحومہ کی طبیعت ایسی خراب ہوئی کہ وہ فرمانے لگیں کہ بس اب چلو ہمنے عرض کیا کہ طواف کریں گے اور ہمارے پاس کافی ریال ہیں سامان خریدیں گے۔ جسپر اہلیہ نے فرمایا کہ کھجوریں خرید لی ہیں آب زمزم شریف لیلیا ہے کافی ہے بس چلیں۔ اتفاق سے میری طبیعت بھی خراب ہونے لگی اور طواف میں انشراح نہ رہا دوسرے روز ۱۴، ۵، ۶۳ء کو انجمن خدام النبی کے ایک صاحب ملے جو میرا نام بھی نہیں جانتے تھے صرف یہ جانتے تھے کہ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ سے میرا تعلق ہے انہوں نے فرمایا کہ تمہاری اہلیہ کا نام ساجدہ خاتون ہے اور مزید فرمایا کہ جہاز بجائے ۱۴، ۵، ۶۳ء کے ۱۵، ۵، ۶۳ء کو روانہ ہوگا اور تمہارا نام اسی جہاز کے مسافروں کی فہرست میں ہے تم اسی جہاز سے جاؤگے احقر کو حضرت والا کی وہ بات یاد آگئی کہ کیا خیال ہے اور احقر سے چلنے کیلیے آمادگی ظاہر کردی تھی بعدہٗ جناب علی حسن صباغ صاحب مُعلّم تشریف لائے اور فرمایا اکمل خاں اکمل خاں ڈاکٹر صاحب ڈاکٹر صاحب یہ سُنکر احقر نے بستر بوریا باندھا اور اہلیہ کو ہمراہ لیکر جدہ روانہ ہوگیا اور ہمارا جہاز سفینۂ حجاج ۱۵، ۵، ۶۳ء کو جدہ سے روانہ ہوکر ۲۱، ۵، ۶۳ء کو کراچی پہونچا اور جملہ حضرات بعافیت کراچی پہونچے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے حقوق کے بعد والدین کے حقوق واجب کئے ہیں۔ ان کی زندگی میں ان کی خدمت کرنا۔ ان کو دماغی وجسمانی راحت پہنچانا۔ ان کو ہر طرح سے خوش رکھنا اور ان کی دعائیں حاصل کرنا شرعاً واجب ہے۔ ان کی وفات کے بعد التزاماً ان کے لئے ایصال ثواب کرتے رہنا، تلاوت کلام مجید۔ نوافل اور دیگر اوراد مسنونہ سے بھی اور مالی صدقہ وخیرات سے بھی خصوصاً خیرات جاریہ سے۔ اولاد کا صالح ہونا اور نیک اعمال کا عادی ہونا خود مرحوم والدین کے لئے خیرات جاریہ ہی کا درجہ رکھتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ ہر ہفتہ اولاد کے اعمال ان کے والدین کے سامنے عالم برزخ میں پیش کئے جاتے ہیں۔ اچھے اعمال سے ان کو خوشی اور برے اعمال سے رنج ہوتا ہے۔ اس لئے بڑے اہتمام کی ضرورت ہے کہ والدین کی روح کو اذیت نہ پہنچے بلکہ اس کا خیال رکھنا چاہیے کہ نیک اعمال سے اور ایصالِ ثواب سے ان کو نفع پہنچے۔

منجانب:- شرکة الملح المحدودة
al - milh - ltd
post box 5886 KARACHI
" ذائقہ دار نمک تیار کرنے والے "

- مولانا رشید اشرف سیفی

حضرت مرشد عارفی اور اُن کا ذوقِ مزاح

مزاح وخوش طبعی زندہ دلی اور پاکیزہ ذوق کی علامت ہیں، بالخصوص ایسا مزاح جو واقعہ کے خلاف بھی نہ ہو، عبث گوئی، فحش کلامی اور کذب سے بھی پاک ہو انسان کے لئے نشاط وتازگی اور حیاتِ نو کا سبب ہوتا ہے اس سے انسان تازہ دم ہو کر اپنے اعلیٰ وارفع مقاصد کیلئے تیار و مستعد ہو جاتا ہے۔

مزاح سے جہاں حظِ نفس حاصل اور نشاطِ طبع پیدا ہوتا ہے وہیں اس سے سامعین و مخاطبین کی طبیعتوں میں بھی بشاشت آتی ہے، ان میں نکتہ رسی اور نکتہ آفرینی کی صلاحیت پیدا ہوتی اور اُبھرتی ہے ایسی بشاشش اور نکتہ رس طبیعتیں بہت سے ایسے اہم اور مشکل عقدوں کو حل کر لیتی ہیں جن سے پژمردہ اور غیر بشاش طبیعتیں عاجز ہوتی ہیں، گویا مزاح وخوش طبعی افادہ واستفادہ کو آسان بنانے کا مؤثر ذریعہ ہیں اس سے اجنبی اور نامانوس طبیعتیں ایک دوسرے سے قریب آکر باہم مزاج شناس وذوق آشنا ہو جاتی ہیں، ان کے لئے ایک دوسرے سے افادہ واستفادہ آسان ہو جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام نے کبھی خوش طبعی اور مزاح سے کلیۃً احتراز نہیں فرمایا بلکہ یہ نفوسِ قدسیہ بڑے لطیف ذوقِ مزاح کے حامل تھے، اگر یہ بات نہ ہوتی تو ان حضرات کے رعب سے سائلین ومستفیدین کو کبھی اسکی جرأت نہ ہوتی کہ وہ کوئی سوال یا استفادہ کرتے، خوش طبعی یا مزاح کا یہ کتنا عظیم فائدہ ہے کہ اس سے افادہ واستفادہ کے دروازے کھل جاتے ہیں یہی وجہ ہے کہ آقائے نامدار سرکارِ دوعالم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

کے بارے میں ایسے بہت سے واقعات مروی ہیں جن سے آپ کی ظرافت وخوش طبعی اور لطیف ذوقِ مزاح کا پتہ چلتا ہے، ان سب واقعات کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ جہاں خوش طبعی اور مزاح سے بھرپور ہیں وہاں حدودِ شریعت کے اندر بھی ہیں اور حکمت سے لبریز بھی۔

ہمارے مرشد و مُربّی حضرت ڈاکٹر صاحب عارفی قدس اللہ سرہ جن کی ایک ایک ادا سنتِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے سانچے میں ڈھلی ہوئی تھی۔ اس سلسلہ میں بھی مذاقِ نبوی رکھتے تھے، آپ کی مجالسِ مبارکہ میں جہاں ظاہر و باطن کی اصلاح کا سامان ہوتا تھا وہاں علم و معرفت حکمت و دانائی کی کلیاں بھی چٹکتی تھیں مزاح وخوش طبعی کے سدابہار پھول بھی کھلتے تھے، آپ کا مزاح بڑا لطیف اور صداقت پر مبنی ہوتا تھا۔ خود بھی ایسے مزاح کو پسند فرماتے تھے جو کذب و افتراء سے پاک ہو اور تمسخر و استہزاء کا پہلو لئے ہوئے نہ ہو۔

ایک مرتبہ ایک صاحب آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور موزوں کا ایک جوڑا بطورِ ہدیہ پیش کیا اور عرض کیا، "حضرت! یہ حقیر سا تحفہ پامال کر دینے کے قابل ہے"، آپ ان کا یہ جملہ سن کر بہت محظوظ ہوئے اور ان کے حسنِ تعبیر کو بہت پسند فرمایا۔

ایک صاحب طباق میں شیرینی لائے اور عرض کیا کہ :

"حضرت! یہ کھویا ہے" اس پر آپ نے برجستہ فرمایا :

"کھویا تو تم نے ہے، ہم نے تو پایا ہے"

اسی طرح ایک صاحب بادام لائے اور کہنے لگے کہ :

"حضرت ! یہ بادام ہیں"

آپ نے بے ساختہ فرمایا :

"ہمارے لئے تو بے دام ہیں"

حاجی ظفر احمد تھانویؒ جو حکیم الامت حضرت تھانوی قدس اللہ سرہ کے مجازِ صحبت تھے، حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کی مجلس میں بھی پابندی سے حاضر ہوتے تھے، حضرت کو ان سے قلبی تعلق بھی تھا اور بے تکلفی بھی، ایک مرتبہ دوشنبہ کی مجلس میں دیر سے تشریف لائے، حضرت نے سوالیہ انداز میں فرمایا: "بہت دیر سے آئے؟"

انہوں نے جواب دیا :

"گھٹنوں میں تکلیف ہے چلا نہیں جاتا"

آپ نے کسی قدر مسکرا کر فرمایا : "عذرِ لنگ ہے"

ایک مرتبہ آپ کی مجلس میں کسی تقریب کے سلسلہ میں دن کا تعین زیرِ غور تھا، کسی صاحب نے پیر کے دن کی تجویز پیش کی۔ حضرت مولانا مفتی محمد رفیع صاحب مدظلہم نے حیرت سے دریافت کیا :

" پیر کا دن ؟ " (مطلب یہ تھا کہ پیر کا دن کیسے متعین کیا جاسکتا ہے جبکہ اُس دن تو حضرت کی ہفتہ واری خصوصی مجلس ہوتی ہے)

اس پر حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تصدیقاً فرمایا :

" ہاں بھئی ! پیر نہیں ۔ پیر کا دن تو پیر کا "

ایک مرتبہ آپ نے مجلس میں اقبال کا یہ شعر پڑھا ؎

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

پھر فرمایا کہ :

" اس کا پہلا مصرعہ تو بہت اچھا ہے، لیکن اس کا دوسرا مصرعہ ہمارے ذوق کو نہیں بھاتا، یہاں " مشکل " کا کیا جوڑ ہے ؟ اس لئے ہم نے اس مصرعہ میں کچھ ترمیم کر دی ہے "

پھر آپ نے شعر کو اس طرح پڑھا :

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی
کہیں مدت میں ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا!

خاندان کے بعض بے تکلف افراد نے آپ سے عرض کیا کہ :

" یہ جو لوگ آپ کو گھیر لیتے، ٹانگیں اور جسم وغیرہ دباتے ہیں، ہمیں تو یہ کچھ اچھا نہیں لگتا " آپ نے ذرا توقف کے بعد مسکراتے ہوئے جواب دیا :

" کیا کریں بھئی ؟ لوگ ہمیں دباتے ہیں اور ہم دب جاتے ہیں "

کسی نے آپ کو خط میں دوسرے القابات کے ساتھ " شیخی " (میرے شیخ !) لکھا۔ آپ نے جواب میں لکھا :

" کیوں مجھے شیخی بناتے ہو ؟ "

ایک مرتبہ دوشنبہ کی ایک پُر کیف، زعفران زار اور علمی نکات سے بھرپور مجلس کے آخر میں بڑے پُر درد انداز میں آپ نے یہ شعر پڑھا ؎

کروگے یاد جب باتیں کروگے
کہ کوئی رفتۂ بسیار گو تھا

قربان جائیے اس "بسیار گو" پر جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان "الجلیس الصالح خیر من الوحدة"۔ بیہقی شعب الایمان۔ (یعنی نیک وصالح ہمنشین تنہائی سے بہتر ہے) کا مصداق تھ اور قربان جائیے اس "بسیار گوئی" پر جو آپؐ کے فرمان "املاء الخیر خیر من السکوت"۔ بیہقی شعب الایمان۔ (یعنی کلمۂ خیر خاموشی اور سکوت سے بہتر ہے) کا مصداق تھی

آج کتنے دل ہیں جو اس "بسیار گو" کی یاد میں تڑپ رہے ہیں، کتنی نگاہیں ہیں جو اس کے دیدارک ترس رہی ہیں، کتنے کان ہیں جو اس کے کلمات سننے کو بیتاب ہیں، کتنی مجلس ہیں جو اس "جلوۂ جہاں آرا" سے محرومی پر خون کے آنسو رو رہی ہیں ؎

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

اللّٰھم لا تحرمنا أجره ولا تفتنا بعده

اللّٰھم اغفر له وارحمه وعافه واعف عنه، وأكرم نزله، ووسع مدخله، واجعل الجنة مثواه، اللّٰھم اغسله بماء الثلج والبرد، ونقه من الذنوب والخطايا كما ينقى الثوب الأبيض من الدنس ۔

شادی اور غم کی تقریبات میں جہاں ہر طرح کی بدعات اور خلاف شرع باتیں ہوتی ہیں جہاں تک ممکن ہو سکے ان میں شرکت سے اجتناب کیا جائے اور خود اپنے یہاں سختی سے شرع پر عمل کیا جائے۔ کیونکہ خلاف شرع امور میں کبھی برکت نہیں ہوتی۔ بلکہ جیتے دنیاوی نقصان کے علاوہ مواخذہ آخرت کا باعث ہوتے ہیں۔ (از: افادات عارفیہ)

• جناب مولانا خلیل احمد صاحب تھانوی

مادہ ہائے تاریخ وفات

① حضرت محمد عبدالحی عارفی

۱۴۰۸ ۹۲ ۱۲۵ ۳۶۱

۱۹۸۶ء

② زبدہ زماں رخصت

۱۱۶ ۱۲۹۰

۱۴۰۶ھ

③ عبدالحی در فردوس بریں ہست

۱۲۵ ۲۰۴ ۳۵۰ ۲۶۲ ۴۶۵

۱۴۰۶ھ

④ وَیُعَلِّمُکُمْ مَالَمْ تَکُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ

۲۱۶ ۱۱۱ ۳۸۳ ۵۹۶

۱۴۰۶ھ

⑤ ممدوحِ خلق محمد عبدالحی عارفی

۸۲۸ ۹۲ ۱۲۵ ۳۶۱

۱۴۰۶ھ

⑥ قطبِ اَنام ڈاکٹر محمد عبدالحی عارفی

۲۰۳ ۶۲۵ ۹۲ ۱۲۵ ۳۶۱

۱۴۰۶ھ

⑦ شیخِ پرہیزگاران

۹۱۰ ۴۹۶

۱۴۰۶ھ

⑧ بروضہ الفردوس بود

۱۰۱۳ ۳۸۱ ۱۲

۱۴۰۶ھ

⑨ ستائیس مارچ صبح چھ بجے امام زماں علامہ عبدالحی جنت میں چلے گئے۔

۷۷۶ ۱۲۳ ۱۸۰ ۱۴۶ ۱۲۵ ۵۵۳ ۸۳

۱۹۸۶ء

⑩ مخدومی مولانا محمد عبدالحی عارفی

۷۰۰ ۱۲۸ ۹۲ ۱۲۵ ۳۶۱

۱۴۰۶ھ

---

⑪ امامِ عصر نیک اوصاف مولانا محمد عبدالحی عارفی

۴۴۲ ۲۵۸ ۱۲۸ ۹۲ ۱۲۵ ۳۶۱

۱۴۰۶ھ

---

⑫ جمعرات کو ولی عالم صاحبِ دل مولینا محمد عبدالحی نے وفات پائی ۔

۷۱۴ ۲۶ ۱۸۷ ۱۳۵ ۱۳۷ ۹۲ ۱۲۵ ۵۷۰

۱۹۸۶ء

---

⑬ قد قال الله جل علمه حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا

۲۳۵ ۶۶ ۳۳ ۱۴۵ ۵۱۸ ۸۰۱ ۱۸۸

۱۹۸۶ء

---

⑭ و الله نبشرہ بمغفرہ

۷۲ ۵۸۷ ۱۳۲۷

۱۹۸۶ء

---

⑮ وَقَدْ قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ اِرْجِعِیْ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَۃً

۱۱۰ ۱۳۱ ۶۶ ۱۱۶ ۲۸۴ ۴۱ ۲۲۲ ۱۰۱۶

۱۹۸۶ء

---

⑯ وَاِنَّمَا قَالَ جَلَّ اَمْرُہٗ وَمَنْ دَخَلَہٗ کَانَ اٰمِنًا

۹۸ ۱۳۱ ۳۳ ۲۴۶ ۹۶ ۶۳۹ ۷۱ ۹۲

۱۴۰۶ھ

⑰

وَقَدْ	قَالَ	اللہ	جَلَّ	کَلَامُہٗ	اِنَّا	اَعْطَیْنَاکَ	الْکَوْثَرَ
۱۱۰	۱۳۱	۶۶	۳۳	۹۶	۵۲	۱۶۱	۷۵۷

۱۴۰۶ھ

---

⑱

وَاِنَّمَا	قَالَ	اللہُ	عَزَّوَجَلَّ	وَادْخُلُوْا	مِنْ اَبْوَابٍ	مُّتَفَرِّقَۃٍ
۹۸	۱۳۱	۶۶	۱۱۶	۶۴۸	۱۰۲	۸۲۵

۱۹۸۶ء

---

⑲

جمعرات	ستائیس	مارچ	کو	زبدہ زماں	علامہ	عبدالحی	چلے گئے
۷۱۴	۵۳۲	۲۴۴	۲۶	۱۱۶	۱۴۶	۱۲۵	۸۳

۱۹۸۶ء

---

⑳

بحکم مالک	ستائیس	مارچ	کو	زبدۂ زماں	علامہ	عبدالحی	جنت میں	چلے گئے
۱۶۱	۵۳۲	۲۴۴	۲۶	۱۱۶	۱۴۶	۱۲۵	۵۵۳	۸۳

۱۹۸۶ء

اثرِ خامہ

المخلص	خلیل	احمد	تھانوی
۷۹۱	۶۷۰	۵۳	۴۷۲

۱۹۸۶ء

استاذ دارالعلوم دینیہ
انجمن حمایت اسلام۔ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تواریخ ولادت ووفات

حضرت قبلہ عارف باللہ ڈاکٹر محمد عبدالحی صاحب قدس اللہ سرہٗ کی تاریخ پیدائش اُن کے جد امجد حضرت مولوی کاظم حسین صاحب نوّر اللہ مرقدہٗ نے مندرجہ ذیل دعائیہ کلمات کے ساتھ منظوم فرمائی :۔

① صبح صادق روز سہ شنبہ ہشتم بود از ماہِ نخت
بخت نکورا وقت مبارک شاہد دارد عبدالحیؒ
عمر طویل وعلم وسیع ودولت و دبنش حق بدد
ہست بجائے تاریخش کاظم فرخ باشد عبدالحیؒ
١٣١٢
٤
سنہ ١٣١٦ھ

② فجر ہشتم محرم
سنہ ١٣١٦ھ

احقر نے تاریخ وفات ہجری اور عیسوی مندرجہ ذیل الفاظ میں نکالی :۔

①

قطب الارشاد	عارف باللہ	عبدالحیؒ صدیقی
٦٤٨	٤١٩	٣٣٩

١٤٠٦ھ

②

قطب الارشاد	عارف باللہ	سیدنا	حاجی	محمد عبدالحیؒ	قدس سرہٗ العزیز
٦٤٨	٤١٩	١٢٥	٢٢	٢١٨	٥٥٤

١٩٨٦ء

③

محمد عبدالحیؒ	صدّیقی	خلیفۂ	مولینا	اشرف	علی
٢١٨	٢١٤	٧٢٦	١٣٧	٥٨١	١١٠

١٩٨٦ء

④ قطب الارشاد عارف باللہ جناب مولوی محمد عبدالحیؒ قدس سرہ العزیز

۶۴۸ ۴۱۹ ۵۶ ۹۲ ۲۱۷ ۵۵۴

۱۹۸۶ء

⑤ قطب الارشاد عارف باللہ مولینا جناب محمد عبدالحیؒ صدیقی مرحوم

۶۴۸ ۴۱۹ ۱۳۷ ۵۶ ۹۲ ۱۲۶ ۲۱۴ ۲۹۴

۱۹۸۶ء

⑥ قطب الارشاد و عارف باللہ و ڈاکٹر جناب عبدالحیؒ صاحب

۶۴۸ ۶ ۴۱۹ ۶ ۶۲۵ ۵۶ ۱۲۵ ۱۰۱

۱۹۸۶ء

⑦ جناب عبدالحیؒ صاحب سفر آخرت مبارک

۵۶ ۱۲۵ ۱۰۱ ۲۴۰ ۱۲۰۱ ۲۶۳

۱۹۸۶ء

⑧ عالم عارف باللہ جناب محمد عبدالحیؒ جنت مکیں

۱۴۱ ۳۵۱ ۶۸ ۵۶ ۲۱۷ ۴۵۳ ۱۲۰

۱۴۰۶ھ

⑨ ولی اللہ آج رخصت

۱۱۲ ۴ ۱۲۹۰

۱۴۰۶ھ

احقر سید علی حماد رضا ۔ ۱۰ جولائی ۱۹۸۶ء

۱۰۵، بی ، بلاک "این" ، شمالی ناظم آباد کراچی

سید اظہر حسین صاحب
ڈپٹی کنٹرولر نیوز ریڈیو پاکستان

گلہائے عقیدت

بیادِ شیخِ طریقت مرشدی حضرت والا حضرت عبدالحی صاحب عارفیؒ

مرشد وہ حرفِ راز بتا کر چلے گئے
سوئے ہوئے ضمیر جگا کر چلے گئے

یہ انکا جذب شوق کرامت تو دیکھئے
قلب و نظر میں شمع جلا کر چلے گئے

دیکھا ہے ہم نے اُنکی توجہ کا یہ اثر
وہم و گماں کو دل سے مٹا کر چلے گئے

دنیا بسی تھی جنکے مزاجوں میں دوستو!
دینی مزاج اُنکا بنا کر چلے گئے

باتوں میں اُنکی گویا لطائف تھے غیب کے
ازراہِ لطف سب کو سنا کر چلے گئے

اہلِ نظر تھے، شیخ تھے، مصلح تھے عارفیؒ
راہِ نجات سب کو دکھا کر چلے گئے

وہ سبزہ زارِ درس ہمیشہ ہو گُلفشاں
جس درس گاہ میں سبکو بٹھا کر چلے گئے

وقتِ سفر "جمی تھی نظر، عرش کی طرف
فرشِ زمیں سے رشتہ چھڑا کر چلے گئے

محفل تھی جن کے دم سے منور وہ اب کہاں
روشن مگر وہ راہ بتا کر چلے گئے

گلزارِ اشرفیؒ کے نگہباں تھے عارفیؒ
باغِ ارم، دلوں میں کھلا کر چلے گئے

اظہر جو تیری فکر میں ہے عارفانہ رنگ
ہے فیضِ عارفیؒ جو رچا کر چلے گئے

تاثرات

وفات حسرت آیات عارف باللہ حضرت مولانا ڈاکٹر محمد عبدالحی صاحب عارفی قدس سرہٗ

ٰہی خیر کس کو مل گیا رخصت کا پروانہ
دگرگوں دیکھتا ہوں آج کیوں عالم کا افسانہ

لک پر کیوں اداسی چھا رہی ہے چار سو آخر
نظر آنے لگا کیوں دفعتاً ہر سمت ویرانہ

ضا روتی ہے ہنگام سحر کیوں سسکیاں لے کر
کلیجہ تھام کر آتا ہے سورج کیوں پشیمانہ

رحلت ہے جہاں سے آج کس محبوبِ عالم کی
گری جاتی ہے خلقت شمع پر ہم مثلِ پروانہ

لی جاتی ہے اُف کاندھوں پہ میّت کس کی اے ہاتف
یہ کس شمع پہ ہے ماتم کناں ہر سمت پروانہ

ُی دیکھ کر حیراں ہیں سب دیر و حرم والے
ترے درویش کی میّت کا یہ اندازِ شاہانہ

یا رُخصت شہنشاہِ قلوبِ اہل عالم کو
تو حوروں نے کہا صد مرحبا اے جانِ جانانہ

جرے گا کون اب یوں پے بہ پے رندوں کا پیمانہ
چلا جاتا ہے کس پر چھوڑ کر ساقی یہ میخانہ

نائے گا بلانوشی کا عادی کون رندوں کو
تکیں گے اب کیسے میخور اور یہ جام و پیمانہ

ُنا ہے پھول عزرائیل نے ایسا گلستان سے
کہ جس سے ہو گیا سارا گلستاں دشت و ویرانہ

لٰھی اب کہاں جائیں گدایانِ تہی دامن
نظر آتا ہے اب سارا جہاں اغیار و بیگانہ

بلائے گا بھلا اب کون الفت کی نگاہوں سے
ملے گا اب کہاں شفقت کا انداز کریمانہ

مجدّد اور فقیہ دین، محدّث پیکرِ سنّت
وہ جن کی ہر ادائے تربیت عالمِ حکیمانہ

وہ گل جس کو سراپا گلستاں کہنا حقیقت ہے
وہ جوہر جس پہ شیدا جوہری سب ہے مثلِ پروانہ

کہاں سے لائے گی مِلّت تجھے اے عارفی کھو کر
حکیمِ مِلّت بیضا کا اندازِ حکیمانہ

کہاں ڈھونڈیں گے پروانے چراغ جستجو لیکر
وہ شمع جو سراپا ہو غمِ مِلّت کا افسانہ

کہاں رخصت ہوئی وہ شمع اور شمع کے پروانے
سِسک کر رو رہے ہیں یہ در و دیوارِ کاشانہ

تسلّی کون دے گا اب پریشاں حالِ مِلّت کو
رکھے گا کون سَر پر اس کے اب دستِ کریمانہ

ہمیں نقشِ قدم وہ دے گئے ہیں عارفی عارفؔ
وہی جامِ محبت ہے وہی سنّت کا پیمانہ

دکھائیں گے کِسے اب زخمِ دل زخمِ جگر عارفؔ
رکھے گا کون نبضِ دل پہ انگشتِ مسیحانہ

خادم مشرف علی تھانوی
مہتمم دارالعلوم الاسلامیہ۔ لاہور ۱۸

اتباعِ سنت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی نیت سے کچھ وقت اپنے گھر کے اندر اپنے اہل وعیال کے ساتھ صرف کرنا چاہیئے اس سے ان کو تقویت اور انشراح رہتا ہے اور خود اپنی زندگی میں بھی ان کے ساتھ انس ومحبت پیدا ہونے سے نشاطِ خاطر رہتا ہے اور بہت سے امور خانہ داری اور حسن انتظام میں مدد ملتی ہے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے اہل وعیال کے ساتھ شفقت ومحبت اور حسنِ سلوک کے لئے خاص طور پر بہت تاکید فرمائی ہے۔ از: افاداتِ عارفیہ

منجانب: **بافقیہ جنرل اسٹور**
ایس۔ ای۔ 6۔ بلاک بی۔ الحیدری۔ نارتھ ناظم آباد کراچی ۳۳

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نذرانۂ عقیدت جناب برادر صاحب ڈاکٹر محمد عبدالحی عارفی مرحوم رحمۃ اللہ علیہ

از طرف برادر خورد محمد عبدالرشید صدیقی ....

کریں کس طرح پیش آخر عقیدت کا یہ نذرانہ
در و دیوار لیں گے سسکیاں روئے گا کاشانہ

نہ پرواہ جاہ منصب کی، نہ کر و فرِ شاہانہ ۔ کہ وہ شاہِ شہاں تھا عارفی باللہ مستانہ !
خلیفہ خاص تھا اشرف علی شاہِ محقق کا ۔ محمد کا وہ شیدائی تھا اور مرشد کا دیوانہ !
نہ دولت اور ثروت تھی نہ منصب اور جاگیریں ۔ وہ تھا اِک پیر کامل زندگی اسکی فقیرانہ !
مخیر تھا غنی و مہرباں تھا اور مخلص تھا ۔ سلوک اس کا ہر اِک چھوٹے بڑے سے تھا شفیقانہ
وہ ایک حق گو مجاہد تھا خدا کا بندۂ عاجز ۔ وزیروں حاکموں کو پند تھی اس کی دلیرانہ
کیا تحریر اِک نسخہ حبیبؐ حق کے اُسوۂ پر ۔ رکھی تبلیغ دیں جاری بہ انداز مسیحانہ
ہزاروں شمعیں ہوں روشن، نہ ہوگی روشنی دِلمیں ۔ وہ تھا شمع ہدایت جس سے روشن تھا یہ ویرانہ
ہوا رخصت وہ دنیا سے تو پر توقیر تھا عالم ۔ سواری چار کاندھوں پر تھی۔ نظم و ضبط شاہانہ
عزیز و اقربا دینے کو کاندھا آگے بڑھتے تھے ۔ ہجوم اتنا زیادہ تھا کہ دے سکتے نہ تھے شانہ
ضیاء الحق نے کی تدفین جبکی اپنے ہاتھوں سے ۔ پس مردن دیا اللہ نے اعزاز شاہانہ
تیری آغوش رحمت میں وہ سوئے حشر تک یارب ۔ لحد پر عارفی کی برکتیں نازل ہوں روزانہ
کر اسکی مغفرت درجاتِ عالی سے نواز اُس کو ۔ عطا خدمت کو حوریں ہوں ملے جنت میں کاشانہ
حسن، مستحسن و احسن کو یارب صبر و ہمت دے ۔ خداوندا عطا ہو صبر بھاوج کو ایوبانہ !
جو ہیں خدام خاص انکے انھیں بھی صبر دے یارب ۔ اور اُنکو جن کا رشتہ عارفی سے ہے مریدانہ
جہاں میں بیٹھ کر پیتے تھے مے رُشد و ہدایت کی ۔ رشید اب پیر اور جمعہ کو ہوگا بند میخانہ
تسلی دو نہ دو لیکن دکھاؤ مت دکھی دل کو ۔ ملو اس دم نہ اتنی بے رُخی سے بے نیازانہ

خدا توفیق دے ہم سب کو نیکو کار بننے کی
عمل اپنا بھی ہو جائے شفیقانہ حلیمانہ
الٰہی صبر کی توفیق ہو ان سوگواروں کو
انھیں الفاظ پہ کرتا ہوں نشتر ختم افسانہ
سلام اے سوگوارو پھر ملیں گے گر رہے زندہ
خدا حافظ عزیز و اقربا و صاحبِ خانہ

نشتر کاظمی۔ ۱ے/۱۱۱ بلاک ایل
نارتھ ناظم آباد کراچی۔

۲۷ر مارچ ۱۹۸۶ء
بروز جمعرات

جن عزیز و اقارب سے صلہ رحمی کا تعلق ہے ان کا حق ادا کرنا بھی واجب ہے اور شریعت میں اس کی بڑی اہمیت ہے۔ ایک حدیث شریف کا مفہوم یہ ہے کہ صلہ رحمی صرف یہی نہیں ہے کہ آپس میں حسن سلوک کا معاملہ رکھا جائے۔ یہ تو غیر شخص سے بھی کرنا چاہیئے۔ صلہ رحمی یہ ہے کہ اگر ایک فریق رشتہ توڑے تو تم رشتہ جوڑو۔ ایک شخص نے اگر حق ادا نہیں کیا تو دوسرا اپنے حق ادا کرنے سے بری نہیں ہو سکتا۔ اگر کسی رشتہ دار نے معاملات خراب کئے یا کوئی اذیت پہنچائی تو یہ اس کا فعل ہے۔ تم کو چاہیئے کہ تم اس کو درگزر کرو اور اس سے انتقام نہ لو۔ اس کی بدگوئی نہ کرو۔ اور اگر اس پر کوئی وقت پڑے تو سخنے قدمے۔ درمے اس کی مدد کرو۔ یہی طریقہ حق ادا کرنے اور رشتہ جوڑنے کا ہے اگر ہو سکے تو جلد اس سے مفاہمت کر لو۔ اس میں بڑی عافیت ہے اور بڑا ثواب ہے۔ شریعت میں حقوق العباد کی بہت زیادہ اہمیت ہے۔ احادیث میں اس کے لئے بہت تاکید آئی ہے اگر کوئی عزیز (یا صاحب معاملہ) اپنے قصور کا اعتراف کر کے معافی چاہے تو شریعت کا حکم ہے کہ ضرور معاف کر دینا چاہیئے ورنہ سخت گناہ ہے اسی طرح اگر اپنا قصور ہو تو ضرور معافی مانگ لینا چاہیئے۔ خواہ کتنا ہی نفس تاویل کرے اور خفت محسوس کرے۔ اگر معافی مانگنے پر دوسرا فریق معاف نہ کرے تو وہ گنہ گار رہے گا اور معافی مانگنے والے سے عند اللہ اب کوئی مواخذہ نہ ہو گا۔ (از: افادات عارفی)

مولانا سبحان محمود صاحب
شیخ الحدیث دارالعلوم کراچی[۱۴]

تعلیماتِ عارفیؒ

الحمد للہ وکفیٰ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ ۔ امّا بعد ـــــ

۱۳۸۵ھ میں راقم الحروف کے شیخ و مرشد حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کاملپوری رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد احقر کی زندگی میں جو خلا پیدا ہوا تھا، اس کو پُر کرنیکی فکر دامن گیر ہوئی، اس دور میں ناکارہ پر دارالعلوم کراچی کی انتظامی اور تدریسی ذمہ داریاں اسقدر تھیں کہ اپنے ذاتی معاملات کیطرف توجّہ نہوتی تھی، اسلئے فوری طور پر اس خلاء کے پُر کرنیکی طرف کما حقہٗ التفات نہوسکا، پھر اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل وکرم سے دارالعلوم کی بدولت، دارالعلوم کے مؤسس و سرپرست مخدوم و محترم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نور اللہ مرقدہٗ جیسی جامع شریعت و طریقت ہستی کی سرپرستی اس ناکارہ کو عطا فرما رکھی تھی، اگرچہ حضرت ممدوحؒ سے ضابطہ کا اصلاحی تعلق نہ تھا، لیکن حضرت ممدوحؒ کے اکثر و بیشتر راہنمائی کی سعادت سے بالواسطہ یا بلا واسطہ استفادہ کا موقع ملتا رہتا تھا، اسیطرح پانچ سال کا طویل عرصہ گذر گیا، اور یہ احقر اپنے خلا کو پُر نہ کرسکا، آخر سنہ ۱۳۹۰ھ میں مجبور ہو کر حضرت مفتی صاحب قدس سرہ سے ضابطہ

میں اصلاحی تعلق قائم کرنیکی درخواست کی۔ حضرت والاؒ نے بڑی شفقت سے مشورہ دیا کہ میرا اور آپکا انتظام مدرسہ کا تعلق موجود ہے، اور نظم ونسق کے معاملات میں بعض اوقات غلط فہمیاں اور اختلافات پیدا ہو جاتے ہیں، جو ایک دوسرے سے بدظنی تک پہنچ جاتے ہیں، اور اس طریق میں بدظنی و بداعتمادی سالک کے حق میں سمِ قاتل ہے، اسلئے ضروری ہے کہ آپ کسی اور سے رجوع کریں۔ بات بالکل صحیح اور حق تھی، اس لئے پھر اس ناکارہ نے "کسی اور" کا انتخاب حضرتؒ ہی کے سپرد کر دیا، حضرتؒ نے اسی وقت مرشدی ومولائی حضرت عارفی (قدس سرہٗ) کا انتخاب فرمادیا۔ . . . اور ارشاد فرمایا کہ حضرت تھانویؒ کے علوم ومعارف کا چشمۂ فیض جس قدر حضرت ڈاکٹر صاحب سے جاری ہے اس وقت کسی اور سے نہیں، اور ڈاکٹر صاحب حضرت تھانویؒ کے مذاق ومزاج میں نہ صرف رنگے ہوئے ہیں، بلکہ غرق ہیں۔ . . . اس ناکارہ کو فوری طور پر اس انتخاب سے قدرے حیرت ہوئی، کیونکہ حضرت عارفیؒ مروجہ علومِ عربیہ میں شہرت نہ رکھتے تھے، اور ایک طالب علم کے لئے یہی معیار انتخاب ہوتا ہے ــــ لیکن چونکہ حضرت مفتی صاحبؒ پر اس ناکارہ کو کامل اعتماد تھا، اسلئے اس انتخاب کو اپنے حق میں سراسر خیر سمجھکر دل سے قبول کر لیا ــــ اور حضرت عارفی کی اولین مجلس میں جو آپکے دولت خانہ پر ہو رہی تھی حاضر ہوگیا، فراغت مجلس کے بعد اپنا تعارف کراکے حرفِ مدعا عرض کیا، حضرت عارفیؒ نے بڑی شفقت فرمائی، اور سورۂ فاتحہ کی آخری آیت سے متعلق ایسی تشریح فرمائی کہ مروجہ علوم میں مشہور نہ ہونیکا جو وسوسہ دل میں آیا تھا وہ کافور ہوگیا، اور بے ساختہ دل سے یہ صدا آئی کہ علوم تو یہ ہیں جو حضرت نے بیان فرمائے ہم تو ابتک لکیریں پیٹنے والوں میں سے ہیں۔

یہ حضرت عارفیؒ کے علوم ومعارف کا نقشِ اوّل تھا، جو قلب پر ثبت ہوا، اور حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سو فیصد صحیح انتخاب کی داد دینا پڑی ــــ حضرت عارفیؒ نے اس کے بعد فرمایا کہ مجلس میں آتے رہو، اس کے بعد درخواست پر غور ہو جائے گا ــــ لیکن ــــ یہ ناکارہ غوائلِ نفس میں مبتلا ہوا، بظاہر خصوصی استفادہ

ر باطن اپنی امتیازی شان کے اظہار کے لئے درخواست گذار ہوا : حضرت والا ! مجھے ئی خصوصی وقت عطا فرماویں جس میں ہر ہفتہ حاضر خدمت ہوتا رہوں، آپ نے بکمالِ فقت غور کرنے کے بعد سہ شنبہ کو عصر کے بعد سے مغرب تک کا وقت عطا فرمادیا، چنانچہ ر اس پر عمل پیرا ہوگیا، چند ہفتے تک اس پر عمل ہوتا رہا، مگر حضرت والا اپنے محترم ر صاحب کی علالت کیوجہ سے یہ وقت دینے سے معذور ہو گئے، اس طرح یہ سلسلہ قطع ہوگیا۔

اس چند روزہ حاضری میں اس ناکارہ کو تو کسی قسم کا فیض حاصل نہ ہوسکا، البتہ رت والا کی عقیدت و عظمت اور اخلاق کریمانہ کے نقوش قلب میں اور گہرے ہوتے لے گئے۔

پھر یہ ناکارہ اپنے مشاغل میں منہمک ہوگیا، اور حاضری کا یہ طریقہ رہا کہ ہفتہ عشرہ ں جب بھی موقع ملتا تو کبھی مطب اور کبھی دولت خانہ پر حاضری ہو جاتا۔ اور حضرت ی شفقت و عنایت سے بہرہ ور ہوتا رہا۔ اسی حال میں شوال ۱۳۹۶ھ میں حضرت ہتمی صاحب نور اللہ مرقدہٗ وصال فرما گئے، اب حضرت والا کی پوری توجہ دارالعلوم اور س کے خدام کی جانب ہوگئی۔ دارالعلوم کے بعض اساتذۂ کرام حضرت کی مجلس میں ری پابندی سے حاضر ہونے لگے، جنمیں یہ ناکارہ بھی تھا، حضرت کی مجلس کیا تھی؟ ں کا اندازہ مجھ جیسے ناکارہ کو تو کیا ہوتا بس وہ تمام اشکالات جو ہفتہ بھر تک ذہن میں ر جمع ہوتے رہتے تھے، مجلس میں ان سب کا بڑا تسلی بخش حل سامنے آجاتا، ایسا معلوم تا کہ حضرت والا کو ہمارے اشکالات کا کشف ہوگیا ہے، اور ان کا جواب ارشاد فرمارہے ہیں۔

۱۴۰۰ھ میں یہ ناکارہ شدید بیمار ہوا، کہ تین چار ماہ تک صاحب فراش رہا، حضرت والا ے اپنی اس بیماری کا علاج شروع کیا، آپ نے نہ صرف دوا دینے پر کفایت فرمائی بلکہ بیشمار عاؤں سے بھی نوازا، اس بیماری کے پورے عرصہ میں حضرت والا ہر ہفتہ اپنے دولت خانہ ے دارالعلوم کورنگی تک کا طویل اور پرمشقت سفر طے فرماکر تشریف لاتے رہے اور طرح سے تسلی فرماتے رہے، حالانکہ یہ زمانہ حضرت کے ضعف اور پیرانہ سالی کا تھا

اور اس طویل راستہ میں تقریباً تمام سڑکیں ایسی تھیں، کہ تندرست و توانا شخص کے بھی بدن کے جوڑ ڈھیلے ہو جاتے تھے، مگر کمال شفقت سے حضرت نے اس تعب و مشقت کو برداشت کیا۔

حضرت کا التفات اپنے خدام پر ایسا تھا کہ ہر ایک یہ سمجھتا تھا کہ مجھ سے زیادہ تعلق خاطر شاید اور کسی سے نہیں، پوری توجہ سے بات سُنتے اور نہ صرف مناسب مشورہ دیتے، بلکہ بے شمار دعاؤں سے نوازتے رہتے، اور اسی کے ساتھ تربیت و اصلاح سے غافل نہ رہتے، اگر کسی سے کوئی ایسی حرکت صادر ہو جاتی، جو قابل اصلاح ہو تو فوراً اصلاح فرماتے اور حق تربیت ادا فرما دیتے، ایک مرتبہ عرض حال کرتے ہوئے احقر کی زبان سے نکل گیا کہ "میری شامت اعمال سے یہ افتاد واقع ہو گئی"، فوراً اصلاح فرمائی کہ یہ کیا کہا؟ شامت اعمال، کیا مؤمن کی یہ شان ہے کہ اس کے اعمال بد باقی رہیں، جنکی نحوست میں وہ مبتلا ہو، ادھر مؤمن سے کوئی گناہ صادر ہوا، اُدھر اس نے توبہ استغفار کرا کے اسے معاف کرا لیا پھر شامتِ اعمال کہاں سے آگئی"، مزید ارشاد فرمایا کہ "اس خیال سے توبہ کرو اس سے ایک تو مایوسی پیدا ہوتی ہے، دوسرے اللہ تعالیٰ کی جانب سے معافی و مغفرت میں شکوک و شبہات ظاہر ہوتے ہیں، اگر کوئی برا کام ہو جائے تو دل بھر کے توبہ کر لو اور مطمئن ہو جاؤ"۔

حضرت والا کی تعلیمات بالکل وہی تھیں جو آپ کے مرشد مجدد ملت حضرت مولانا تھانویؒ کی تھیں، آپ اپنے شیخ کے رنگ میں ڈوبے ہوئے تھے، اور شیخ سے آپ کو انتہائی عقیدت و محبت تھی، اپنے شیخ کی تعلیمات کے آپ شارح تھے، حضرت تھانویؒ کی کوئی تالیف، کوئی کتاب اور کوئی طبع شدہ وعظ، یا ملفوظات ایسے نہیں تھے جن کا آپ نے بار بار مطالعہ نہ فرمایا ہو، اور وہ آپ کے پاس موجود نہو، گویا آپ اپنے شیخ کے علوم و معارف کے حافظ بھی تھے اور شارح بھی، آپ کی مجلسوں میں حضرت تھانویؒ کے ہی علوم و معارف شرح و بسط کے ساتھ بیان ہوتے تھے، اور آپ اپنے متوسلین کو بھی بار بار تاکید فرماتے کہ حضرت تھانویؒ کے مواعظ و ملفوظات کا روزانہ مطالعہ کرتے رہیں، اگرچہ ایک ہی صفحہ ہو، اور جو بات سمجھ میں نہ آئے اسکو لکھ لیں، اور مجھ

سے حل کرلیں، فرماتے تھے کہ حضرت کے مواعظ و ملفوظات تو علوم کا خزانہ ہیں، ایسے ایسے علمی مسائل اور اشکالات کا حل انمیں ملتا ہے، جو بڑی بڑی کتابوں کے مطالعے کے بعد بھی حل نہیں ہوتے، آپ اپنے شیخ کا بہترین نمونہ تھے، اور آپ کی مجالس حضرت تھانوی رح کی مجالس کا نمونہ تھیں۔

حضرت عارفی رح اپنے معمولات کے بڑے پابند تھے، آپ اپنے ایک ایک لمحہ سے کام لینے والے تھے، آپکا ذرا سا وقت بھی بیکار ضائع نہ جاتا، ہر وقت یہی لگن تھی کہ کسی طرح خدام اور متوسلین کو اپنے شیخ کے ذوق سے متعارف فرمادیں، بلکہ یہ ذوق گھول کر پلادیں، اس مقصد کے لئے آپ تحریر و تقریر سے کام لیتے، اور شب و روز اسی میں مشغول رہتے، نظام الاوقات کی پابندی حد درجہ تھی، حالانکہ گوناگوں مصروفیات تھیں، لیکن کیا مجال ہے کہ نظم اوقات میں ذرا سا خلل واقع ہو، خدام و متوسلین کو نظام الاوقات بنانے اور اس پر پابندی کی بڑی تاکید فرماتے، اور فرماتے کہ اسکی خاص برکت یہ ہے کہ ذرا سے وقت میں بہت سے کام ہو جاتے ہیں، حضرت کی آخری بہت سی مجالس میں اسی موضوع پر بیان بھی ہوتا رہا، فرماتے تھے کہ اگر کسی دن معمولات پورے ادا کرنیکی مہلت نہ ملے، تو وقت معین پر جتنا بھی ممکن ہو اس پر عمل کرلیا جائے، ناغہ نہ کیا جائے، کیونکہ ناغہ سے بے برکتی پیدا ہوتی ہے، اپنے مرض الوفات میں، کہ دو دن کے بعد دنیا سے رحلت فرمانے والے ہیں، بیماری کا شدید حملہ ہے، اور دردِ شکم کی سخت ناقابلِ برداشت تکلیف ہے۔ کسی پہلو چین نہیں ہے، کہ صبح کو معمول پورا کرنے کے لئے ارشاد فرمایا کہ قرآن کریم لاؤ تاکہ تلاوت کا معمول پورا کرلوں، خدام نے عرض کیا کہ ایسی شدید تکلیف میں اگر اسکو مؤخر فرمادیں تو اچھا ہے، فرمایا نہیں جتنا ممکن ہوگا تلاوت کرلوں گا، چنانچہ قرآن کریم پیش کیا گیا، آپ نے اس کو کھولکر ایک صفحہ کی تلاوت فرمائی، پھر مناجات مقبول کا بھی ایک صفحہ تلاوت کرکے واپس کردیا ـــــــ اللہ، اللہ، اسقدر معمولات کی پابندی تھی، اس پر مزید یہ کہ ان معمولات میں درجۂ عزیمت پر عمل فرماتے اور متوسلین کو بھی اسکی ترغیب دیتے، کتنی ہی نقاہت یا بیماری ہو ہم نے کبھی آپ کو بیٹھکر نوافل ادا کرتے ہوئے نہیں دیکھا،

بعض اوقات کمزوری کیوجہ سے سجدہ سے قیام کے لئے اٹھتے وقت جسم کا توازن بگڑنے لگتا، اور آپ منہ کے بل گرنے کیطرف جُھکتے، لیکن ہمّت کر کے پھر سیدھے کھڑے ہو جاتے اور تمام نوافل اسیطرح کھڑے ہو کر پورے فرماتے۔ فرمایا کرتے کہ ہمّت بڑی چیز ہے، اس سے تمام مشکلات حل ہو جاتی ہیں، اور عمل آسان ہو جاتا ہے، خود ہی اپنا واقعہ بیان فرمایا کہ ایک رات مجھے شدید بخار ہوا، تہجّد میں اُٹھنے کی ہمّت نہ رہی، لیکن پیشاب کے تقاضے سے اُٹھنا پڑا، جب استنجاء سے فارغ ہوا، تو سوچا کہ وضو تو کرلوں، ممکن ہے کہ نماز کی توفیق ہو جائے، اسی حال میں وضو کیا، پھر سوچا کہ یہ اچھی بات نہیں کہ بیٹھ کر نماز پڑھوں، جب استنجاء کے لئے کھڑے ہو کر جاسکتا ہوں، تو ہمّت کر کے نماز بھی اسی طرح پڑھ لوں، چنانچہ مصلّٰی پر کھڑا ہوگیا، ہاتھ پاؤں لرز رہے تھے، کھڑا ہونا مشکل ہو رہا تھا، لیکن اللہ تعالٰی نے مدد فرمائی، اور معمول کے مطابق نماز پڑھ لی، آپکے صاحبزادے روایت فرماتے ہیں کہ وفات سے کچھ پہلے آپ بخار میں مبتلاء تھے، تہجّد کے وقت نماز کا ارادہ فرمایا، تو آپ کی اہلیہ محترمہ نے درخواست کی کہ آپ تخت پر بیٹھ کر نماز ادا فرمالیں، جواب دیا کہ ہاں، یہ رائے معقول ہے، لیکن کھڑے ہو کر دیکھتے ہیں، اگر نہ ہوسکا تو پھر اس رائے پر عمل کرلیں گے، چنانچہ ہمّت فرما کر کھڑے ہو گئے، اور معمول کے مطابق نماز ادا فرمالی، صبح کو مطب میں جانے کا ارادہ فرمالیا، تو پھر گھر والوں نے روکنا چاہا، فرمایا کہ کیا فرق پڑتا ہے، جا کر بیٹھ جائیں گے، اور اگر اسمیں تکلیف ہوئی، تو واپس آجائیں گے چنانچہ مطب تشریف لے گئے، اور وقتِ مقررہ پر واپس تشریف لائے۔

آپ حقوق کی ادائیگی کا خاص اہتمام فرماتے، اور درجہ بدرجہ سب کے حقوق ادا فرماتے رہتے، بلکہ حق سے بہت زیادہ آپ ادا فرما دیتے، دعاؤں میں، ایصالِ ثواب میں اور تبرعات میں حسبِ مراتب قرب حقوق کی ادائیگی فرماتے، ایک مرتبہ فرمایا کہ میں جب دعائے مغفرت یا ایصال ثواب کرتا ہوں، تو سب سے پہلے اپنے والدین کیلئے کرتا ہوں، پھر اپنے آباؤ اجداد اور جدات واہبات کے لئے، اس کے بعد اپنے اساتذہ اور مشائخ کے لئے، پھر اپنے اہل وعیال اور دوسرے رشتہ داروں کے لئے،

پھر اپنے خدام کے لئے، اس کے بعد اپنے خدام سے فرمایا کہ تم بھی اسی طرح کیا کرو! ، فرمایا کہ ماں باپ کا بڑا حق ہے، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے بعد انہی کا حق آتا ہے اور اتنا عظیم حق ہے کہ تمام عمر اخلاص سے انکی خدمت کرنے اور تمام عمر ان کیلئے دعائے رحمت و مغفرت کرنے کے باوجود، ان کے حق کا عشر عشیر بھی ادا نہیں ہوتا، اس لئے میں نے اپنی تمام عمر کی مستحب عبادتوں کا ثواب اپنے والدین کے لئے وقف کر رکھا ہے۔ ـــ

ـــــ اہل و عیال کے حقوق کی ادائیگی کی سخت تاکید فرماتے، اور فرماتے کہ اپنی اہلیہ کے ساتھ بالخصوص حسن سلوک کا اہتمام کیا جائے، اس بیچاری نے اپنے ماں باپ بہن بھائی اور دوسرے تمام رشتہ داروں کو چھوڑ کر تمکو اختیار کیا ہے، لہٰذا یہ تمام محبتیں تمہاری جانب سے اسکو ملنا چاہئیں، اسکی ایذاء پر صبر کروگے تو اجر عظیم پاؤگے، اس کے ناروا سلوک کی اصلاح تمہارے غیظ و غضب سے نہیں ہوسکتی، بلکہ اس کا تیر بہدف نسخہ یہ ہے کہ اس وقت اپنے غصہ کو پی جاؤ، پھر نرمی اور ہمدردی سے اسکی غلطی کی نشاندہی کرو، اگر اسمیں ذرا بھی سلامتی ہے تو تمہاری اس نصیحت کو وہ قبول کرکے اپنی اصلاح کرلے گی، کبھی آپ بطور مزاح فرماتے کہ آپ کی اصل مصلح آپ کی بیوی ہے، اس سے اپنے اصلاح یافتہ ہونے کا سرٹیفکیٹ حاصل کرلو تو یقیناً یہ پکّی سند ہے۔

فرمایا کرتے کہ اولاد کے حقوق کی ادائیگی انکی تربیت کرنے میں ہے، اولاد کی تربیت ایسی کرنی چاہیئے کہ ان میں رجوع الی اللہ اور اتباعِ سنّت کا جذبہ پیدا ہو، اور بزرگوں کی تعظیم دل میں راسخ ہو، اس پر اپنے ایک مرحوم صاحبزادے کا، جن کا انتقال کم سنی میں ہوگیا تھا اور ان کا نام غالباً محسن تھا، واقعہ سُنایا کہ میں نے اپنے بچّوں کو بالخصوص اپنے مرحوم بچّہ کو یہ تعلیم دے رکھی تھی کہ جب بھی کسی چیز کی ضرورت ہو، تو پہلے اپنے اللہ سے مانگنا، پھر اس شخص سے کہنا جس سے وہ مل سکتی ہے۔ فرمایا کہ جب میں نے اپنا مطب شروع کیا تو اولاً رجوع برائے نام تھا، ایک دن میرا وہی مرحوم بچہ میرے پاس مطب میں آیا اور ایک روپیہ طلب کیا، اس وقت میرے پاس روپیہ نہیں تھا، اسلئے میں نے اسے ٹال دیا، تھوڑی دیر کے بعد وہ پھر آیا، اور اس کے ساتھ ایک مریض بھی آیا، اس مریض نے دوا کے بعد

دو روپیہ مجھ کو دیئے، اس بچہ نے اس میں سے ایک روپیہ دینے کو کہا، اور کہا کہ یہ اللہ نے میرے لئے بھیجا ہے، مجھے دیجئے، میں نے اس سے صورتحال دریافت کی تو اس نے بتایا کہ جب میں پہلی مرتبہ آیا تھا تو اپنے اللہ سے مانگنا بھول گیا تھا، جب آپ نے انکار کردیا تو میں سمجھ گیا، اس لئے میں نے جاکر اللہ سے روپیہ مانگا، اس نے اب یہ دو روپے بھیجے ہیں، انمیں سے ایک مجھے دیجئے ــــــ آپ کو اپنے اہلِ خانہ کو اتباعِ سنّت کی تربیت دینے کی ایسی لگن تھی کہ زبانی تعلیم وتلقین کے علاوہ آپنے ضرورت محسوس کی کہ انکو احکامِ سنّت مرتب کرکے دیدیئے جائیں، تاکہ جب بھی یہ چاہیں تو اپنے ہر شعبہ زندگی میں اس سے راہنمائی حاصل کریں، فرماتے تھے کہ میں نے اسی نیت سے اسوۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جمع وترتیب کا کام شروع کیا تھا، جو بفضلہ تعالی پورا ہوا، اور اسکو اللہ تعالی نے فیضِ عام کا ذریعہ بنادیا ــــــ اسی طرح بزرگوں کی تعظیم وتوقیر بھی آپ کی تربیت اولاد کا ایک جزو تھی ــــــ حضرت کے ایک صاحبزادے راوی ہیں کہ ایک مرتبہ میری زبان سے نکل گیا کہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب نے فلاں معاملہ میں اچھا نہیں کیا، حضرت نے ڈانٹا اور فرمایا کہ حضرت مفتی صاحب میرے مرشد کی جگہ ہیں اگر آئندہ کوئی بات اُن کی شان کے خلاف تمنے کہی تو مجھ سے زیادہ کوئی بُرا نہ ہوگا۔

حضرت فرمایا کرتے تھے کہ آجکل اولاد کی بے راہ روی، نافرمانی اور اللہ ورسول سے بغاوت، والدین کی تربیت سے غفلت کا نتیجہ ہے، اس پر فتن دور میں اگر اپنی دنیا اور آخرت کو درست رکھنا ہے تو اولاد کی دینی اور ایمانی تربیت کرنا چاہیئے، افسوس اس پر ہے کہ والدین اپنی اولاد کی دنیا اچھی رکھنے کی تو پوری کوشش کرتے ہیں، لیکن دین نہ تو ان کو سکھاتے ہیں اور نہ اسپر عمل کرانے کی طرف توجہ دیتے ہیں۔

حضرت عارفیؒ نے تربیت واصلاح اولاد کا ایک نہایت موٴثر اور مجرب نسخہ ارشاد فرمایا، اور فرمایا کہ میرا بھی اسی پر عمل رہا ہے، اور کبھی میں نے اسکو بے اثر نہیں پایا، فرمایا کہ جب اپنے کسی بچہ کی اصلاح کرنا ہو، تو پہلے تنہائی میں اللہ سے جی بھر کے دعا کرلو کہ اے اللہ! میں آپ کا ضعیف اور ناتواں بندہ ہوں، آپنے مجھے اولاد جیسی عظیم

نعمت سے نوازا ہے، اور اسکی اصلاح و تربیت کا فریضہ بھی مجھ ناتواں پر عائد فرمایا ہے، نہ میری بات میں کوئی اثر ہے اور نہ مجھے تربیت کا ڈھنگ آتا ہے، میرے بچّوں کے قلوب آپکے قبضۂ قدرت میں ہیں، ان کے دلوں کو خیر کیطرف اور اپنی اور میری فرمانبرداری کی طرف اور اصلاح حال کی طرف پھیر دیجئے، دعا کرنے کے بعد بچّہ کو سمجھائیے، نصیحت کیجئے اور اللہ پر توکل کر لیجئے، جب بھی نصیحت کرنا ہو، اسی طرح عمل کیجئے، اور ان کی عام اصلاح کے لئے نمازوں کے بعد بھی دعا کرتے رہیئے، انشاء اللہ آپ کا مقصود حاصل ہو جائے گا ـــــ راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ میں نے حضرت عارفیؒ کا یہ نسخہ ایسے متعدد ستم رسیدہ اور غمزدہ والدین کو بتایا، جو اپنی اولاد کی نافرمانی کیوجہ سے زندہ درگور ہو رہے تھے، انہوں نے اس پر پابندی سے عمل جاری رکھا، چند ماہ کے بعد ان کے بچوں کے حالات ٹھیک ہونا شروع ہوئے، اور سال دو سال کے بعد وہ اپنے بچوں کی جانب سے مطمئن ہو گئے ـــــ راقم الحروف یہ بھی عرض کرتا ہے کہ یہ نسخہ صرف اپنی اولاد کے لئے خاص نہیں، بلکہ اپنے متعلقین میں سے جسکی اصلاح و تربیت کی ذمہ داری کسی پر آپڑی ہو، وہ بھی اس پر عمل کر کے فیضیاب ہو سکتا ہے، خواہ چھوٹا بھائی ہو یا بیوی وغیرہ۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ عصر حاضر کے فتنوں میں سے بے حیائی، بے پردگی، فحاشی، عریانی اور مرد و عورت کے بے محابا اختلاط کو عظیم فتنہ قرار دیتے، اور اسکی بیخ کنی اپنی تحریر و تقریر کے ذریعہ فرماتے رہتے، آپ کی مجالس میں اکثر اس موضوع پر سیر حاصل تبصرہ ہوتا، اور ہر پہلو سے اسکی دنیاوی اور اخروی مضرتیں ظاہر فرماتے تھے، فرمایا کرتے کہ ہر عمل کا "ردّ عمل" قانون قدرت ہے۔ یہ سمجھنا غلط ہے کہ اس فحاشی و عریانی کا ردّ عمل نہ ہوگا، آج معاشرتی زندگی تباہ ہو رہی ہے، زن و شوہر میں بنتی نہیں، اولاد ماں باپ کی نافرمان ہے، بھائی بھائی کا دشمن ہے، لڑکیوں کی جوانی ڈھل رہی ہے لیکن کوئی رشتہ نہیں ملتا، دل بے چین ہے زندگی ناہموار ہے گھر کے گھر تباہ ہو رہے ہیں، طلاقوں کی کثرت ہے اور خدا جانے کیا کیا ہے، یہ سب

ردِّ عمل ہے ان بے حجابیوں، عریانیوں اور فحاشیوں کا، جو ہمارے معاشرے میں تیزی سے پھیل رہی ہیں، اللہ پناہ میں رکھے، شرم و حیا رخصت ہو رہی ہے، حالانکہ حدیث شریف میں حیا کو ایمان کا شعبہ فرمایا گیا ہے، جب کسی کی حیا رخصت ہو جائے تو اس کے لئے ہر برائی کو اختیار کرنا آسان ہو جاتا ہے، جب شرم جاتی رہے تو گناہ آلود زندگی گذارنے میں کوئی رکاوٹ نہیں رہتی، بار بار تنبیہ اور نصیحت فرماتے کہ خود کو اور اپنے اہل وعیال کو عصر حاضر کے تمام فتنوں سے، خصوصًا بے حیائی و عُریانی اور بے پردگی و فحاشی کے چڑھتے ہوئے سیلاب سے بچانے کی مؤثر تدبیریں کرتے رہو، ورنہ دنیا و آخرت میں اس کے ایسے نتائج بد سامنے آئیں گے کہ الامان والحفیظ، سب سے آسان تدبیر یہ ہے کہ جن آلات سے یہ فتنہ گھروں میں داخل ہوتا ہے، جیسے ریڈیو اور ٹیلی ویژن وغیرہ ان سے اپنے گھروں کو محفوظ رکھنے کی ہر امکانی کوشش کرتے رہو، اور ساتھ ہی رب العزت کے حضور مسلسل دعائیں کرتے رہو کہ اے اللہ میں بندۂ ضعیف، ماحول میرے خلاف، معاشرہ میرا مخالف، میں خود کو اور گھر والوں کو گناہوں سے بچانا چاہتا ہوں، لیکن بچا نہیں سکتا، آپ قادر مطلق ہیں، آپ کے ہی قبضۂ قدرت میں ہم سب کے قلوب ہیں، آپ ہمارے ضعف اور بیماری اور بے کسی پر رحم فرمائیے، اے اللہ! آپ مجھے اور میرے گھر والوں کو عصر حاضر کی لعنتوں سے، زمانے کے فتنوں سے اور معاشرے اور ماحول پر چھائے ہوئے گناہوں سے بچا لیجئے، اے اللہ! آپ ہماری حفاظت فرماتے رہئے، اور نبئ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ ہم پر اپنی رحمتیں نازل فرمائیے، اس دعا اور کوشش کا اثر یہ ہوگا کہ آپ لوگوں کا کم از کم اپنا گھر ان لعنتوں سے محفوظ ہو جائے گا، اور گھر والوں کے قلوب بھی اللہ تعالیٰ خیر کی طرف پھیر دیں گے۔

"عمل"، اور "ردِّ عمل" کے قانون قدرت کے تحت فرماتے کہ یہ تمام مصائب ذلتیں، رسوائیاں، دلوں میں نفرتیں، باہمی جنگ وجدل اور نئی نئی مہلک بیماریاں، اتفاقات نہیں ہیں، بلکہ عمل اور ردِّ عمل یعنی "قانونِ مکافات" کے

تحت ظاہر ہو رہے ہیں، ہم نے جیسا کچھ کیا یا کر رہے ہیں، اس کے نتائج سامنے آرہے لیکن یہ دانشمندی کی بات نہیں کہ جن حالات و نتائج میں گرفتار ہیں، انکو اپنے اوپر مسلط کرلیں۔ اور ان سے نکلنے کی فکر نہ کریں، اپنے مستقبل کو اگر درست کرنا ہے اور حالاتِ حاضرہ کی تباہ کاریوں سے بچنا ہے تو اوّلاً ان گناہوں کو چھوڑ دیتے، جو اس عذاب کا سبب ہیں، پھر اللہ تعالیٰ کے سامنے عجز و نیاز کے ساتھ سورۂ بقرۃ کی آخری آیت کی دعائیں کرتے رہیں انشاء اللہ تمام بادل چھٹ جائیں گے ۔ اس موقع پر حضرت والا ان دعاؤں کی تشریح ایسے دلنشیں انداز میں بیان فرماتے کہ حاضرین آبدیدہ ہوجاتے ۔

حضرت عارفی نور اللہ مرقدہٗ کی تعلیمات کا خلاصہ مجھ جیسے ناقص الفہم اور ناکارہ کی نظر میں تین باتیں ہیں :۔ (۱) ادائے حقوق (۲) اتباعِ سنّت (۳) رجوع الی اللہ

ادائے حقوق کے سلسلہ میں جو کچھ حضرت کے ملفوظات اور مجالس سے حاصل ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ حقوق کی تین قسمیں ہیں، ایک حقوق النفس، دوسرے حقوق العباد اور تیسرے حقوق اللہ،

حقوق النفس سے یہ مراد ہے کہ اپنے جسم و جان کے جو حقوق ہم پر ہیں، ان کو پورے طریقہ سے ادا کریں، یعنی اپنے آپ کو دنیا اور آخرت کی مضرتوں سے محفوظ رکھیں، اور سعادت دارین حاصل کرنے کی بھرپور کوشش کرتے رہیں ـــــ ان میں سب سے پہلے اپنے آپ کو کفر و شرک بدعت اور معاصی سے خصوصًا معاصی کبیرہ سے بچانا ہے، لیکن اس پرفتن دور اور گناہ آلود معاشرے میں بظاہر اپنی حفاظت مشکل نظر آتی ہے، کیونکہ قدم قدم پر توبہ شکن مناظر اور ایمان سوز معاصی کی یلغار ہے، فرمایا کرتے کہ میں ایک طریقہ بتاتا ہوں کہ اس پر مسلسل عمل رہا تو انشاء اللہ ان تمام معاصی سے حفاظت ہو جائے گی، وہ طریقہ یہ ہے کہ روزانہ صبح کو نماز کے بعد یا تہجّد کے بعد تھوڑی دیر کے لئے گوشۂ تنہائی میں بیٹھ کر اپنے رب سے اس طرح عرض معروض کریں کہ اے اللہ ! میں آپ کا بندۂ ضعیف و ناتواں ہوں آپ کے رسول کی امت مرحومہ کا ناچیز فرد ہوں، نفس و شیطان میرے ساتھ لگے ہیں، معاشرہ گناہ آلود ہے، میں اگر گناہوں سے بچنا بھی چاہوں تو اس پر

قادر نہیں، آپ میرے رب اور قادر مطلق ہیں، آپ مجھے اور میرے اہل و عیال کو آج کے دن تمام گناہوں سے بچا لیجئے، اور مجھ پر اپنا فضل فرمائیے — جی بھر کر اللہ تعالیٰ سے اسی طرح عرض کریں، اور شام کو اپنے تمام اعمال و اشغال کا سرسری جائزہ لیکر جن گناہوں سے اللہ تعالیٰ نے حفاظت فرمائی ہے، اس انعام پر اللہ کا دل سے شکر ادا کریں، اور اگر کسی گناہ میں ابتلاء ہو گیا ہے، تو اس سے توبہ استغفار کرلیں، روزانہ اس پر عمل کرتے رہیں، انشاء اللہ گناہوں سے حفاظت بھی ہوگی اور روزانہ توبہ استغفار سے کھاتہ بھی صاف ہوتا رہے گا، فرمایا کہ میں اللہ کی رحمت پر بھروسہ کر کے کہتا ہوں کہ اگر اس رات میں موت آگئی تو انشاء اللہ شہادت کی موت ہوگی۔

حقوق العباد سے یہ مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے قریب و بعید رشتوں کے مطابق ان کے حقوق لازم کئے ہیں، جنکی ادائیگی کے بغیر نہ تو دنیا میں سکون مل سکتا ہے اور نہ آخرت میں، بلکہ دنیا کی بہت سی مصیبتیں حقوق العباد کے تلف کرنیکی وجہ ہی سے آتی ہیں۔ حقوق العباد میں سب سے مقدم والدین کے حقوق ہیں، جو نازک بھی ہیں، اور اہم بھی، فرمایا کرتے کہ اگر کوئی شخص والدین کی تمام عمر خدمت کرتا رہے، پھر بھی ان کے حق کا عشر عشیر بھی ادا نہیں کرسکتا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اور اپنے رسول کے حقوق کے بعد والدین کے حقوق کو رکھا ہے، ان کے حق کی ادائیگی تو کیا ہوگی، اگر اتنا ہی کرلیا جائے تو غنیمت ہے کہ انکو ہر حال میں خوش رکھنے کی فکر کرتا رہے، اپنے کسی عمل کسی قول اور اشارے کنایہ سے بھی ان کی دل آزاری کا مرتکب نہو، انکی حیات میں اور خصوصًا ان کی وفات کے بعد ان کے لئے دعائے مغفرت و بلندی درجات، اور حتی المقدور صدقہ و خیرات اور ذکر و اذکار کے ذریعہ ایصالِ ثواب کرتا رہے۔

پھر اپنے اہل و عیال کے حقوق ہیں اور ان کی بھی بڑی تاکید ہے، ان کے حقوق کی ادائیگی کا طریقہ یہ ہے کہ ان کی جسمانی اور روحانی، یعنی دنیادی اور دنیوی ضروریات کا معقول اور مؤثر بندوبست کرے، اور انکی اخلاقی اور تعلیمی

ربیت کا انتظام کر کے نگرانی بھی کرتا رہے، اہل وعیال کے سلسلہ میں تحمل اور عفو ودرگذر سے زیادہ کام لے، لیکن بوقت ضرورت تنبیہ و تادیب سے گریز بھی نہ کرے۔

حقوق اللہ کے سلسلہ میں آپ فرمایا کرتے کہ ان میں فرائض و واجبات بھی ہیں ورمستحبات وآداب بھی، اللہ تعالیٰ کے اوامر ونواہی اس کے حقوق ہیں، اوامر کو خلاص کے ساتھ بجالانا اور نواہی سے اجتناب کرنا، اللہ تعالیٰ کے حق کی بجاآوری کی کوشش ہے، فرمایا کرتے کہ حق تعالیٰ تو بے نیاز ہیں، مخلوق کی طاعت وعبادت سے ذرہ برابر نفع، ورانکی نافرمانی وبغاوت سے ذرا سا نقصان نہیں پہنچتا، ان تمام حقوق کا نفع و ضرر خود بندوں کو پہنچتا ہے، انہوں نے محض ہمارے دنیوی واخروی اور ظاہری باطنی نفع کی خاطر یہ حقوق ہم پر عائد فرمائے ہیں، اس لیئے نہایت خوشدلی کیساتھ للہ تعالیٰ کی اس نعمت کا تہہ دل سے شکر ادا کرتے ہوئے ان حقوق کو حتی المقدور داکرنیکی کوشش کرتے رہنا چاہیئے، اور اس تصوّر کے استحضار سے کہ یہ سب ہمارے نفع کے لیئے ہے، حقوق کی ادائیگی نہ صرف آسان ہوجائے گی، بلکہ ذوق وشوق بھی پیدا ہوجائیگا۔

فرائض میں سب سے اہم اور مقدم نماز ہے، اور اس زمانے میں ایسے لوگوں کی تعداد کم نہیں، کہ جو اس اہم فریضہ سے خود بھی غافل ہیں، اور اپنے اہل وعیال کے حق میں بھی مجرمانہ غفلت میں مبتلا رہیں، انکو یہ سوچنا چاہیئے کہ کل کو یوم حشر میں جب اس کے بارے میں سوال ہوگا تو وہ اپنی اس غفلت کا کونسا معقول جواب دے سکیں گے، اگر وہ اسی نکتہ پر غور کرلیں تو انشاء اللہ انکی غفلت دور ہونے لگے گی، فرمایا کہ ہم میں بہت سے ایسے لوگ ہیں، جو اس وجہ سے نماز نہیں پڑھتے کہ اسمیں دل نہیں لگتا، جب بھی نماز کے لیئے کھڑے ہوتے ہیں، خیالات میں انتشار پیدا ہوجاتا ہے، برے برے وسوسے دل میں آنے لگتے ہیں، ذہنی یکسوئی حاصل نہیں ہوتی، حضور قلب کا نام ونشان بھی نہیں ہوتا، ایسی نماز سے کیا فائدہ، ایسے فاسد خیالات میں گرفتار لوگوں کو سوچنا چاہیئے کہ نماز میں دل لگنا مقصود نہیں، لگانا مقصود ہے، اور دل لگانا بھی اپنے اختیار کی حد تک۔

جب غیر اختیاری طور پر دل ہٹ جائے تو اسپر نہ تو مؤاخذہ ہے اور نہ نماز غیر مقبول ، بات یہ ہے کہ نفس و شیطان نے اس نیک کام سے روکنے کے لئے ایسے مہمل اور لایعنی خیالات دل میں ڈالدیئے ہیں ، اور ہم نے ان کو معقول سمجھ کر قبول کر لیا ، کل کو قیامت میں کیا جواب دیں گے ، اس پر غور کرنا چاہیئے ـــــ فرمایا کہ ہم میں ایسے لوگ بھی ہیں جو پابندی سے نماز پڑھتے ہیں ، جماعت کا بھی اہتمام کرتے ہیں ، اور نماز کو صحیح طریقہ سے ادا کرنیکی اپنی سی کوشش بھی کرتے ہیں ، لیکن وہ اس وہم میں مبتلاء ہیں کہ ہماری نمازیں کیا نمازیں ہیں ، نماز پڑھنے کھڑے ہوتے ہیں تو کبھی بیوی بچّوں کے خیال میں ، کبھی دفتر اور کاروبار کے دھیان میں اور کبھی اِدھر اُدھر کے لایعنی خیالات میں ڈوبے رہتے ہیں ، کہیں ایسی نمازیں بھی قبول ہو سکتی ہیں ؟ انکو سوچنا چاہیئے کہ یہ اللہ کا کتنا بڑا انعام ہے کہ اس نے اپنے لاکھوں بندوں میں سے تمکو توفیق عطا فرمائی کہ تم اس کے دربار میں ، اسکی عالی بارگاہ میں ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوئے ، اسکی جانب سے اس توفیق کا آجانا ہی تمہاری اس ٹوٹی پھوٹی نماز کو قبول کر لینے کی نوید ہے ، ورنہ دوسروں کیطرح وہ تمہیں بھی اس توفیق سے محروم رکھتا ، پھر یہ سوچنا چاہیئے کہ یہ خیالات کا انتشار ہمارے اپنے اختیار سے تو نہیں ، یہ تو غیر اختیاری طور پر ہمارے قلب پر چھا گئے ، اللہ تعالیٰ کو ہم سے ایسی منتشر خیالات والی نماز پڑھوانی تھی ، جسکو وہ قبول فرمائیں گے ـــــ خلاصہ یہ کہ ہمیں اپنی نماز و عبادت کی طرف توجہ نہ کرنا چاہیئے ، کیونکہ وہ تو کسی قابل نہیں ، بلکہ حق تعالیٰ کی رحمت اور اس کے فضل و کرم پر نظر رکھنا چاہیئے کہ وہ اسی کو قبول فرمالیں گے ـــــ بندہ کا کام حتی المقدور امتثال امر ہے جو اسکی توفیق سے ہو رہا ہے ، قبولیت رحمتِ خداوندی پر موقوف ہے اور موعود ہے جو انشاء اللہ حاصل ہو جائے گی ،، فرمایا کہ اگر ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا شوق اور لگن ہو جائے پھر اس کے ادا کرنیکی توفیق بھی ہو جائے ، تو یہ پہلی نماز کے قبول ہو جانے کی علامت ہے ، ایک مرتبہ جمعہ کی مجلس ختم ہونے کے بعد جبکہ مغرب کی نماز تیار تھی ، اور اس وقت صرف یہ ناکارہ حضرت والا کے قریب بیٹھا تھا ،

توحضرت والا نے سرگوشی کرتے ہوئے فرمایا کہ مولوی صاحب ایک نکتہ کی بات آپ کو بتا رہا ہوں کہ اہتمام کرکے اگر آخری سجدہ بھی اخلاص سے کرلیا، تو پوری نماز مقبول ہو جائے گی، میں نے عرض کیا کہ حضرت! اس اخلاص کا کیا طریقہ ہے، فرمایا کہ بس اتنا استحضا کہ میرا یہ سجدہ صرف اللہ کے لئے ہے پھر فرمایا کہ اگر نماز کا آخری جزو بھی ایسے اخلاص سے ہو گیا، تو بھی پوری نماز مقبول ہے، پھر بڑے ہی پر درد الفاظ میں اختصار سے فرمایا کہ مولوی صاحب! اس پر آج ہی سے عمل شروع کر دیجیے، میں آپ کے لئے دعا کر رہا ہوں اور کرتا رہوں گا۔

مستحبات کے سلسلہ میں فرماتے کہ یہ لفظ "حُبّ" سے بنا ہے، جس کے معنیٰ محبت کے ہیں، لہٰذا مستحب وہ عمل ہوگا، جسپر پابندی کے ساتھ عمل کرنے سے، بندہ اللہ کا محبوب ہو جائیگا۔ اور محبت کی خاصیت یہ ہے کہ وہ دونوں جانب سے ہوتی ہے، اس لئے بندہ مُحِبّ بھی ہو جائیگا، گویا مستحبات پر عمل کرنیوالے کو اللہ تعالیٰ کی محبت اور محبوبیت دونوں حاصل ہو جائیں گی، اور جس کو اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل ہو جائے، اور وہ خود بھی اللہ کا محبوب بندہ بن جائے، تو اس سے بڑا اعزاز عالم امکان میں کسی کو حاصل نہیں ہو سکتا۔ آپؒ اپنے متوسلین کو مستحبات پر پابندی کرنیکی بڑی تاکید فرمایا کرتے اور فرمایا کرتے کہ کسی بھی مستحب کو چھوڑنا نہ چاہیئے کہ اس سے محرومی کا اندیشہ ہے، خصوصًا مستحب کو ادنیٰ اور معمولی بات سمجھ کر چھوڑ دینا تو بڑی خطرناک بات ہے، اگر کبھی مستحب پر عمل کرنے سے کوئی عذر معقول پیش آجائے تو، جس قدر بھی آسانی سے ممکن ہو اتنا ہی عمل کر لیا جائے، چھوڑا نہ جائے، نمازوں کے عد تسبیح فاطمی مستحب ہے اگر اس تسبیح کی پوری تعداد کسی وقت ممکن نہ رہے، تو جتنی ممکن ہو پڑھ لی جائے، بالکل ترک نہ کیا جائے، کیونکہ بزرگوں کا قول ہے کہ مستحبات ترک کرنیوالا رفتہ رفتہ سنتوں کو ترک کر بیٹھتا ہے، اور سنتوں کا چھوڑ دینا واجب کے چھوڑ دینے کا پیش خیمہ ہے، اور واجبات کو چھوڑ دینے والا کسی نہ کسی وقت فرائض چھوڑ بیٹھے گا، جو اس کے لئے دنیا و آخرت میں ہلاکت کا سبب ہے۔

فرمایا کرتے کہ ہائے ہائے مت کرو، یہ نہ کہو کہ "کچھ بن نہیں پڑتا"، ہم کیا کریں کیسے کریں، کہاں تک کریں، حق تعالیٰ کی وسعت رحمت پر نظر رکھو، سب کچھ بن پڑے گا سب ٹھیک ہو جائے گا، اپنے ضعف و ناتوانائی کو نہ دیکھو، ورنہ تو کچھ بھی نہ کر سکو گے حق تعالیٰ پر نظر رکھو، سب کچھ کر سکو گے، انکو راضی رکھنے کی فکر کرتے رہو، انشاء اللہ کامیاب ہو جاؤ گے۔

حضرت عارفیؒ کی تعلیمات کا دوسرا جزو اتباع سنّت کی سختی سے تاکید کرنا ہے، آپ کی کوئی مجلس ایسی نہ ہوتی تھی کہ جسمیں کامل اتباع سنّت کی اپنے متوسلین کو تلقین نہ فرماتے ہوں، حضرت والا بھی اتباع سنّت کا نمونہ تھے، اور اپنے خدام کو بھی اسی رنگ میں رنگا ہوا دیکھنا چاہتے تھے، طاعات و عبادات میں تو اتباع سنّت بہر حال مقصود و مطلوب ہے، آپ تو اخلاق و عادات اور حرکات و سکنات میں بھی اتباع کی تلقین فرماتے، شکل و صورت وضع قطع، رہن سہن، نشست و برخاست گفتار و رفتار، پوشاک و لباس، بیداری و خواب، خورد و نوش اور تعلقات و معاملات میں بھی اتباع سنّت کو مقصود اصلی قرار دیتے، فرمایا کرتے کہ اتباعِ سنّت کے تمام طریقوں کو میں نے اپنی کتاب "اسوۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم"، میں جمع کر دیا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ادا، ہر انداز اور ہر کیفیت اسمیں ضبط کر دی ہے، اسکو دیکھ کر اپنی زندگی کو، اور اپنی زندگی کے تمام اطوار و انداز کو سنت میں ڈھال لو، فرمایا کرتے کہ اتباع سنت کے بغیر کچھ حاصل نہیں ہوتا، نہ منزل ملتی ہے، نہ نجات، اور نہ ترقیاں حاصل ہوتی ہیں، نہ کمالات، اسپر حضرت مجدد الف ثانیؒ کا ایک ملفوظ سناتے کہ ۔ میں اس مقام پر ہوں کہ اگر ظاہر کر دوں تو علمائے ظاہر مجھے کافر کہیں گے، اور صوفیائے کرام زندیق، لیکن مجھے کسی کی پرواہ نہیں، اور مجھے جو یہ مقام ملا ہے، وہ صرف اور صرف سنّت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی بدولت ملا ہے" ——— (اوکما قال)

حضرت عارفیؒ اعمال اختیاریہ میں تو سنت کا اہتمام کرتے کراتے ہی تھے،

لیکن آپ کی شان یہ تھی کہ امور غیر اختیاریہ میں بھی اتباع سنت کی نیت فرمالیتے تھے اور متوسلین کو بھی یہی تلقین فرماتے۔ بیماری و آزاری، غم اور خوشی انسان کے اختیار میں نہیں، اور ہر شخص بہر حال ان حالات سے گذرتا ہے، اگر آپ کو بیماری پیش آتی تو فرمایا کرتے کہ میں یہ نیت کرلیتا ہوں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی بیمار ہوئے ہیں، میری بیماری بھی آپ ہی کے اتباع میں ہے، ایک مرتبہ راقم الحروف نے جبکہ سخت بیماری میں مبتلا تھا، اور حضرت والا عیادت کو تشریف لائے تھے عرض کیا کہ حضرت! موت کا ڈر اور اپنے گناہوں کا بڑا خوف دل پر مسلط ہے، رات کو اس کا خیال آجاتا ہے تو نیند اڑ جاتی ہے، دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ہر منزل آسان فرمائیں، آپ نے برجستہ فرمایا کہ ایک رات مجھے بھی یہی خیال آگیا تھا، جو آپ کو آیا ہے، مجھے بھی بڑی وحشت ہونے لگی تھی، اچانک اللہ تعالیٰ نے دستگیری فرمائی، اور ذہن میں آیا کہ یہ وہ راستہ ہے جس سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی دنیا سے تشریف لے گئے ہیں۔ آپ ہی کے اتباع میں ہم بھی اسی راستہ سے چلے جائیں گے، اور اتباع سنت میں جو کام بھی ہو اس میں شیطان سے حفاظت کا وعدہ ہے، لہٰذا کسی فکر اور وحشت کی کوئی گنجائش نہیں، فرمایا کہ یہ خیال آتے ہی سکون ہوگیا، اور اس کے بعد سے آجتک کوئی فکر نہیں ہوتی۔ پھر فرمایا کہ سنت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ایسا نور اور ایسی روشنی ہے جس سے ہر قسم کی تاریکیاں کافور ہو جاتی ہیں، یہ نور چمک رہا ہے اور چمکتا رہے گا۔ جو شخص بھی اس نور کے سایہ میں آجائیگا خواہ وہ قصداً آیا ہو یا غیر ارادی طور سے، اپنے اختیار سے آیا ہو یا غیر اختیاری طور سے وہ تو ہر قسم کی تاریکی اور گمراہی سے محفوظ ہوگیا۔ یہی حال امور اختیاریہ اور غیر اختیاریہ میں اتباع سنت کا ہے ——— پھر اپنے مخصوص پیار بھرے انداز میں فرمایا مولوی صاحب! اس پر عمل کرتے رہو، انشاء اللہ تمام فکریں دور ہو جائینگی اور اتباع کا اجر و ثواب علیحدہ ہوگا۔

آپ فرمایا کرتے کہ ہم اپنی ضروریات زندگی بہر حال پوری کرتے ہیں، کھاتے پیتے بھی ہیں، سوتے جاگتے بھی ہیں، چلتے پھرتے بھی ہیں، اور لیٹتے بیٹھتے بھی ہیں، بس اتنا کرلو کہ ہر ایسا کام کرنے سے پہلے اتباع سنت کی نیت کرلو۔ مثلاً حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

نے کھانا کھایا ہے ہم بھی آپکے اتباع میں کھا رہے ہیں، آپنے پانی پیا ہے آپکے اتباع میں ہم پی رہے ہیں، آپنے آرام بھی فرمایا ہے آپکے اتباع میں ہم بھی کر رہے ہیں، پھر حضورؐ کے اس کام کے کرنے کا انداز معلوم کر کے اسکو اختیار کر لو، اس اتباع کی برکت یہ ہوگی کہ اس کام کا ہر لمحہ عبادت میں لکھا جائیگا اور اس کام میں اسقدر خیر و برکت اور نور حاصل ہوگا جس کا تصوّر بھی نہیں کیا جا سکتا۔ گویا حضرت عارفیؒ کے بتائے ہوئے طریقہ پر عمل کرنے والے کی زندگی کا ہر ہر لمحہ، ہر ہر انداز اتباع سنت کی تمام برکتوں سے مالا مال ہو جائیگا۔ جو آخرت کی زندگی میں نور بن کر چمکے گا اور دنیا کی زندگی میں لطف و سرور اور سکون و راحت کا سبب ہو جائیگا آپ اکثر فرماتے کہ حضرت حاجی صاحب کے طریق میں سالک کو بہت جلدی وصول ہو جاتا ہے، اسکی وجہ یہ ہے کہ حضرت کے طریق میں اتباع سنت بنیاد ہے اور یہ ایسی بنیاد ہے کہ اسمیں نہ تو شدید ریاضت کی ضرورت ہے اور نہ مجاہدات کی۔ بس کھلا ہوا روشن راستہ ہے جسپر سالک بے خوف و خطر چل کر منزل تک پہنچ جاتا ہے۔

آپ کی تعلیمات کا آخری جزو "رجوع الی اللہ" ہے جس کا مطلب خود حضرت عارفیؒ کے بیان کے مطابق یہ ہے کہ اپنے ہر ادنیٰ سے ادنیٰ اور اعلیٰ سے اعلیٰ معاملہ میں حق تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا۔ فرماتے کہ جو کچھ بھی کرنا ہو پہلے اللہ تعالیٰ کی طرف اس معاملہ میں رجوع کر لو پھر اس کام کو کرو، صبح سے شام تک اور شام سے صبح تک انسان بے شمار کام کرتا ہے، ہر کام کے شروع میں پہلے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر لیا جائے تو خیر و برکت اور مدد و نصرت کے علاوہ اس کام میں مشغولیت کے اوقات عبادت بن جائیں گے گھر سے باہر جانا ہے تو پہلے اللہ تعالیٰ سے رجوع کر لو کہ اے اللہ! میں باہر جا رہا ہوں، میری آمد و رفت کو عافیت و سلامتی اور خیر و برکت کے ساتھ پورا فرما دیجئے، کھانا کھانا ہے، پانی پینا ہے یا اور کوئی کام کرنا ہے، تو اللہ تعالیٰ سے دل دل میں مناجات کر لو۔ فرمایا کرتے شروع میں قدرے الجھن ہوگی لیکن کچھ عرصہ کے بعد یہ عادت میں داخل ہو جائیگا۔ اور بلا تکلف ہر ہر لمحہ رجوع الی اللہ کی سعادت حاصل ہو جائیگی۔ فرماتے کہ میں نے اس پر عمل شروع کیا تو اللہ تعالیٰ نے

میری مدد فرمائی اور یہ حالت ہوگئی کہ تھوڑے ہی عرصہ کے بعد بلا تکلف یہ بات میری عادت میں داخل ہوگئی ۔

حضرت عارفیؒ کی تعلیمات کا تھوڑا سا نمونہ پیش کر دیا گیا ہے ۔ راقم الحروف کو اپنی بے مائگی، کم فہمی اور نااہلی کا اعتراف ہے ۔ اور اس کا بھی کہ یہ ناکارہ نہ تو حضرت عارفی نور اللہ مرقدہٗ کی تعلیمات کا احاطہ کر سکا ہے اور نہ ان کو کما حقہٗ سمجھ سکا ہے ۔ یہ تو آپ کی بعض تعلیمات کو جمع کرنیکی ناکام سی کوشش ہے اللہ تعالیٰ اسکو قبول فرما کر نافع بنائیں اور حضرت والاؒ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں ۔ آمین ۔

وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ

اولاد کی پرورش و نگہداشت بہت اہم ذمہ داری ہے ان کو ابتدا ہی سے جب ان میں سمجھ پیدا ہونے لگے ۔ اللہ اور رسول کا نام سکھانا شروع کر دینا چاہیئے پھر ابتدائی عمر میں قرآن شریف کا ختم کرانا اور ضروری مسائل پاکی و ناپاکی کے ۔ جائز و ناجائز، حلال و حرام چیزوں سے ضرور مطلع کر دینا چاہیئے پھر ابتدا ہی سے نماز کی عادت ڈالنا چاہیئے ۔ ان کا لباس پوشاک صرف اسلامی طرز کا رکھنا چاہیئے ۔ ان کے اخلاق کی نگرانی رکھنا چاہیئے ان کو نشست و برخاست اور کھانے پینے کے آداب سکھانا چاہئیں ۔ دین و دنیا کی ضروری تعلیم و تربیت کا خاص طور پر اہتمام رکھنا چاہیئے ۔ بُری صحبتوں سے ان کو خاص طور پر بچانے کی فکر رکھنا چاہیئے ۔ اس کے علاوہ اور رشتہ داروں کے ساتھ بھی حسن و سلوک کا معاملہ کرنا چاہیئے ۔ (از: افاداتِ عارفیہ)

حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب

مُرشدِ مُشفِق حضرتِ عارفیؒ

یہ نہ سوانح حیات ہے، نہ حضرتِ عارفی قدس اللہ سرہٗ کی حیات پر تبصرہ۔ ان دونوں کاموں کے لئے خاص اہلیت کی ضرورت ہے، جس سے ناچیز تہی دامن ہے مجھے مضمون نگاری کا سلیقہ بھی نہیں آتا۔ بس کچھ حسین اور انمٹ یادیں ہیں۔ جن کو اسلئے سپردِ قلم کر رہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے حضور عارفی نمبر کے لکھنے والوں کی فہرست میں ناچیز کا نام بھی شامل ہو جائے۔

"بلبل ہمیں کہ قافیۂ گُل شود بس ست"

یکے از خدامِ حضرت عارفیؒ

احقر محمد رفیع عثمانی غفرلہٗ

۲۷ ربیع الاول ۱۴۰۷ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی ونسلم علیٰ رسولہ الکریم، وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ اجمعین، ومن تبعھم باحسان الیٰ

یوم الدین۔

سیدی وسندی، مرشدِ مشفق، مربّی معظم، حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحی صاحب عارفی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ شعر اس وقت حسبِ حال ہے، جو بار بار زبان پر آنے کے بعد اب قلم پر آگیا ہے۔

ہو بھی سکے گا مجھ سے بیاں بزمِ یار کا ؟
اندازہ کر رہا ہوں دلِ بے قرار کا

آج سے ۲۵ سال قبل ۱۹۵۱ء میں ہم آرام باغ کے قریب، کیمبل اسٹریٹ پر "اقبال منزل" میں رہتے تھے، میری عمر ۱۵ سال تھی، کچھ فاصلہ پر رابسن روڈ کی ایک دوکان کے سامنے سے اکثر گذر ہوتا تھا، یہ ایک ہومیو پیتھک مطب تھا، جس میں ایک دراز قد نورانی بزرگ کے ارد گرد چند آدمی بیٹھے نظر آتے، وہ بزرگ محوِ گفتگو ہوتے، اور حاضرین ہمہ تن گوش۔ یہ کون لوگ ہیں ؟ کبھی یہ سوال بھی دل میں پیدا نہ ہوا۔

رفتہ رفتہ سننے میں آیا "یہ ڈاکٹر عبدالحی صاحبؒ ہیں"، جو ہومیو پیتھک علاج کرتے ہیں۔ پھر کسی نے بتایا کہ یہ ـــــ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفۂ مجاز ہیں۔ پھر جلد ہی یہ دیکھنے میں آیا کہ حضرت والد ماجدؒ سے ان کے بڑے اچھے مراسم ہیں۔

میں اس زمانے میں مسجد باب الاسلام (نزد آرام باغ) میں حفظِ قرآن کریم کے مکتب میں زیرِ تعلیم تھا، دن رات اسی میں مشغولیت رہتی، کچھ فارغ وقت مل جاتا تو وہ لڑکپن کے لاابالی پن میں گذر جاتا، کبھی یہ خیال بھی نہ آیا کہ انکی خدمت میں حاضر ہونا چاہئے۔

حضرتؒ کی خدمت میں پہلی حاضری

ایک مرتبہ ہماری بہنوں میں سب سے چھوٹی بہن بیمار ہوگئیں تو حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کا علاج ہوا، والدِ ماجدؒ نے مجھے دوا لینے کے لئے مطب بھیجا۔ یہ ناچیز کی پہلی حاضری تھی۔ میں نے سلام عرض کر کے حضرت والد صاحبؒ کا پرچہ جس میں مریضہ کا حال لکھا تھا، انکے ہاتھ میں تھمادیا حضرت ڈاکٹر صاحبؒ نے دوا کی کچھ پڑیاں میرے ایک ہاتھ میں، اور کچھ پڑیاں دوسرے ہاتھ میں عنایت

فرمائیں اور انکے استعمال کا طریقہ بتا ہی رہے تھے کہ میں نے دونوں ہاتھوں کی پڑیاں ایک ہاتھ میں جمع کر لیں۔ آپ نے فوراً اپنی بات کاٹ کر فرمایا کہ "نہیں انکو الگ الگ رکھنا تھا" —— یہ کہکر وہ پڑیاں واپس لے لیں، اور کمپوڈر کو حکم دیا کہ دوا دوبارہ تیار کر دے۔ میں نئی دوا جو اب الگ الگ لفافوں میں دی گئی تھی لیکر، سلام کر کے چلا آیا۔ لیکن یہ خیال دماغ میں گھومتا رہا کہ دوا کا معاملہ کیسا نازک ہے، یہاں مریض اور تیماردار کی منطق نہیں چلتی، صرف معالج ہی کی ہدایت پر بے چون و چرا عمل ناگزیر ہے۔ ساتھ ہی حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کے پُرشفقت دھیمے پن کا احساس ہوا کہ ذرا بھی تو ناگواری چہرے پر آئی نہ لہجے میں۔ یہ پہلا نقش تھا جو دل پر پہلی ملاقات سے قائم ہوا۔

حضرت عارفیؒ نے یہ شعر اپنے شیخ کے بارے میں کہا ہوگا، لیکن مجھے تو یہ اپنے شیخ کے بارے میں معلوم ہوتا ہے کہ ؎

نہ جانے کس ادا سے میری جانب اس نے دیکھا تھا
ابھی تک دل میں تاثیرِ نظر محسوس ہوتی ہے

مہینے اور سال گذرتے رہے۔ حضرتؒ کے مطب میں حاضرین کا حلقہ بڑھتا جا رہا تھا، جسمانی مریض بھی ہوتے، روحانی بھی، میں ایسا روحانی مریض تھا جسے اپنی بیماری ہی کی خبر نہ تھی، حضرتِ عارفی محوِ گفتگو ہوتے اور حاضرین ہمہ تن گوش، اور میں یہ دیکھتا ہوا بے پروائی سے گذر جاتا۔

۱۳۷۱ھ (۱۹۵۲ء) میں محلہ نانک واڑہ میں دارالعلوم کراچی قائم ہوا تو جن طلبہ سے اس درسگاہ کا آغاز و افتتاح ہوا، اُن میں خوبیٔ قسمت سے احقر، اور برادرِ عزیز مولانا محمد تقی عثمانی سلمہٗ بھی شامل تھے، ہماری درسِ نظامی کی تعلیم باقاعدہ شروع ہوگئی، جس میں منہمک ہو کر ہمیں دارالعلوم اور اپنے اسباق کے علاوہ کسی چیز کا ہوش رہا نہ فرصت، اب مطب کے سامنے سے گذرنا بھی کم ہوتا تھا، کبھی کبھی حضرت ڈاکٹر صاحبؒ دارالعلوم کی کسی تقریب میں تشریف لے آتے، یا حضرت والد صاحبؒ کے ساتھ انکی خدمت میں حاضری ہو جاتی، بہرکیف کوئی خاص تعلق حضرتؒ سے اب بھی قائم نہ ہوا، بقول حضرت عارفیؒ ؎

ہے قدم راہِ طلب میں گو وہ ناقص ہی سہی
کچھ تو حاصل کر رہے ہیں، سعیٔ لاحاصل سے ہم

یہ نہ سمجھے کار فرما ہے کسی کا لطفِ خاص
اپنی حالت سے رہے کچھ اسطرح غافل سے ہم

پھر جب دار العلوم ۱۹۵۵ء میں کورنگی منتقل ہوگیا تو ہم دونوں بھائی بھی وہیں کے دار الطلبہ میں رہنے لگے۔ جہاں دار العلوم کی یہ نئی عمارت بنی تھیں، یہ ایک بھیانک ریگستان تھا، نہ کورنگی ٹاؤن بنا تھا، نہ لانڈھی کالونی۔ سڑک، بجلی، فون، ڈاک خانہ غرض کسی قسم کی شہریت کے آثار میلوں تک نہ تھے، قریب ہی ایک گاؤں "شرافی گوٹھ" کے نام سے تھا، جسکے اردگرد کچھ کھیت اور باغات تھے۔ طالبعلمی کا یہ دور تقریباً دیہاتی زندگی کا دور تھا، ہفتہ میں صرف جمعہ کا دن شہر میں لسبیلہ چوک کے پاس اپنے نئے مکان "اشرف منزل" میں والدین کے پاس گذرتا تھا۔ اس میں کبھی کبھار حضرت ڈاکٹر صاحبؒ سے بھی، والدِ ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ملاقات ہو جاتی تھی۔

حضرت والدِ ماجدؒ کا معمول تھا، بلکہ وہ اس کے حریص رہتے تھے کہ جب بھی بن پڑتا وہ بزرگوں کو دار العلوم (کورنگی) لاتے، انکے پند و نصائح طلبہ اور اساتذہ کو سنواتے، اور دار العلوم کے لئے دعاء کرواتے۔ اس طرح برصغیر، ممالکِ عربیہ، اور افغانستان کے جو اکابر علماء و مشائخ دار العلوم تشریف لاتے، ان سے ہمیں بھی استفادہ کا موقع مل جاتا، ایسے متعدد مواقع میں حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بھی نیاز حاصل ہو جاتا تھا۔ حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کا ایک مکتوب حضرت والد صاحبؒ کے نام اسی زمانے کا ہے، جو والد صاحبؒ کی ایک کتاب میں رکھا ہوا ان کے انتقال کے بعد ملا تھا۔ تبرکاً یہاں نقل کرتا ہوں۔

مکتوبِ گرامی بنامِ حضرت والد صاحبؒ

۷۸۶

معظم و محترم دام مجدکم وظلکم العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

اس وقت نانک واڑہ حضرت مولانا اطہر[1] علی صاحب مدظلہ کی زیارت و ملاقات کے لئے حاضر ہوا

---

[1] مشرقی پاکستان کے مشہور ترین عالم دین، اور حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے خلیفۂ مجاز انکی وفات اسی روز بنگلہ دیش میں ہوئی جس روز حضرت والد ماجد کا کراچی میں انتقال ہوا۔ رحمۃ اللہ علیہما۔ رفیع۔

ہوں، اس قدر وسعت، وقت میں نہیں کہ وہاں (کورنگی) حاضر ہوتا، خصوصًا اس اطلاع کے بعد کہ وہاں (کورنگی میں) آج بخاری شریف کا ختم ہو رہا ہے، یہ ایسی سعادت ہے جس سے محروم رہنے کو جی نہیں چاہتا، اس لئے ادبًا عرض ہے کہ میرے لئے اور میرے متعلقین کے لئے بھی دعا ہائے خیر فرمادیں، اور جمیع دعاؤں میں شامل فرمالیں۔ جزاکم اللہ خیرًا۔

اس وقت یہ بھی معلوم ہو کر اطمینان ہوا کہ جناب والا کا مزاج اب بہتر ہے، اللہ تعالیٰ ہمیشہ صحت و قوت کے ساتھ آپ کے فیوض و برکات کو جاری رکھیں۔

احقر محمد عبد الحی عفی عنہ

جب ہماری ضابطہ کی طالبعلمی کا دور آخری مراحل میں تھا تو حضرت ڈاکٹر صاحب عارفیؒ کی رہائش "پاپوش نگر"، میں، اور مطب پرانی جگہ "رالبسن روڈ"، پر تھا۔ اس زمانے میں ان کا غالبًا روز کا، یا ہفتہ میں ایک مقرر دن کا معمول یہ تھا کہ صبح کو گھر سے مطب جاتے ہوئے لسبیلہ چوک پر بس سے اتر جاتے، اور ہمارے گھر حضرت والد صاحبؒ کے پاس چند منٹ کے لئے تشریف لاتے، وہ بھی منتظر ہوتے تھے، دونوں مل کر باغ بلاغ ہو جاتے، باتیں تو اب یاد نہیں رہیں، صرف اتنا یاد ہے کہ بڑی پر لطف باتیں ہوتی تھیں۔ جن میں حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اور انکے حکیمانہ ملفوظات کا ذکر بار بار آتا۔ بات بات پر بڑے نفیس شعر ایک دوسرے کو سناتے۔ آنے کا وقت بھی مقرر تھا واپسی کا بھی، چند منٹ بعد حضرت عارفیؒ جیب سے گھڑی نکال کر دیکھتے، اور رخصت ہو جاتے۔ نہ ادھر سے جلد واپسی پر معذرت، نہ ادھر سے مزید بیٹھنے پر اصرار ؎

لا کہیں سے ڈھونڈ کر اے عمر رفتہ دل وہی
مئے وہی، مینا وہی، ساقی وہی محفل وہی

(حضرت عارفیؒ)

دورۂ حدیث سے فراغت کے بعد ہم دونوں بھائی دار العلوم کے درجۂ "تخصص فی الافتاء" میں داخل ہو گئے، ابتدائی کتابوں کی تدریس بھی ہمیں سونپ دی گئی، ان دونوں کاموں میں انہماک اس قدر رہنے لگا کہ رات کے دو تین بجے تک سر اٹھانے کی فرصت نہ ملتی۔ اب ہمارے

والدیؒ نے بھی دارالعلوم کی انتظامی ضرورت سے، اور ہم دونوں بھائیوں کی سہولت کے لئے دارالعلوم کورنگی میں سکونت اختیار فرمالی تھی۔ کورنگی ٹاؤن، اور لانڈھی کالونی کے آباد ہوجانے سے یہاں دیہاتی ماحول کی جگہ قصباتی ماحول نے لے لی تھی، شہری سہولتیں بھی رفتہ رفتہ حاصل ہوتی جارہی تھیں۔

تخصّص فی الافتاء اور درسِ طریقت

درجہ "تخصص فی الافتاء" میں ہم طلبہ کی تعلیم و تربیت کا کام حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ نے بہ نفسِ نفیس اپنے پاس رکھا تھا، جس میں فتویٰ کی تربیت کے ساتھ باطنی تربیت اور تزکیۂ نفس کا درس بھی عملاً جاری رہتا۔ وہ ہر مناسب موقع پر اصلاحِ باطن، تزکیۂ اخلاق، شریعت و طریقت کے باہمی ربط و لزوم، ضرورتِ مرشد، اور بیعت و سلوک کی اہمیت پر نہایت دلکش انداز میں توجہ دلاتے۔

عقلی اور علمی طور پر تو اگرچہ طالبعلمی کے ابتدائی دور ہی سے یہ بات واضح ہوگئی تھی کہ اصلاحِ باطن اور تزکیۂ اخلاق کے بغیر علم و عمل دونوں بے جان رہتے ہیں۔ اور جس طرح نماز روزہ وغیرہ عبادات کے بغیر دین ناقص ہے تزکیۂ باطن کے بغیر بھی ناقص رہتا ہے۔ اور یہ کہ جب تک اصلاح باطن کے لئے خود کو کسی مُرشد و مربّی کے حوالے نہ کردیا جائے مقصود حاصل نہیں ہوتا ——— لیکن یہ سب باتیں صرف عقل اور علم کی حد تک تھیں، دل میں نہ اتری تھیں۔ پانی کی ضرورت تو دلائل سے معلوم ہوگئی تھی، پیاس پیدا نہ ہوئی تھی۔ یہ پیاس "تخصص فی الافتاء" کے زمانے ہی میں پیدا ہونی شروع ہوئی۔

دل کی دنیا ؟

دل میں یہ خلش اکثر رہنے لگی کہ ہم نے ابھی علمِ دین کا ادھورا نصاب پڑھا ہے، ایک بڑا اہم حصہ باقی ہے۔ صرف تعلیم حاصل کی ہے۔ تربیت باقی ہے۔ فقہ ظاہر پڑھا ہے۔ فقہ باطن کی ابجد سے بھی واقف نہیں۔ ظاہری اعضاء ہاتھ پاؤں، زبان کان وغیرہ کے اعمال اور ان کے

شرعی احکام تو کچھ پڑھ لئے ، مگر " دل کی دنیا " میں جھانک کر نہیں دیکھا۔ دل کی اس چھوٹی سی دنیا میں جذبات وخواہشات کا جو تلاطم برپا ہے ، شریعت کی نظر میں یہ کیا ہے ؟ اس میں جو طرح طرح کی موجیں اٹھتی اور دبتی رہتی ہیں ، ان میں سے ہر موج کے شرعی احکام کیا ہیں ؟ اچھی موجوں کو اُبھارنے ، اور بُری موجوں کو دبانے کے طریقے کیا ہیں ؟ سینے میں دھڑکتے ہوئے اس دل پر قابو پانے اور اسے شریعت کے تابع کرنے کا نسخہ کیا ہے ؟ یہ دل جو ہمارے تمام اعضاء پر حکمرانی کر رہا ہے ، اس پر اپنی حکمرانی کرنے کا گُر کیا ہے ؟ اس پر شریعت کی حکمرانی قائم کرنے کا آسان راستہ کیا ہے ؟ ——— یہ اور اسی قسم کے بہت سے سوالات تھے ، جنکے حل کے لئے کسی استاذ ، اور رہبر و مُرشد کی ضرورت تھی ۔ گاہے گاہے تصوف کی کتابیں دیکھنے کی نوبت آنے لگی ، بزرگوں کے واقعات و ملفوظات پڑھنے اور سننے میں مزا آنے لگا ۔

مُرشد کی تلاش

اب یہ سوال بار بار ابھرتا کہ کس کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیا جائے ؟ کس سے بیعت کروں ؟ کبھی یہی سوال حضرت عارفیؒ کو بھی پیش آیا ہوگا ، جبھی تو انہوں نے فرمایا تھا کہ ؎

جوشِ جنونِ عشق میں جاؤں کدھر کو میں ؟
حیرت سے دیکھتا ہوں ہر اک رہ گذر کو میں

حکیم الامت مجدد ملت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہٗ کی تصانیف اور حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بعض رسائل میں مرشد کے جو اوصاف بیان کئے گئے ہیں اور انتخاب مرشد کے لئے جو ہدایات درج ہیں ، احقر انکو دیکھتا ، پھر جن جن بزرگوں سے استفادہ ممکن تھا انکا تصور کرتا ، حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے بہت سے خلفاء اس وقت بھی بحمد اللہ پاکستان میں موجود تھے ، مثلاً حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانیؒ (صاحب اعلاء السنن) حضرت مولانا شاہ عبد الغنی صاحب پھولپوریؒ ۔ حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ (بانی جامعہ خیر المدارس ملتان) حضرت مولانا ڈاکٹر عبد الحی عارفی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ۔ حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ ۔ یہ حضرات تو بہت ہی مشہور تھے اور حضرت والد صاحبؒ کی بدولت ان سب سے بار بار نیاز حاصل ہوا تھا ، اور

سب ہی بے پایاں شفقت فرماتے تھے۔ خصوصیت سے اس زمانے میں تو حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ معمول بنالیا تھا کہ جب بھی کسی بزرگ کے یہاں تشریف لے جاتے، یا وہ بزرگ دارالعلوم تشریف لاتے تو ہم دونوں بھائیوں کو ضرور اپنے ساتھ رکھتے تھے۔

طبعی مناسبت

انتخاب مرشد کے لئے دیگر شرائط کے علاوہ ایک اہم شرط یہ ہے کہ جس کے ہاتھ پر بیعت کی جائے اس سے صرف عقیدت ہی نہیں بلکہ طبعی مناسبت بھی ہو۔ عقیدت بحمد اللہ سب بزرگوں سے تھی مگر طبعی مناسبت؟ یہ سب سے زیادہ حضرت والدِ ماجد رحمۃ اللہ علیہ سے محسوس کرتا تھا جسکی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ باقی بزرگوں کی خدمت میں اپنی اصلاح کی تڑپ لے کر حاضر ہونے، اور انکی صحبت سے استفادے کی نوبت ہی بہت کم آئی تھی۔ حضرت والدِ ماجدؒ کسی بزرگ سے بیعت ہونے کی ترغیب دیتے، احقر خاموش ہو جاتا، یہ عرض کرنے کی جرأت نہ ہوتی کہ "سب سے زیادہ عقیدت و مناسبت تو آپ سے ہے، آپ ہی بیعت فرمالیجئے" یہ ہمت اس وجہ سے بھی نہ ہوتی تھی کہ مجھے اپنے والد صاحبؒ سے عشق تھا۔ اور اپنی کم فہمی کے باعث مجھے ڈر تھا کہ باپ بیٹے کے تعلق میں جو بے ساختگی اب ہے، وہ جاتی رہے گی، ایک قسم کا رسمی ادب بیچ میں حائل ہو جائے گا، اب جس طرح ہم اُن سے ناز کرتے، اور وہ ناز اُٹھاتے ہیں، اس کا مزا جاتا رہے گا۔ جو حال میرا تھا، وہی سب بھائیوں کا تھا کہ وہ بھی والد صاحبؒ ہی سے بیعت ہونا چاہتے تھے، مگر زبان سے کہنے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ غرض احقر دارالعلوم میں باضابطہ مدرس ہو گیا، اور پھر شادی بھی ہو گئی، مگر یہ مسئلہ اب تک حل نہ ہوا تھا۔ حضرت عارفیؒ نے گویا میرا ہی حال بیان فرمایا ہے کہ ؎

میں دیکھتا ہی رہ گیا نیرنگِ صبح و شام
عمرِ فسانہ ساز گذرتی چلی گئی

حضرت والد صاحبؒ سے درخواست

زندگی کے قیمتی سال یوں ہی گذرتے دیکھ کر بالآخر احقر نے ایک روز اپنی خواہش کا اظہار کر ہی دیا۔

حضرت والد صاحبؒ نے فرمایا " میری بجائے حضرت مولانا عبدالغنی صاحب پھولپوریؒ سے یا حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحبؒ سے بیعت ہو جاؤ، ماشاء اللہ یہ دونوں بزرگ کراچی میں ہیں، انکی صحبت و تربیت میں بڑی تاثیر ہے، انکی تربیت سے بہت سی زندگیوں میں خوشگوار دینی انقلاب آیا ہے، بہت لوگوں کی اصلاح ہوئی ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کراچی میں ان تینوں بزرگوں، حضرت پھولپوریؒ حضرت والد صاحبؒ، اور حضرت ڈاکٹر صاحبؒ عارفیؒ کے فیوض آب و تاب سے جاری تھے، تینوں کی ہفتہ وار مجلسیں مرجعِ خلائق بنی ہوئی تھیں اور تینوں ہی کی مجالس میں گاہے گاہے حاضری کی سعادت بھی نصیب ہو جاتی تھی۔ لیکن دل کا جھکاؤ حضرت والد صاحب ہی کی طرف تھا۔ اسی کشمکش میں کئی سال اور گذر گئے۔ اور اس عرصہ میں ایک المناک حادثہ یہ ہو گیا کہ حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ انتقال فرما گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۔

حضرت والد صاحبؒ کی مجلس

حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ایک مجلس ارشاد ہر اتوار کو عصر سے مغرب تک ہوتی تھی یہ کئی سال لسبیلہ چوک کے پاس اشرف منزل میں اور اس کے بعد دارالعلوم کورنگی میں آخر حیات تک جاری رہی۔ اس مجلس میں دور دور سے، بلکہ دوسرے شہروں سے بھی لوگ جوق در جوق آتے، بڑی پر کیف مجلس ہوتی تھی، اس میں " دل کی دنیا " ہی موضوع گفتگو ہوتی، بزرگوں کے واقعات و ملفوظات، پُراثر اشعار، علمی باریکیوں کا دلنشین بیان، لطائف و ظرائف، احکام و حکم، موجودہ دور کے شبہات، اور انکا حل، نفس و شیطان کی دقیق حیلہ سازیاں اور انکا علاج سب ہی کا اثر انگیز بیان ہوتا جو دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جاتا تھا۔ کتنی ہی زندگیوں میں اس مجلس میں خوشگوار انقلاب آچکا تھا، بہت سے حضرات اور خواتین حضرت والد صاحبؒ سے اصلاحی تعلق رکھتے تھے، بہت سے بیعت تھے، اور کئی حضرات خلیفہ مجاز تھے، یہ سب حضرات، والد صاحبؒ سے اصلاحی خط و کتابت بھی جاری رکھتے تھے۔ میرا بھی بار بار دل چاہتا کہ اس سلسلہ میں باقاعدہ داخل ہو جاؤں، وقفہ وقفہ سے کئی بار عرض بھی کیا، مگر اب والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہر مرتبہ حضرت ڈاکٹر صاحبؒ ہی کا نام لیتے، اور انکے انداز تربیت کی بہت تعریف فرماتے۔

حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کی مجلس

اس پورے عرصے میں حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اصلاحی تعلق رکھنے والوں اور مریدین کی تعداد میں بھی مسلسل اضافہ ہو رہا تھا، بہت سے لوگوں کو میں جانتا تھا کہ حضرت ڈاکٹر صاحبؒ سے تعلق قائم ہو جانے کے بعد، دیکھتے ہی دیکھتے انکی زندگیاں بدل گئیں، پاکیزگی اور عجیب قسم کا سرور و اطمینان، انکی زندگی میں نظر آنے لگا۔ حضرتؒ کا مطب رابسن روڈ سے پاپوش نگر میں منتقل ہو گیا تھا، اُسی سے ملحق ایک صحن سا تھا جس میں ہفتہ وار مجلس عصر سے مغرب تک ہوتی تھی، "یہ مجلس" حاضرین کی کثرت کے باعث اب "جلسہ" کی سی صورت اختیار کرتی جا رہی تھی، لوگ دور دور سے، بلکہ دوسرے شہروں سے بھی اس میں شرکت کے لئے آتے، میرے بچپن کے مخلص دوست جناب "نجیب الحق صدیقی" بھی حضرت ڈاکٹر صاحبؒ سے اصلاحی تعلق رکھتے، اور حضرتؒ کی مجلس میں اہتمام سے شریک ہوتے تھے۔ انکی زبانی حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کے بہت سے حالات، اور بڑے حکیمانہ اور اثر انگیز ملفوظات سننے میں آتے رہتے تھے ؎

چشم مست ناز ساقی کے پرستاروں سے پوچھ
تشنگی ہوتی ہے کیسی، میکشی ہوتی ہے کیا؟

حضرت ڈاکٹر صاحبؒ سے عقیدت

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اصلاحی تعلق رکھنے والے جن حضرات سے بھی احقر کی ملاقات ہوئی۔ وہ سب کے سب حضرتؒ کی محبت سے سرشار تھے۔ اس کا راز بھی حضرت عارفیؒ ہی بیان فرما گئے ہیں کہ ؎

دیکھتا ہے جو ہمیں سرشار ہو جاتا ہے وہ
اس طرح کچھ پی کے اُٹھے ہیں تری محفل سے ہم

حضرتؒ کے جو ملفوظات سننے میں آتے، وہ بھی بڑے کیف آور، امید افزا، اور ہمت پیدا کرنے والے ہوتے تھے۔ بحمد اللہ یہ احقر کی خوش نصیبی ہے کہ دل میں حضرتؒ کی عقیدت بڑھتی جا رہی تھی۔

دونوں بزرگوں کے باہمی تعلقات

اس زمانے میں والدِ ماجد، اور حضرت ڈاکٹر صاحب (رحمۃ اللہ علیہما) کی باہمی ملاقاتیں، اور بھی زیادہ ہونے لگیں۔ شاید اس میں والد ماجدؒ کی اس ارادی کوشش کو بھی دخل تھا کہ وہ ہم سب بھائیوں کو حضرت ڈاکٹر صاحبؒ سے مانوس کرنا چاہتے تھے۔ بلکہ اب حضرت بابا نجم احسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی ان دلچسپ ملاقاتوں میں اکثر موجود ہوتے تھے۔ حضرت بابا نجم احسن صاحبؒ حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے مجازِ صحبت تھے۔ صاحب کشف وکرامات، اور نہایت خوش مزاج وخوش مذاق بزرگ تھے۔ حضرت ڈاکٹر صاحبؒ سے انکی بے تکلفانہ دوستی اور محبت تھی۔ جب یہ تینوں بزرگ جمع ہو جاتے تو عجیب پر کیف سماں ہوتا تھا۔ لطیفے بے تکلفانہ، حکیمانہ اور ادیبانہ چٹکلے، روایات وحکایات، عشق ومحبت میں ڈوبے ہوئے اشعار، احکام ومسائل، رموز شریعت وطریقت اور خاص طور پر حکیم الامت حضرت تھانویؒ رحمۃ اللہ علیہ کے واقعات وملفوظات ان ملاقاتوں کی جان ہوتی تھی۔

تینوں بزرگ شعر وادب کا نہایت حساس اور اعلیٰ ذوق رکھتے، اور بلند پایہ شعر کہتے تھے، یہ اشعار کیا تھے؟ عشق ومحبت، سوز وگداز، حکمت ومعرفت، فصاحت وبلاغت، گہرے مشاہدے، نزاکتِ احساس، اور نفاستِ ذوق کا شاہکار ہوتے تھے، خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوب رحمۃ اللہ علیہ جو حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے عاشق زار، اور برصغیر کے مشہور شاعر تھے، بلکہ بقول علامہ سید سلیمان ندویؒ "فطری شاعر" تھے اور حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے قدیم خلفاء میں ممتاز مقام رکھتے تھے، بحمد اللہ احقر نے بھی بچپن میں انکی زیارت کی تھی، افسوس کہ ۱۹۴۴ء میں وفات فرما گئے۔ انکے والہانہ اشعار ان تینوں بزرگوں کی ملاقاتوں میں بار بار سننے میں آتے۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ تینوں خانقاہ تھانہ بھون کی وجد آور فضا میں گم ہو گئے ہیں۔ حضرت عارفیؒ ہی فرماتے ہیں ؎

اب یہ ہے مری بےخودیٔ شوق کا عالم
ہوں ہوش میں اسطرح کہ کچھ ہوش نہیں ہے

یہ مجلسیں اتنی اثر انگیز اور سرور بخش ہوتیں کہ مجھ جیسا کور ذوق بھی وہاں سے ٹلنا گوارا نہ کرتا۔ بہ قول حضرتِ عارفیؒ ؎

تھی بہت گرم انکی محفلِ ناز
آہ اے بےخودی کہاں تھے ہم

حکیم الامّت تھانویؒ کے خلفاء کا مشترک مزاج

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے تمام خلفاء میں اتباع سنت و شریعت، صفائی معاملات، حقوق العباد، آداب المعاشرت، نظمِ اوقات، اور ہر کام میں سلیقہ و انتظام کا اہتمام تو خاص طور سے مشہور و معروف ہے۔ احقر کو جن اکابر خلفاء کی زیارت نصیب ہوئی، ان سب میں ایک خاص وصف یہ بھی نظر آیا کہ یہ سب حضرات ایک دوسرے کے معتقد ہی نہیں بلکہ ایک دوسرے پر فریفتہ تھے، ہر ایک یہ محسوس کرتا تھا کہ اپنے شیخ کے مزاج و مذاق کو اپنانے اور ان سے کسبِ فیض میں سب خلفاء مجھ سے بہت آگے نکل گئے ہیں۔ میں ہی سب سے پیچھے رہ گیا ہوں۔ جب بھی ایک دوسرے سے ملتے، یوں لگتا کہ پیاسے کے سامنے کنواں آگیا ہے۔ خود حضرت عارفیؒ فرماتے ہیں کہ ؎

کیوں دل کو غمِ عشق سے سیرابی نہیں ہوتی
یہ بات خود اک رازِ نہاں میرے لئے ہے

یہ سب کنویں پیاسے نظر آتے، مگر انکے پاس جو ایک بار آگیا، سیراب ہوئے بغیر نہ لوٹا، وہ سیرابی یہی تھی کہ اس میں بھی پیاس پیدا ہو جاتی تھی، جوں جوں استفادہ بڑھتا، پیاس بھڑکتی جاتی تھی۔

یہ شعر بھی حضرت ڈاکٹر صاحبؒ ہی سے بار بار سنا کہ ؎

آب کم جو، تشنگی آور بدست
تا بجوشد آب از بالا و پست

ان حضرات کے سامنے جب کوئی، حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے کسی واقعہ یا ملفوظ کا ذکر کرتا تو اسکو اتنی توجہ اور ذوق و طلب کے ساتھ سنتے کہ گویا پہلے یہ بات معلوم ہی نہ تھی، حضرت

عارفیؒ نے خود اپنا یہ حال بیان فرمایا ہے کہ ؎

شرابِ بے خودیٔ شوق بھی کیا جانے کیا شے ہے
برابر پی رہا ہوں، اور ذرا تسکین نہیں ہوتی

حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی تقریبات میں شرعی تقاضے کے بغیر شریک نہ ہوتے تھے، لیکن جس تقریب میں گمان ہوتا کہ حضرت ڈاکٹر صاحبؒ تشریف لائیں گے، اس میں خود بھی اہتمام سے شریک ہوتے، ہمیں بھی ساتھ لے جاتے، اور جیسے ہی دونوں کی نظریں ملتیں، دونوں کے چہرے کھل اُٹھتے، اور پر تپاک سلام و مصافحہ کے بعد حضرت والد صاحبؒ فرماتے "بھئی ہم تو ڈاکٹر صاحب ہی سے ملنے کی نیت سے آئے ہیں"۔۔۔۔۔۔ کبھی فرماتے "ہم تو اپنے ڈاکٹر صاحب کی نیت سے آئے ہیں"۔۔۔۔۔۔ اُدھر حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کا انداز ملاقات یہ ہوتا کہ گویا ایسے دوست سے مل رہے ہیں جو استاذ بھی ہے، اور شیخ و مرشد بھی۔ تعظیم و محبت اور بے تکلفی کا ایسا حسین امتزاج کہیں اور دیکھنے میں نہیں آیا۔

حضرت عارفیؒ کو اپنے شیخ، حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے ملفوظات غیر معمولی طور پر بہت زیادہ یاد تھے، اس لئے والد صاحبؒ تقریباً ہر ملاقات میں ان سے اپنے شیخ کے کسی نہ کسی ملفوظ کا اعادہ کرنے کی فرمائش کرتے، اور جب حضرتِ عارفیؒ سناتے تو دونوں ہی گویا وجد میں آجاتے۔

گاہے گاہے یہ دونوں بزرگ اور حضرت بابا صاحب (رحمۃ اللہ علیہم) ایک دوسرے کی دعوت بھی فرماتے تھے، جس میں ہمیں بھی شرکت کی سعادت نصیب ہوتی تھی۔ ان کی پدرانہ شفقتوں اور الطافِ بے پایاں کی بدولت اب ایسی ملاقاتوں کا انتظار سا رہنے لگا تھا۔ میرا حال تو، بہ قولِ حضرت عارفیؒ یہ تھا کہ ؎

اب ہوں کسی کے جذبِ کرم ہی کا منتظر
میری طلب تو ہے، مری تاب و تواں سے دوٗ

یہ اسی " جذبِ کرم" کا فیض تھا کہ دل حضرت والاؒ کی طرف کھنچنے لگا تھا۔ بہ قولِ حضرتِ عارفیؒ ؎

مری طلب بھی کسی کے کرم کا صدقہ ہے
قدم یہ اٹھتے نہیں ہیں، اٹھائے جاتے ہیں

بیعتِ سلوک کے متعلق طرح طرح کے توہمات

ابتداءً جب احقر نے بیعتِ سلوک کے متعلق سوچنا شروع کیا تھا، تو نہ جانے کیوں ایسا لگتا تھا کہ بیعت ہوتے ہی زندگی کی ساری دلچسپیاں قربان کرنی ہونگی، زندگی کا لطف جاتا رہے گا، ایک خشک سی سنجیدگی دل پر چھا جائے گی، دوستوں سے ملنے کا مزا رہے گا نہ تفریحات کا۔ علمی مشاغل کی جگہ اوراد و وظائف لے لیں گے، تحقیقی اور ملکی و ملّی خدمات کا جذبہ جو اب تک محورِ زندگی بنا رہا، چلہ کشی، اور گوشہ نشینی میں گم ہو جائے گا۔ مراقبے اور صبر آزما مجاہدے ہوں گے۔ بات بات پر مُرشد کی روک ٹوک اور ڈانٹ ڈپٹ ہوگی، زندگی ایسی مقید ہو جائے گی کہ لطیف احساسات وجذبات گھٹ گھٹ کر افسردہ ہو جائیں گے۔ ثواب تو بہت ملے گا۔ مگر ـــــ دوست کیا کہیں گے؟ رشتہ دار باتیں بنائیں گے، بیوی بچے کیا سوچیں گے؟ وغیرہ وغیرہ۔ نہ جانے کتنے اندیشے اور وسوسے تھے جو بیعتِ سلوک سے ڈراتے تھے۔ لیکن بحمداللہ یہ بات لڑکپن سے دل میں راسخ تھی کہ تزکیۂ باطن فرضِ عین ہے اور اسکے بغیر دین ناقص، اور علمِ دین بے جان ہے۔ اس لئے بیعت ہونے کا ارادہ بھی اُسی طرح ڈرتے ڈرتے کر لیا تھا جس طرح سخت گرمی کے رمضان کا چاند دیکھکر روزوں کی نیت کرنی ہی پڑتی ہے۔ مگر پیش قدمی میں کم ہمتی پھر بھی سدِ راہ بنی رہی۔

توہمات کا ازالہ

یہ اندیشے اور وسوسے ضرور تھے۔ مگر حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کی پوری زندگی سامنے تھی، جو اِن تمام اندیشوں اور وسوسوں کی نفی کرتی تھی، انکی زندگی کا ہر پہلو قابلِ رشک، اور توازن واعتدال کا حسین نمونہ تھا، بیعت وسلوک نہ انکی علمی تحقیقات میں حائل ہوئے، نہ عظیم ملکی وملّی خدمات میں۔ بلکہ اس نے تو انکی زندگی کے ہر پہلو کو چار چاند لگا دیئے تھے۔ انکی زندگی میں دین ودنیا کی تفریق ہی نظر نہ آئی کہ ترک دل کا سوال پیدا ہو کہیں افسردگی نظر آئی، نہ خشک سنجیدگی۔ انکی گھریلو

زندگی باغ و بہار تھی، بیوی بچوں کے ساتھ محبت و شفقت، ہنسی دل لگی، اور حکیمانہ تربیت۔ رشتہ داروں کے ساتھ دل داری، خوش طبعی، خیر خواہی، اور ایثار۔ دوستوں کے ساتھ گرم جوشی، پر لطف مجلسیں، اور دلکش و متوازن بے تکلفی۔ لیکن یہ بات تھی کہ انکی کوئی ملاقات، اور مجلس اللہ کی یاد اور اسکے ذکر سے خالی نہ رہتی تھی۔ علمی تحقیقات کا ذوق و شوق، تصنیف و تالیف، تدریس و تبلیغ۔ ملکی و ملی مسائل سے گہری دلچسپی، اور اخلاق و حکمت کے ساتھ ان میں ایک حد تک عملی حصّہ۔ اوراد و وظائف، مراقبے اور مجاہدے، سوز و گداز، سب ہی کچھ تھا، مگر ہر چیز ایک حد میں اور سنت کے دلکش سانچے میں ڈھلی ہوئی تھی، شاگردوں، اور مریدوں کے ساتھ غایت درجہ شفقت کے ساتھ ہر ایک پر انفرادی نظر، اسکی افتادِ طبع اور خصوصی حالات کی ہر قدم پر رعایت۔ زندگی کا یہ حسین نمونہ میرے سب اوہام و وساوس کو مٹاتا چلا گیا۔

انکی بزم ناز ہی میں اسکو سمجھا تھا کبھی
زندگی کہتے ہیں کس کو، زندگی ہوتی ہے کیا

پھر جوں جوں حضرت ڈاکٹر صاحبؒ سے قرب بڑھا زندگی کا یہ دلکش نمونہ وہاں بھی اسی آب و تاب سے نظر آیا، حضرت کا اندازِ لطف و کرم ہی ایسا تھا کہ دل کھنچتا چلا جائے۔ اُن کے شیخ کی کشش نے بھی کسی وقت انکو اپنی طرف کھینچا تھا، فرماتے ہیں ؎

پھر یہ کیا ہے گر نہیں انکی محبت کی کشش
خود بخود انکی طرف یہ کیوں کھنچا جاتا ہوں میں

یہی حال حکیم الامت حضرت تھانوی قدس اللہ سرہٗ کے دوسرے اکابر خلفائے کرام کا نظر آیا۔ غرض وہ سب اوہام و وساوس تو ختم ہو گئے، لیکن دل پھر بھی حضرت والد صاحبؒ سے بیعت ہونے کی طرف زیادہ راغب تھا۔

اگست سنہ ۱۹۶۶ کے اواخر میں حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جنوبی افریقہ کے دیرینہ دوستوں کی دعوت پر وہاں کا سفر فرمایا، احقر کی خوش قسمتی سے اس ناکارہ کو بھی ساتھ لے لیا، واپسی میں عدن، اور اسکے بعد حرمین شریفین کی حاضری بھی نصیب ہوئی۔ سنِ شعور میں پونے دو ماہ کا یہ سب سے طویل سفر تھا جو حضرت والد ماجدؒ کی ہمرکابی میں نصیب ہوا ——— جنوبی افریقہ

معمورۂ زمین کے انتہائے جنوب میں واقع ہے، اس لئے وہاں اس زمانے میں سخت سردی تھی، راتیں خوب لمبی ہوتی تھیں، رات کو خلوت میں ایسی بہت سی باتیں کرنے کا موقع مل جاتا تھا جن کے لئے کراچی میں مہینوں انتظار کرنا پڑتا ـــــــ ایک رات احقر نے پھر بیعت کی درخواست کی۔

حضرت والد صاحبؒ کا ارشاد

اس مرتبہ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ :-

" اصلاحِ باطن فرضِ عین ہے، لہٰذا اس میں تو تاخیر جائز ہی نہیں، جو مصلح بھی مل جائے اسکے زیرِ ہدایت کام شروع کر دینا چاہئے، میں تم کو کچھ معمولات بتاتا ہوں، آج ہی سے اُن پر عمل شروع کر دو، رہا بیعت کا معاملہ، تو ایسی مثالیں بھی موجود ہیں کہ بیٹے نے باپ سے بیعت کی، اور کامیابی حاصل ہوگئی لیکن یہ ایک حد تک مشکل ہے، کیونکہ باپ بیٹے کا تعلق بے تکلفی کا ہوتا ہے، اور اس طریق میں مرید و مرشد کے درمیان بے تکلفی ابتداءً مضر ہوتی ہے، جس پر قابو رکھنا شاید میرے لئے بھی مشکل ہو، اور تمہارے لئے بھی۔ اس لئے میرا مشورہ تم بھائیوں کے حق میں یہی ہے کہ حضرت ڈاکٹر عبد الحی صاحبؒ سے بیعت ہو جاؤ وہ اس ناکارہ سے تعلق کے باعث تم پر خصوصی توجہ فرمائیں گے، اور ان شاء اللہ تم کو ان سے بہت نفع ہوگا۔

یہ ضرور ہے کہ وہ ضابطہ کے " اصطلاحی عالم" نہیں، مگر " عالم گر" ہیں، جو علوم انکے پاس ہیں، ظاہر بین خشک علما کو انکی ہوا بھی نہیں لگی، بلکہ ضابطہ کے فارغ التحصیل علماء کو، ایسے مصلح سے بیعت ہونے میں ایک مزید فائدہ یہ ہوتا ہے کہ علم کا جو " خنّاس" بہت سے ظاہر بین علماء کے دل میں پیدا ہو جاتا ہے، وہ ایسے مُرشد کی خدمت و تربیت میں جلدی دور ہوتا ہے۔ بزرگ اُٹھتے جا رہے ہیں، اب مزید تاخیر مناسب نہیں۔ ایسا نہ ہو کہ خدا نخواستہ یہ

موقع بھی ہاتھ سے جاتا رہے۔"

اس کے بعد حضرت والد صاحبؒ نے کچھ معمولات تلقین فرمائے جن پر بحمد اللہ اس روز سے عمل کی توفیق ہوئی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ اس موضوع پر انہوں نے اتنی تفصیل اور وضاحت کے ساتھ ارشاد فرمایا۔ بحمد اللہ اسی وقت دل مطمئن ہو گیا بلکہ حضرت عارفیؒ سے بیعت کرنے کا شوق پیدا ہو گیا۔ اب یوں لگتا ہے جیسے حضرت عارفیؒ اسی ناکارہ سے فرما رہے ہوں کہ ؎

بڑی غفلت میں گذری عارفیؔ عمرِ عزیز اب تک
کہیں ایسا نہ ہو، یہ وقت بھی یوں ہی گذر جائے

حضرت ڈاکٹر صاحبؒ سے بیعت

مگر سستی اور کم ہمتی دیکھئے کہ اس سفر سے واپس آنے کے بھی تقریباً ۳ سال بعد، یعنی ۱۹۶۹ء کے اواخر، یا ۱۹۷۰ء کے اوائل میں بیعت کی نوبت آئی ـــــــ غرض ایک روز حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ احقر، اور برادرِ عزیز مولانا محمد تقی عثمانی صاحب سلمہٗ، حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کے مطب میں حاضر ہوئے، یہ مطب وہ دکانِ معرفت تھی جہاں سے نہ جانے کتنے جاں بہ لب جسمانی و روحانی مریضوں نے شفا پائی تھی، اور کتنے تباہ حالوں کو آبِ حیات ملا تھا۔

جا رہا ہوں دیر سے گھبرا کے سوئے میکدہ،
بعد مدت رازِ ہوش و بے خودی سمجھا ہوں میں (حضرت عارفیؒ)

حضرت والد صاحبؒ نے ہم دونوں کا مختصر حال اور مقصد بیان فرمایا، حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے توقع کے عین مطابق نہایت بشاشت کے ساتھ منظوری عطا فرمادی، والد صاحبؒ سے فرمایا کہ آپ کے اس ارشاد کے بعد میں اس معاملہ میں تواضع سے کام نہ لوں گا، اور جو خدمت بن پڑے گی اس سے دریغ نہ کروں گا ـــــــ پھر ہم دونوں سے بڑی شفقت سے فرمایا "کل آپ دونوں تنہا آجائیں" ـــــــ شاید وہ ہماری ذاتی طلب کا بھی اندازہ فرمانا چاہتے تھے۔

اگلے دن ہم دونوں، عصر کے بعد پہنچے، مجلس کا دن تھا، پاپوش نگر میں مطب کے برابر،

اندر کی طرف جو صحن سا ہے، وہاں حسبِ معمول مجلس ہو رہی تھی۔ مجلس کے اختتام پر ملاقات ہوئی، حضرتؒ نے بہت مسرت کا اظہار فرمایا، اور نماز مغرب کے بعد ہمیں اپنے ساتھ مطب میں لے گئے، جہاں تک یاد پڑتا ہے اس وقت مطب میں کوئی اور نہ تھا۔

طریقت کے چار سلسلے

حضرت والا نے مختصراً بیعت کی حقیقت بیان فرمائی، اور طریقت کے چار سلسلوں "چشتیہ، نقشبندیہ، سہروردیہ اور قادریہ" کا تعارف کراتے ہوئے فرمایا[1] کہ:-

"جس طرح جسمانی صحت حاصل کرنے کے لئے علاج کے مختلف طریقے طب یونانی، ایلوپیتھک، ہومیوپیتھک، اور ویدک وغیرہ ہیں، کہ مقصد سب کا ایک اور طریقے مختلف ہیں، اسی طرح باطنی اخلاق و اعمال کے علاج کے لئے طریقت کے یہ چار سلسلے ہیں، ان چاروں کا مقصد بھی ایک ہی ہے، اور وہ یہ کہ ہمارے باطنی اخلاق شریعت اور سنت کے سانچے میں ڈھل جائیں، اللہ تعالیٰ کے ساتھ قوی تعلق پیدا ہو جائے، شریعت و سنت کی پیروی آسان ہو جائے، اور اللہ تعالیٰ کی رضا نصیب ہو جائے ——— البتہ اس مقصد کو حاصل کرنے کے طریقے مختلف ہیں، جو "چار سلسلوں" کے نام سے مشہور ہیں۔

یہ چار سلسلے ایسے ہی ہیں، جیسے فقہ میں چار مشہور مذاہب حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی ہیں کہ ان سب کا ماخذ قرآن و سنت ہیں، اور مقصد شریعت پر ٹھیک ٹھیک عمل کرنا ہے، صرف استنباطِ احکام کے طریقوں میں تھوڑا تھوڑا فرق ہے۔

ہمارے شیخ کے مرشد حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے اِن چاروں سلسلوں میں سلوک طے فرما کر چاروں کو حالاتِ زمانہ کے پیشِ نظر

---

[1] مفہوم یاد رہ گیا ہے، بہت سے الفاظ بھی حضرتؒ کے ہیں۔ رفیع۔

یک جا کر کے بہت آسان فرما دیا تھا، چنانچہ وہ اپنے مریدین کو بیک وقت چاروں سلسلوں میں بیعت فرمایا کرتے تھے۔ ہمارے شیخ و مرشد حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہی معمول تھا"۔

یہ فرما کر حضرت ڈاکٹر صاحب عارفی قدس اللہ سرہٗ نے ہم دونوں بھائیوں کو بھی ان چاروں سلسلوں میں بیعت فرمالیا۔ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ حَمْدًا کَثِیْرًا۔

بیعت کا فائدہ

اس موقع پر بیعت کا ایک فائدہ حضرت ڈاکٹر صاحب قدس سرہٗ نے یہ ارشاد فرمایا کہ جس طرح مستند محدث وہی سمجھا جاتا ہے جس نے حدیث کسی مستند استاذ سے باقاعدہ پڑھی ہو، اور استاذ نے اسکو روایتِ حدیث کی اجازت دی ہو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث ہم تک اسی طرح پہنچی ہیں، جب استاذ اپنے شاگرد کو کوئی حدیث سناتا ہے تو وہ اسکی سند بھی بیان کرتا ہے کہ میں نے یہ حدیث فلاں استاذ سے۔ اور اس استاذ نے فلاں سے، اور اس نے فلاں سے حاصل کی ہے، یہاں تک سند آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ جاتی ہے، اور وہ حدیث بھی قابلِ اعتماد سمجھی جاتی ہے، اور روایت کرنے والا شاگرد بھی، پھر وہ شاگرد خود بھی اس حدیث کی سند کے سلسلہ کی ایک کڑی بن جاتا ہے جو ایک بڑی سعادت ہے روایتِ حدیث میں اس کا تعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اب باقاعدہ متصل اور مستند ہوگیا ہے۔ چنانچہ بڑے بڑے ائمہ حدیث اپنی سند کو متصل، اور عالی کرنے کے لئے لمبے لمبے سفر اسی لئے کرتے تھے۔

اسی طرح یہ بیعت کا سلسلہ ہے کہ یہ بھی سلسلہ کے تمام بزرگوں سے ہوتا ہوا، ہمارے سب سے بڑے محسن و مرشد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے، اس بیعت کے ذریعے ہم بھی اس سلسلہ میں داخل ہوجاتے ہیں، جس سے ہمارا تعلق اِن تمام بزرگانِ سلسلہ سے حتیٰ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے باقاعدہ قائم ہوجاتا ہے، اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اور بزرگانِ سلسلہ کی برکات نصیب ہوتی ہیں اور سلوک کے تمام مراحل میں سہولت اور نورانیت

پیدا ہو جاتی ہے۔ اور مقصود تھوڑی سی محنت و توجہ سے بآسانی حاصل ہو جاتا ہے۔

حضرت والا نے اسکی مثال بیان فرمائی کہ جس طرح ہمارے سامنے کے اس بلب سے بجلی کے پاور ہاؤس تک کھمبوں کا ایک باقاعدہ طویل سلسلہ ہے، جو تاروں کے ذریعہ باہم مربوط اور منسلک ہیں، پاور ہاؤس کی بجلی اس بلب تک انہی تاروں اور کھمبوں کے ذریعہ پہنچ رہی ہے، اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو تمام معارف اور برکات و فیوض کا منبع و مخزن ہیں۔ انکا فیض ہم تک ان بزرگانِ سلسلہ کے ذریعہ پہنچتا ہے ـــــ طریقت کے سلسلہ میں باقاعدہ داخل ہو جانے (بیعت ہو جانے) سے بزرگان سلسلہ کے ساتھ جو نسبت حاصل ہوتی ہے، وہ درحقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیوض و برکات کے حصول کا ذریعہ بنتی ہے۔ بشرطیکہ طلب صادق ہو، اور مُرید اپنے طبیب روحانی (مُرشد) کو اپنے مختلف باطنی کیفیات کی اطلاع کرتا رہے، اور مُرشد کی ہدایات پر اہتمام سے عمل کیا جائے۔

اسکے بعد حضرت والاؒ نے کچھ تسبیحات و اذکار کی تلقین فرمائی کہ روزانہ وقتِ مقرر پر پابندی سے پڑھ لیا کریں اور فرمایا کہ اب آپ کا سب سے پہلا کام یہ ہے کہ اپنے روزمرہ کے تمام کاموں کا ایک مستحکم نظام الاوقات مرتب کر کے ہمت سے اسکی پابندی کی جائے۔ نظمِ اوقات کے بغیر نہ دنیا کے کام درست ہوتے ہیں، نہ دین کے، ہر وقت پریشان حالی الگ رہتی ہے، نظمِ اوقات کی پابندی سے سب کاموں میں سہولت اور برکت ہوتی ہے۔" پھر فرمایا کہ
"جب موقع ملا کرے بے تکلف آجایا کریں، آپ کے لئے کسی وقت کی پابندی نہیں ہے۔"

بیعت فرمانے کے بعد جب حضرت والاؒ نے دُعا کے لئے ہاتھ اُٹھائے تو چشمِ تصور میں مجھے دور تک بزرگان سلسلہ کے اُٹھے ہوئے ہاتھوں کی ایک قطار سی نظر آنے لگی جس سے دل کو بڑی تقویت محسوس ہوئی۔ بہ قول حضرت عارفیؒ ؎

اپنے دل کی جلوہ گاہِ حسن تھی پیشِ نظر
کیا بتاؤں بے خودی میں کیا نظر آیا مجھے

جب حضرت والاؒ سے رخصت ہو کر ہم گھر واپس آرہے تھے، تو قلب و دماغ کا

سارا بوجھ اتر چکا تھا۔ دین پہلے سے زیادہ آسان اور پرکشش نظر آنے لگا، اور سلوک وتصوف کے مشکل ہونے کا جو تصور نہ جانے کب سے لاشعور میں بیٹھ گیا تھا، وہم اور وسوسہ سے زیادہ اسکی وقعت نہ رہی۔

احقر جو اوراد وظائف پہلے سے پڑھا کرتا تھا، حضرتؒ نے ان سے بھی کم معمولات کی تلقین فرمائی لیکن جب ان پر عمل شروع کیا تو انکی لذت وحلاوت پہلے سے کہیں زیادہ محسوس ہونے لگی اور جب ناغہ ہوجاتا تو دل کھویا کھویا سا رہتا، ایک قسم کی ہول پورے دن مسلط رہتی اور تمام کاموں میں بے برکتی محسوس ہوتی۔

اس زمانے میں حضرتؒ کی رہائش پاپوش نگر ہی میں مطب کے ساتھ تھی، اور ہماری رہائش کورنگی میں —— تقریبًا اٹھارہ میل کا فاصلہ تھا، اور کم ہمتی اس پر مستزاد تھی، تاہم کوشش یہ رہتی تھی کہ ہفتہ میں کم ازکم ایک بار حاضری ہوجایا کرے۔ مگر اسکی بھی پوری پابندی اس زمانے میں نہ ہو پاتی تھی۔ دارالعلوم کی ہمہ وقتی مصروفیات کے علاوہ اس زمانے میں ہماری والدہ محترمہ مرحومہ سخت بیمار تھیں، حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کی صحت بھی ٹھیک نہ رہتی تھی، ادھر کچھ عرصہ بعد احقر کو بھی کمر کی سخت تکلیف لاحق ہوگئی جس نے عرصہ تک صاحبِ فراش بنائے رکھا۔ یہ ہمارے پورے گھر کے لئے پریشانی کا زمانہ تھا۔

حضرتؒ کا ہومیو پیتھک علاج

اس طویل بیماری میں تقریبًا آٹھ ماہ حضرتؒ کا ہومیو پیتھک علاج بھی ہوا۔ حضرتؒ کی خدمت میں احقر نے اپنی دینی تربیت کے سلسلہ میں سب سے پہلا عریضہ اسی بیماری کی ابتداء میں (۲۰ ربیع الثانی سنہ ۱۳۹۰ھ کو) لکھا تھا، چند روز میں جواب مل گیا۔ اسکے بعد آٹھ ماہ تک صرف جسمانی امراض اور انکا علاج ہی مراسلت کا موضوع بنا رہا۔ مجلس کی حاضری سے بھی اس زمانے میں محرومی رہی —— ان تکالیف، پریشانیوں اور احساس محرومی کے ساتھ ساتھ حضرت والاؒ کی خصوصی عنایات، دل کی تقویت کا بڑا سہارا تھیں —— ایک بار اس ناکارہ غلام کی عیادت کے لئے حضرت والاؒ خود بھی کورنگی تشریف لائے —— حضرت عارفی

کا یہ شعر اگر اس وقت بھی سامنے ہوتا تو دل کو کتنی تسلّی مزید ہوتی ؎

ہے قدم راہِ طلب میں، گو وہ ناقص ہی سہی
کچھ تو حاصل کر رہے ہیں، سعیِ لاحاصل سے ہم

حضرت والاؒ کی عنایات

اس علاج کے ابتدائی ایام میں (۲۱؍ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۰ھ کو) احقر نے اپنا حال لکھکر بھیجا تو اس میں یہ درخواست بھی پیش کی کہ :-

"دوا کا (خالی) پیکٹ ارسالِ خدمت ہے، اس دوا کی قیمت ادا کرنا اس روز بھول گیا تھا، آج ارسالِ خدمت ہے۔ جو نئی دوا تجویز فرمائیں اُسکی قیمت بھی مرسل ہے"۔

حضرت والاؒ نے نہایت شفقت سے جواب میں تحریر فرمایا کہ :-

"قیمت کا خیال نہ کریں، میرے ذمہ بھی کچھ حقوق ہیں، میرا بھی دل چاہتا ہے کہ کوئی خدمت کر سکوں، اس میں ہرگز کوئی تکلف نہیں ہے۔ آپ انشراح کے ساتھ معالجہ جاری رکھیں۔ اللہ تعالیٰ صحتِ کاملہ عطا فرمائیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ یہ تکالیف رفع ہو جائیں گی"۔

اس کے بعد حضرت والاؒ کی وفات تک بارہا اس ناچیز کو طویل اور شدید بیماریوں میں حضرتؒ کا علاج مہینوں کرنا پڑا، احقر کی والدہ محترمہ، اور بیوی بچوں کا علاج بھی بکثرت ہوتا رہا، لیکن حضرت والاؒ نے کبھی دوا کی قیمت بھی لینا منظور نہ فرمایا۔ ایک دو بار احقر نے حضرتؒ کے خادم (کمپوڈر صاحب) کو قیمت دینے کی کوشش کی تو انہوں نے صاف فرما دیا کہ حضرتؒ کی اجازت نہیں ہے۔ اسکے بعد تو مجھے بھی کچھ عرض کرنے کی کبھی جرأت نہ ہوئی۔

حضرتؒ کا گرامی نامہ

حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ، اور حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کے درمیان بھی گاہے گاہے خط و کتابت ہوتی تھی، حضرت والد صاحبؒ کی، اور ناچیز کی اس بیماری کے زمانے میں حضرت ڈاکٹر صاحبؒ نے انکو خط لکھا جس کا ابتدائی نصف حصّہ یہ ہے :

مخدومی و محترمی مدظلکم العالی۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

"جناب والا کی ناسازیٔ طبع معلوم ہوکر، اور محمد رفیع صاحب سلمہٗ کی تکالیف معلوم ہوکر دل کو نہایت رنج وقلق ہے۔ دل سے دعاگو ہوں، اللہ تعالیٰ جلد ازجلد دونوں صاحبوں کو صحت و راحت عطا فرمادیں۔ محمد رفیع صاحب سلمہٗ کے لئے دوا تجویز کرکے بھیج رہا ہوں، خدا کرے نفع ہو۔ پھر جلد حالات سے مطلع کیا جائے"۔

احقر عبدالحی

حضرت والد صاحبؒ کا مکتوب گرامی بنام حضرت عارفیؒ

حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خطوط بنام حضرت ڈاکٹر صاحبؒ، اگر تلاش کئے جائیں تو بہت ہونگے، اس وقت میرے سامنے صرف ایک گرامی نامہ ہے۔ احقر نے اپنی اسی علالت کے زمانے میں حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کو ایک عریضہ ۲۸ رجمادی الاولیٰ ۱۳۹۰ھ (۲ ر اگست ۱۹۷۰ء) کو لکھا تھا والد صاحبؒ نے اسکی پشت پر اپنا یہ خط تحریر فرمادیا تھا، حسب معمول میرا وہ خط جب حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کے پاس سے مع جواب واپس آیا تو والد صاحبؒ کی یہ تحریر بھی میرے پاس محفوظ ہوگئی، تبرکاً نقل کرتا ہوں:

مخدوم محترم ڈاکٹر عبدالحی صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ:

"اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا اور دوا کو اثر دیا محمد رفیع سلمہٗ کی طبیعت اب سہولت پر آگئی بخار اتر گیا۔

یہ ناکارہ بھی اگرچہ بخار وغیرہ کی تکلیف سے اب عافیت میں ہے، مگر نواسیر کی سابقہ گتھلی نے اس بیماری میں زور پکڑنا شروع کیا، اس کا علاج سابق جاری ہے، ضعف و نقاہت بے حد ہے۔ کل بھائی شبیر علی[1] صاحبؒ کے صاحبزادہ شبیر علی کا نکاح تھا۔

---

[1] یعنی خانقاہ تھانہ بھون کے ناظم، اور حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے بھتیجے، حضرت مولانا شبیر علی صاح جنکا اس وقت انتقال ہوچکا تھا، پاپوش نگر کراچی کے قبرستان میں مزار ہے۔ حضرت تھانویؒ کے دیگر خلفاء کی طر والد ماجدؒ بھی انکو "بھائی جان" کہتے تھے۔ رفیع۔

وہ بھی فیڈرل بی ایریا میں ـــــــ طاقت ہمت کچھ نہ تھی مگر بھائی جان مرحوم کی تصویر سامنے آگئی، اس نے بے چین کر کے جانے پر مجبور کر دیا۔ نکلنے کے بعد اپنے ضعف کا اندازہ ہوا کہ اسکا تحمل نہ تھا، مگر اللہ نے فضل کیا اس میں شرکت ہو گئی۔ کچھ امید اس کی بھی تھی کہ شاید اس مجمع میں آپکی بھی زیارت ہو جائے۔ مگر عذر ہو گا۔ آج ولیمہ کی شرکت سے معذرت کر کے آگیا تھا۔" والسلام - محمد شفیع - اتوار۔

حضرتؒ کا ایک اور مکتوب گرامی بنام والدِ ماجدؒ

اسی زمانے میں حضرت والاؒ نے ایک اور گرامی نامہ، والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے نام بھیجا، جو احقر کے پاس محفوظ رہ گیا ہے، تبرکاً اسے بھی نقل کرتا ہوں۔

"مخدومی و معظمی دامت برکاتکم و مدظلکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ تعالیٰ

آپ کی ناسازیٔ طبع کی اطلاع اجمالاً ہو چکی تھی۔ دعائے صحت و عافیت برابر جاری ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرما دیں اور آپ کو قوت و صحت کے ساتھ ہم لوگوں کی صلاح و فلاح کی ہدایت کے لئے زندہ و سلامت رکھیں۔ آمین۔

میرا جی خود چاہتا ہے کہ کسی وقت حاضر خدمت ہو کر شرف و طمانیت قلب حاصل کروں۔ لیکن مختلف معذورات میں مبتلا ہوں۔

محمد رفیع صاحب سلمہ کا حال کا پرچہ بغور مطالعہ کر کے دوا تجویز کر دی ہے انشاء اللہ تعالیٰ تکالیف رفع ہو جائیں گی۔

حالات برابر لکھتے رہیں اور دوا منگواتے رہیں۔

دعاء صحت کاملہ بھی کرتا رہتا ہوں۔

احقر

محمد عبدالحی عفی عنہ "

مُرشدِ مشفق

غرض حضرت والاؒ کی شفقتیں بڑھتی ہی چلی گئیں۔ شروع میں جب ہم خدمت میں حاضر ہوتے تو دوزانو بیٹھے رہتے، کمر کی تکلیف کے باعث احقر کے لئے یہ سخت دشوار تھا، اِدھر اُدھر دیکھنے سے ڈر لگتا تھا، کہیں بے ادبی نہ ہو، کچھ پوچھنے کی ہمت نہ ہوتی تھی، حضرت والاؒ کے ارشادات سنتے رہتے، ڈر رہتا تھا کوئی بات خلافِ ادب نہ ہوجائے ——— نووارِد تھے، حضرت کے لطف وکرم کا پورا اندازہ نہ تھا ؎

اے وفورِ شوق، ان محرومیوں کا کیا علاج
ہے تو منزل پاس، لیکن دور ہیں منزل سے ہم (حضرت عارفیؒ)

محترم دوست جناب کیپٹن سراج صاحب ——— جو برسوں سے حضرت کے ساتھ والہانہ خادمانہ تعلق رکھتے، اور حضرت کے مزاج شناس تھے ——— ایک دن جب ہم حضرتؒ کے یہاں حاضر تھے، تنہائی میں فرمانے لگے "آپ، حضرت کے پاس اطمینان سے کھلکر بیٹھا کریں، کھلکر بات کیا کریں، ہم تو حضرت کے پاس ہنستے بولتے بھی ہیں، اور اس طرح رہتے ہیں گویا اپنے والد کے پاس ہوں، حضرت والاؒ ان باتوں سے مسرور ہوتے ہیں" ——— بلاشُبہ انہوں نے تجربہ کی بات ارشاد فرمائی تھی؛ انکی زبانِ حال قابلِ رشک انداز میں وہ بات کہہ رہی تھی، جو کبھی حضرت عارفیؒ نے فرمائی تھی کہ ؎

میں نے ساری عمر کی ہے خدمتِ پیرِ مُغاں
مجھ سے پوچھو میکدے کی زندگی ہوتی ہے کیا

کیپٹن صاحب جیسے اہلِ محبت کو دیکھ دیکھ کر بحمداللہ احقر کی طبیعت بھی کھلتی چلی گئی، اور حجابات اُٹھتے چلے گئے ——— لیکن اُس سابق حالت کا کیف بھی ناقابلِ فراموش ہے ——— کبھی حضرت عارفیؒ کو بھی وہ کیفیت پیش آئی تھی، جب ہی تو یہ فرمایا ہے کہ ؎

کس طرح کہیں، کب کہیں اور کیا کہیں اُن سے
اس کشمکشِ شوق کا اب تک ہے مزا یاد

احقر کی صحت جب ذرا بہتر ہوئی تو جمعہ کی مجلس میں حاضری بحمد اللہ پھر شروع ہو گئی، لیکن اسی زمانے میں حضرت کی آنکھوں کے دو آپریشن ہوئے، جن میں حضرت کو کافی عرصہ سخت تکلیف اٹھانی پڑی، اس زمانے میں آنکھوں کے آپریشن اتنے آسان نہ تھے، جتنے اب ہو گئے ہیں۔ مجلس کچھ عرصہ موقوف رہنے کے بعد دوبارہ شروع ہوئی تو خدام کی جان میں جان آئی ؎

کار فرما ہے ابھی تک جذبۂ پیرِ مغاں
مستیٔ رنداں وہی ہے، گرمیٔ محفل وہی (حضرت عارفیؒ)

لیکن یہ ناکارہ اپنے امراض و عوارض، اور دار العلوم کے مشاغل کے باعث کم ہی حاضر ہو پاتا تھا، جس سے ندامت کے ساتھ یہ خوف بھی رہتا ہے کہ کہیں حضرت ناراض نہ ہو جائیں۔ ڈرتے ڈرتے ایک عریضہ ۲۰ ذی الحجہ سنہ ۱۳۹۰ھ کو بذریعہ ڈاک روانہ کیا، جواب میں یقین تھا کہ میری نالائقی پر ڈانٹ پڑے گی۔ طرح طرح کے اندیشے پریشان کر رہے تھے، لیکن جواب آیا تو سارے اندیشے کافور ہو گئے، وہی لطف و کرم، وہی حوصلہ افزائی، وہی مربیانہ شفقت، دور دور بھی ادنیٰ ناگواری کا نام و نشان نہ تھا ؎

مرے اک اک قدم پر منزلِ مقصود قرباں ہے
ملا ہے خوبیٔ قسمت سے ایسا رہنما مجھ کو (حضرت عارفیؒ)

مشفقانہ تربیت اور مکتوب گرامی

حضرت کی حکیمانہ اور مشفقانہ تربیت کا بیان مجھ جیسے طفلِ مکتب سے کیا ہو گا، اپنا وہ عریضہ اور سامنے کے کالم میں حضرت کے جوابی ارشادات بعینہٖ نقل کرتا ہوں، جس سے آپ کی حکیمانہ اور آسان تعلیم و تربیت کی ایک ہلکی سی جھلک سامنے آسکے گی۔

از احقر محمد رفیع عثمانی غفرلہٗ
دار العلوم کراچی ۱۴

"مخدومی و مکرمی، مطاعی و سیدی، جناب حضرت ڈاکٹر صاحب۔ اطال اللہ ظلکم المیمون علینا

وعلیٰ سائر المسلمین۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔	وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،
اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ حضرت والا کو صحت کاملہ عاجلہ مستمرہ عطا فرمائے۔	
احقر کی صحت بحمد اللہ اب بہتر ہے، لیکن کمر کی تکلیف بالکلیہ ختم نہیں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ سے اُمید ہے کہ حضرت والا کی دعا و توجہ سے یہ باقی ماندہ تکلیف بھی ختم ہو جائے گی۔	اللہ تعالیٰ آپ کو صحتِ کاملہ اور طاقت وعافیت نصیب فرمادیں۔
حضرت والاؒ جب ہسپتال میں تھے، دو بار احقر حضرت والد صاحبؒ کی معیت میں ہسپتال حاضر ہوا دوسری حاضری کے وقت حضرت کا دوبارہ آپریشن ہوا تھا۔ اور حضرت والا سخت تکلیف اٹھانے کے بعد ذرا سو گئے تھے اس کے بعد پھر زیارت سے فیض یاب نہ ہو سکا. لیکن حضرت والا کی تکلیف سے دل بہت بے چین رہا، اور اللہ رب العالمین سے حضرت کی صحت کی دعا کرتا رہا نیز بالواسطہ بحمد اللہ صحت کا حال معلوم کرتا رہا، فون کرنے کی ہمت اس لئے کم ہوتی ہے کہ کہیں حضرت کو تکلیف نہ ہو۔ چند بار کوشش کی تو سوءِ اتفاق سے لائن نہ ملی عید الاضحیٰ کے دن نماز کے فوراً بعد حاضر ہوا تھا، آنجناب مکان پر تشریف فرما نہ تھے۔	جزاکم اللہ تعالیٰ
حضرت کے ارشاد فرمودہ معمولات میں سے تلاوتِ قرآن کریم اور تینوں تسبیحیں تو بحمد اللہ اکثر پابندی سے ادا ہو جاتے ہیں، مگر اوقات کی بدنظمی کے باعث مناجات	جس قدر آسانی سے دوام ہو سکے اسکا معمول مقرر کرلیں۔

اکثر ناغہ ہو جاتی ہے

اب نظام الاوقات از سر نو ترتیب دیا ہے انشاء اللہ حضرت کی دعا و توجہ سے کامیابی کی قوی امید ہے۔

حضرت والا! ایک الجھن شدت سے محسوس ہو رہی ہے کہ ایک سال پہلے تک تو جمعہ کے لئے احقر شہر حاضر ہوا کرتا تھا، گاڑی کا انتظام مسجد کی طرف سے تھا، تو حضرت والا کی مبارک مجلس میں حاضری کی بھی کچھ توفیق ہو جاتی تھی، مگر اب ایک سال سے حضرت والد صاحبؒ کے حکم سے اس مسجد کی بجائے دار العلوم کی مسجد میں نمازِ جمعہ، اور اس سے قبل بیان کا پابند ہو گیا ہوں۔

جمعہ کے بعد یہاں گاڑی نہیں رہتی، بس سے حاضر ہوں تو مغرب تک واپسی ممکن نہیں، اور مغرب کے فوراً بعد دار الافتاء میں حاضری ضروری ہوتی ہے۔

جمعہ کے علاوہ باقی ایام میں عصر اور مغرب کے درمیانی وقت کے علاوہ تمام اوقات دار العلوم کے لئے معین کر دیئے گئے ہیں، اس طرح حاضری کے شرف سے اکثر محرومی رہتی ہے، جس کے باعث افسردگیٔ قلب کے علاوہ ندامت بھی محسوس کرتا ہوں۔ صرف ایک چیز سے کچھ اطمینان محسوس ہوتا ہے کہ اس محرومی کے باوجود بحمد اللہ حضرت والا سے قلبی لگاؤ اور عقیدت میں ترقی ہو رہی ہے۔ سوچتا ہوں کہ پابندی سے حاضری ہوتی تو اور ترقی نصیب ہوتی۔ اس سال دار العلوم کے کاموں میں اضافہ اس لئے زیادہ ہو گیا ہے کہ احقر کی

صرف ایک صفحہ پڑھ لیا کریں۔

اللہ تعالیٰ استقامت و برکت عطا فرمائے۔

یہ بہت انسب ہے

آپ کے حالات و مشاغل و طلب طریق اور دینی تعلق معلوم ہو کر خوشی ہوئی۔ بس اسی طرح نظام الاوقات مقرر کر لیجئے

نااہلی کے باوجود حضرت والد صاحب مدظلہم نے اس ناچیز کو فتویٰ کے کام میں بھی لگا لیا ہے، مجھے فتویٰ کا کام سیکھنے کا عرصہ سے اشتیاق تھا، یہ موقع غنیمت معلوم ہوا کہ حضرت والد صاحب مدظلہم کی نگرانی میں یہ کام ہو جائے گا —— مگر بڑھی ہوئی مصروفیت اختیاری ہے، اگر میں حضرت والد صاحب سے عرض کروں تو کاموں میں تخفیف ہو سکتی ہے، پھر مجلس میں حاضری کی بھی (کم از کم ہفتہ میں ایک بار) سبیل نکل آئے گی —— اب مشورہ طلب امر یہ ہے کہ اپنے ان کاموں میں تخفیف کی درخواست کروں، یا نہیں؟ ویسے اس کثرتِ کار سے بحمداللہ صحت پر کوئی بُرا اثر نہیں پڑا، اور نہ اکتاہٹ محسوس ہوئی، بلکہ دلچسپی سے سب کام ہو رہے ہیں۔ صرف مجلس سے محرومی کا قلق ہے۔ والسلام۔ احقر ناکارہ محمد رفیع عثمانی

۹۰/۳/۲۰ھ

کہ اپنے وقت پر سب کام ہوتے رہیں، مجلس میں آنے کے لئے صرف ایک ماہ میں ایک بار بھی ہو جائے تو غنیمت ہے، اس کی تلافی کثرت و باضابطہ مکاتبت سے ہو جاتی ہے، جس میں اپنے ترددات و اشکالات و امراض باطنی کا معاملہ پیشِ نظر ہو۔

تخفیف کی ہرگز ضرورت نہیں ہے، بلکہ یہ مشاغلِ دینیہ بہر صورت اہم اور نافع ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی نصرت فرماویں۔ جمیع مقاصد کے لئے دل سے دعا کرتا ہوں۔

لفظی رعایتیں

حضرت کا شعری و ادبی ذوق اعلیٰ معیار پر تھا، مجموعہ کلام "صہبائے سخن" کے نام سے چھپ چکا ہے جس پر "نیاز فتحپوری" نے بھی جاندار تبصرہ لکھا ہے، اب دوسرا ایڈیشن زیر طبع ہے۔ روزمرہ کی گفتگو بھی فصاحت و بلاغت کے اعلیٰ معیار کی ہوتی تھی، منتخب الفاظ، ڈھلی ڈھلائی ترکیبیں، لفظی رعایتیں، اور اخلاص و محبت میں ڈوبا ہوا اسلوبِ بیان، دل میں اترتا چلا جاتا تھا مجھے بزرگوں کے سامنے بولنے کا سلیقہ تھا نہ لکھنے کا، ایک مرتبہ میں نے اپنا عریضہ لفافے میں دستی پیش کیا، جس پر میں نے لکھا تھا:

"بخدمت گرامی قدر مُطاعِ معظم سیدی و شیخی حضرت الخ"

اس پر نظر پڑتے ہی حضرتؒ مسکرائے، اور معنی خیز تبسم کے ساتھ فرمایا:

"شیخی ؟ بھئی شیخی تو اچھی چیز نہیں ہوتی"

"شیخی" کے جو معنی اردو میں مستعمل ہیں، میرا ذہن اس طرف بالکل نہ گیا تھا، حضرتؒ نے لطیف انداز میں توجہ دلائی تو شرم سے پانی پانی ہوگیا۔

تعلق بیعت قائم ہوجانے کے بعد ایک سال سے کچھ زیادہ عرصے تک ناچیز نے جو خطوط حضرت کی خدمت میں بھیجے، ان میں القاب وآداب کبھی کبھی اس طرح لکھا کرتا تھا،

"مخدومی ومطاعی، سیدی وسندی حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب
متعنا اللہ بفیوضہ وبرکاتہ"

۲۹ ربیع الثانی ۱۳۹۱ھ کے عریضے میں بھی یہی الفاظ لکھے تھے، حضرتؒ نے لفظ "ڈاکٹر عبدالحی صاحب" پر خط ڈال کر تحریر فرمایا کہ:

"یہ الفاظ قابل حذف ہیں"

اشارہ اس طرف تھا کہ جس طرح بیٹا اپنے باپ کا نام خط میں نہیں لکھتا، اسی طرح تمہیں یہاں کرنا چاہیئے۔

خصوصی مجلس

طرح طرح کے عوارض اور مشکلات کے باعث جن کا کچھ ذکر پیچھے بھی آیا ہے، ہم دونوں بھائیوں کو جمعہ کی مجلس میں پابندی سے حاضری کا موقع نہ ملتا تھا خصوصاً مجھے تو اور بھی کم موقع ملتا تھا، اسی لئے حضرتؒ نے پچھلے مکتوب گرامی میں احقر کو تحریر فرمادیا تھا کہ مہینہ میں ایک بار بھی حاضری ہوجایا کرے تو غنیمت ہے، لیکن حضرت کی بے پایاں توجہ وشفقت جو اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل وکرم سے عطا فرمائی اس کا شکر کس زبان سے ادا کیا جائے کہ حضرت والا نے ہم دونوں بھائیوں کے لئے ایک خصوصی مجلس جمعرات کے دن کی مقرر فرمادی، حالانکہ اس زمانے میں حضرت کی علالت کا سلسلہ بھی جاری تھا، آنکھ کے آپریشن کے اثرات بھی چل رہے تھے، اس مجلس میں اس وقت صرف ہم دونوں بھائی ہی ہوتے تھے، حضرت کی رہائش پاپوش نگر سے شمالی ناظم آباد کے مکان میں منتقل ہوچکی تھی۔

ضعف و علالت کے باوجود، حضرت اس مجلس کا نہایت بشاشت و انشراح کے ساتھ اہتمام فرماتے تھے۔

حضرتؒ کی اس خصوصی عنایت و شفقت کی بدولت بحمد اللہ ہر ہفتہ حاضری ہونے لگی، والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ اس پر نظر رکھتے تھے کہ ہم حضرت کی خدمت میں پابندی سے حاضر ہوتے ہیں یا نہیں۔ اس زمانے میں ہماری والدہ صاحبہ مرحومہ کی علالت انتہائی تشویشناک صورت اختیار کر چکی تھی، حضرت والد صاحبؒ بھی علیل تھے، جب ہم جمعرات کو حضرت کی خدمت میں حاضری کے لئے شہر جاتے تو والدہ صاحبہ مرحومہ کے معالج ڈاکٹر کے پاس بھی انکے معالجہ کے سلسلہ میں جانا ہوتا تھا، کیونکہ گاڑی دار العلوم کی تھی، جو ہفتہ میں صرف ایک ہی دن مل سکتی تھی، اور مشکل یہ تھی کہ معالج کے ملنے کا وقت بھی تقریباً وہی تھا جو مجلس کا تھا، اس لئے بارہا اس مجلس میں بھی حاضری تاخیر سے ہوئی۔ حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کو علم ہوا تو فرمایا کہ :۔

> ”حضرت ڈاکٹر صاحبؒ نے صرف تمہارے لئے یہ وقت فارغ کیا ہے، اب حاضری میں تاخیر سے انکو تکلیف پہنچے گی۔ جب کسی قوی عذر کے باعث تاخیر کا اندیشہ ہو تو پہلے سے فون پر اطلاع کر دیا کرو تاکہ وہ منتظر نہ رہیں۔ اس طریق میں مُرید کی طرف سے مُرشد کو ادنیٰ تکلیف پہنچنا مُرید کے لئے سخت مضر ہوتا ہے۔“

موجودہ صورتحال سے پہلے ہی دل سخت پریشان تھا، اب اور بھی گھبراہٹ رہنے لگی، حل کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا۔ یہ عرصہ سخت پریشانی اور ندامت میں گذرا۔

تواضع و شفقت

لیکن حضرت کی شفقت کا یہ حال تھا کہ عرصہ تک اشارۃً بھی شکوہ نہ فرمایا، اسکے برعکس جب بھی حاضری ہوتی، اس قسم کے ارشادات فرماتے :۔

”بھئی آپ کے آجانے سے ہمارا جی بہت خوش ہوتا ہے۔“

”آپ حضرات کو بہت دور سے آنا پڑتا ہے یہ بھی بڑا مجاہدہ ہے۔“

”بھئی آپ حضرات کا ہمیں انتظار رہتا ہے جب موقع لاکرے آجایا کریں۔“

"ماشاءاللہ آپ حضرات میں طلب ہے، طلب بڑی چیز ہے، اس سے ہر مشکل آسان ہو جاتی ہے۔"

تواضع و شفقت کا اندازہ فرمائیے کہ یہ جملہ بھی اکثر و بیشتر فرمایا کرتے تھے کہ :۔

"بھئی آپ حضرات کے آجانے سے ہمیں بڑی تقویت ہوتی ہے۔"

حضرت یہ ارشادات فرماتے، اور ہم اندر ہی اندر شرم سے پانی پانی ہو جاتے، کافی عرصہ یہی صورت رہی تو ایک دن حضرت کو شکایت کرنی ہی پڑی، حضرت نے یہ شکایت بہت لطیف انداز میں اشارۃً فرمائی، مگر دل سخت بے چین ہو گیا، ادھر اس واقعہ کے تین ہی روز بعد احقر کو کمر کی شدید تکلیف نے پھر صاحبِ فراش کر دیا۔ اس بے چینی کے عالم میں احقر نے ایک عریضہ کسی کے ہاتھ بھیجا، جس میں لکھا تھا کہ :۔

"حضرت والا یہ پورا ہفتہ بہت بے چینی، افسردگی، اور کسی قدر یاس کے عالم میں گذرا، یہ احساس بار بار پریشان کر رہا ہے کہ حضرت والا نے محض احسان و کرم سے احقر پر جو شفقانہ نظر فرمائی، اور علالت کے باوجود طویل نشست کو خلافِ معمول برداشت فرمایا، اس سیاہ کار غلام نے اپنے عمل سے اس کی کما حقہٗ قدر نہ کی، دل میں اگرچہ اس احسانِ عظیم کا غیر معمولی شدت کے ساتھ احساس تھا، لیکن عمل سے مسلسل سستی، اور لاپرواہی ٹپکتی رہی، حتیٰ کہ حضرت والا کو اشارۃً اس کا اظہار فرمانا پڑا۔ حضرت میں بہت پشیماں اور بے چین ہوں خدارا اپنے غلام کے اس کفرانِ نعمت سے درگذر فرمادیں، ورنہ اپنے دین و دنیا کی تباہی سامنے نظر آرہی تھی۔

حضرتؒ نے تحریر فرمایا کہ :۔

"ابتدا میں ایسے ہی خیالات و احساسات ہوتے ہیں، اور یہ رفتہ رفتہ معین و معاون ہو جاتے ہیں اہتمام عمل کے لئے، اور تلافی مافات کے لئے۔

میرا جی چاہتا ہے کہ نوجوان اور فہیم طالبانِ طریق کو حقیقتِ طریق سے جسقدر ممکن ہو آگاہ کرتا رہوں، تاکہ انکی طلب اور ہمت میں حوصلہ افزائی ہو، وما توفیقی الا باللہ العظیم۔

احقر نے آگے لکھا تھا کہ :-

"حضرت والا میری طبیعت میں سستی بہت ہے، اپنی نظر میں محنت بہت کرتا ہوں، لیکن ہر کام دیر میں ہوتا ہے، اس مصیبت سے نجات کی بھی دعا فرمائیں"

حضرت نے تحریر فرمایا :-

"جب اس کا احساس ہے کہ یہ بھی ایک مصیبت ہے، تو انشاء اللہ تعالیٰ اس سے بھی رفتہ رفتہ نجات حاصل ہو جائے گی"

آگے ناچیز نے لکھا تھا کہ :-

"حضرت! عرصۂ دراز سے بارہا خط و کتابت کا سلسلہ باقاعدگی سے شروع کرنے کا ارادہ کرتا ہوں، مگر کچھ تو سستی اور مصروفیات کا ہجوم مانع بنتا ہے"

حضرت والا نے تحریر فرمایا :-

"مکاتبت کے لئے بھی اس کی اہمیت کا ذہن میں ہونا ضروری ہے، پھر کسی دن مقررہ کے ایک وقتِ مقررہ پر صرف دریافتِ خیریت کے لئے چند سطریں لکھنے کا معمول کرلیں، انشاء اللہ تعالیٰ پھر مضامین حالات کے، خود بخود عود کرنے لگتے ہیں"

احقر نے آگے لکھا تھا :-

"ایک بڑا سبب اور ہے، اور وہ یہ خیال ہے کہ سلوک، طریقت اور اصلاحِ باطن میں لگنا تو ان خوش نصیب لوگوں کا کام ہے جو شریعت کے اعمالِ ظاہرہ کے پابند ہو چکے ہوں، لیکن اپنا حال یہ ہے کہ شریعت کے وہ احکام و فرائض اور منہیات جن کا ایک ادنیٰ مسلمان بھی پابند ہوتا ہے، انہی میں بار بار بکثرت تساہل ہو جاتا ہے، نمازِ فجر کا بکثرت قضا ہو جانا، اور دیگر منہیات، اور بعض اوقات صریح کبائر کا بھی ارتکاب ہو جاتا ہے"

حضرت نے تحریر فرمایا کہ :۔

"اوامر و نواہی شرعیہ پر کما حقہ عمل، اصل مقصود ہے، اور یہ مقصود حاصل ہوتا ہے اصلاحِ باطن ہی کے اہتمام سے"

احقر نے آگے لکھا تھا کہ :۔

"ان حالات میں حضرت کی خدمت میں احوال باطنی کیا لکھوں جب ظاہر ہی کا یہ حال ہے"

حضرت والا نے تحریر فرمایا :۔

"یہ جو کچھ لکھا ہے، اسی کا نام احوالِ باطنی ہے"

ناچیز نے آگے لکھا تھا :۔

"گناہوں سے توبہ کرتا ہوں، پھر ہو جاتے ہیں، جس کے باعث خود سے نفرت ہوتی جارہی ہے، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ادنیٰ سے ادنیٰ مسلمان مجھ سے بہت اچھا ہے، اور شاید سب سے زیادہ مجرم میں ہی ہوں۔

حضرت نے تحریر فرمایا :۔

"عمر بھر یہی ہوتا رہے گا، اور عمر بھر اس کا تدارک کرنا ہوگا، اور عمر بھر یہی احساس قائم رکھنا ہوگا۔ اور اسی پر مدار کامیابی ہے"

احقر نے آگے لکھا تھا کہ :۔

"حضرت یہ خیال اکثر ہوتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مغفرت فرما ہی دی تو شاید درجاتِ عالیہ میرے مقدر میں نہیں ورنہ اعمال کا یہ حال یہ ہوتا"

حضرت نے تحریر فرمایا :۔

"یہ وہم بھی قابلِ ترک ہے"

اسی خط میں احقر نے لکھا تھا کہ :۔

"الحمد للہ اب فارغ وقت میں مزید ذکر کو دل چاہنے لگا ہے، یہ حضرت والا ہی کا فیض ہے، چنانچہ ایسے اوقات میں بقدرِ گنجائش ان اذکار میں سے کچھ

پڑھ لیتا ہوں، جو آنجناب نے وقتاً فوقتاً ارشاد فرمائے ہیں۔"

حضرت نے تحریر فرمایا:۔

"رفتہ رفتہ اضافہ بقدر وسعت وقت، اور بقدر تحملِ صحت کرنا چاہیئے۔"

آگے ناچیز نے لکھا تھا:۔

"حضرت والا! تین روز سے کمر میں پھر شدید تکلیف شروع ہوگئی، صاحبِ فراش ہوں، کروٹ لینا بھی مشکل ہے۔"

حضرت نے تحریر فرمایا:۔

"اس اطلاع سے قلق ہوا۔ اللہ تعالیٰ جلد صحتِ کاملہ، اور عافیت کاملہ عطا فرماویں۔"

آگے احقر نے لکھا تھا کہ:۔

"بار بار خیال ہوتا ہے کہ جمعرات تک اگر یہی حال رہا تو حاضری سے محروم رہوں گا۔ ڈر لگتا ہے کہ کہیں یہ تکلیف کی شدت اس کفرانِ نعمت کا وبال تو نہیں ہے جو میں جمعرات کی حاضری میں کوتاہی کی صورت میں مسلسل کرتا رہا۔"

حضرت نے تحریر فرمایا:۔

"ایسا وہم ہرگز نہ کریں، انشاء اللہ تعالیٰ جلد صحت ہوجائے گی۔"

آخر میں احقر نے لکھا:۔

"اللہ تعالیٰ معاف فرمائے۔ حضرت دعاء کی درخواست ہے۔"

حضرت نے حسبِ معمول تحریر فرمایا:۔

"دل سے جمیع مقاصدِ حسنہ کے لئے دعا کرتا ہوں۔"

آخر میں میرے دستخط تھے جو صاف پڑھے نہ جاتے تھے۔ حضرت نے تنبیہ فرمائی کہ:۔

"دستخط کے بجائے نام صاف لکھنا چاہیئے۔"

غرض میری مسلسل کوتاہیوں کے باوجود حضرتؒ کے لطف و کرم میں اضافہ ہی ہوتا گیا۔ بلا مبالغہ تقریباً ہر ملاقات پر محسوس ہوتا تھا کہ حضرتؒ کا التفات و کرم اور بڑھ گیا ہے۔

کارفرما ہے تری چشمِ کرم کی شوخی
ورنہ یہ جرأتِ تقصیر، خطاکاروں میں؟ (حضرت عارفیؒ)

پیر کی مجلس

جمعرات کی یہ خصوصی مجلس ابتداءً بعد عصر ہوتی تھی، پھر کافی عرصہ تک بعدِ مغرب ہوتی رہی، پھر بدھ کو ہونے لگی۔ بالآخر پیر کا دن مقرر ہوگیا، اور آخرِ حیات تک تقریباً دس سال علم و عرفان کی یہ مبارک مجلس پیر ہی کو عصر سے مغرب تک ہوتی رہی۔ یہ مجلس "خصوصی" ضرور تھی، لیکن اس میں آنے سے کسی کو روکا نہ جاتا تھا، جوں جوں اس خصوصی مجلس کی خبر حضرت کے پروانوں کو ہوتی گئی، اس میں بھی حاضری بڑھتی چلی گئی، آخر کے دس سال میں تو حاضرین کی کثرت کے باعث حضرت کو لاؤڈ اسپیکر استعمال کرنا پڑتا تھا۔ جمعہ کو عام مجلس ہوتی تھی جس میں حاضرین کی تعداد دوچند ہوتی تھی۔ لاؤڈ اسپیکر کے ہارن زنانہ مکان میں بھی نصب کر دیئے جاتے تھے، کیونکہ دونوں مجلسوں میں خواتین بھی خاصی تعداد میں بڑے شوق و ذوق سے حاضر ہوتی تھیں۔

پیر کی اس پُرکیف مجلس کا کچھ حال ذکر کرنا چاہتا ہوں —— لیکن سمجھ میں نہیں آرہا کیا کہوں؟ کس طرح کہوں؟ قوتِ بیان کہاں سے لاؤں؟ —— کہہ بھی سکوں گا یا نہیں؟۔

حضرتؒ کی ایک غزل

اس کشمکشِ شوق میں یہ تائیدِ غیبی ہی ہے کہ حضرت والاؒ کی ایک بڑی مترنّم غزل سامنے آگئی، اسی کو تمہید بناتا ہوں، کیونکہ درحقیقت وہی اس بیان کے لئے حُدی خواں ہے، وہی میری موجودہ کشمکش کی ترجمان، اور اسی کا مقطع میری کشمکش کا اُمید افزا جواب ہے۔

کب تک آخر یورشِ افکار کی باتیں کریں
آؤ اب کچھ دیر بزمِ یار کی باتیں کریں

اپنے دل کو اپنی خلوت کا بنا کر ہم نشیں
چپکے چپکے حسن و عشقِ یار کی باتیں کریں،

عشق کی رنگیں فضاؤں کے ترانے چھیڑ دیں
حسن کے پُر کیف جلوہ زار کی باتیں کریں

پیچ و تابِ غم کو دل سے محو کر دیں سر بسر
ہو کے بے خود چشمِ مستِ یار کی باتیں کریں

پہلے جان و دل میں بھر لیں مستیٔ صہبائے شوق
پھر کسی کی لذتِ گفتار کی باتیں کریں

تلملا کر دل کی ہر خوابیدہ حسرت جاگ اُٹھے
یوں کسی کی شوخیٔ رفتار کی باتیں کریں

اضطرابِ شوق میں رنگِ جنوں آنے لگا
کس طرح اب حسنِ عشوہ کار کی باتیں کریں ؟

عارفیؔ وارفتگیٔ دل ہی جو چاہے کرے
ورنہ ہم اور اپنی جانِ زار کی باتیں کریں ،

یہ ”وارفتگی“ حضرت والاؒ کا وہ مقامِ ”فنائیت“ تھا، جو انکی ہر ادا، اور حرکت و سکون میں سمایا ہوا تھا، اسی کو وہ ہر کامیابی کی کلید، ہر مشکل کا علاج، اور طریقت کا حاصل قرار دیتے تھے، یعنی خود کو ہیچ کر کے محض اللہ تعالیٰ پر نظر رکھنا، اور اپنے سب ارادے اس کے ارادے میں فنا کر دینا۔ خود ہی فرماتے ہیں ؎

میں نے کر دی کشتیٔ دل نذرِ گردابِ فنا،
بحرِ غم میں اس سے بہتر دوسرا ساحل نہیں

یہ قلم

جس قلم سے یہ صفحات لکھ رہا ہوں، یہ بھی حضرت والاؒ ہی کا عطیہ ہے، جو مدت تک حضرتؒ کے استعمال میں رہا، پھر وفات سے کچھ ہی عرصہ قبل اس ناکارہ غلام کو عنایت فرمادیا تھا —— یہ قلم بھی اگر اسی "وارفتگی" کی نذر ہو جائے تو زہے نصیب۔

آمدم بر سرِ مطلب

پیر کی یہ خصوصی مجلس کیا تھی؟ اس کا اندازہ صرف وہی حضرات کر سکتے ہیں، جنکو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ دولت نصیب ہوئی۔ یہ علم و عرفان، عشق و محبت، رموزِ طریقت، پند و موعظت، سوز و گداز، شعر و ادب، روایات و حکایات اور مزاح و ظرافت کی ایسی پرکیف قوسِ قزح تھی کہ وہ عالم ہی کچھ اور نظر آتا تھا، اس پر حضرت والاؒ کی شیریں بیانی، جیسے پھول جھڑ رہے ہوں، شفقت و دلسوزی کا یہ انداز کہ ایک ایک لفظ پیار و محبت کے رس میں ڈوبا ہوا، لہجہ ایسا اثر انگیز اور دھیما جیسے ابرِ رحمت کی ہلکی ہلکی پھوار پڑ رہی ہو۔ مجلس میں ہر ایک کا یہ حال ہوتا تھا کہ ؎

جہاں تک بھی نظر جاتی ہے جلوہ گاہِ ہستی میں
محبت ہی محبت جلوہ گر معلوم ہوتی ہے، (حضرت عارفیؒ)

غرض ایک دلکش سماں تھا جس میں آنے والا سارے غم بھول جاتا تھا —— اس کا انداز کیا تھا؟ خود ہی فرماتے ہیں کہ ؎

عارفیؔ پیرِ مغانم "بادۂ غم سوز" داد
یافتم از کیف آں روحِ دگر جانِ دگر

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے حکیمانہ ملفوظات کی تشریح، اور مجددانہ معارف کا بیان ایسے دلنشین انداز میں فرماتے کہ قلب کی حالت یکسر بدل جاتی تھی بلکہ قلب کی حالت تو مجلس کو جاتے ہوئے، راستہ ہی میں بدلنے لگتی تھی ؎

اس نے دیکھا دل کی جانب ایسے کچھ انداز سے
کائناتِ آرزو زیر و زبر ہونے لگی (حضرتِ عارفیؒ)

اللہ تعالیٰ کی بے پایاں رحمتوں کا دھیان، عفو و مغفرت کی اُمیدیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احسانات کا استحضار، اتباعِ سنت کا ذوق و شوق، اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت، اپنے گناہوں پر ندامت، اصلاح کی پر امید فکر، جذبۂ عمل، شوقِ ذکر، حقوق العباد اور آداب معاشرت کا اہتمام، اللہ تعالیٰ پر بھروسہ و اعتماد، تواضع و انکسار، شکر و قناعت، سکون و طمانینت۔ کیا کیا دولتیں تھی جو دل کو اس مجلس میں ملتی تھیں —— خود ہی فرماتے ہیں کہ ؎

جسے پینا ہو آنکھوں سے وہ میری بزم میں آئے
مرا دل چشمِ مستِ نازِ ساقی کا ہے مے خانہ
کسی کا ذکر ہے اور اہلِ محفل مست و بے خود ہیں
بہ ظاہر یاں نہ ساقی ہے، نہ صہبا ہے نہ پیمانہ

پیر کی یہ مجلس بحمد اللہ رفتہ رفتہ جزوِ زندگی بنتی چلی گئی، شب و روز کے تمام افکار و مشاغل پر پچھلی مجلس کا کیف و سرور، اور اگلی مجلس کا شوق و اہتمام سایہ فگن رہنے لگا۔ بہ قول حضرتِ عارفیؒ ؎

وہی جلوے جو تھے آنکھوں سے پنہاں
انہی جلووں میں اب مستور ہیں ہم

آخر کے یہ دس سال بحمد اللہ اس طرح گذرے کہ کراچی میں رہتے ہوئے پیر کی شام حضرت ہی کے ساتھ گذرتی تھی، پیر کی شام ہماری زندگی کی ایسی بنیاد تھی کہ فرائض و واجبات کے علاوہ تمام مشاغل اور نظم اوقات اسکے تابع تھے۔ حضرت والاؒ بھی اس مجلس کی ایسی پابندی فرماتے تھے کہ سخت بخار اور تکلیف میں بھی ناغہ نہ فرماتے تھے —— اور اس وقت کوئی اور مصروفیت ہرگز قبول نہ فرماتے تھے۔

حضرت والدِ ماجدؒ کا ملفوظ

حضرت والدِ ماجد رحمۃ اللہ علیہ نے احقر سے کئی بار فرمایا تھا کہ:۔

> "ریلوے جب اپنا ٹائم ٹیبل مرتب کرتی ہے، تو سب سے پہلے وہ مین لائن کی ایکسپریس اور میل گاڑیوں کے اوقات مقرر کرتی ہے۔ اس کے تابع پیسنجر ٹرینوں اور برانچ لائنوں کے اوقات مقرر کئے جاتے ہیں ــــ اسی طرح تمہیں بھی منزلِ مقصود تک پہنچنے کے لئے اپنی زندگی کی ایک "مین لائن" مقرر کر کے اسکا ایسا مستحکم نظام الاوقات مقرر کرنا ہوگا کہ باقی تمام مشاغل و اعمال اسکے تابع ہو جائیں"۔

حسرت ہوتی ہے کہ حضرت والدِ ماجدؒ کی حیات میں تو یہ نہ ہو سکا۔ اب وہ دیکھتے تو انکو بہت اطمینان ہوتا ۔

میں ہوں جس عالم میں اس عالم کا اب کیا رنگ ہے
کاش بھولے سے کبھی تم بھی تو آکر دیکھتے ، (حضرتِ عارفیؒ)

تاہم بحمداللہ حضرتِ عارفیؒ قدس اللہ سرہٗ کی عنایات سے اس حد تک یہ دولت نصیب ہو گئی کہ پیر کی یہ مجلس ہماری "مین لائن" کے نظام الاوقات کا محور بن گئی۔ بہ قول حضرتِ عارفیؒ

؎ اب نہ منزل کی طلب ہے، اور نہ منزل کا پتہ،
ایک دُھن ہے، اور اسی دُھن میں چلا جاتا ہوں میں

"پیر" کا دن

یہ "پیر" کا لفظ، دن کا نام تو ہے ہی، اردو میں شیخ و مرشد کو بھی "پیر" کہتے ہیں، اردو میں اگرچہ یہ لفظ پیشہ ور سجادہ نشینوں، اور نام نہاد پیروں کی وجہ سے مبتذل سا ہو گیا ہے، لیکن کبھی کبھی مبتذل کلمہ بھی لطف پیدا کر دیتا ہے ــــ ایک اتوار کو ہم حضرتؒ کے دولت خانے پر حضرت کی خدمت میں بیٹھے تھے، ایک صاحب ہمیں اپنے مدرسہ یا مسجد وغیرہ کے سلسلہ میں، یا کسی اور معاملے میں مشورہ کے لئے اپنے یہاں لے جانا چاہتے تھے، حضرت کی بھی خواہش تھی کہ وعدہ کر لیا جائے۔ ان صاحب نے بھی تجویز پیش کی کہ کل شام کو بعدِ عصر چلیں، حضرتؒ نے بھی تائید فرمائی ــــ شاید خیال نہ رہا تھا کہ کل پیر ہے ــــ میں نے معنی خیز انداز

میں مسکرا کر حضرتؒ سے عرض کیا کہ " حضرت کل تو " پیر" کا دن ہے " حضرت محظوظ ہوئے، اور
فرمایا کہ " ہاں بھائی کل تو " پیر" کا دن کا ہے " ——— پھر فرمایا کوئی اور دن رکھ لو۔"

درد کا درماں

مجھے تو یہ صورت بکثرت پیش آئی، اور بھی کئی حضرات نے بیان کیا کہ ہم کوئی سوال یا
اُلجھن لے کر حضرت کی مجلس میں حاضر ہوتے تو عموماً ہمارے کسی سوال کے بغیر ہی حضرت
از خود وہ مسئلہ چھیڑ دیتے، اور دورانِ گفتگو اس پر ایسی سیر حاصل بحث فرما دیتے کہ دل کو
ہو جاتی، حضرت والاؒ اپنے مُرشد کی مجلس کا بھی یہی حال بیان فرمایا کرتے تھے۔ حضرت والاؒ
اس کا راز بتایا[1] کہ :۔

> " اس کی وجہ یہ نہیں کہ بولنے والے کو حاضرین کے دل کا حال معلوم ہوتا ہے،
> بلکہ وجہ یہ ہے کہ جب طالب، اللہ تعالیٰ کی سچی طلب لے کر استاذ یا مرشد کے
> پاس جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت اسکی طرف متوجہ ہو جاتی ہے۔
> اور وہی اُستاذ و مُرشد سے ایسی بات کہلوا دیتے ہیں جو طالب کی ضرورت اور
> فائدے کی ہوتی ہے اگرچہ خود استاذ و مرشد کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ میں نے یہ
> بات کیوں اور کس کی طلب پر کہی ہے۔"

جب تک طاقت نے ساتھ دیا، حضرت والاؒ پیر کو بھی عصر کی نماز محلے کی مسجد " النور"
پڑھتے رہے، مجلس میں آنے والے حضرات کی بھی یہی کوشش ہوتی تھی کہ نماز وہیں پڑھیں۔ نما
بعد حضرت اور سب خدام دولت خانے پر جمع ہو جاتے۔ گرمیوں میں یہ مجلس دولت خانے
وسیع سبزہ زار پر ہوتی، اور موسمِ سرما میں مردانہ ہال میں۔ حاضرین کا رُخ قبلہ کی طرف

---

[1] احقر نے اس پورے مضمون میں جہاں بھی حضرت والاؒ کا یا حضرت والد ماجدؒ کا کوئی ملفوظ
کیا ہے اپنی یادداشت سے لکھا ہے، بعینہ الفاظ یاد نہیں، مفہوم حتی الامکان ٹھیک ٹھیک نقل کر
کوشش کی ہے۔ رفیع۔

اور حضرت کا رُخ حاضرین کی طرف ہوتا تھا، حضرتؒ ہمیشہ اسی سطح پر بیٹھتے جس پر سب حاضرین ہوتے تھے، چوکی پر بیٹھنا پسند نہ فرماتے تھے۔ کسی قسم کا کوئی تکیہ بھی پیچھے نہ ہوتا تھا، علالت اور شدید ضعف و تکان کی حالت میں بار ہا خدام نے درخواست بھی کی، مگر کبھی مجلس میں تکیہ لگانا یاد نہیں۔ سامنے فارمیکا کی ایک چوکی نما میز پر مائک رہتا تھا جسکے ارد گرد کئی کیسٹ ریکارڈر آپ کے ایک ایک حرف کو ٹیپ کرتے رہتے تھے، ان میں سے ایک چھوٹا نفیس کیسٹ ریکارڈر خود حضرت کا تھا، باقی حاضرین کے ہوتے تھے، انہی کیسٹوں کی مدد سے حضرت کے ملفوظات کے متعدد چھوٹے بڑے مجموعے اب تک تیار ہو کر شائع ہو چکے ہیں۔

حضرت پان کھاتے تھے، لیکن اس میں تمباکو کے بجائے مختلف خوشبوئیں، اور خاص طور سے ایک خوشبودار مسالہ استعمال فرماتے تھے، جو سفوف کی طرح کا تھا، مجلس کے دوران ایک صاف ستھری تھالی میں پان اور اسکے تمام متعلقات پاس رکھے رہتے۔ سامنے میز کے نیچے ایک چمکدار اسٹین لیس اسٹیل کا ڈھکن دار خوبصورت اگالدان رکھا رہتا۔ اس کے کسی حصے پر احقر نے کبھی کسی قسم کا نشان یا دھبہ نہیں دیکھا ——— حضرت کے مزاج میں بڑی نفاست اور لطافت تھی، کپڑے بھی ہمیشہ صاف اور اُجلے ہوتے تھے، خوشبو بڑی متوازن استعمال فرماتے تھے، جو قریب آنے والے ہی کو محسوس ہوئی تھی۔ حضرت کے دیرینہ نیازمند اور خلیفۂ مجاز جناب ڈاکٹر محمد الیاس صاحب دامت برکاتہم (ڈائرکٹر جنرل ہمدرد وقف) حضرتؒ کے پہلو میں ذرا پیچھے بیٹھے رہتے، وہ پان کا بیڑا حضرت کے مزاج کے عین مطابق بنا کر داہنے ہاتھ کی انگلیوں میں تیار رکھتے۔ حضرتؒ محو گفتگو ہوتے، اس محویت میں جب پان کی طلب ہوتی تو بے ساختہ انکی طرف ذرا سا مڑتے، اور وہ فوراً بیڑا پیش کردیتے تھے، مجھے محترم ڈاکٹر الیاس صاحبؒ کی اس ادا پر بڑا رشک آتا تھا کہ برسوں میں کبھی یاد نہیں کہ حضرتؒ نے انکی طرف گردن کو ذرا جنبش دی ہو، اور انہوں نے فوراً تیار بیڑا ہاتھ میں نہ تھما دیا ہو۔ اس طرح حضرت کے بیان کے تسلسل میں ادنیٰ خلل بھی واقع نہ ہوتا تھا۔

اکثر اذانِ مغرب سے ذرا پہلے مجلس ختم ہو جاتی تھی، اور حضرت اعلان فرما دیتے تھے کہ لوگ مسجد میں جاکر نماز پڑھ لیں، لیکن حضرت چونکہ ضعف کے باعث اس زمانے میں مغرب

کی نماز دولت خانے ہی پر پڑھتے تھے، اس لئے ہم اور دوسرے بہت سے حاضرین یہیں رک جاتے اور یہیں حضرتؒ کے ساتھ باجماعت نماز ادا کرتے۔

اذان کا جواب

حضرت والاؒ کا اذان کا جواب دینے کی سنت پر بھی بہت اہتمام سے عمل فرماتے اور حاضرین کو بھی تلقین فرماتے تھے۔ کتنی ہی اہم بات چل رہی ہو اذان کی آواز آتے ہی فوراً قطع فرما دیتے تھے۔ بسا اوقات کئی مسجدوں کی اذان بیک وقت سنائی دیتی تھی، ایسے میں جواب کونسی اذان کا دیا جائے؟ حضرتؒ کا معمول اور تعلیم یہ تھی کہ ایسے میں اپنے محلہ کی اذان کا جواب دیا جائے۔

کبھی ایسا بھی ہوا کہ کسی اہم فوری گفتگو کی محویت میں اذان کی طرف دھیان نہ گیا کچھ اذان کی آواز بھی ہلکی تھی، یہاں تک کہ اذان ختم ہوگئی۔ تو آپ نے فرمایا کہ بعد میں اذان کے کلمات اپنی زبان سے ادا کر کے اذان کے بعد کی دعا پڑھ لی جائے، ایسی صورت میں خود بھی یہی عمل فرماتے تھے۔

اذان کے بعد کی دُعا

آپ نے یہ ارشاد بارہا فرمایا کہ :-

> "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمت کے لئے بے شمار دعائیں فرمائیں، اور ایسی دعائیں فرمائیں کہ ہم عمر بھر سوچتے رہتے تو دین و دنیا کی ہر بھلائی کے لئے ایسی جامع دعائیں نہ کر سکتے۔ ہر دعا خیر میں انہوں نے ہمیں یاد رکھا، حتیٰ کہ معراج[1] میں جب حق تعالیٰ

---

[1] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ابن الملکؒ کا یہ قول منقول ہے کہ "روایت کی گئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب معراج ہوئی تو آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد ان کلمات سے فرمائی (اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ والصَّلوٰتُ والطَّیِّبَاتُ) پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "السلامُ علیكَ اَیُّها النبیُّ ورحمۃُ اللّٰہ وبرکاتہ" پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عرض کیا "السلامُ علینا وعلیٰ عبادِ اللّٰہ الصالحین" پس جبریل (علیہ السلام) نے کہا "اشهد ان لا الٰه الّا اللّٰہ واشهد اَنَّ محمداً عبدہٗ ورسولُہٗ" ـــــ لیکن شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الملہم میں فرمایا ہے کہ "مجھے اس قصہ کی کوئی سند نہیں ملی، اور در مختار میں صراحت ہے کہ (نماز میں) تشہد کے الفاظ سے نیت انشاء کی کرنی چاہیئے۔ خبر و حکایت کی نیت نہیں کرنی چاہیئے (دیکھئے فتح الملہم ص ۲[illegible] ج ۲) یعنی نماز میں تشہد پڑھتے وقت یہ نیت نہیں کرنی چاہئے کہ ہم وہ قصہ بیان کر رہے ہیں بلکہ یہ نیت کرنی چاہئے کہ ہم "التحیات" اللہ تعالیٰ کو پیش کر رہے ہیں اور سلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیج رہے ہیں (فرشتے ان کو پہنچا دیتے ہیں) (فیض

شانہٗ کی طرف سے آپ کو یہ خطاب دلنواز فرمایا گیا ہے کہ "اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ" (اے نبیؐ آپ پر سلام ہو، اور اللہ کی رحمت ہو اور اس کی برکتیں ہوں) تو آپ نے اس وقت بھی امت کو یاد رکھا، اور انکو بھی اس انعام میں شامل کرنے کے لئے عرض کیا کہ "اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ" (ہم پر سلام ہو اور اللہ کے نیک بندوں پر سلام ہو)۔ خلاصہ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لئے بے شمار دعائیں فرمائی ہیں —— البتہ ایک دعا کی فرمائش امت سے کی ہے کہ تم وہ دعا میرے لئے کرو[1]۔ اور وہ یہی دعا ہے جو اذان کے بعد کی جاتی ہے۔ یہ ہمارے محسنِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمائش ہے، اس کا بہت اہتمام کرنا چاہیئے، انکے احسانات کا شکر تو ہم عمر بھر بھی ادا نہیں کر سکتے، لیکن یہ انکی محبت کا ادنیٰ حق ہے، جسے ادا کرنا ہمارے لئے بڑی سعادت ہے۔"

پھر فرمایا کہ

"معلوم ہوتا ہے کہ اذان کے بعد کا وقت، قبولیتِ دعا کا خاص وقت ہے، جبھی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت اپنے لئے دعا کی فرمائش کی —— لہٰذا اس وقت کو بہت غنیمت جاننا چاہیئے اس دعا کے فوراً بعد اپنے لئے بھی دعا کرلینی چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے قوی اُمید ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ اور طفیل میں ہماری یہ دعا بھی قبول ہو جائے گی۔"

یتیموں کی سرپرستی

حضرت والاؒ سے بیعت کا شرف سنہ ۱۳۸۹ھ (سنہ ۱۹۶۹ء) میں حاصل ہوا تھا۔ اور حضرت والا کی وفات ۱۵ رجب سنہ ۱۴۰۶ھ (۲۷ مارچ سنہ ۱۹۸۶ء) کو ہوئی۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے تقریباً

---

[1] چنانچہ صحیح مسلم وغیرہ کتب حدیث میں سند صحیح کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ فرمائش صراحۃً منقول ہے۔ رفیع

سترہ سال حضرتؒ سے استفادے کا موقع ملا۔ سوا سات سال حضرت والدِ ماجدؒ کی حیات میں اور پونے دس سال انکی وفات کے بعد۔

حضرت والدِ ماجد رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کا حادثہ ہماری زندگی کا سب سے بڑا حادثہ تھا، اس حادثے کا ڈر بچپن سے ایسا لگا ہوا تھا کہ وہ سفر میں تشریف لے جاتے تو مفارقت برداشت نہ ہوتی تھی، خود بھی انکے بغیر کسی لمبے سفر پر جانے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ میں یہ سوچ کر سہم سہم جاتا تھا کہ اگر یہ حادثہ میری زندگی میں پیش آگیا تو برداشت کیسے ہوگا، انکے بغیر زندہ کیسے رہوں گا، اور زندہ رہ گیا تو وہ زندگی کتنی تلخ ہوگی؟

لیکن والدِ ماجد رحمۃ اللہ علیہ کا ہم پر یہ کتنا عظیم احسان ہے کہ انہوں نے اپنی وفات سے سات سال پہلے ہی ہمارا ہاتھ حضرت عارفی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ میں تھما دیا تھا ——— جب حادثۂ وفات پیش آیا تو بلاشبہ غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا، اس وقت میری عمر چالیس سال تھی، لیکن یہ عمر انکے سایۂ شفقت میں اس طرح گذری تھی کہ ہم سب بھائی خود کو بچہ ہی سمجھتے تھے۔ ان کا سایہ اُٹھ جانے سے ہم بھی یتیم ہو گئے، دار العلوم بھی، بلکہ بقول حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانویؒ کے: ”برصغیر کے علماء کرام یتیم ہو گئے“ لیکن یہ حضرتِ عارفی قدس اللہ سرہٗ کی دعا اور توجہِ خاص کی برکت تھی کہ اللہ رب العالمین نے اس وقت دل میں ایسی قوت اور برداشت پیدا فرما دی کہ اب بھی سوچتا ہوں تو حیرت ہوتی ہے۔

۱۱ر شوال ۱۳۹۶ھ کی صبح کو حضرت والدِ ماجد رحمۃ اللہ علیہ کا جنازہ گھر میں رکھا تھا، رات ۱۲ر بج کر ۱۹ر منٹ پر انکی وفات ہو چکی تھی، میں جنازے کی پائنتی کی طرف حضرت عارفی رحمۃ اللہ کے پہلو میں کھڑا تھا، اچانک دل میں ایک اُمید افزا احساس بڑی قوت سے پیدا ہوا، اور میں نے رُندھی ہوئی آواز میں مگر پُر اعتماد انداز میں حضرت والاؒ سے عرض کیا کہ:

”حضرت ہم آپ کی موجودگی میں خود کو یتیم نہیں سمجھتے“

حضرت والاؒ نے دستِ شفقت میرے کاندھے پر رکھا، اور لمحہ بھر توقف کر کے پُرعزم انداز میں فرمایا کہ:-

”بلاشبہ آپ کو میرے متعلق یہی احساس رکھنا چاہیئے۔ میں بھی انشاء اللہ

آپ کے اس تعلقِ محبت کا حق ادا کرنے کی مقدور بھر کوشش کروں گا۔"

ایسے موقع پر لوگ تسلّی کے لئے اس قسم کی باتیں کہہ تو دیا کرتے ہیں، لیکن نبھاتا کون ہے؟ اور نبھانا آسان بھی تو نہیں، لیکن یہ عارف باللہ، ولی اللہ کا وعدہ تھا جو اسکے تمام عواقب و نتائج پر غور کرنے کے بعد کیا گیا تھا۔ آپ نے زندگی بھر اسکے ایک ایک لفظ کا ایسا حق ادا فرمایا کہ اسکی نظیر کہیں دیکھنے میں نہیں آئی ——— حضرت کو معلوم تھا کہ حضرت والد صاحبؒ ہم سب بھائیوں پر غیر معمولی شفقت فرماتے تھے، اور یہ بھی احساس تھا کہ بہ قول حضرت مولانا محمد یوسف بنوری صاحب رحمۃ اللہ علیہ "حضرت مفتی صاحبؒ کے سب بیٹے اپنے باپ کے عاشق ہیں" ——— اس کا لحاظ حضرت عارفیؒ نے عمر بھر رکھا، ہر ہر قدم پر ہماری دلداری، اور دلنوازی کا وہی انداز اختیار فرمایا جس کی توقع صرف والد صاحبؒ ہی سے کی جاسکتی تھی۔ ایسے بے شمار واقعات کی حسین یادیں آج بھی ہم سب کیلئے سرمایۂ تسکین، اور باعث تقویت ہیں۔ بہ قول حضرت عارفیؒ

اس التفاتِ خاص کا میں لطف کیا کہوں
جس نے دیا ہے درد وہی غم گُسار ہے

طبعی غم اور والد صاحبؒ کی یاد تو اپنی جگہ، لیکن جن مواقع میں انسان کو اپنے باپ کی سرپرستی، رہنمائی، حوصلہ افزائی اور دستگیری کی ضرورت ہوتی ہے، ان میں حضرتؒ نے کبھی باپ کی کمی محسوس نہ ہونے دی، ان کی خدمت میں پہنچ کر یوں محسوس ہوتا تھا کہ اپنے والد صاحبؒ کے پاس پہنچ گئے ہیں۔

عیدی ——— اور "واحد نقصان"

عید پر حضرت والاؒ ہم سب بھائیوں کو عیدی بھی عنایت فرماتے تھے۔ حضرت والد صاحبؒ کی وفات کے بعد پہلی عید الفطر پر نماز عید کے فوراً بعد احقر کے تینوں بھائی برادر بزرگوار جناب محمد رضی عثمانی صاحب، جناب محمد ولی رازی صاحب، اور برادرِ عزیز مولانا محمد تقی عثمانی صاحب سلمہٗ عید ملنے کے لئے حضرت کے مکان پہنچے، احقر کو عید کی نماز دار العلوم کورنگی میں پڑھانی ہوتی ہے اس لئے احقر ساتھ نہ تھا۔ حضرت والاؒ نے تینوں کو عیدی عنایت فرمائی۔ اور احقر کو پوچھا، میرا عذر بتایا گیا تو آپ نے ایک سفرِ حج کا واقعہ سنایا کہ:-

> ”جدہ سے مکہ مکرمہ جانے کے لئے ہم بس میں سوار ہوئے، حسبِ دستور سب حاجیوں کے پاسپورٹ ڈرائیور کے پاس جمع کر دیئے گئے تھے، جتنے پاسپورٹ ہوں اتنے ہی حاجی ہونے چاہییں، مگر ایک حاجی کم تھا، عرب ڈرائیور بار بار پاسپورٹ گنتا، پھر مسافروں کو شمار کر کے اعلان کرتا کہ ”واحد نقصان، واحد نقصان“

یہ واقعہ سنا کر آپ نے فرمایا کہ

> ”بھئی آج ہمیں بھی ”واحد نقصان“ محسوس ہو رہا ہے، مولوی رفیع کی کمی محسوس ہو رہی ہے —— انکی عیدی میں آپ کے ہاتھ بھیج دیتا، مگر جب وہ آئیں گے تو ان کو خود دوں گا، اس طرح اُن کو زیادہ خوشی ہوگی۔

جب ناچیز حاضر ہوا تو یہ واقعہ مجھے بھی سُنایا اور عیدی عطا فرمائی۔ عید کے علاوہ بھی وقتاً فوقتاً طرح طرح کے عطیات سے دلداری فرماتے رہتے تھے، قلم اور نفیس عطر بار بار عنایت فرمایا، ایک مرتبہ اپنا ایک گرم کرتہ بھی جو خود پہنے ہوئے تھے، اتار کر عطا فرمایا۔ اس کا ایک بڑا ہی دلنواز واقعہ ہے جسے بیان کرنے کا یہ موقع نہیں۔

حضرت والا تہجد کے وقت سے ظہر کی نماز تک بلا وقفہ شدید مصروفیت میں رہتے تھے، سہ پہر کو مختصر قیلولہ کے بعد چار بجے سے پھر رات کو سوتے وقت تک مصروفیت کا یہ عالم رہتا، کہ ایک منٹ خالی نہ تھا، نظمِ اوقات کی ایسی پابندی کہ انکے معمولات کو دیکھ کر گھڑی ملائی جا سکتی تھی۔ اسکے باوجود اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ”بھئی آپ کے لئے کسی وقت کی پابندی نہیں، جب موقع ملے آجایا کریں“ چنانچہ ہم پیر کی مجلس کے علاوہ بھی جب موقع ملتا حاضر ہو جایا کرتے تھے۔ شروع میں اچانک جاتے ہوئے تشویش رہتی تھی کہ کہیں حضرت کو تکلیف نہ ہو، مگر حضرت کو جیسے ہی ہماری اطلاع ملتی کتنی ہی مصروفیت ہو باہر تشریف لے آتے اور ہمیں دیکھ کر اتنے خوش ہوتے کہ بس نہال ہی فرما دیتے تھے۔ بار بار فرماتے ”آپ کے اچانک آجانے سے اور بھی جی خوش ہوا، ہمیں آپ کے آنے سے بڑی تقویت ہو جاتی ہے“ ہمارا جی چاہتا ہے کہ حضرت (تھانویؒ) کا مزاج و مذاق آپ کو اچھی طرح سمجھا دیں۔ آپ کے والد صاحب اُس مزاج و مذاق میں ڈوبے ہوئے تھے، والد صاحبؒ کا ذکر فرما کر یہ مصرعہ آپ بکثرت سنایا کرتے تھے کہ ؏

میراث پدر خواہی، علم پدر آموز

اور اس کے بعد حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے علوم و معارف، پند و موعظت اور رموزِ طریقت کا بیان شروع ہو جاتا، اور اس میں ایسی محویت، سوز و گداز اور بسا اوقات جوش ہوتا تھا کہ جیسے اب انکو اپنی کوئی اور مصروفیت یاد نہیں رہی۔ خود ہی فرماتے ہیں ؎

ذکر ان کا چھیڑ کر دیکھے کوئی اے عارفیؔ
بے خودی کیا چیز ہے، وارفتگی ہوتی ہے کیا

بس یوں محسوس ہوتا تھا کہ جو دولت انہوں نے اپنے شیخ سے حاصل کی ہے وہ ہمیں گھول کر پلا دینا چاہتے ہیں۔ حضرت بار بار فرمایا کرتے تھے کہ "جب حضرت مفتی صاحبؒ کا انتقال ہوا تو تم بھائیوں کو یہ حسرت تھی کہ والد صاحب سے ہم نے کچھ حاصل نہ کیا۔ میں اس حسرت کا مداوا کرنا چاہتا ہوں۔"

خوشی آدھی کر دی

ایک شام احقر کسی شادی میں ناظم آباد گیا، وہاں پہنچ کر اندازہ ہوا کہ بارات آنے میں کم از کم ایک گھنٹہ ہے، سوچا کیوں نہ یہ وقت حضرت کی خدمت میں گذاروں، دولت خانے پر حاضر ہوا، اطلاع ملنے پر حضرت مردانہ کمرے میں تشریف لائے تو حسبِ سابق بہت مسرور و شاداں تھے، اچانک حاضری پر مزید خوشی کا اظہار فرمایا، اور دعائیں دیں، میں سامنے بیٹھ گیا تو خیریت دریافت فرمائی، پھر پوچھا "کیسے آنا ہو گیا"؟ ——— میں نے عرض کیا کہ "حضرت ناظم آباد ایک شادی میں آیا تھا، وہاں دیر تھی، سوچا حضرت کی خدمت میں حاضری دے لوں"۔ ——— حضرت والاؒ نے بے ساختہ مسکرا کر فرمایا:۔

"بھئی آپ نے ہمیں یہ کیوں بتایا؟ ہم یہ سمجھ کر خوش ہو رہے تھے کہ ہمارے ہی پاس آئے ہیں، آپ نے یہ بتا کر ہماری خوشی آدھی کر دی"۔

دار العلوم کی صدارت

حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال سے دار العلوم بھی یتیم ہو گیا تھا، بانی و صدر کا

سایہ سر سے اُٹھ جانا دار العلوم کے لئے بھی اس کی تاریخ کا سب سے بڑا حادثہ تھا، لیکن اللہ جل شانہٗ کا شکر کس زبان سے ادا کیا جائے کہ حضرت والا کی خصوصی عنایات دار العلوم پر بھی سایہ فگن ہو گئیں۔ حضرت دار العلوم کی مجلس منتظمہ کے رکن تو کئی سال پہلے سے تھے، اس حادثہ کے چند ہی روز بعد دار العلوم کراچی کی مجلس منتظمہ نے متفقہ طور پر حضرت والا کو دار العلوم کا قائم مقام صدر بنانا طے کیا، پھر اگلے ہی اجلاس میں مستقل طور پر "صدرِ دار العلوم" کا منصب قبول فرمانے کی درخواست کی۔ اِن دونوں اجلاسوں میں حضرت والا خود بھی شریک تھے۔ اس کبر سنی، ہجوم مشاغل، اور اپنے مکان سے دار العلوم تک حوصلہ شکن فاصلے کے باوجود یہ حضرت والا کا سراپا ایثار ہی تھا کہ یہ عظیم بھاری ذمہ داری بھی ہم یتیموں کی سرپرستی کے لئے قبول فرمالی۔

وفات تک تقریباً دس سال آپ دار العلوم کے صدر رہے، یہ دس سالہ دور دار العلوم کی ظاہری و معنوی ترقیوں کا دور ہے، جن جن سمتوں میں والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کا منصوبہ اس دار العلوم کو آگے بڑھانے کا تھا، ان تمام سمتوں میں بحمد اللہ پیش قدمی جاری رہی۔ بلا مبالغہ حضرت عارفی کے سایہ شفقت نے دار العلوم کو اسکے عظیم بانی کی کمی محسوس نہ ہونے دی۔ اس دس سالہ دور میں دار العلوم کا اہتمام احقر سے متعلق رہا۔ مہتمم کو اہتمام کے "ہموم" گھلا دیتے ہیں۔ کاموں کا بوجھ ضرور مجھ پر تھا، لیکن یوں محسوس ہوتا تھا کہ میرے تمام ہموم کا بوجھ حضرت والا نے اپنے عظیم کاندھوں پر اُٹھا لیا ہے۔ جب بھی کوئی الجھن پیش آتی حضرت کی خدمت میں حاضر ہو جاتا، اور دُعا، و مشورہ مل جانے کے بعد وہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ایسی حل ہوتی چلی جاتی تھی جیسے کوئی الجھن سرے سے تھی ہی نہیں۔ دار العلوم سے اس ضابطہ کے تعلق کی بدولت ہم دونوں بھائیوں کا حضرت سے تعلق گوناگوں ہو گیا تھا۔ جب ہم دار العلوم کے کسی نازک انتظامی مسئلہ کی پیچیدگی سے پریشان ہو کر صدر دار العلوم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت بہت اطمینان و سکون سے سب حالات سنتے، اور ادنیٰ تشویش یا تذبذب کا اظہار کئے بغیر کچھ مشورے، نصیحتیں، اور دعائیں دیتے، اور ساری پیچیدگی اور سب پریشانیاں کافور ہو جاتیں۔

حضرت والاؒ دار العلوم کی انتظامی جزئیات میں کبھی دخل نہ دیتے تھے، لیکن اصولی نگرانی میں اغماض نہ فرماتے تھے۔ دار العلوم کے مزاج و مذاق کی حفاظت پر انکی سب سے زیادہ نظر تھی۔ اس میں ذرا بھی کوتاہی نظر آتی تو فوراً بلا کر تنہائی میں بڑی شفقت و حکمت سے تنبیہ فرما دیتے تھے۔

ایک دو بار دار العلوم کے بعض حضرات کی طرف سے حضرت کی خدمت میں دار العلوم کے بعض انتظامی امور کی شکایت تحریری طور پر پیش کی گئی۔ لکھنے والے کا نام تحریر نہ تھا ———— حضرت والا نے مجھے کورنگی سے طلب فرمایا، اور وہ تحریر یہ کہہ کر میرے حوالے فرمادی کہ "اس فکر میں پڑے بغیر کہ یہ کس کی تحریر ہے، اس کا بغور جائزہ لیں، جو امور واقعی اصلاح طلب نظر آئیں، انکی اصلاح کا انتظام کردیں، اور اگر سب یا بعض شکایات غلط فہمی پر مبنی ہوں تو انکے متعلق کسی کاوش میں پڑنے کی ضرورت نہیں، مجھے آپ پر اعتماد ہے، اللہ تعالیٰ نصرت عطا فرمائے"۔

ہماری بعض کوتاہیوں پر کبھی کبھی مشفقانہ اظہارِ ناگواری بھی فرمایا۔ ایسے مواقع پر یہ ضرور یاد دلادیا کرتے تھے کہ

> "دیکھو مولوی رفیع میں اس تعلقِ محبت کا حق ادا کر رہا ہوں جس کا وعدہ تم نے اپنے والد صاحب کی وفات کے دن مجھ سے لیا تھا، میں اس وعدے کو کبھی نہیں بھول سکتا، جب تک زندہ ہوں، وہ حقِ محبت ادا کرتا رہوں گا"۔

مگر ناراض کبھی نہ ہوئے تھے۔ ایک مرتبہ ہم خدام دار العلوم سے ایک فیصلہ ایسا سرزد ہوا جس کے متعلق ہمارا خیال تھا کہ دینی مصالح کے لئے مفید ہوگا، اور حضرت والا بھی اسکو ناپسند نہ فرمائیں گے۔ بعد میں اندازہ ہوا کہ یہ دار العلوم کے مزاج و مذاق کے مناسب نہ تھا۔ یہ غلطی حضرت والا کو سخت ناگوار گذری، حضرتؒ منتظر رہے کہ ہمیں خود احساس ہوجائے اور تلافی کرلیں، مگر ہمیں بالکل احساس نہ ہوا، یہاں تک کہ حضرتؒ نے پیر کے دن کی مجلس کا سلسلہ بند کرنے کا ارادہ ظاہر فرمایا، تو فکر ہوئی، اور تحقیق سے معلوم ہوا کہ حضرتؒ ناراض ہیں۔ ہم حضرت کی خدمت میں جاکر خوب روئے۔ اور اپنی غلطی سے توبہ کی حضرت نے معاف فرمادیا، اور فرمایا کہ:۔

> "مجھے آپ دونوں کی سعادتمندی کے پیشِ نظر اس (ندامت) کا انتظار تھا، تم نے وہ فیصلہ غلط کیا تھا، آئندہ کے لئے سبق مل گیا ہے۔ بس اپنا دل میلا نہ کرو، مجھ پر آپ دونوں کی اور دار العلوم کی بھاری ذمہ داری ہے۔ مولوی رفیع میں تمہاری اُس بات کا حق ادا کر رہا ہوں جو حضرت مفتی صاحبؒ کے انتقال کے دن تم نے کی تھی۔ وہ حق محبت میں ان شاء اللہ ادا کرتا رہوں گا۔ ساری فکریں مجھ پر چھوڑ دو، بے فکر ہوکر اپنے کام میں لگے رہو، ان شاء اللہ

فائز المرام رہوگے تمہیں نہیں معلوم میں تمہارے لئے کتنی دعائیں کرتا ہوں۔ رات کو تم بھائیوں کے گھروں اور دار العلوم کا حصار کئے بغیر نہیں سوتا۔

یہ آخری بات حضرتؒ نے پہلے بھی کئی بار فرمائی تھی۔ حضرتؒ کا ایک ایک جملہ محبت و شفقت میں ڈوبا ہوا تھا، نہ صرف یہ کہ سارا غم چند منٹ میں حضرتؒ نے دور فرما دیا، بلکہ ایسے دلنواز ارشادات فرمائے کہ آج تک ان کا لطف یاد آتا ہے۔ خود ہی فرماتے ہیں کہ ؎

اک طرزِ التفات بکرم ہے جفائے دوست
جی چاہتا ہے روز نیا امتحاں رہے

حضرت کے لطف و کرم کے بعد عقلاً تو اطمینان ہوگیا بلکہ حضرت کا لطف و کرم اب اور زیادہ ہی ہوگیا تھا، لیکن دل کو کبھی کبھی یہ وساوس پریشان کرتے رہے کہ کہیں حضرتؒ کے قلب مبارک کے کسی گوشہ میں اس ناگواری کا کوئی اثر باقی تو نہیں رہ گیا، اس حالت کی اطلاع اور علاج کے لئے احقر نے ۱۴ رمضان المبارک ۱۴۰۵ھ کو یہ عریضہ تحریر کیا، جو حضرت کے جواب کے ساتھ یہاں نقل کرتا ہوں، اصلاحی خط و کتابت کے سلسلہ میں یہ حضرتؒ کا آخری مکتوب ہے، جو احقر کے لئے سرمایۂ حیات ہے

حضرتؒ کی خدمت میں آخری مکتوب اور اسکا جواب

"مخدوم مکرم، مطاعِ معظم، سیدی و سندی و مولائی۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خدا کرے حضرت والا کا مزاجِ گرامی بعافیت ہو، گرمی کی شدت اور حضرت کے ضعف کے باعث دل کو فکر رہتی ہے، اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا رہتا ہوں، اللہ تعالیٰ حضرت کا سایہ تادیر عافیت کے ساتھ قائم رکھے۔ آمین۔ خصوصاً حضرت مولانا سبحان محمود صاحب سے یہ معلوم ہوکر اور فکر ہوئی کہ حضرت والا اس شدید گرمی اور ضعف میں بھی ماشاء اللہ روزے رکھ رہے ہیں۱ —— اور مطب میں بھی

---

[1] اس وقت حضرت کی عمر ستاسی برس تھی۔ رفیع۔

۱۱ بجے تک مشغولیت رہتی ہے۔

حضرت مؤدبانہ درخواست ہے کہ اتنا تعب برداشت نہ فرمائیں۔ حضرت والا ہی سے بار بار سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ اصحاب اعذار کے رخصتوں پر عمل کرنے سے بھی اتنے ہی راضی اور خوش ہوتے ہیں جتنے عزیمت پر عمل کرنے سے اگر اپنے عذر میں تردد ہو تو کسی قابلِ اعتماد معالج سے دریافت فرمالیا جائے۔

حضرت دل کے شدید تقاضے سے مجبور ہو کر یہ درخواست پیش کرنے کی جسارت کی ہے، اُمید ہے کہ حضرت اس گستاخی کو معاف فرمائیں گے۔"

حضرت نے تحریر فرمایا

"الحمدللہ اب تک تحمل ہے، دُعا کرتے رہیں"

آگے احقر نے لکھا تھا کہ

"شعبان میں تین ہفتے تو سفر میں گذر گئے[1]، سفر سے واپسی کے بعد صرف ۲، مرتبہ حضرت والا کی خدمت میں حاضری ہو سکی پھر رمضان المبارک شروع ہو گئے، رمضان میں بار بار حاضری کو دل بہت چاہتا ہے، لیکن احقر کا حفظ قرآن پختہ نہیں، تراویح میں سنانے کے لئے دن میں کئی بار پڑھنا اور اپنے سامع کے ساتھ کئی بار مختلف اوقات میں دور کرنا پڑتا ہے، دل و دماغ پر یاد کرنے کی فکر سوار رہتی ہے اس لئے اب تک حاضری کا موقع نہ مل سکا حضرت والا سے دعا کی درخواست ہے۔

حضرت: چند ماہ سے ایک احساس دل میں ہے، حضرت کی خدمت میں حاضری کے بعد اس احساس میں اور اضافہ ہو جاتا ہے ہو سکتا ہے یہ احقر کا وہم ہو۔ لیکن حضرت کی خدمت میں پیش کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے، وہ یہ کہ جب سے حضرت کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے تعلق کی دولت سے نوازا، احقر کی مسلسل نالائقی کے باوجود حضرت کی خاص شفقت ہمیشہ دلنوازی و حوصلہ افزائی کرتی رہی۔ اور حضرت والا کی خصوصی توجہ

---

[1] یعنی سفر عراق، وکویت و حرمین شریفین۔

اور عنایات کا دل عادی ہو گیا ہے اس میں ذرا بھی، بلکہ ذرہ برابر بھی کمی محسوس ہوتی ہے تو دل ڈوبنے لگتا ہے، اور دل کی پوری کائنات تاریک محسوس ہونے لگتی ہے، اب چند ماہ سے احقر کچھ ایسا ہی محسوس کر رہا ہے، ہو سکتا ہے یہ محض میرا واہمہ ہو، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اسکا سبب حضرت کی ناسازئ طبع ہو، لیکن یہ خوف دل بے چین کرتا ہے، کہ کہیں یہ اس نا لائق وسیہ کار کی مسلسل غلط کاریاں اور سستی تو رنگ نہیں لا رہی، کہیں حضرت والا اس ناکارہ غلام کی اصلاح سے خدانخواستہ مایوس تو نہیں ہو گئے؟

حضرت والا! اس ناکارہ غلام کے پاس کوئی بھی ایسی چیز نہیں جس پر دل کو مطمئن کیا جا سکے، سوائے حضرت والا سے تعلق و محبت کے، حضرت سے تعلق و محبت ہی اس ناکارہ غلام کی سب سے بڑی پونجی ہے اور حضرت کی شفقت و عنایات اور توجہ ہی سب سے بڑا سرمایہ۔ اللہ تعالیٰ اس سرمایۂ عظیم کی حفاظت فرمائے، اس میں اضافہ فرمائے اور ہمیشہ باقی رکھے۔

دل یہ باتیں عرض کرنے کے لئے بے چین تھا، ان میں جو باتیں خلاف ادب ہوں ازراہِ کرم معاف فرما کر اصلاح فرما دیں، والسلام

حضرت والا نے تحریر فرمایا کہ

" وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

تمہارے خط سے تمہارے قلبی جذباتِ محبت محسوس ہو کر مجھے خوشی بھی ہے، اور تمہارے لئے نیک فال بھی ہے، انشاء اللہ تم کو اس جذبۂ محبت کے ثمرات دنیا میں بھی ملیں گے اور آخرت میں بھی اور یہی جذبات انشاء اللہ تمہید ہیں تعلق مع اللہ و حب اللہ کی!

مطمئن رہو میں تمہارے لئے دل و جان سے تمام دین و دنیا کی فلاح کی دعاء کرتا ہوں۔"

تسلیم و رضا، اور رجاء و فنائیت

حضرت کو اللہ تعالیٰ نے تسلیم و رضا، اور رجاء و فنائیت کا ایسا مقام عطا فرمایا تھا کہ احقر نے سخت سے سخت حوادث میں بھی آپ کے چہرے پر پریشانی، غصہ، یا گھبراہٹ نہیں دیکھی، آپ کے اخلاق و عادات سنت کے حسین سانچے میں ڈھلے ہوئے تھے، آپ اکثر اوقات ہشاش بشاش رہتے، چہرے پر تبسم رہتا، ہر ایک سے خندہ پیشانی اور محبت کے ساتھ اسطرح ملتے اور اس کو اتنی دعائیں دیتے کہ بس وہ نہال ہی ہوجاتا تھا، اللہ تعالیٰ کی ایک ایک نعمت کا ذکر اور استحضار، اور زبان پر "اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ وَلَکَ الشُّکْرُ" جاری ہوجاتا، غم کے وقت آہستہ آہستہ "اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ" کا تکرار فرماتے۔ ناگواری تعجب اور غصہ کے موقع پر آپ کی زبان سے بے اختیار "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ" کا کلمہ جاری ہوجاتا، ویسے بھی آپ کا تکیۂ کلام "لَآ اِلٰہَ اَلَّا اللّٰہ" تھا۔ ہر حالت میں راضی برضا رہتے تھے۔ خود ہی فرماتے ہیں ؎

منازل بے خودئ شوق کے سب ہوچکے پورے
بس اب باقی رہا ہے محوِ لذاتِ فنا ہونا

لوگ اپنی باطنی بیماریاں، جسمانی تکلیفیں، خانگی و کاروباری اُلجھنیں اور دیگر پریشانیاں حضرت کے سامنے بیان کرتے، آپ انہی بیماریوں اور پریشانیوں کے حال میں سے اُمید و رجاء کا کوئی نہ کوئی پہلو نکالکر انکے سامنے کردیتے، ڈھارس بندھاتے، تسلیاں دیتے، اور مشوروں اور دعاؤں سے نوازتے۔ مایوسی اور پریشانی کو اپنے پاس آنے دیتے تھے نہ دوسروں کے پاس۔ خود ہی فرماتے ہیں کہ ؎

آلامِ روزگار سے دل آشنا نہیں
ممنون عشق ہوں کہ غمِ ماسوا نہیں

پابندی اوقات

زندگی کے تمام کاموں کے لئے صبح سے رات تک کا ایک مستحکم نظام الاوقات مقرر تھا،

جس کی پابندی صحت و بیماری میں اس طرح فرماتے تھے کہ انکو دیکھکر گھڑی ملائی جا سکتی تھی۔ جب تک بیماری کی شدت سے بالکل بے بسی نہ ہو جائے معمولات میں فرق نہ آنے دیتے تھے۔ شدید مجبوری کی حالت میں بھی کوشش یہ رہتی تھی کہ کسی بھی معمول کا بالکلیہ ناغہ نہ ہو، اُس معمول کی مقدار گھٹا دیتے تھے۔ مگر حتی الامکان ناغہ نہ فرماتے تھے۔ احقر کو بھی کئی بار تلقین فرمائی کہ "شدید تکلیف یا کسی اور مجبوری کے باعث اگر ہر تسبیح پوری پوری پڑھنا ممکن نہ ہو تو۔ ہر تسبیح صرف ۳۳ بار یا ۱۱ بار، یا ۳ بار ہی پڑھ لیا کریں۔ ایسا کرنے سے ناغہ شمار نہیں ہوتا۔ اور ناغہ ہو ہی جائے تو اس کی قضا کر لیا کریں۔

ہمّت و استقامت

آپ کو اللہ تعالیٰ نے ایسی ہمت اور حوصلہ عطا فرمایا تھا کہ تندرست نوجوان بھی اس پر حیرت اور رشک کرتے تھے۔ وفات کے وقت آپکی عمر تقریباً اٹھاسی (۸۸) برس تھی، طرح طرح کی جسمانی تکلیفوں کے علاوہ ضعف و نقاہت روز بروز بڑھتی جا رہی تھی مگر ہمت جوان ہی رہی۔ تہجد کے وقت سے رات کے دس بجے تک تمام اوقات شدید مصروفیت میں گذرتے، صرف سہ پہر کو ایک گھنٹہ قیلولہ فرماتے تھے، زندگی کے آخری تین برسوں میں رمضان جس شدید گھلا دینے والی گرمی میں آئے، اس نے نہ جانے کراچی کی گرمی کا کتنے سالہ ریکارڈ توڑ دیا؛ بجلی کی لوڈشیڈنگ اس پر مستزاد تھی، لیکن حضرت والا کی ہمت میں فرق نہ آیا، مطب چھوڑا نہ روزے چھوڑے، مطب میں مریضوں کا بے پناہ ہجوم ہوتا تھا، وہاں پہنچکر حضرت کو سر اُٹھانے کی فرصت نہ ہوتی تھی، مگر ہر مریض کی دلداری اور اس پر بھرپور توجہ میں فرق نہ آنے دیتے تھے۔ حسبِ سابق عصر کی نماز محلے کی مسجد میں پڑھکر مغرب تک وہیں ذکر و دعا میں مشغول رہتے، مختصر افطار کر کے مغرب کی نماز اور اوابین سے فارغ ہو کر گھر تشریف لاتے تھے ——— ہمیں نصیحت کرتے ہوئے بار بار فرمایا کرتے تھے کہ:

> "میں نے دو گُر ایسے سیکھے ہیں کہ اُن سے مجھے زندگی کی تمام مشکلات میں آسانی مل ہے۔ ایک ہمّت اور دوسرے پابندیٔ اوقات۔ ان دو چیزوں سے مشکل سے مشکل کام آسان ہو جاتے ہیں، میں نے زندگی کے ہر مرحلے میں اِن

سے کام لیا جائے۔"

ہر ایک سے محبت

آپ جس سے بھی ملتے اسے محبت اور دعاؤں سے نہال فرما دیتے تھے، آپ سے جس کا بھی تعلق تھا وہ یہ محسوس کرتا تھا کہ حضرت کو مجھ سے خصوصی محبت ہے، حیرت ہوتی تھی کہ اتنی مصروفیت میں ہزاروں اہلِ محبت کا حق الگ الگ کیسے ادا کرتے ہیں؟ اور جس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت سمائی ہوئی ہو، وہ اتنی محبتوں کو اپنے دل میں کیسے جمع کرتا ہے؟ لیکن دیکھا جائے تو درحقیقت یہ ایک ہی محبت کے بے شمار مظاہر تھے۔ محبوب کی ہر چیز محبوب ہوتی ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ جو محبوب حقیقی ہیں، انکی ہر مخلوق سے آپ کو محبت تھی ——— ایک مرتبہ فرمایا کہ:

"اللہ تعالیٰ کی محبت کا مصرف یہ ہے کہ اللہ کی اطاعت کرو، اور مخلوق خدا سے محبت کرو۔"

زندگی کے آخری سفرِ لاہور میں آپ نے فارسی کا یہ لطیف شعر بار بار عجیب انداز میں سُنایا، جو درحقیقت حضرت والا کی اسی محبت کا ترجمان ہے ؎

بلبلِ چوں کسے سوئے تو، گیرم سرِ راہش
تا ذوقِ تماشائے تو، دُزدم زنگاہش

اندازِ تربیت

اصلاح و تربیت کا انداز نہایت آسان، حوصلہ افزا، اور لبا اوقات غیر محسوس ہوتا تھا، آپکی تعلیم و تربیت، حدیث کے ارشاد "یَسِّرَا وَلَا تُعَسِّرَا" (آسانی پیدا کرو۔ مشکل نہ بناؤ) کی دلکش عملی تفسیر تھی۔ آپ کے تمام ارشادات میں رجا و محبت، اور ترغیب کا پہلو ہی غالب رہتا تھا، طالب کو کسی بھی حال میں مشکل محسوس نہ ہونے دیتے تھے۔ اس کا حوصلہ بڑھاتے رہتے تھے، آپ کی آسان تعلیم و تربیت کا اندازہ کرنا ہو تو حضرت کا رسالہ "معمولاتِ یومیہ و مختصر نصابِ اصلاحِ نفس"، کا بہ غور مطالعہ کیا جائے، پوری طریقت کا گویا عطر نکال کر رکھ دیا ہے، تمام فضائل کے حصول، اور تمام رذائل

سے گلو خلاصی کے لئے اُس میں چار گُر (صبر[۱]، شکر[۲]، استغفار[۳]، استعاذہ[۴]) ایسے ارشاد فرما دیئے ہیں اور انکا ایسا آسان اور زود اثر طریقہ بتلا دیا ہے کہ نہ کوئی وقت خرچ ہوتا ہے نہ محنت، صرف زاویۂ نگاہ تبدیلی، اور معمولی توجہ سے مراحل سلوک طے ہوتے رہتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ سے ایک خاص تعلق پی ہوتا چلا جاتا ہے جس کا اثر تمام اعمال واخلاق پر ہوتا ہے —— آخر زمانے میں یہ شعر آپ بکثرت پڑھا کرتے تھے کہ ؎

سن لو مجھ سے میری باتیں شاید کبھی کام آجائیں
وقت فسانہ بن جائے گا، پھر کون کسے یاد آتا ہے

یہ شعر بھی بار بار پڑھا کرتے تھے

مجھی سے سُن لو جو سُننا ہے غم کی داستاں میری
کہاں سے لائے گا پھر کوئی دل میرا زباں میری

ایک مرتبہ میں نے اپنی یہ تشویش عرض کی کہ "حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بار مجھ سے فرمایا تھا کہ "میں تمہارے اندر ترفع محسوس کرتا ہوں" —— آپ نے یہ سنتے ہی مسکرا کر بے ساخ اور برجستہ فرمایا! "پھر آپ نے ان سے یہ کیوں نہ کہہ دیا کہ آپ نے میرا نام رفیع کیوں رکھا تھا!"

ایک اور موقع پر میں نے پھر یہی اُلجھن عرض کی تو فرمایا "حضرت مفتی صاحب بڑے حکیم تھے، انہوں نے یہ جملہ فرما کر دل میں خلش پیدا کر دی ہے، بس یہی خلش اسکا علاج ہے۔"

متعدد بار احقر نے اپنی اسی قسم کی مختلف اُلجھنوں کا ذکر کیا تو کبھی تو بہت آسان سا علاج بتا دیا، کبھی یہ فرمایا کہ جب احساس پیدا ہو گیا ہے تو یہی احساس اسکا علاج ہے۔ اور کئی بار یہ فرمایا کہ "زیادہ کاوش کی ضرورت نہیں" اور کبھی فرمایا "کاوش نہ کی جائے"

دارالعلوم میں مجلس منتظمہ کے اجلاسوں، افتتاحِ بخاری شریف، اور ختمِ بخاری شریف کے موقع پر آپ پابندی سے تشریف لاتے تھے۔ ایک مرتبہ ختمِ بخاری کے بعد دوپہر کا کھانا سب مہمانوں کے ساتھ

---

[1] اس پورے مضمون میں احقر نے حضرت والا کے جو ارشادات نقل کئے ان میں سے اکثر احقر کے پاس لکھے ہوئے محفوظ نہیں، اپنے حافظہ سے لکھے ہیں، رفیع

تناول فرما رہے تھے، احقر پاس بیٹھا تھا، موقع دیکھ کر اپنی ایک بہت دیرینہ خلش حضرتؒ سے یہ عرض کی کہ:

> "میرا مزاج یہ ہے کہ جب بھی کوئی چیز خریدتا ہوں، معمولی چیز خریدنے پر قادر نہیں ہوتا، اعلیٰ اور نفیس چیز کتنی ہی مہنگی ہو وہی خریدتا ہوں، ورنہ نہیں خریدتا اسی طرح گھر یا دفتر وغیرہ میں کوئی چیز ٹیڑھی یا غیر متوازن نظر آئے تو جب تک وہ ٹھیک نہ ہو جائے، نظر بار بار وہیں اُلجھتی رہتی ہے۔"

ضرتؒ نے فرمایا

> "بھئی یہ بیماری ہمیں بھی ہے، دیکھئے یہ دو دسترخوان جہاں آپس میں مل رہے ہیں اگر یہ ذرا آگے پیچھے ہو جائیں تو اُلجھن ہوتی رہتی ہے، کسی کے گھر جائیں اور وہاں فرش وغیرہ کے نقوش یا کوئی چیز غیر متوازن نظر آئے تو آنکھوں میں کھٹکتی رہتی ہے، ہم نے تو اس کا علاج یہ کیا ہے کہ جہاں جاتے ہیں وہاں کی چیزوں سے قطع نظر کر لیتے ہیں۔ کیوں خود کو تکلیف میں ڈالیں۔"

حضرت کے ذوق میں نفاست، اور مزاج میں لطافت تھی، تکلف، تصنع، اور نمائش سے نفرت تھی، سادگی محبوب تھی، استعمال میں جو اشیاء رہتی تھیں، اُن میں نفاست اور سادگی ہوتی تھی، تکلف کا نام و نشان نہ تھا۔

خادِم کا منصب

پ نے کئی بار فرمایا کہ:

> "ایک عظیم منصب آپ کو ایسا بتاتا ہوں کہ اس سے آپ کو کوئی معزول نہیں کر سکتا، کوئی اس پر حسد نہیں کر سکتا، کوئی اس کی راہ میں رکاوٹ نہیں ڈال سکتا، وہ منصب خدمت ہے، خادم بن جاؤ، ہر کام میں دوسروں کی خدمت کی نیت کر لو۔ ساری خرابیاں "مخدوم" بننے سے پیدا ہوتی ہیں، خادم بننے میں کوئی خرابی ہے نہ جھگڑا، اور یہ منصب سب سے اعلیٰ ہے، کیونکہ ہمارے اللہ میاں کو بندے کی عبدیت

> سب سے زیادہ محبوب ہے۔ سَیِّدُ القَومِ خادِ مُهُم، یہ منصب سب سے اعلیٰ بھی ہے، اور سب سے زیادہ محفوظ بھی۔"

حضرت والاؒ کے مزاج میں خادمیت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، مخدومیت کا نام و نشان نہ تھا۔ ایک دو مرتبہ خود فرمایا کہ:

> "بحمداللہ میں نے عمر بھر اپنی اہلیہ سے بھی اپنے کسی ادنیٰ کام کو نہیں کہا، مثلاً پانی پلادو یا فلاں چیز اُٹھادو، یہ بھی کبھی نہیں کہا، —— یہ اور بات ہے کہ وہ اپنی خوشی سے میرے بہت کام کر دیتی ہیں، اور کبھی سخت سے سخت ناگواری کے موقع پر بھی میں نے ان سے لہجہ بدلکر بات نہیں کی۔"

بالکل یہی بات حضرت کی خود اہلیہ صاحبہ مدظلہا نے بھی ہمارے گھر والوں سے بیان فرمائی احقر عرض کرتا ہے کہ لوگ بزرگوں کی کرامتیں تلاش کرتے ہیں، مگر اس استقامت کے سامنے کرامت کی کیا حیثیت؟ عارفین کا ارشاد ہے کہ "الاستقامَۃُ فوقَ اَلفِ کرامَۃ" یعنی استقامت ہزار کرامتوں پر بھاری ہے۔

جس کی بے نفسی کا یہ عالم ہو کہ بیوی سے بھی عمر بھر کسی کام کو نہ کہے، وہ کسی اور سے کیا خدمت لے گا؟ لیکن حضرت والاؒ کی بے نفسی کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ وہ کسی کی ادنیٰ دلشکنی سے بھی بچتے تھے، چنانچہ خاص اہلِ محبت اگر خدمت کرنا چاہتے تھے تو انکو روکتے بھی نہ تھے۔ سر میں تیل کی مالش، اور پاؤں دبانے کی اجازت بھی دیدیتے تھے —— ایسے ہی ایک دو موقع پر اپنا یہ واقعہ سنایا کہ:

> "ایک بار میں حضرت مولانا سیّد میاں اصغر حسین[1] صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر تھا، موقع دیکھکر میں نے انکے پاؤں دبانے کی اجازت چاہی تو اجازت دے دی، جب میں پاؤں دبا رہا تھا تو آپ نے مزاحًا فرمایا کہ "ایسا معلوم ہوتا ہے تم مخدوم بننا چاہتے ہو۔"

---

[1] دارالعلوم دیوبند کے مشہور محدث، بہت سی مفید کتابوں کے مصنف، حضرت والدِ ماجدؒ کے استاذ، صاحبِ کشف و کرامات بزرگ تھے، اپنے بزرگوں کو احقر نے یہ کہتے سنا ہے کہ وہ "مادر زاد ولی اللہ تھے"۔ بحمداللہ بچپن میں احقر نے بھی بارہا انکی زیارت کی ہے۔ رفیع۔

اشارہ اس طرف تھا کہ جو شخص اپنے بڑوں کی عزت و خدمت کرتا ہے، اس کے چھوٹے اُس کی عزت و خدمت کرتے ہیں۔

علم کی لذّت اور علماء

وفات سے تین ماہ قبل، پیر ۱۷ ربیع الثانی ۱۴۰۶ھ کی مجلس میں فرمایا کہ:

"علم کی صورت کتابوں سے ملتی ہے
علم کی حقیقت عمل سے ملتی ہے
اور علم کی لذت بزرگانِ دین کی صحبت سے ملتی ہے"

ظاہر بین خشک علماء جو بزرگوں کی صحبت سے استفادہ نہیں کرتے ان کے متعلق آپ بکثرت فرمایا کرتے تھے کہ:

علماء میں اِلّا ماشاءاللہ یہ امراض عموماً پائے جاتے ہیں۔

۱ــــ **تاویل کوشی** (یعنی اپنی غلطی اور کوتاہی کا اعتراف نہ کرنا، اور اسکی تاویل کرنا)

۲ــــ **جمود** (یعنی حق پرستی کی بجائے اپنی رائے پر جمے رہنا۔)

۳ــــ **خود بینی و خود رائی** (یعنی اپنے کمالات پر ناز، اور خود جو بات سمجھ میں آجائے اس پر مطمئن ہوجانا، دوسروں کے مشورے کی پروانہ کرنا۔)

۴ــــ **حبّ جاہ** (یعنی لوگوں کے دلوں میں اپنی عظمت پیدا ہوجانے کی خواہش)

حبّ جاہ کا ایک علاج

حضرتؒ نے کئی بار فرمایا کہ ناطقؔ کے اس شعر کا استحضار کیا جائے تو یہ حبّ جاہ کا بہت آسان علاج ہے۔

سرد ہو جاتی ہے حبّ جاہِ دنیا جس کے بعد
اک ذرا سی بات ہے، اے دل۔ کہ "پھر کیا اسکے بعد"؟

اللہ کی محبّت پیدا کرنے کا طریقہ —— اور محبت کا مصرف

فرمایا کہ دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ

١ —— اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا دھیان کرو، اور ان پر شکر ادا کرتے رہو۔

٢ —— اہلِ محبت کی صحبت اختیار کرو، اور انکے حالات و اشعار اور کتابوں کو پڑھتے رہو۔

٣ —— زندگی کے سب کاموں میں اتباعِ سنت کا اہتمام کرو۔

پھر فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ کی محبت کا مصرف یہ ہے کہ اللہ کی اطاعت کرو، اور مخلوقِ خدا سے محبت کرو"

مُستحبات کا اہتمام

آپ تمام امورِ زندگی میں مُستحبات اور مندوبات کا خاص اہتمام فرماتے تھے، فرماتے تھے کہ

> "فرائض و واجبات کی ادائیگی، اللہ تعالیٰ کی عظمت کا حق ہے، اور مستحبات پر عمل کرنا، اللہ تعالیٰ کی محبت کا حق ہے۔ مستحبات کو معمولی چیز سمجھ کر ان میں سستی نہ کرنی چاہیئے۔ مثلاً تحیۃ المسجد اور ماثور دعائیں وغیرہ۔ جب تک ان امور کا اہتمام نہ ہوگا، آپ نہ سالک ہو سکتے نہ صوفی۔"

فرمایا:۔ "اللہ تعالیٰ کے ہم پر دو حق ہیں (١) عظمت اور (٢) محبت۔ انہی دونوں حقوق کی ادائیگی کا نام عبادت ہے۔"

فرمایا:۔ "بعض لوگ مستحبات کو اس لئے چھوڑ دیتے ہیں کہ یہ فرض و واجب نہیں۔ میں کہتا ہوں، فرض و واجب نہیں مستحب تو ہیں، تو مستحبات کرنے کے لئے ہوتے ہیں یا چھوڑنے کے لئے؟ یہ آپ سے کس نے کہدیا کہ مستحبات چھوڑنے کے لئے ہوتے ہیں؟
—— یہ مستحبات تو اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا عطیہ ہیں۔ دیکھئے یہ لفظ "مستحب" "حب" سے بنا ہے، جس چیز کا مادۂ اشتقاق ہی "حب" ہو، وہ معمولی چیز کیسے ہو سکتی ہے"؟۔

پاسِ انفاس

ذکر کا ایک خاص طریقہ صوفیائے کرام میں معروف ہے، جسے "پاسِ انفاس" کہا جاتا ہے، ضیاء القلوب میں بھی اسکی تفصیل بیان کی گئی ہے، اس میں محنت بہت ہوتی ہے، آجکل وہ لوگوں کے لئے مشکل ہے، اسکے متعلق حضرت ڈاکٹر صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ:-

> "پاس انفاس" کا جو مخصوص طریقہ معروف ہے، ہمارے حضرت (حکیم الامتؒ) فرماتے ہیں کہ اس کا کوئی بڑا فائدہ نہیں۔ (اس کے بجائے اب آپ کے لئے) "پاسِ انفاس" یہ ہے کہ اپنے ہر نَفَس (سانس) کا محاسبہ کریں (یعنی) صبح سے رات تک تمام حرکاتِ زندگی کا جائزہ لیں، خانگی امور، بیوی بچوں کے ساتھ معاملات۔ کھانے، نشست و برخاست، دفتر اور باہر کے مشاغل میں تامل کریں، کون کون سے کام صحیح نیت سے شریعت کے مطابق ہو رہے ہیں ان پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں، اور کون سے کام شریعت و سنت کے خلاف ہوئے ان پر استغفار کریں۔ سوچیں نفس اور شیطان کہاں کہاں بہکاتے ہیں۔ فضائل کے محرکات ہوں یا رذائل کے، سب کا دھیان کریں۔ دوسرے ہمارے ساتھ جو سلوک کرتے ہیں اس پر ہمارے تاثرات و جذبات کیا ہوتے ہیں؟ اور ہم دوسروں کے ساتھ جو سلوک کرتے ہیں، وہ کس نیت اور جذبے سے کرتے ہیں؟ دوسروں کے اور اپنے سلوک کا موازنہ کریں، اور ان سے نتائج اخذ کریں، تاکہ اپنے رذائل پر نظر جانے لگے۔ دوسرے کے تکبر، حسد، کینہ وغیرہ سے آپ نے کیا تاثر لیا؟ اس کو مستحضر کیجئے جو جو تاثرات اپنے نفس کے سامنے آئیں وہ مرشد کو لکھیں۔ دو چار رذائل کی اس طرح اصلاح ہو جائے گی تو انشاء اللہ باقی کی اصلاح کا سلیقہ بھی پیدا ہو جائے گا۔ اور خود راستہ اور علاج سمجھ میں آنے لگے گا۔
>
> چند روزے جہد کن باقی بخند"

صراطِ مستقیم کی عجیب خصوصیت

حضرت والاؒ نے کئی بار فرمایا کہ :۔

"جب آدمی دنیا کے کسی سفر پر روانہ ہوتا ہے، تو اگر منزل پر پہنچ گیا تو سفر کامیاب سمجھا جاتا ہے، نہ پہنچ سکا مثلاً کراچی سے پشاور کے لئے روانہ ہوا مگر راستہ ہی میں انتقال ہوگیا تو سمجھا جاتا ہے کہ سفر ادھورا رہ گیا۔ مگر صراطِ مستقیم ایسا عجیب راستہ ہے کہ اس پر آدمی کو جہاں بھی موت آجائے وہیں منزل ہے۔ اسی لئے سورۂ فاتحہ میں صراطِ مستقیم کی دُعا سکھائی گئی، اور ہر نماز کی ہر رکعت میں اسے پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔"

"برصراطِ مستقیم اے دل کسے گمراہ نیست"

نفسانی اور شیطانی دھوکہ کا فرق

یہ ارشاد بھی حضرت والاؒ نے بار بار فرمایا کہ :۔

"انسان کو دھوکہ شیطان بھی دیتا ہے، اور نفس بھی، مگر دونوں کے طریقہ کار میں فرق ہے۔ شیطان کسی گناہ کی ترغیب اس طرح دیتا ہے کہ اسکی تاویل سُجھاتا ہے کہ یہ کام کرلو اس میں دنیا کا یا دین کا فلاں فائدہ اور فلاں مصلحت ہے۔ جب کسی گناہ کے لئے تاویل و مصلحت دل میں آئے تو سمجھ لو کہ یہ شیطان کا دھوکہ ہے

اور نفس گناہ کی ترغیب لذت کی بنیاد پر دیتا ہے، کہتا ہے یہ گناہ کرلو بڑا مزا آئے گا۔ جب کسی گناہ کا خیال لذت حاصل کرنے کے لئے آئے تو سمجھ لو کہ یہ نفس کا دھوکہ ہے۔ شیخ کی ضرورت نفس و شیطان کے دھوکوں ہی سے بچنے کے لئے ہوتی ہے۔"

ایک لحاظ سے نفس و شیطان بھی ہمارے محسن ہیں

یہ بات حضرت والاؒ خوب لطف لے لے کر فرمایا کرتے تھے کہ :-

"بھئی ہر وقت نفس و شیطان کے پیچھے بھی نہ پڑے رہا کرو، ایک لحاظ سے دیکھو تو یہ بھی ہمارے محسن ہیں، انکے وساوس نہ ہوتے تو ہمارے درجات میں کیسے ترقی ہوتی؟ دیکھو یہ ہمیں گناہوں کی رغبت دلاتے ہیں، مگر ہم عزم کر کے گناہ سے بچ جاتے ہیں، تو ترکِ گناہ کا ثواب ہمارے نامۂ اعمال میں لکھدیا جاتا ہے —— اور اگر خدانخواستہ گناہ سرزد ہو ہی گیا تو ہم کو فوراً ندامت ہوتی ہے۔ توبہ و استغفار کرتے ہیں، اپنی عاجزی اور نالائقی کا احساس پیدا ہوتا ہے، تقویٰ و پرہیزگاری کا گھمنڈ ختم ہو جاتا ہے، دل میں شکستگی اور تواضع پیدا ہوتی ہے۔ یہی عبدیت ہے جو اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ پسند ہے۔ تو دیکھو نفس و شیطان تو ہمارے لئے بلندیٔ درجات، اور اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔ بس شرط یہ ہے کہ آدمی ان کی حیلہ سازیوں سے غافل نہ رہے۔

سفر

حضرت والاؒ سفر بہت کم فرماتے تھے، کراچی سے حج و عمرہ کے سفر کے علاوہ ایک سفر سکھر کا احقر کے علم میں ہے جو حضرت حکیم سید محمد ابراہیم صاحب کی عیادت کے لئے فرمایا تھا۔ اس سفر میں حضرتؒ بابا نجم احسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ ہمارے عزیز دوست جناب محمد کلیم صاحب بھی ساتھ تھے، جو ماشاء اللہ ہمارے حضرتؒ کے خلیفۂ مجاز ہیں، انہوں نے ایک بار اس سفر کی بعض پرلطف باتیں سنائی تھیں۔ کاش وہ ان کو قلم بند فرمادیں تو انشاء اللہ سب کے لئے دلنواز اور بصیرت افروز ہوں گی۔

تین چار مرتبہ لاہور کا سفر "مجلس صیانۃ المسلمین" کے سالانہ اجلاس میں شرکت کے لئے فرمایا۔ لاہور کے ان تمام سفروں میں حضرت حاجی ظفر احمد تھانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ساتھ

تھے ان میں سے ایک سفر میں بحمد اللہ احقر کو اور برادرِ عزیز مولانا محمد تقی عثمانی صاحب سلمہٗ کو بھی شرفِ ہمرکابی نصیب ہوا ــــــ حضرت والاؒ جہاز کے وقت سے کافی پہلے ایر پورٹ پہنچے ہم دونوں بھائی وہاں پہلے سے منتظر تھے، گاڑی ہی میں سے ہم پر نظر پڑی تو چہرۂ مبارک پر دل آویز تبسم بکھر گیا۔ حضرتؒ کے ساتھ سفر بڑا پُر لطف ہوتا تھا، ایسے مواقع میں حضرت عموما تفریح کی باتیں کیا کرتے تھے۔ اور انہی تفریح کی باتوں میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا ذکر بڑے دلکش انداز میں فرمایا کرتے تھے۔ جہاز میں بیٹھنے، اور جہاز کے چلنے کے وقت مسنون دُعائیں پڑھیں، او جب جہاز فضاء میں بلند ہونے لگا تو چند منٹ کھڑکی سے شہر کا نظارہ فرماتے رہے، جب یہ نظار اوجھل ہو گیا، اور جہاز فضا میں خوب بلند ہو گیا تو فرمایا کہ:۔

> "اس وقت بھی کچھ ذکر کر لینا چاہیئے۔ اس فضاء میں بھی اللہ کی یاد اور ان کے ذکر کے کچھ نشانات چھوڑ دینے چاہییں شاید کسی وقت یہ فضائیں بھی اللہ تعالیٰ کے سامنے گواہی دیں۔"

کچھ دیر ذکر میں مشغول رہنے کے بعد چند منٹ خاموشی رہی، پھر پُر لطف گفتگو شروع فرما دی۔

اس سفر کے علاوہ تین اور سفروں میں بھی احقر کو بحمد اللہ حضرت کی کفش برادری کی سعادت نصیب ہوئی، دو بار پنڈی کے سفر میں، ایک بار لاہور کے سفر میں ــــــ یہ تینوں سفر پاکستان کی ایک اہم شخصیت کی نجی دعوت پر ہوئے تھے۔ پنڈی کے پہلے سفر میں برادرِ عزیز مولانا محمد تقی عثمانی بھی ساتھ تھے۔ اُس موقع پر معزز میزبان نے حضرت کی خدمت میں یہ پیغام بھیجا تھا کہ:

> "میرا نکاح حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحبؒ نے پڑھایا تھا، میرے چھوٹے بھائی کا نکاح حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے پڑھایا۔ میرے گھرانے کے فلاں شخص کا نکاح حضرت حاجی محمد شریف صاحب نے پڑھایا تھا۔ یہ تینوں بزرگ حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء ہیں، اب میری بیٹی کا نکاح ہے، اور میری خواہش ہے کہ اس کا نکاح آپ پڑھا دیں۔"

حوالہ مُرشد تھانوی کی نسبت کا آگیا تھا، حضرت والاؒ نے قبول فرما لیا، اور ہم دونوں بھائیوں کو ساتھ چلنے کا حکم دیا۔ سردی کا موسم تھا، کراچی سے سہ پہر کو روانگی ہوئی، اور اگلے دن سہ پہر ہی کو کراچی

واپس تشریف لے آئے۔

زندگی کے آخری دو سفر

اُنہی صاحب کی عقیدت مندانہ دعوت پر دوسرا سفر پنڈی کا، اور تیسرا سفر لاہور کا ہوا، ان دونوں سفروں میں حضرت والاؒ کے دونوں پوتے عزیزم انس سلمہٗ، اور عزیزم حارث سلمہٗ، ساتھ تھے، حضرتؒ نے احقر کو بھی ساتھ چلنے کا حکم فرمایا۔ منگل ۴؍ ربیع الثانی ۱۴۰۶ھ (۱۷؍ دسمبر ۱۹۸۵ء) کی سہ پہر کو بذریعہ جہاز راولپنڈی کے لئے روانگی ہوئی، وہاں اگلے روز آپ نے میزبان کی بیٹی کا نکاح پڑھایا اور اس سے اگلے روز یعنی ۱۹؍ دسمبر جمعرات کو ظہر کے وقت کراچی واپس تشریف لے آئے۔ پھر اگلے منگل یعنی ۱۱؍ ربیع الثانی ۱۴۰۶ھ (۲۴؍ دسمبر ۱۹۸۵ء) کو کراچی سے لاہور تشریف لے گئے، جہاں انہی صاحب کے صاحبزادے کا نکاح پڑھایا۔ اور اس سے اگلے روز یعنی ۲۶؍ دسمبر جمعرات کی سہ پہر کو کراچی واپس تشریف لے آئے —— حضرتؒ کی زندگی کا یہ آخری سفر تھا، جو وفات سے صرف تین ماہ قبل ہوا۔

پنڈی اور لاہور کے ان سفروں میں عبرت و موعظت، امر بالمعروف و نہی عن المنکر، اور آپ کے خاص انداز نصیحت و تربیت کی جو مثالیں سامنے آئیں، وہ ایک مستقل درس کی حیثیت رکھتی ہیں۔ جن کے لئے ایک مستقل ہی مضمون کی ضرورت ہے —— حضرتؒ کی بھی خواہش تھی کہ اِن تینوں سفروں کی روئداد قلمبند کر کے محفوظ کر لی جائے، مگر ابھی شائع نہ کی جائے، اس کی کچھ یادداشتیں احقر کے پاس درج ہیں، کچھ حافظے ہی میں ہیں، اور کچھ باتیں عزیزم حارث سلمہٗ کے پاس کیسٹ میں محفوظ ہیں —— یہ سبق آموز تفصیلات بھی ایک اہم امانت ہیں، اللہ تعالیٰ مرتب کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

سفرِ آخرت کی تیاری

یوں تو حضرت والاؒ کی پوری زندگی، سفرِ آخرت ہی کی تیاری کا عملِ پیہم تھی، لیکن ہمارے سامنے اپنی موت کا ذکر صراحت سے نہیں فرماتے تھے —— جب سے نقاہت زیادہ ہو گئی تھی اس وقت

سے البتہ اشارۃً کنایۃً اس طرف بھی توجہ دلاتے رہتے تھے، چند ماہ سے تو تقریبًا ہر ملاقات میں کسی نہ کسی انداز سے اس کا اظہار فرمانے لگے تھے۔ اور اب تو وہ خاموشی سے بالکل آخری تیاریو میں لگے ہوئے تھے، وصیت نامے کو بھی آخری شکل دے رہے تھے ـــــ جب کسی معامل میں ذرا بھی تردُّد ہوتا تو اہلِ فتویٰ علماء سے تحقیق کئے بغیر عمل نہ فرماتے تھے ـــــ وفات سے تقریبًا تین ماہ قبل احقر کو تنہائی میں اپنی کچھ قلمی یادداشتیں سپرد کرتے ہوئے فرمایا کہ :

> "عرصۂ دراز سے میں وصیت نامے کے سلسلے میں یہ یادداشتیں لکھتا رہا ہوں، جو میری املاک وغیرہ سے متعلق ہیں، تم انکا شرعی نقطۂ نظر سے بغور جائزہ لیکر انکو اس طرح مرتب اور مکمل کر دو کہ کوئی بات شریعت کے خلاف نہ رہ جائے۔ اور کسی بات میں ایسا اجمال نہ رہ جائے جو میرے بعد وارثوں کے لئے کسی اُلجھن کا باعث ہو"

یہ حضرت کا کرم بالائے کرم تھا کہ احقر کو اس ذاتی خدمت پر مامور فرما کر اظہارِ محبت فرما لیکن وہ وصیت نامہ احقر نے کسی قلبی کشمکش، اور کیسے لرزتے ہوئے ہاتھوں سے لکھا، اس کیفی کی یاد آج بھی دل میں تازہ ہے۔ ؎

عارفی کچھ احتیاطِ ضبطِ غم کی حد بھی ہے
خود پھُنکے جاتے ہیں اب تو اپنے سوزِ دل سے ہم

جب وصیت نامے کا مسودہ تیار کر کے خدمت میں پیش کیا تو حضرت پڑھکر بہت مسرو مطمئن ہوئے، اور حسبِ عادت دعائیں دیں ـــــ لیکن میرا سہما سہما دل گویا حضرتؒ ہی کا یہ شعر پڑھ رہا تھا ؎

اے کاش کہ تھم جائے یہ گردشِ دوراں
کچھ ٹھہر جائیں یہ شام و سحر اور

وفات سے پونے دو ماہ قبل کی ایک مجلس

حضرتؒ کے ارشادات بروقت قلمبند کرنے کا احقر کو شاذو نادر ہی موقع ملا، کبھی کبھی مختل

پرچوں پر مختصر یادداشتیں نوٹ کرلیا کرتا تھا، وہ پرچے احقر کے پاس محفوظ ہیں، اس مضمون میں حضرتؒ کے جو ارشادات احقر نے نقل کئے ہیں، ان میں جگہ جگہ ان پرچوں سے بھی مدد لی گئی ہے۔ آخر میں ایک کاپی اسی کام کے لئے بنائی تھی، مگر اس میں صرف تین چار ہی مجالس کی خاص خاص باتیں نوٹ کرنے کی نوبت آئی تھی کہ حضرت والاؒ ہم سے رخصت ہی ہو گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ اُن مجالس کی بعض باتیں یہاں نقل کرتا ہوں۔

وفات سے پونے دو ماہ قبل پیر ۲۲ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۶ھ کی مجلس شروع ہوئی تو چہرے پر ضعف و اضمحلال کے آثار بہت تھے، فرمانے لگے :-

”بے ثباتی کا استحضار ضعیفی میں زیادہ ہونے لگتا ہے
جو وقت بھی سکون سے گذرے زہے نصیب
کیا اعتبار گردشِ لیل و نہار کا “

پھر فرمایا

”ہم نے انگریزی، اردو اور فارسی کی بہت کتابیں پڑھیں، نہ جانے کتنے موضوعات اور علوم کی کتابیں پڑھ ڈالیں، مگر ایک موضوع پر کوئی کتاب نہ پڑھی، اور وہ ہے برزخ “

اس کے بعد شاہ بو علی قلندر رحمۃ اللہ علیہ کی خود نوشت سوانح کے حوالے سے اُن کا ایک عجیب و غریب واقعہ سنایا، جو برزخ ہی سے متعلق ہے، اور آخر میں فرمایا کہ :-

”انہوں (شاہ بو علی قلندرؒ) نے حساب کرکے لکھا ہے کہ برزخ کے چار منٹ دنیا کے دو سو سال کے برابر ہوتے ہیں “

پھر آپ نے حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے حجام، اور حضرت صابر صاحب رحمۃ اللہ علیہ (پیران کلیر) کا ایک دلچسپ واقعہ سُنایا، اس کا تعلق بھی برزخ سے تھا۔

اسی مجلس میں یہ واقعہ سُنایا کہ حضرت (تھانویؒ) کو ایک صاحب نے لکھا کہ :-

”حضرت سے اتنے عرصہ سے تعلق ہے، مگر میں دنیا اور بیوی بچوں کے کاموں میں اتنا پھنسا رہتا ہوں کہ کچھ حاصل نہ کرسکا۔ اب آخر وقت ہے، مجھے توکّل تو

ہے ہی نہیں، دعاء بھی صرف بیوی بچوں کے لئے مانگتا ہوں۔ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ "

حضرت (تھانویؒ) نے جواب لکھا کہ

" تم نے جو ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگی، یہ خود علامت ہے توکل کی۔ اور تم جو کہتے ہو کہ اب آخرت میں اللہ کو کیا منہ دکھاؤں گا، تو اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ۔ (بے شک جو لوگ اپنے پروردگار سے بے دیکھے ڈرتے ہیں ان کے لئے مغفرت اور اجرِ عظیم ہے) ——— اور بیوی بچوں کے کاموں میں اشتغال تو جہادِ اکبر ہے "

پیر کی آخری مجلس

پیر کی سب سے آخری مجلس، جو ۵ رجب ۱۴۰۶ھ (۱۷ مارچ ۱۹۸۶ء) کو ہوئی، اس میں حضرتؒ کی طبیعت پر اضمحلال بہت تھا، آپ نے بے ساختہ فارسی کا یہ شعر پڑھا:

؎
گاہ آہم می رباید، گاہ اشکم می بُرد
نقدِ من یک مشتِ خاک و این چنیں سیلابہا

مگر فوراً ہی فرمایا

" حضرت (حکیم الامت) نے فرمایا " میں گھر سے خانقاہ آرہا تھا، راستہ میں اپنی کوتاہیوں کو یاد کرتا جارہا تھا کہ ایسا معلوم ہوا کہ مجھ سے فرمایا جارہا ہے کہ دیکھو ہم نے تم کو فلاں صلاحیت عطا فرمائی، فلاں فلاں احسانات کئے، فلاں فلاں کام کروائے ——— بس اللہ تعالیٰ کے انعامات ہی یاد آتے رہے "

پھر فرمایا کہ اس شعر کا استحضار کرتے رہنا چاہئیے کہ ؎

سرد ہو جاتی ہے حُبِّ جاہِ دنیا جس کے بعد
اک ذرا سی بات ہے اے دل کہ، پھر کیا اسکے بعد

اس کے بعد فرمایا کہ

"اپنی کوتاہیوں پر ضرور نظر کرنی چاہیئے، مگر اس میں اتنا انہماک بھی نہیں ہونا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے جن امور صالحہ کی توفیق اور صلاحیت عطا فرمائی ان کا کفرانِ نعمت ہونے لگے ؎

عارفی پیرِ مغاں نے ایسی کچھ ڈالی نظر
میری ہستی سر بسر اعجاز ہو کر رہ گئی"

پھر آپ نے مندرجۂ ذیل اشعار پڑھے

ساقی کی چشمِ مست میں جتنا خمار تھا   آنکھوں سے میں نے بھر لیا سب دل میں عارفی

مرا دل چشمِ مستِ نازِ ساقی کا ہے مے خانہ   جسے پینا ہو آنکھوں سے وہ میری بزم میں آئے

حضرتِ والاؒ یہ مصرعہ آخر حیات میں بار بار سنایا کرتے تھے، آج بھی پڑھا کہ ؏
"کریں گے یاد مجھکو مدتوں یارانِ مے خانہ"

پھر فرمایا کہ

"تشنگی اور چیز ہے اور ناکارگی کا احساس اور چیز ہے، تشنگی اچھی چیز ہے، احساسِ ناکارگی خطرناک ہے، گناہوں کا ارتکاب خطرناک ہے۔ اعمالِ صالحہ میں کمی کا اور کوتاہی کا احساس پسندیدہ ہے۔ یہ احساس کہ بن نہیں پڑتا یہ تشنگی ہے، یہ تکمیل کی طلب ہے۔ تکمیل کسی کی نہیں ہوئی۔

تری شانِ بے نیازی کا مقام کس نے پایا
مری سجدہ گاہ حیرت ترا حسنِ آستانہ

آب کم جو تشنگی آور بدست
تا بجوشد آب از بالا و پست

"عاشقی نام ہے تسلیم و وفاداری کا"

دار العلوم کا رواں تعلیمی سال اختتام پذیر تھا، اسی مجلس کے آخر میں حضرت والا کے مشورے سے طے ہوا کہ دار العلوم (کورنگی) میں ختم بخاری شریف، آنے والے اتوار (۱۱ر رجب) کو سہ پہر تین بجے رکھا جائے، حضرت نے بھی شرکت کا وعدہ فرمالیا، اور یہ کہ حضرت ۱۲ بجے دوپہر کو دار العلوم تشریف لے آئیں گے، اور حسب معمول وہیں کھانا کھا کر ظہر سے قبل آرام فرمائیں گے۔

زندگی کی آخری تکلیف

طے شدہ نظم کے مطابق اتوار ۱۱ر رجب ۱۴۰۶ھ (۲۳ر مارچ ۱۹۸۶ء) کو دار العلوم کے اساتذۂ کرام اور طلبہ، حضرت والا کی تشریف آوری کی خوشیاں منا رہے تھے، صبح ہی سے ہر شخص اس کوشش میں تھا کہ حضرت کی تشریف آوری سے قبل اپنے سب کاموں سے فارغ ہو جائے تاکہ حضرت کی طرف ہمہ تن متوجہ رہ سکے اور انکے ارشادات سے زیادہ سے زیادہ مستفید ہو سکے —— لیکن کاتب تقدیر نے جو فیصلہ ازل میں کر لیا تھا اسکی کسی کو خبر نہ تھی۔ وہاں حضرت کو آج تہجد کے وقت ہی سے پیٹ کی جان لیوا تکلیف شروع ہو چکی تھی، مگر اٹھاسی سال کے سن میں ہمت اب بھی جوان تھی، اسی شدید تکلیف میں آپ تہجد، فجر کی نماز، اور صبح کے تمام معمولات پورے کر کے ناشتہ کئے بغیر وقت مقرر پر مطب تشریف لے گئے۔ دوا استعمال فرماتے رہے، مگر مریضوں کا علاج بھی اسی تن دہی سے جاری رہا۔ پھر طے شدہ وقت کے مطابق ہمارے محترم دوست جناب ممتاز محمد بیگ صاحب کے ہمراہ وہاں سے دار العلوم (کورنگی) بھی ٹھیک بارہ بجے پہنچ گئے۔

گاڑی سے اترے تو سفید براق کپڑے اور ہلکے بادامی رنگ کی صدری زیب تن کئے ہوئے تھے، بدن سے حسب سابق عطر کی ہلکی ہلکی خوشبو پھوٹ رہی تھی، اور چہرے پر حسب عادت تبسم تھا۔ لیکن تکلیف کی شدت سے پیٹ پر ہاتھ رکھے ہوئے، قدرے جھک کر چل رہے تھے، چہرے کی رنگت سفید پڑ گئی تھی، اور آنکھوں میں نقاہت نمایاں تھی، احقر کے دفتر میں داخل ہوتے ہی درودیوار پر نظر پڑی تو فرمایا کہ „ماشاء اللہ اب یہ دفتر بہت اچھا ہو گیا ہے، بھئی ہمارے پیٹ میں صبح سے بہت تکلیف ہے، طاقت و توانائی بالکل نہ تھی، مگر ختم بخاری کی سعادت سے محرو

کو دل نہ مانا " بیٹھتے ہی دریافت فرمایا کہ " مولوی تقی سفر سے کب آئیں گے ؟" وہ بیرون ملک سفر میں تھے، میں نے عرض کیا کہ " انشاءاللہ بدھ تک آجائیں گے " آپ حسبِ معمول باتیں کرنا چاہتے تھے، گفتگو شروع بھی فرمانے لگتے مگر ہاتھ بار بار پیٹ پر جاتا، اور فرماتے " بھئی یہ عجیب قسم کی تکلیف ہے۔" حضرتؒ کے معدے میں شدید تکلیف تھی، جسکی لہریں بار بار اُٹھتی تھیں، حضرت کے لئے بیٹھنا مشکل ہو رہا تھا، ہم لوگوں نے عرض کیا کہ " حضرت تھوڑی دیر آرام فرمالیں، لیکن حضرتؒ نے ٹلا دیا ـــــ مجھے معلوم تھا کہ حضرت قیلولہ کے وقت سے قبل ہرگز نہ لیٹیں گے، خود ہی فرمایا کرتے تھے کہ " مجھے قسطوں میں لیٹنے کی عادت نہیں " ـــــ لیکن تکلیف حد سے بڑھتی دیکھی تو ہم سب کے اصرار پر آرام فرمانے کے لئے تیار ہو گئے، کھانا کھانے سے انکار پہلے ہی فرما چکے تھے، اور قیلولہ کا وقت بھی ہو ہی گیا تھا۔ احقر کے غریب خانے پر تشریف لائے اور مردانہ کمرے میں لیٹ گئے، کسی کروٹ چین نہ تھا، ہر ممکن تدبیر و علاج کے باوجود تکلیف میں اضافہ ہو رہا تھا۔ مجھ سے فرمایا کہ " تم جا کر مہمانوں کے ساتھ کھانے میں شریک ہو جاؤ، میں نے عرض کیا کہ " مہمانوں کے ساتھ شریک ہونے کے لئے بھی حضرت مولانا سبحان محمود صاحب مدظلہم تشریف لے گئے ہیں، اور مجھے حضرت والا کے پاس چھوڑ گئے ہیں۔ اب وہاں میرا جانا ضروری نہیں، میں حضرت ہی کے پاس رہنا چاہتا ہوں " خاموش ہو گئے۔ پھر نماز ظہر کے وقت فرمایا کہ " تم نماز مسجد میں پڑھ آؤ " میں نے عرض کیا کہ " حضرت آپ ہی کے ساتھ پڑھ لوں گا " اجازت دے دی، پھر ظہر کی نماز باجماعت کھڑے ہو کر ادا کی، سنتیں، وافل، اور نماز کے بعد کے تمام معمولات پورے فرما کر لیٹ گئے ـــــ دارالعلوم کے مدرس، عزیزم مولوی راحت علی سلمہٗ، اور جناب ممتاز صاحب جو ٹیلر بھی حضرت کی خدمت میں رہے، پیٹ پر تیل کی مالش کروائی مگر تکلیف اور بڑھ گئی تھی، ختم بخاری کا وقت پوچھا، احقر نے عرض کیا ہ " تین بجے کا وقت طے ہے، لیکن وقت میں ردّوبدل آسانی سے ہو سکتا ہے " حضرت والاؒ نے ردوبدل سے منع فرما دیا ـ جب تین بجے تک بھی تکلیف میں اضافے کا یہی عالم رہا تو فرمایا " ایسا معلوم ہوتا ہے ختم بخاری میں شرکت نہ ہو سکے گی "، پھر فرمایا " اب ہمیں گھر واپس جانا چاہیئے بس واپسی کی بھی قدرت نہ رہے، گھر والے پریشان ہوں گے " ـــــ اس عرصے میں جناب افظ عتیق الرحمٰن صاحب، محترم زبیری صاحب، اور حضرتؒ کے بہت سے پروانے شہر سے یہاں

پہنچ چکے تھے، سب کے ساتھ گاڑیاں تھیں، اور ہر ایک کی خواہش تھی کہ حضرت کو اپنی گاڑی میں لے جائے، لیکن حضرت والاؒ نے سب سے فرما دیا کہ " آپ حضرات ختمِ بخاری میں شریک ہوں، میں انوار کی گاڑی میں چلا جاؤں گا "

غرض آپ عزیزم انوار صاحب کی گاڑی میں دعائیں دیتے ہوئے رخصت ہوگئے ——

کیا خبر تھی کہ اب دارالعلوم میں آپ کی واپسی، یہاں کے قبرستان میں دائمی آرام ہی کے لئے ہوگی

حضرت کے معدے میں درد ضرور تھا، مگر معدے کی تکلیف حضرت والا کو پہلے بھی ہو جایا کرتی تھی، اس لئے شروع میں اسکی سنگینی کا اندازہ نہ ہوا۔ تکلیف کی اس شدت میں ۲۴ گھنٹے سے زائد عرصے تک حضرت کوئی غذا لے سکے نہ کوئی مشروب، طبیعت کسی چیز کو قبول نہ کرتی تھی جس سے گردوں کے عمل میں رکاوٹ پیدا ہوگئی اور پیشاب بند ہوگیا —— پیر کو عصر کے وقت در دولت پر حاضر ہوا تو لوگ حسبِ معمول مجلس کے لئے آئے ہوئے تھے، مگر حضرت والا سخت تکلیف کے سبب باہر تشریف نہ لا سکے تھے۔ ؎

دیکھ کر یہ رنگِ عالم دم بخود ہوں عارفی
جانے یہ کیا ہو رہا ہے، جانے کیا ہونے کو ہے

ہم سب کی رائے تھی کہ اس تکلیف میں حضرت والا کو کسی کے آنے کی اطلاع نہ دی جائے۔ لیکن حضرت کے چھوٹے صاحبزادے جناب مستحسن صاحب نے ازراہِ محبت احقر کی آمد کی اطلاع کردی، اور حضرت نے فوراً یاد فرمالیا ؎

پاتا ہوں عجب کیفیتِ جذبِ محبت
اے محویتِ دل یہ مجھے کس نے کیا یاد (حضرت عارفی)

حضرت والا کا چہرہ جس پر ہمیشہ تبسم ہی دیکھا تھا، تکلیف اور نقاہت کی شدت سے گویا سُت گیا تھا، احقر کو دیکھتے ہی سلام و دعا کے بعد کرب آمیز لہجہ میں فرمایا " مولوی رفیع یہ دو دن ہم پر بڑی تکلیف کے گذرے ہیں " —— میں نے اس خیال سے کہ حضرت کو بولنا نہ پڑے عرض کیا " حضرت مجھے سب تفصیل معلوم ہے، حضرت کو بہت تکلیف ہے، لیکن ان شاء اللہ تشویش کی بات نہیں، جلد آرام ہو جائے گا " —— فرمایا " کچھ پڑھ کر میرے اوپر

دم کر دو"، احقر نے تعمیل کی۔ اسکے بعد رات گئے تک مختلف ڈاکٹروں نے معائنہ کیا، ٹیسٹ وغیرہ کا سلسلہ جاری رہا، صاجزادگان کے مشورے سے محترم جناب ڈاکٹر محمد الیاس صاحب کو حضرتؒ کے علاج اور تیمار داری کا نگران مقرر کیا گیا۔

ایسے میں کس کا دل مانتا تھا کہ گھر واپس جائے، لیکن اہل محبت کا ہجوم تھا جس سے علاج و تیمار داری میں رکاوٹ پیش آرہی تھی، اس لئے مناسب یہی سمجھا گیا کہ ہم سب واپس چلے جائیں۔ اس کے بغیر ہجوم چھٹنے کا امکان نہ تھا، اس لئے بادل ناخواستہ رات گیارہ بجے کے بعد واپس جانا پڑا۔

ہم ہوئے واپس، وائے ناکامئ شوق
رہ گئی اُس بزم ہی میں دل کی حسرت ساتھ (حضرت عارفیؒ)

منگل کو پیٹ کی تکلیف تو تقریباً رفع ہو گئی، لیکن گردوں کا عمل تشویشناک حد تک رک گیا تھا۔ احقر حاضر ہوا تو دواؤں کے اثر سے حضرت والا غنودگی کی سی حالت میں تھے۔ ایک ضعیف سی نظر احقر پر ڈالی اور پوچھا "مولوی رفیع ہیں؟" میں نے فوراً عرض کیا "جی حضرت! رفیع ہے، حضرتؒ کے لئے ہم سب بہت دعائیں کر رہے ہیں" پھر "اچھا بھئی" کہکر آنکھیں بند فرمالیں، جیسے زبان حال سے اپنا یہ شعر فرما رہے ہوں ؎

یہ بھی ہے اِک منظرِ حسن خیال دوست
جس حال میں ہوں رہنے بھی دیں چارہ گر مجھے

بدھ کی صبح حضرت والا کو ناظم آباد ۲ کے "المرتضیٰ ہسپتال" میں داخل کرنا پڑا، جہاں پہنچ کر حالت میں قدرے بہتری کی صورت نظر آنے لگی۔ اہلِ محبت کمرے کی کھڑکی ہی سے حضرتؒ کی زیارت کرتے تھے۔ رات کو کوئی ہسپتال سے واپس جانے کو تیار نہ تھا۔ ؎

مجھ کو رہنے دو یونہی محو تماشائے جمال
نہیں ہوتی جو مرے شوق کی سیری نہ سہی (حضرت عارفیؒ)

لیکن معالجین نے اطمینان دلایا، اور بتایا کہ اب حالت بہتر اور امید افزا ہے، رات میں مزید بہتری کی اُمید ہے۔ اب آپ حضرات کو واپس چلا جانا چاہیئے۔ چنانچہ رات کو حضرت والاؒ کے پاس

آپ کے چھوٹے پوتے عزیزم حارث سلمہٗ حضرت کے چچا زاد بھائی کے صاحبزادے، اور جناب ممتاز صاحب (جوئنیل) رہے۔ میں بھی کمرے میں قریب جاکر حضرت پر آخری بار دم کر کے گیارہ بجے کے بعد واپس آگیا۔ ؎

لے چلے سب تری محفل سے مرادیں دل کی
ہم بھی اک حسرتِ ناکام لئے جاتے ہیں (حضرت عارفی)

اس وقت حضرت والاؒ سو چکے تھے۔ محترم ڈاکٹر حافظ محمد الیاس صاحب نصف شب کے بعد تک وہیں رہے۔ اور جب حالت مزید بہتر محسوس کی تو وہ بھی گھر چلے گئے۔ کیا خبر تھی اب حضرتِ والا بزبانِ حال وہی فرما رہے ہیں جو کبھی بزبان شعر فرمایا تھا کہ ؎

آہ وقتِ نزع، اب کیا کام مشکل رہ گیا
اور اک دم بھر کا باقی قصۂ دل رہ گیا
نوحۂ غم بے صدا ہیں نغمۂ شادی خموش
اب یہ سازِ زندگی عبرت کے قابل رہ گیا

عزیزم دوست جناب محمد کلیم صاحب کا گھر اس ہسپتال کے بالکل قریب تھا، طے ہوا کہ وہ نمازِ فجر کے فوراً بعد ہسپتال پہنچ کر حضرت کی خدمت میں رہیں گے، ان سے احقر نے وعدہ لے لیا تھا کہ صبح ہسپتال پہنچتے ہی وہ احقر کو فون پر حضرت کے حال کی اطلاع دیں گے۔ رات اُمید و بیم کی حالت میں گذری ؎

جس منزلِ دشوار پہ اب دل کا گذر ہے
اک ایک قدم پر وہاں آتا ہے خطا یاد (حضرتِ عارفیؒ)

صبح کو جمعرات تھی، رجب ۱۴۰۶ھ کی ۱۵، اور مارچ ۱۹۸۶ء کی ۲۷ تاریخ۔ نمازِ فجر کے فوراً بعد ٹیلی فون کی گھنٹی بجی ——— دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ ریسیور اُٹھایا تو کلیم صاحب نے رندھی ہوئی آواز میں وہ المناک خبر سُنادی۔ جس کا دھڑکا کئی مہینے سے لگا ہوا تھا ——— ہم دوبارہ یتیم ہو گئے ——— حضرتِ والاؒ ٹھیک اذانِ فجر کے وقت، اذان کا جواب دیتے ہوئے اس دارِ فانی سے رخصت ہو چکے تھے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

صبح گیارہ بجے کے قریب حضرتِ والاؒ کو جناب کلیم صاحب اور انکے ایک ساتھی غسل دے رہے

تھے ۔ حضرت کے خادمِ خاص جناب احمد حسین صاحب غسل کا سامان اٹھا اٹھا کر دے رہے تھے ، احقر حضرتِ والاؒ کی کتاب ”احکامِ میت“ کھولے اس میں لکھی ہوئی ہدایات کلیم صاحب کو بتا رہا تھا ، تاکہ کوئی بات حضرت کی ہدایات کے خلاف نہ ہو جائے ۔ برادرِ عزیز مولانا محمد تقی صاحب سلمہٗ احقر کے ساتھ تھے ۔ برادرانِ محترم جناب بھائی حسن عباس صاحب بھائی احسن عباس صاحب ، اور بھائی مستحسن صاحب وہ تبرکات نکال نکال کر ہمارے حوالے کر رہے تھے ، جو حضرت نے اپنے کفن کے لئے جمع کئے تھے ۔

جنازہ تقریباً ساڑھے تین بجے دار العلوم (کورنگی) پہنچا ، خلقِ خدا پروانہ وار ٹوٹی پڑتی تھی ۔ جب حضرتِ والد رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد یہ دار العلوم میں سب سے بڑا مجمع تھا جنازے کی چارپائی میں لمبے لمبے بانس باندھ دیئے گئے تھے ، تاکہ زیادہ سے زیادہ اہلِ محبت کاندھا دینے کی حسرت پوری کر سکیں ، جنازہ آدمیوں کے سمندر میں تیرتا ہوا معلوم ہوتا تھا ، علماء و طلبہ کا بھی عظیم اجتماع تھا ۔

برادرِ عزیز مولانا محمد تقی صاحب سلمہٗ نے تقریباً ساڑھے چار بجے دار العلوم کے اسی میدان میں نمازِ جنازہ پڑھائی جس میں پونے دس سال قبل حضرت والاؒ نے ہمارے والدِ ماجدؒ کی نماز پڑھائی تھی ۔ نمازِ جنازہ میں شرکت کے لئے پنڈی ، لاہور ، سکھر ، حیدرآباد اور نہ جانے کتنے شہروں سے لوگ آئے تھے ، صدرِ پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق صاحب بھی پنڈی سے خاص اسی مقصد کے لئے عین وقت پر ایرپورٹ سے سیدھے دار العلوم پہنچے تھے ۔ گورنر سندھ ، اور اعلیٰ شہری حکام نے بھی نمازِ جنازہ میں شرکت کی سعادت حاصل کی ـــــــــ دار العلوم کے قبرستان میں حضرت والدِ ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے قریب ہی آپ کو سپردِ خاک کیا گیا ۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۔

نہ جانے حضرت والاؒ نے یہ شعر کس کے بارے میں فرمایا تھا ؎

نیرنگِ حسن و عشق کی وہ آخری بہار
تُربت تھی میری اور کوئی اشک بار تھا

مگر میرے پاس اس سوال کا ایک جواب ہے ، اور وہ یہ کہ حضرت کا یہ ارشاد ان شاء اللہ اپنے ان تمام اہلِ محبت سے متعلق ہے جو مزار پر آ کر ایصالِ ثواب کے ذریعہ حقِ محبت ادا کریں گے ۔ کیونکہ زندگی میں

بھی حضرت والاؒ اپنے پاس آنے والوں سے بہت ہی خوش ہوا کرتے تھے، اور حضرتؒ ہی نے یہ بھی فرمایا تھا کہ ؎

مجھے حق محبت کی بس اتنی ہی تمنا ہے
دعائے خیر کر لینا جو مری یاد آجائے

احقر نے یہ صفحات ایسے عالم میں سپردِ قلم کئے ہیں کہ جذبات کا نہ الفاظ ساتھ دے سکے، نہ قوتِ گویائی بس حضرت والا کے اشعار ہی قدم قدم پر میرے جذبات کی ترجمانی کرتے رہے ؎

کچھ یہی محسوس ہوتا ہے وفورِ شوق میں
ہر ادائے دوست جیسے میرے دل کا راز ہے (حضرتِ عارفیؒ)

جب ہی تو حضرت والاؒ نے فرمایا تھا کہ ؎

اے عارفی اپنے دلِ پُرشوق کی باتیں
اچھا ہے کہ تو اپنی زباں ہی سے سُنائے
ممکن ہے کوئی کاشفِ اسرارِ محبت
پھر محفلِ احباب میں آئے کہ نہ آئے

اور یہ فرما کر بھی حضرت نے ہم سب کے دل کی بات کہی ہے کہ ؎

محفلِ سوز و گداز غم کو گرمائے گا کون
اہلِ دل کو اپنے دردِ دل سے تڑپائے گا کون
موجزن ہے کس کے دل میں آتشِ سیالِ غم
مستئ خونِ جگر آنکھوں سے برسائے گا کون
کس پہ طاری ہے جنونِ عشق کی وارفتگی
یوں زباں پر والہانہ رازِ دل لائے گا کون
عارفی میرا ہی دل ہے محرمِ ناز و نیاز
بعد میرے رازِ حسن و عشق سمجھائے گا کون

جب یہ صفحات لکھنے شروع کئے تو وہم وخیال میں بھی نہ تھا کہ مضمون اتنا طویل ہو جائے گا ؎

صرف دو آنسو بہت تھے شرحِ غم کے واسطے
کیا خبر تھی منتظر دریا کا دریا دل میں ہے

(حضرتِ عارفیؒ)

مگر حضرتِ عارفیؒ نے تو یہ پیشنگوئی خود ہی فرمادی تھی کہ ؎

جب کبھی اہلِ وفا یاد کریں گے مجھ کو
جانے کیا کیا مری روداد کے عنواں ہونگے

اللہ تعالیٰ ہم سب کو "اہلِ وفا" میں شامل فرماکر صبرِ جمیل عطا فرمائے، حضرت کے فیوض سے نیا وآخرت میں مالا مال رکھے، اور حضرت کے درجات اعلیٰ علیین میں بلند سے بلند تر فرمائے۔

فانّ للّٰہ ما اخذ ولہ ما اعطیٰ وکل شیئٍ عندہٗ بمقدار۔ فصبرٌ جمیل واللّٰہ المستعان وعلیہ التکلان ولا حول ولا قوۃ الا باللّٰہ العلی العظیم وصلّی اللّٰہ علیٰ رسولہ الکریم الرؤف الرحیم

کتبہ احقر
محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ
۲۱ ربیع الثانی ۱۴۰۷ھ
شب جمعرات

شریف گھر کی عورتوں میں آج کل کے معاشرے میں آزادی بہت بڑھتی جارہی ہے۔ روایات شرم وحیا اور پردہ داری ختم ہوتے جارہے ہیں، محرم ونامحرم کا امتیاز ختم ہوتا جارہا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ناگفتنی واقعات کثرت سے رونما ہو رہے ہیں جنسی قانون فطرت کبھی نہیں بدل سکتا، اس لئے سخت احتیاط کی ضرورت ہے۔

از: افاداتِ عارفیہ

مفتئ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ
کے علمی و عملی کمالات پر مشتمل البلاغ کا

مفتئ اعظمؒ نمبر

۱۳۸۸ صفحات پر مشتمل

اس نمبر کے لکھنے والوں میں

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ
حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ
حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحب — حضرت مولانا شمس الحق صاحبؒ افغانی
حضرت مولانا سرفراز خان صاحب صفدر — حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحبؒ
حضرت مولانا محمد اشرف خان صاحب (پشاور یونیورسٹی) — حضرت مولانا سبحان محمود صاحب مظاہری
حضرت مولانا مفتی محمد رفیع صاحب عثمانی مہتمم دارالعلوم — حضرت مولانا محمد تقی صاحب عثمانی نائب مہتمم دارالعلوم
حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب بلند شہری — جناب ڈاکٹر حمید اللہ صاحب (پیرس)
جناب ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی صاحب — جناب ڈاکٹر تنزیل الرحمن صاحب

اور دوسرے بہت سے مشاہیر اہل علم و اہل قلم شامل ہیں۔

نمبر کی قیمت لاگت کے قریب قریب رکھی گئی ہے یعنی صرف =/۸۰ روپے

ناشر:
مکتبہ دارالعلوم کراچی ۱۴

• حضرت مولانا محمد تقی عثمانی

شیخی وسندی

بچپن میں جب سے آنکھ کھولی۔ اپنے گھر میں وقت کے بڑے بڑے علماء، صلحاء، بزرگوں اور زعماء کی آمد ورفت روز مرہ کے معمول میں شامل دیکھی۔ والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہٗ کی شخصیت ان تمام حضرات میں ایک مرکزی حیثیت کی حامل تھی، اور یہ سب حضرات آپ سے ملنے کے لئے ہمارے گھر میں تشریف لایا کرتے تھے۔ اور اس طرح وہ عظیم شخصیتیں جنہیں دیکھنے اور جن سے ملنے کے لئے ہزارہا لوگ آرزومند رہتے ہیں، ہمیں اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے کسی محنت کے بغیر گھر بیٹھے انکی زیارت اور ملاقات کی سعادت حاصل ہوتی رہتی تھی۔

حضرت والد صاحبؒ سے ملاقات کے لئے آنے والی ان عظیم شخصیتوں کے رنگ مختلف تھے اور ہر ایک کے ساتھ والد صاحبؒ کا معاملہ بھی اسی نسبت سے الگ تھا، مہمان کا اکرام تو شریعت کا حکم ہے، لیکن اس اکرام کے انداز مختلف ہوتے تھے، کہیں یہ صرف اکرام واعزاز ہوتا، کہیں اس اکرام واعزاز میں قدر دانی، کہیں اس کے ساتھ عقیدت اور کہیں اس سے بھی آگے بڑھ کر محبت کی چاشنیاں شامل ہوجاتی تھیں۔

اسی دور میں (تقریباً ۱۳۷۰ھ۔ ۱۳۷۱ھ مطابق ۱۹۵۰ء و ۱۹۵۱ء کے زمانے میں جبکہ میرے بچپن کا بھی آغاز ہی تھا اور ہم برنس روڈ کے ایک مکان میں رہتے تھے) میں دیکھتا تھا کہ کبھی کبھی ایک دراز قامت اور وجیہ و شکیل بزرگ تشریف لاتے ہیں، انتہائی دلکش اور نورانی چہرہ، خوبصورت سفید ڈاڑھی، روئے منور پر سدا کھِلتا ہوا تبسم، لباس میں نفاست اور سادگی کا حسین آمیزہ، سر پر تھانوی انداز کی گول ٹوپی، غرض حُسن، متانت، سادگی، خوش خلقی اور نورانیت کا ایک پیکر مجسّم جس کی ادا ادا سے محبّت و شفقت کی خوشبو پھوٹتی، اور بات بات سے پھول جھڑتے تھے۔

جب کبھی یہ بزرگ ہمارے یہاں تشریف لاتے تو حضرت والدِ ماجد قدس سرہٗ کا اندازِ استقبال بالکل مختلف ہوتا تھا، جس میں اکرام و اعزاز سے زیادہ قلبی مسرّت، بے تکلفی اور اظہارِ دوستی کا رنگ نمایاں تھا۔ حضرت والد صاحبؒ انہیں دیکھتے ہی بے ساختہ کھِل اُٹھتے، چہرے پر بشاشت آجاتی، آگے بڑھکر والہانہ بے تکلفی کے ساتھ ان کا استقبال کرتے، انہیں اپنے قریب بٹھلاتے، اور زبانِ حال سے گویا یہ فرماتے کہ "مشاغل کے اس تابڑ توڑ ہنگامے میں مجھے کچھ دیر آپ کی پرکیف رفاقت کی ضرورت تھی" اور پھر کچھ وقت کے لئے دونوں بزرگ ماحول سے بے نیاز ہو کر اُن باتوں میں محو ہو جاتے جو اس وقت ہماری سمجھ سے تو باہر تھیں، مگر اتنا احساس ضرور ہوتا کہ یہ باتیں دونوں کے لئے اتنی پرکیف ہیں کہ ان سے دونوں پر سرور کا ایک عالم طاری ہے۔

بچپن کی بے شعوری کے باوجود کچھ تو ان بزرگ کی نورانیت کا اثر تھا، اور کچھ والد صاحبؒ کے اس غیر معمولی اندازِ استقبال کا کہ دل انکی طرف کھنچتا تھا، لیکن معلوم کچھ نہ تھا کہ یہ کون بزرگ ہیں؟ والد صاحبؒ کے پاس آنے والے عموماً چونکہ بڑے مشہور اور مقتدر لوگ ہوتے تھے جن میں چوٹی کے علماء سے لیکر اُونچے درجے کے زعماء اور وزراء تک شامل تھے، اس لئے قیاس یہی تھا کہ یہ بھی کوئی بہت بڑے عالم ہوں گے، ان کا کوئی بڑا حلقۂ درس ہوگا، انہوں نے بہت سی کتابیں لکھی ہوں گی، یا کسی جماعت کے سربراہ ہونگے۔

ایک روز میں حضرت والد صاحبؒ کے ساتھ جا رہا تھا تو دیکھا کہ والد صاحبؒ رابسن روڈ کی ایک چھوٹی سی دوکان میں داخل ہونے لگے جس پر کسی ہومیوپیتھک ڈاکٹر کے نام کی تختی لگی ہوئی تھی، اندر پہنچے تو وہی نورانی بزرگ کمرے کی مرکزی نشست پر تشریف فرما تھے، جو والد صاحبؒ کو دیکھکر

اپنی نشست سے کھڑے ہو گئے اور دونوں بزرگوں میں ملاقات کا وہی انداز شروع ہو گیا۔ دل نے کہا : "یا اللہ! یہ ہومیو پیتھک ڈاکٹر ہیں"؟ اول تو صورت و سیرت عام ڈاکٹروں کی صورت و سیرت سے کوئی مطابقت نہیں رکھتی تھی، دوسرے یہ بات سمجھ سے بالا تھی کہ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو محض ایک ہومیو پیتھک ڈاکٹر سے ایسا والہانہ تعلق کیسے ہو سکتا ہے؟ غرض ذہن چکرا کر رہ گیا۔

یہ بعد میں معلوم ہوا کہ درحقیقت یہ بزرگ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ کے خلیفہ ہیں، وہی حکیم الامتؒ جن کا تذکرہ اور جنکی باتیں شب و روز حضرت والد صاحبؒ کی زبانی کان میں پڑتی رہتی تھیں، اور جنکے بارے میں یہ تصور گھٹی میں پڑا ہوا تھا کہ وہ اس آخری دور میں اسلامی زندگی کا عظیم ترین نمونہ تھے۔ اور یہ بات تو ایک مدت بعد سمجھ میں آئی کہ ہومیو پیتھک ڈاکٹری تو ایک بہانہ ہے، ورنہ درحقیقت اس مطب میں قلب و روح کی بیماریوں کا علاج ہوتا ہے۔

یہ تھا سیدی و سندی و مولائی و مرشدی عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب قدس سرہٗ کے ساتھ اس ناچیز کا ابتدائی تعارف :

اس کے بعد بارہا حضرتؒ سے شرفِ نیاز حاصل ہوتا رہا، لیکن اس وقت مطب میں جب بھی حاضری ہوتی، کسی نہ کسی جسمانی بیماری کے علاج کے سلسلے میں ہوتی، حضرتؒ دوا بھی عنایت فرماتے، اور دعاؤں سے بھی نہال فرما دیتے، دواؤں کی قیمت حضرتؒ نے کبھی قبول نہ فرمائی، شروع میں ایک مرتبہ احقر نے دبی زبان سے قیمت پیش کرنے کی درخواست کی تو جواباً حضرتؒ نے ایسے معنی خیز تبسم کے ساتھ احقر کو دیکھا جیسے فرما رہے ہوں: "کوئی اپنے باپ کو بھی قیمت پیش کیا کرتا ہے؟" بس! اس کے بعد کبھی اس پیشکش کی نہ صرف جرأت ہوئی، بلکہ اس کا خیال بھی گستاخی معلوم ہوا۔

وقت گذرتا گیا، حضرتؒ کا مطب رابسن روڈ سے پاپوش نگر منتقل ہو گیا۔ رہائش بھی وہیں اختیار فرمالی، اس کے بعد حاضری اور کم ہو گئی، تاہم گاہے گاہے حضرت والد صاحب قدس سرہٗ کے ساتھ اور کبھی کسی علاج کے سلسلے میں جانا ہوتا۔ حضرتؒ کی شفقت و محبت کا وہی انداز تھا۔

دارالعلوم سے ضابطے میں فارغ التحصیل ہونے کے بعد حضرت والد صاحب قدس سرہٗ کی تعلیم و تلقین اور تربیت کے اثر سے یہ خیال تو مسلسل دامنگیر رہا کہ تنہا حروف و نقوش کا کتابی علم انسان

کی اصلاح کے لئے ہرگز کافی نہیں، اور جب تک انسان کسی مرشد سے اصلاح کا تعلق قائم نہ کر
عادۃً اس کے اعمال و اخلاق کی اصلاح نہیں ہوتی، لیکن ساتھ ہی اس بات سے ڈر بھی لگتا تھا
کہ یہ تعلق بڑا نازک ہے، اس میں شیخ کے ساتھ صرف عقیدت ہی نہیں، مناسبت اور محبت بھی
درکار ہے، اور اپنے نفس کی شرارتوں کی بنا پر خوف یہ تھا کہ اگر اس تعلق کا حق ادا نہ ہو سکا تو یہ بات
بڑی خطرناک بھی ہے۔ اس لئے اسی ادھیڑ بُن میں کئی سال گذر گئے۔

اس وقت تک احقر حضرت والد صاحب قدس سرہٗ کے سوا کسی بزرگ کی مجلسوں میں باقا
شریک نہ ہوا تھا، دوسرے بزرگوں کی خدمت میں کبھی کبھار ہی جانا ہوا اور دل میں یہ خیال بھی
تھا کہ جب گھر میں خود ایک دریائے فیض رواں ہے تو کہیں اور جانے کی ضرورت بھی نہیں، اس کے
علاوہ الحمد للہ، حضرت والد صاحب قدس سرہٗ کے ساتھ تعلق صرف ایک باپ بیٹے کی محبت کی حد
تک محدود نہ تھا۔ بلکہ بحمد للہ انکی عقیدت سے بھی دل معمور تھا، اور مناسبت کا بھی یہ عالم تھا کہ انکی
ہر بات دل میں اُترتی ہوئی محسوس ہوتی تھی، اس لئے احقر نے ابتداءً حضرت والد صاحب قدس
سرہٗ ہی سے بیعت کی درخواست کی، لیکن جواب میں حضرتؒ نے ارشاد فرمایا کہ "اگرچہ ماضی میں ایسی
مثالیں بھی ملتی ہیں کہ باپ نے بیٹے کو بیعت کیا ہے، لیکن نسبی تعلق کے ساتھ اس تعلق کا حق ادا کر
بہت مشکل ہوتا ہے، اور عموماً یہ نسبی تعلق افاضہ اور استفاضہ میں رکاوٹ بن جاتا ہے، اس لئے مناسب
یہ ہے کہ کسی اور سے بیعت کا تعلق قائم کرو۔"

اس کے بعد جب گرد و پیش پر نگاہ ڈالتا تو اپنی اصلاح و تربیت کے لئے اس وقت
ایک ہی ہستی پر نظر جاتی، اور وہ تھی حضرت ڈاکٹر صاحب قدس سرہٗ کی ذاتِ والا صفات، حضرت وا
صاحب قدس سرہٗ آپ کے بارے میں اصغر گونڈوی کا یہ شعر اکثر پڑھا کرتے تھے ؎

خطِ ساغر میں رازِ حق و باطل دیکھنے والے
ابھی کچھ لوگ ہیں ساقی کی محفل دیکھنے والے

اور کبھی حضرت مجذوب قدس سرہٗ کا یہ شعر ؎

مجھے دیکھ آئینہ یار ہوں میں
جلا کردۂ حسنِ دل دار ہوں میں

چنانچہ بالآخر ۱۳۸۹ھ مطابق ۱۹۶۹ء میں ایک دن حضرت والد صاحب قدس سرہٗ برادرِ معظم حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہم العالی اور احقر کو لے کر حضرتؒ کی خدمت میں تشریف لے گئے، اور بیعت کی فرمائش کر دی۔ حضرت والاؒ نے حسبِ معمول محبت و شفقت کا معاملہ فرمایا اور اگلے دن دونوں کو تنہائی میں حاضر ہونے کی ہدایت فرمائی۔ اگلے دن ہم دونوں حاضر ہوئے، اور بفضلہ تعالیٰ حضرتؒ کے دستِ حق پرست پر بیعت کا شرفِ عظیم حاصل ہوا۔

اس طرح بفضلہ تعالیٰ حضرت والاؒ سے سترہ سال اس ناکارہ کا اصلاحی تعلق رہا۔ جب ان سترہ سالوں پر نگاہِ بازگشت ڈالتا ہوں تو یہ طویل مدت حضرت والاؒ کی ناقابلِ بیان شفقتوں عنایتوں اور توجہات اور دوسری طرف اپنی انتہا درجے کی غفلتوں اور بے عملیوں کی ایک عجیب وغریب داستان نظر آتی۔ ایک طرف اللہ تعالیٰ کے اس انعام وکرم پر حقِ شکر ادا کرنا میرے بس سے باہر ہے کہ اس نے نہ صرف حضرتؒ کی خدمت میں حاضری کی، بلکہ حضرت والاؒ کے غیر معمولی الطاف وعنایات کا مورد بننے کی توفیق مرحمت فرمائی، اور دوسری طرف اپنی ان غفلتوں اور کوتاہیوں پر حقِ استغفار نہیں ہو سکتا کہ اس سرچشمۂ فیض سے اتنے قریب ہونے کے باوجود میں اس سے کما حقہٗ استفادہ نہ کر سکا۔

آج جب حضرت والاؒ کے بارے میں یہ سطور لکھنے بیٹھا ہوں تو حضرتؒ کی ایک ایک ادائے دلنواز اس بات کا تقاضا کر رہی ہے کہ اسی کو موضوعِ سخن بنایا جائے، لیکن یہ طے کرنا مشکل ہے کہ بات کہاں سے شروع کی جائے؟

جہاں تک حضرتؒ کے عام حالاتِ زندگی کا تعلق ہے، ان پر حضرتؒ کے بڑے صاحبزادۂ گرامی برادرِ مکرم جناب حسن عباس صاحب نے اپنے مضمون میں احقر ہی کی درخواست قبول فرما کر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے، اور وہی اس کے اہل بھی تھے، اس لئے ان باتوں کا اعادہ کرنا نہیں ہے۔ البتہ دل یہ چاہتا ہے کہ اس مضمون میں حضرت والاؒ کے دلکش مزاج و مذاق کی کچھ باتیں ہدیۂ ناظرین کروں۔ کیونکہ وہ ہم سب کے لئے بڑی سبق آموز اور ہمیشہ کے لئے مشعلِ راہ ہیں۔

احقر کو یہ دعویٰ نہیں ہے کہ میں حضرتؒ کے مزاج و مذاق کو پوری طرح سمجھ چکا ہوں،

لیکن کسی اللہ والے کے مزاج و مذاق کی مثال درحقیقت ایک خوشبو کی سی ہے جو اسکی ادا ادا سے پھوٹتی ہے، اور نا اہل سے نا اہل شخص کا مشامِ جان بھی اس سے معطر ہوئے بغیر نہیں رہتا، اس لئے اس بات کا اعتراف کرنا بھی ناشکری ہوگی کہ الحمدللہ، اللہ تعالیٰ نے ایک مدتِ دراز تک اپنی کسی کوشش یا استحقاق اور اہلیت کے بغیر بھی اس خوشبو سے فیض یاب ہونے کا موقع بخشا ہے اس لئے انشاء اللہ اسکی مختلف کیفیات کا اظہار اپنی حدود سے تجاوز نہیں ہوگا۔

حضرت حکیم الامتؒ کا خاص رنگ

حضرت والاؒ کے اندازِ زندگی اور مزاج و مذاق کا مرکزی نقطہ اپنے شیخ (حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ) کی اتباع اور زندگی کی ایک ایک نقل و حرکت کو انہی کے رنگ میں رنگنے سے عبارت تھا۔ احقر کے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہٗ نے حضرت کی تالیف "مآثرِ حکیم الامت" پر اپنے تأثرات تحریر فرماتے ہوئے لکھا ہے کہ:

> "کراچی میں ہمارے محترم بزرگ حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب دامت برکاتہٗ کو حق تعالیٰ نے حضرتؒ سے بچند وجوہ خصوصی تعلق عطا فرمایا ہے، خلیفۂ مجاز تو بحمداللہ اور بھی بہت ہیں مگر شیخؒ کا رنگ جن میں جھلکتا ہو، وہ کم ہی ہوا کرتے ہیں ہمارے محترم خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوبؒ نے فرمایا تھا ؎
>
> مجھے دیکھ، آئینۂ یار ہوں میں
> جلا کردۂ دستِ دلدار ہوں میں
>
> اللہ تعالیٰ مبالغہ اور تزکیہ من غیر حق سے محفوظ رکھیں۔ ڈاکٹر صاحبؒ کو دیکھکر مجھے مجذوب صاحبؒ کا یہ شعر یاد آیا کرتا ہے"۔
>
> (مآثرِ حکیم الامت ص ۱۲)

اس کی ایک وجہ خود حضرتؒ ہی کے ارشادات سے یہ سمجھ میں آئی کہ حضرت والاؒ نے اپنے علم اور عمل دونوں کو سو فی صد اور مکمل طور پر اپنے شیخؒ سے وابستہ فرما لیا تھا، خود فرمایا کرتے تھے کہ اور لوگوں نے تو دوسرے متعدد ذرائع سے بھی علمِ دین حاصل کیا، لیکن میرا مبلغِ علم جو کچھ ہے وہ حضرت

(حکیم الامت قدس سرہ) ہی کے ارشادات، آپ ہی کی تصانیف، آپ ہی کے مواعظ و ملفوظات اور آپ ہی کے اندازِ زندگی کا مطالعہ ہے۔ لہٰذا دین کے بارے میں میری ساری معلومات حضرتؒ ہی کی رہینِ منت ہیں، اور میں نے پورے کا پورا دین اپنے ظرف کے مطابق حضرتؒ ہی سے حاصل کیا۔ اور چونکہ ایک مسلمان کو اپنی دینی زندگی میں جتنی ضروریات پیش آسکتی ہیں، شاید ہی ان میں سے کوئی ضرورت ایسی ہو جو حضرتؒ کی تقریر و تحریر یا آپ کے اندازِ زندگی سے واضح نہ ہوگئی ہو، اس لئے حضرت والاؒ کا ایک مذاق یہ بھی تھا کہ جو کچھ اپنے شیخ سے سیکھا، اسی میں اپنی زندگی کو رنگنے میں اس درجہ محو اور منہمک رہے کہ کسی دوسرے کی تصانیف اور دوسرے مقالات و مضامین کے مطالعے کی طرف التفات ہی نہیں ہوا، نتیجہ یہ کہ دینی معاملات میں فکری اور عملی طور پر ایک ہی رنگ چڑھتا چلا گیا جس میں کوئی دوسری آمیزش نہیں تھی۔ حضرت والاؒ اپنے اس مذاق کا ذکر کرتے ہوئے کیا خوبصورت شعر پڑھا کرتے تھے ؎

موسمِ گل میں پوچھتے ہو کیا حال تم اس دیوانے کا
جس کی نظر نے ایک ہی گل میں سارا گلستاں دیکھا ہے

آپ حضرتؒ کی سوانحِ حیات میں پڑھیں گے کہ حضرتِ والاؒ درسِ نظامی کے راستے سے علمِ دین کی طرف نہیں آئے، بلکہ آپ نے انگریزی تعلیم سے اپنی زندگی کا آغاز کیا، لیکن طالب علمی ہی کے دور سے حضرت حکیم الامتؒ سے تعلق قائم ہوگیا۔ جو بالآخر بیعت پر منتج ہوا۔ بیعت کے وقت حضرت حکیم الامتؒ نے آپ سے فرمایا تھا کہ اپنے حالات پر مشتمل ہر ہفتے خط لکھتے رہا کریں؛ چنانچہ فرماتے تھے کہ الحمد للہ، اس کے بعد سے ہر مہینے چار ہی خط حضرت والاؒ کو لکھے، اور حضرتؒ کے وصال تک اس معمول میں سرِ مو فرق نہیں آیا۔

اس کے علاوہ وقتاً فوقتاً خود خانقاہ تھانہ بھون حاضر ہو کر کئی کئی ہفتے حضرت حکیم الامتؒ کی خدمت میں رہنے اور آپ کی صحبت سے فیض یاب ہونے کا سلسلہ بھی جاری رہا ــــ طلب صادق تھی، اللہ تعالیٰ نے قلب میں استعداد بدرجۂ کمال عطا فرمائی تھی، شیخ سے والہانہ تعلق کی دولت نصیب تھی، اور ہر ہر قدم پر شیخؒ سے استفادے کا جذبۂ بیتاب موجزن تھا، نتیجہ یہ ہوا کہ یہ جوہرِ قابل شیخؒ کی صحبت سے جلا پا کر کندن ہوتا گیا۔

حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ کی جوہر شناس نگاہ نے یقیناً اندازہ فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ آپ سے دین کی خدمت کا کام لینے والے ہیں، اس لئے حضرتؒ کی جو خصوصی توجہات آپ کو حاصل رہیں، اور جس خصوصی تعلق کا مظاہرہ آپ کے ساتھ فرمایا، اس کے واقعات بہت طویل ہیں، لیکن مندرجہ ذیل چند مثالوں سے اس کا کچھ اندازہ ہو سکے گا یہ واقعات احقر نے حضرتؒ ہی سے سنے ہوئے ہیں:۔

(۱) حضرت ڈاکٹر صاحب قدس سرہٗ کے ایک صاحبزادے بچپن ہی میں انتقال کر گئے تھے، وہ صاحبزادے عجیب و غریب اور غیر معمولی اوصاف کے حامل تھے، نابالغی کے باوجود اتباعِ شریعت کا حیرت انگیز حد تک اہتمام کرتے تھے جس کے کئی واقعات حضرتؒ سے سنے۔ بہرکیف! انکا انتقال ایسے وقت ہوا جب حضرت ڈاکٹر صاحبؒ اپنے اہلِ خانہ کے ساتھ خانقاہِ تھانہ بھون میں قیام کے لئے آئے ہوئے تھے۔ جب صاحبزادے کا انتقال ہوا تو آپ انکی تجہیز و تکفین کے انتظام کی وجہ سے ظہر کے بعد کی مجلسِ عام میں شریک نہ ہو سکے۔ فرماتے ہیں کہ عصر کے بعد میں ایک چارپائی پر بیٹھا ہوا تھا کہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ تشریف لائے، اور میرے ساتھ چارپائی پر بالکل متصل ہو کر بیٹھ گئے، انداز ایسا تھا کہ گویا کندھے سے کندھا ملانے کا خاص اہتمام فرما رہے ہیں۔ میں نے اسکی وجہ پوچھی تو فرمایا کہ "دراصل آج حضرت والا (یعنی حضرت تھانوی قدس سرہٗ) ظہر کے بعد کی مجلس میں مسلسل آپ کا ہی بڑی محبت کے ساتھ ذکر فرماتے رہے، یہاں تک کہ میرے دل میں یہ داعیہ قوت سے پیدا ہوا کہ آپ کے ساتھ جتنا اتصال نصیب ہو سکے اتنا ہی بہتر ہے"۔

یہ واقعہ دونوں ہی بزرگوں کے مقام بلند کا منفرد واقعہ ہے، ایک طرف اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت حکیم الامتؒ کو حضرت ڈاکٹر صاحب قدس سرہٗ سے کس درجہ تعلق تھا، اور دوسری طرف اس سے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہٗ کے اپنے شیخ کے ساتھ عشق کی کیفیت اور فنائیت و تواضع کا عجیب و غریب انداز سامنے آتا ہے کہ شیخ نے جس کا ذکر محبت کے ساتھ کر دیا، وہ بھی ایسا محبوب ہو گیا کہ اسکے ساتھ معمولی اتصال کو بھی غنیمت سمجھنے لگے۔ یہ حب فی اللہ کی خاصیت ہے کہ اس میں رقابت کا گذر نہیں ہوتا۔ وہاں محبوب کے ساتھ نسبت رکھنے والی ہر چیز محبوب ہوتی ہے۔

(۲) حضرت ڈاکٹر صاحبؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ کی مجلس میں بارہا کوشش کی کہ حضرتؒ کے ملفوظات قلم بند کرلوں، لیکن وہاں حضرتؒ کی زیارت اور آپ کی

باتیں سُننے کی محویت ایسی رہتی تھی کہ کبھی اس پر قدرت نہ ہوئی، ان حضرات پر رشک بھی آتا تھا جو مجلس میں ملفوظات قلمبند کرتے رہتے تھے۔

ایک مرتبہ حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ مسجد کے حوض کے پاس ٹہل رہے تھے، میں بھی حاضر تھا، میں نے اپنی اس اُلجھن کا ذکر حضرتؒ ہی سے کر دیا کہ ملفوظات لکھکر محفوظ رکھنے کو بہت دل چاہتا ہے، مگر قدرت نہیں ہوتی۔ حضرتؒ نے جواب میں ارشاد فرمایا: "تم خود ہی صاحبِ ملفوظ کیوں نہ بنو؟" —— میں سن کر حیران اور ششدر رہ گیا کہ میں صاحبِ ملفوظ کیسے بن سکتا ہوں؟ کچھ توقف کے بعد حضرتؒ نے خود ہی فرمایا کہ "ملفوظات کا مقصد انہیں رٹنا نہیں ہوتا، بلکہ جب آپ نے کوئی بات سنی اور طبیعت نے اسے قبول کر لیا تو وہ آپ کی ہو گئی۔ اب انشاءاللہ جب موقع آئے گا وہ فائدہ پہنچائے گی" اور شاید یہ بھی فرمایا کہ "جب اللہ تعالیٰ کو کام لینا ہوگا تو وہ باتیں خود بخود یاد آجائیں گی"۔

(۳) حضرت حکیم الامت قدس سرہ جب مرضِ وفات میں تھے تو حضرت ڈاکٹر صاحب قدس سرہٗ علالت کی خبر سن کر تھانہ بھون پہنچے، اس وقت شدتِ علالت کی بنار پر معالجین نے ملاقاتوں سے منع کیا ہوا تھا، لیکن جب حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ کو آپ کی آمد کا علم ہوا تو اندر بُلالیا، اس وقت حضرت چارپائی پر آنکھیں بند کئے ہوئے لیٹے تھے، آپ کو دیکھکر سلام و دعار کے بعد بے ساختہ ارشاد فرمایا: "آپ نے کیوں زحمت کی؟ آپ کا نقصان ہی کیا تھا"؟

اللہ اکبر! اس ایک فقرے سے حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ نے اپنے اس مُرید رشید کے ساتھ تعلقِ خاطر کی کس کیفیت کو ظاہر فرمادیا۔ مقصد یہ تھا کہ آپ نظروں کے سامنے ہوں یا نہ ہوں، قریب ہوں یا دور، آپ کے ساتھ تعلق، آپ کی طرف توجہ اور آپ کے لئے دعاؤں کی کیفیت یکساں ہے۔ اس لئے اگر خود نہ آتے تب بھی آپ کا کوئی نقصان نہ تھا گویا ؎

اے غائب از نظر کہ شدی ہم نشینِ دل
می بینمت عیاں و دعا می فرستمت

(۴) اسی مرضِ وفات کا واقعہ ہے کہ حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ کو اسہال کبدی کی سنگین شکایت تھی متعدد معالجین کا علاج ہو چکا تھا، مگر فائدہ نہیں ہو رہا تھا۔ ایک دن حضرت حکیم الامت

قدس سرہٗ نے حضرت ڈاکٹر صاحبؒ سے فرمایا کہ: "آپ کے ہومیو پیتھک طریقۂ علاج میں بھی تو اس بیماری کی کچھ مؤثر دوائیں ہونگی"، آپ نے اثبات میں جواب دیا تو حضرتؒ نے فرمایا کہ "اللہ کے نام پر اب آپ علاج شروع کیجئے" چنانچہ آپ نے تین دن حضرتؒ کے علاج کا شرف حاصل فرمایا۔ اس دوران حضرتؒ نے آپ سے پرہیز کے بارے میں پوچھا تو چونکہ اسہال کبدی کی تکلیف تھی، اس لئے آپ نے متعدد غذاؤں کو منع کر دیا، دوسری طرف حضرتؒ کی حالت یہ تھی کہ بہت کم چیزوں کی طرف رغبت ہوتی تھی، اور جن چیزوں کی طرف رغبت ہوتی انہیں معالجین منع کر دیتے، نتیجہ یہ کہ غذا گھٹتے گھٹتے معدوم سی ہوگئی، اور اس کی وجہ سے کمزوری بہت بڑھنے لگی۔ حضرت حکیم الامتؒ نے ایک مرتبہ آپ سے اپنی کچھ مرغوب اشیاء کے بارے میں پوچھا تو آپ نے طبی نقطۂ نظر سے انہیں مُضر سمجھ کر ان سے پرہیز کا مشورہ دیا، اس پر حضرت حکیم الامتؒ نے فرمایا:

"واہ بھئی! یہ ساری پرہیز کی مشق ہمارے ہی لئے ہے، ہم نے تو کوئی خاص پرہیز نہیں کرایا تھا، ذرا سی نوک پلک سنوار کر جانے کہاں سے کہاں پہنچادیا؟" حضرت فرماتے تھے کہ یہ سن کر مجھ پر لرزہ سا طاری ہوگیا۔ واقعۃً حضرت والاؒ نے ہمارے باطنی علاج میں شفقت وحکمت کا وہ طریقہ اختیار فرمایا کہ کٹھن سے کٹھن منزل سے بھی سبک سیر گذر گئے، اور راستے کی مشکلات کا پتہ بھی نہ چلا۔

(۵) ایک اور عجیب وغریب واقعہ حضرت ڈاکٹر صاحب قدس سرہٗ سے کئی بار سُنا۔ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت ڈپٹی علی سجاد صاحب رحمۃ اللہ علیہ (جو حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کے خسر بھی تھے، اور پھوپا بھی، اور حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ کے مجازِ صحبت بھی) حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ کے پاس تھانہ بھون گئے ہوئے تھے۔ میں نے بھی وہاں حاضری کا ارادہ کرلیا، اور سفر کے تمام انتظامات مکمل کر کے حضرتؒ کو اطلاع بھی دے دی کہ میں حاضر ہورہا ہوں۔ اتفاق سے انہی دنوں حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ نے تھانہ بھون سے (غالباً کانپور ہی کے) سفر کا ارادہ فرمالیا۔ اس موقع پر حضرت ڈپٹی علی سجاد صاحبؒ نے حضرتؒ سے عرض کیا کہ "حضرت سفر پر تشریف لے جارہے ہیں، اور عبدالحی

(قدس سرہ) یہاں آنے والے ہیں" اس پر حضرت حکیم الامت ؒ نے فرمایا کہ " میں نے انہیں منع کر دیا ہے "! حضرت ڈپٹی صاحب ؒ مطمئن ہو گئے کہ شاید خط یا تار وغیرہ کے ذریعہ روک دیا ہوگا۔

حضرت ڈاکٹر صاحب ؒ فرماتے ہیں کہ ادھر میں سفر کا بالکل پختہ ارادہ کر چکا تھا، تمام انتظامات مکمل تھے، لیکن جب سفر کا وقت آیا تو قلب میں سفر کی طرف سے اس قدر شدید انقباض پیدا ہوا کہ میں عجیب تردد کا شکار ہو گیا، طبیعت کو بہت آمادہ کرنے کی کوشش کی، لیکن دل کسی طرح آمادہ نہ ہو کر دیتا تھا، ہزار دل کو سمجھایا کہ تمام انتظامات مکمل ہیں، اطلاع بھی دے چکا ہوں، تھانہ بھون حاضری کا موقع بھی بہترین ہے، لیکن انقباض تھا کہ بڑھتا گیا۔ یہاں تک میں نے مجبور ہو کر سفر کا ارادہ ملتوی کر دیا۔

بعد میں پتہ چلا کہ حضرت ؒ سفر پر روانہ ہو چکے تھے، اور اس کے بعد (غالباً کانپور ہی میں) حضرت ؒ سے ملاقات ہوئی تو میں نے سارا واقعہ آپ سے ذکر کیا۔ اُدھر حضرت ڈپٹی صاحب ؒ جو یہ سمجھے ہوئے تھے کہ حضرت ؒ نے کسی خط کے ذریعہ مجھے روک دیا ہے، انہیں جب یہ پتہ چلا کہ میرے پاس حضرت ؒ کی طرف سے کوئی اطلاع نہیں پہنچی تو وہ بھی بہت حیران ہوئے؛ اور حضرت ؒ سے پوچھا، تو حضرت ؒ نے اس مفہوم کی کوئی بات ارشاد فرمائی کہ "کیا ایک مؤمن کے قلب میں اتنی بھی طاقت نہیں کہ وہ اپنے کسی دوست کو کوئی پیغام پہنچا سکے ؟"

اللہ اکبر! حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ کا معمول تصرفات وغیرہ کے طریقے استعمال کرنے کا نہیں تھا، نہ ان چیزوں کو کوئی خاص اہمیت دیتے تھے، لیکن حضرت ڈاکٹر صاحب قدس سرہٗ کے ساتھ تعلق خاطر کا یہ عالم کہ اس پر جتنا غور کیجئے، شیخ و مرید دونوں کے مقام بلند اور باہم تعلق کا غیر معمولی انداز سامنے آتا ہے کہ ع

جو سانس آرہا ہے کسی کا پیام ہے

ان چند واقعات ہی سے یہ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ نے جس جوہر قابل کی اس تعلق خاطر کے ساتھ تربیت فرمائی ہو، وہ خانقاہ تھانہ بھون سے کیا کچھ بنکر نکلا ہوگا؟ بس!

حضرت شیخ رحمہ کا زندگی کی ایک ایک ادا پر ایسا گہرا رنگ چڑھا کہ ؎

عارفی پیرِ مغاں نے ایسی کچھ ڈالی نظر
میری ہستی سر بسر اعجاز ہو کر رہ گئی

اس رنگ کی پوری تشریح و توضیح کے لئے تو دفتر کے دفتر چاہئیں، اور مجھ جیسے شخص کے لئے اس کا کماحقہٗ بیان ممکن بھی نہیں، لیکن حضرتؒ کی حیاتِ طیبہ کے جو واقعات نظر سے گذرے، یا خود حضرتؒ ہی سے سننے میں آئے، ان سے یہ رنگ خود بخود جھلکتا ہے، اس لئے یہ واقعات چند عنوانات کے تحت پیشِ خدمت ہیں، اُمید ہے کہ انشاء اللہ ان کا تذکرہ خود احقر کے لئے اور پڑھنے والوں کے لئے مفید ہوگا:۔

اتباعِ شریعت وسنت

حضرتِ والاؒ کی حیاتِ طیبہ اور اسکے مخصوص رنگ کا سب سے پہلا عنوان "اتباعِ شریعت و سنت کا متواتر اہتمام" ہے، جو آپ کی زندگی میں رچا بسا ہوا تھا۔ ہر ہر قدم پر شریعت کے باریک احکام کی طرف بھی دھیان رہتا تھا، اگرچہ آپ نے درسِ نظامی کی باقاعدہ تحصیل نہیں فرمائی تھی، لیکن حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ کے فیضِ صحبت سے شریعت کے بہت سے وہ مسائل ہمیشہ مستحضر رہتے تھے جو اچھے اچھے فارغ التحصیل علماء کو بھی بسا اوقات یاد نہیں ہوتے۔ اسکے باوجود بعض اوقات ذاتی معاملات میں اپنے چھوٹوں اور خدام تک سے شریعت کا حکم معلوم فرما کر اس پر عمل فرماتے تھے۔

جب احقر کے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہٗ کی وفات ہوئی تو حضرت کئی روز تک ہم لوگوں کی تسلی کے لئے دار العلوم تشریف لاتے رہے، ایک دن چہرے پر تعب اور نقاہت کے آثار نمایاں تھے، برادر مکرم حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہم نے احقر سے کہا کہ "حضرتؒ کے لئے گھر سے خمیرہ لے آؤ"، احقر نے خمیرہ لے جا کر حضرتؒ کو پیش کیا تو ہاتھ میں لے کر فرمایا: "کیا یہ خمیرہ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا تھا؟" احقر نے اثبات میں جواب دیا تو فرمایا کہ "اس میں تو تمام ورثا کا حق ہے، تنہا آپ کے لئے کسی کو اسکا ہبہ کرنا جائز نہیں"۔ جب احقر نے اطمینان دلایا کہ الحمد للہ، تمام ورثا بالغ ہیں، اور سب یہیں موجود ہیں، جنکی عین خوشی یہ ہے کہ حضرتِ والاؒ استعمال فرمالیں، تو حضرتؒ نے اسے نوش فرمایا۔

اب یہ وہ مسئلہ ہے جس کی طرف عمل کے وقت آجکل اچھے اچھے علماء اور مفتیوں کی نگاہ بھی کم ہی جاتی ہے، لیکن چونکہ شریعت پر عمل طبیعت ثانیہ بن چکا تھا، اس لئے عملی ضرورت کے تمام احکام صرف علم میں نہیں، بلکہ عمل میں ہر وقت مستحضر رہتے تھے۔

اتباعِ سنت کا خاص ذوق تھا۔ اور ہر کام میں اس بات کی جستجو رہتی تھی کہ اس میں سنت کا طریقہ معلوم ہو، اسی جستجو کے نتیجے میں آپ نے "اسوۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم" کے نام سے وہ کتاب تالیف فرمائی جو زندگی کے ہر شعبے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کی تفصیلات پر مشتمل ہے، اور جو اردو کے علاوہ، عربی، فارسی، انگریزی، سندھی، پشتو اور نہ جانے کتنی زبانوں میں شاید لاکھوں کی تعداد میں چھپ چکی ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے اسے عجیب قبولِ عام عطا فرمایا ہے۔

مسنون اعمال اور مستحبات کا اہتمام اور فضائل کے حصول کی حرص زندگی کے ہر معاملے میں نمایاں تھی، جب تک قویٰ نے ساتھ دیا، صفِ اول میں نماز باجماعت سے تخلف نہیں ہوتا تھا، اور اتنی دیر پہلے مسجد میں تشریف لیجاتے کہ تحیۃ المسجد اور سنن قبلیہ دونوں کو الگ الگ ادا کرنے کا وقت مل جائے۔ جائز یہ بھی ہے کہ سنن قبلیہ ہی میں تحیۃ المسجد کی بھی نیت کرلی جائے، لیکن حضرتِ والاؒ عموماً تحیۃ المسجد علیحدہ اور سنتیں علیحدہ پڑھتے تھے۔

فرمایا کرتے تھے کہ فرائض و واجبات کی ادائیگی تو ہر مسلمان کے ذمے لازم ہی ہے، اور وہ حق عبدیت ہے، لیکن نوافل و مستحبات حقِ محبت ہیں، اور انکی کبھی ناقدری نہیں کرنی چاہیئے، بلکہ حتی الوسع انکی انجام دہی کا اہتمام کرنا چاہیئے۔

ایک مرتبہ حضرتِ والاؒ مغرب سے پہلے اپنے مکان سے دارالعلوم نانک واڑہ میں مجلس منتظمہ کے اجلاس میں شرکت کے لئے تشریف لے گئے احقر اور برادر مکرم حضرت مولانا مفتی محمد رفیع صاحب مدظلہم بھی ساتھ تھے اجلاس مغرب کے متصل بعد ہونا تھا مغرب کا وقت راستے ہی میں ہوگیا، اور راستے کی ایک مسجد میں اتر کر مغرب کی نماز پڑھی، چونکہ نانک واڑہ پہنچنے کی جلدی تھی، اس لئے سنتِ مؤکدہ پر اکتفا فرمایا، اور صلوٰۃ الاوابین پڑھے بغیر روانہ ہوکر نانک واڑہ پہنچ گئے۔ مجلس کے اختتام پر وہیں عشاء کی نماز پڑھی، نماز کے بعد مسجد سے باہر تشریف لائے اور گاڑی میں بیٹھنے لگے تو احقر سے پوچھا کہ: "تقی میاں! آج اوابین کا کیا ہوا؟" احقر نے عرض کیا کہ "حضرت! آج تو جلدی کی وجہ

سے وہ رہ گئیں،، فرمایا کہ ''کیوں رہ گئیں ؟ اس وقت نہ پڑھ سکے تھے تو عشاء کے بعد پڑھ لیتے،، پھر فرمایا کہ ''اگرچہ فقہی طور نوافل کی قضا نہیں ہے، لیکن ایک سالک کو ایسے موقع پر تلافی کے طور پر جب موقع ملے، معمول کی نوافل ضرور پڑھ لینی چاہییں، خواہ ان کا اصلی وقت گذر گیا ہو، آج مجھ سے بھی اپنے وقت میں اوابین ادا نہیں ہو سکی تھیں، لیکن، الحمد للہ، میں نے عشاء کے بعد عشاء کے توابع کے ساتھ چھ رکعات مزید بطور تلافی ادا کیں، اور معمولاً ایسا ہی کرتا ہوں'' پھر فرمایا کہ ''تم نے حدیث میں پڑھا ہوگا کہ اگر کوئی شخص کھانے کے آغاز میں بسم اللہ پڑھنا بھول جائے تو کھانے کے دوران بھی جب یاد آئے تو بسم اللہ اولہٗ وآخرہٗ پڑھ لینا چاہئے۔ بس اسی پر دوسری نوافل کو بھی قیاس کر لو۔''

آخر عمر میں بھی جب عمر اسّی سال سے متجاوز ہو چکی تھی، اور ضعف و امراض کا غلبہ تھا، نوافل و اوراد کے معمولات اسی طرح جاری رہے۔ ہم لوگوں کو سبق دینے کے لئے ایک مرتبہ فرمایا کہ ایک رات مجھے بخار تھا، جسم بُری طرح ٹوٹ رہا تھا، آخر شب میں معمول کے مطابق آنکھ کھلی تو کسل کا اتنا غلبہ تھا کہ اُٹھنے کی بالکل طاقت محسوس نہیں ہو رہی تھی، خیال آیا کہ ضعف بھی ہے اور علالت بھی، اگر ایک رات یہ معمول قضا ہو جائے تو کچھ حرج نہیں۔ لیکن میں نے اپنے نفس کو بہلایا کہ ذرا دیر اُٹھ کر بیٹھ جاؤ، حضوری کا وقت ہے، کچھ دعائیں کر کے سو جانا، نماز نہ پڑھنا۔ اس خیال کے تحت اُٹھ کر بیٹھ گیا، پھر سوچا کہ جب اللہ تعالیٰ نے اتنی توفیق دے دی ہے تو چلو تیمم ہی کے ساتھ کچھ رکعتیں بیٹھ کر پڑھ لینا ؎

ابھی تو ان کی آہٹ پر میں آنکھیں کھول دیتا ہوں
وہ کیسا وقت ہوگا جب نہ ہوگا یہ بھی امکاں میں

چنانچہ اُٹھ کر غسل خانہ تک گیا اور مصلے تک پہنچ گیا، وہاں پہنچ کر میں نے کہا کہ غسل خانے تک تو کھڑے ہو کر چلے گئے نماز ہی بیٹھ کر کیوں پڑھی جائے ؟ چنانچہ جلدی سے میں نے کھڑے ہو کر نیت باندھ لی، اور الحمد للہ، لرزتے کانپتے ہی سہی، لیکن معمول پورا کر لیا۔

یوں تو فرمایا کرتے تھے کہ رخصت کے مواقع پر رخصت پر ضرور عمل کرنا چاہئے، عزیمت اللہ تعالیٰ کی عظمت کا حق ہے تو رخصت اللہ تعالیٰ کی محبت کا حق ہے، اس لئے رخصت پر عمل کرتے ہوئے کبھی دل تنگ نہ ہونا چاہئے، حدیث میں بھی ہے کہ انّ اللہ یحب اَن تؤتیٰ رخصہ کما

یحب أن تؤتی عزائمہ (اللہ تعالیٰ جس طرح اپنی عزیمت پر عمل کو پسند فرماتے ہیں، اسی طرح رخصتوں پر عمل کو بھی پسند فرماتے ہیں) اور مولانا رومیؒ فرماتے ہیں کہ ؎

چونکہ بر میخت بہ بندد بستہ باش
چوں کشاید چابک و برجستہ باش

لیکن رخصت کے مواقع کی تعیین میں خود عملاً بہت احتیاط فرماتے تھے، چنانچہ عمر کے آخری رمضان تک روزے رکھنے کا سلسلہ جاری رہا۔ ایک مرتبہ حضرتؒ کو بہت ضعف تھا، شدید گرمی پڑ رہی تھی، رمضان شریف شروع ہو گئے، احقر مطب حاضر ہوا تو دیکھا کہ اِس ضعف کے باوجود روزے سے ہیں، احقر نے عرض کیا کہ حضرت! اس موقع پر تو رخصت پر عمل فرما لیا ہوتا، فرمایا کہ "ہاں بھائی! رخصت بہت اچھی چیز ہے، اس پر ضرور عمل کرنا چاہیئے" اور پھر رخصت کے موضوع پر خاصی دیر تک مختلف باتیں ارشاد فرماتے رہے، احقر نے پھر عرض کیا تو فرمایا کہ "انشاء اللہ اگر ضرورت ہوئی تو رخصت پر ضرور عمل کریں گے، لیکن ابھی میں نے روزہ رکھ کر دیکھا تو بحمد اللہ رکھ لیا گیا"۔

عبادات کے علاوہ زندگی کے ہر کام میں اتباعِ سنت کا اہتمام عادتِ ثانیہ بن گیا تھا جس کی متعدد مثالیں انشاء اللہ اگلے عنوانات کے تحت آئیں گی، لیکن یہاں ایک بات کا ذکر مناسب ہو گا:۔

فرمایا کرتے تھے کہ میں نے سالہا سال اس بات کی باقاعدہ مشق کی ہے کہ صبح سے شام تک کی زندگی کا ہر کام اتباعِ سنت کی نیت سے کیا جائے۔ اور مشق اس طرح کی ہے کہ لذیذ کھانا سامنے آیا، بھوک لگی ہوئی ہے، دل چاہ رہا ہے کہ اسے کھائیں، لیکن چند لمحوں کے لئے نفس کو کھانے سے روک لیا، "نفس کی خواہش پر نہیں کھائیں گے"، پھر سوچا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی نعمت اور انکی عطا ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یہ تھی کہ نعمائے خداوندی کو شکر ادا کر کے استعمال فرماتے تھے اب اس سنت کی اتباع میں کھائیں گے۔ گھر میں داخل ہوئے، بچہ پیارا معلوم ہوا، دل چاہا کہ اسے گود میں اٹھا کر اس سے دل بہلائیں۔ لیکن چند لمحوں کے لئے نفس کو روکا کہ نفس کی خواہش پر اُسے نہیں اُٹھائیں گے، پھر چند لمحوں بعد مراقبہ کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بچوں سے محبت فرماتے تھے، اور انہیں کھلایا کرتے

تھے، اب آپؐ کی اس سنت کی اتباع میں اٹھائیں گے۔ ٹھنڈا پانی سامنے آیا، پیاس لگی ہوئی ہے، اور دل کی خواہش ہے، کہ اسے جلدی سے پی لیا جائے، لیکن کچھ وقفے کے لئے اپنے آپ کو روکا، اور کہا کہ صرف دل کی خواہش پر پانی نہیں پئیں گے، پھر تھوڑے وقفے کے بعد استحضار کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ٹھنڈا پانی بہت مرغوب تھا، اب آپؐ کی سنت کی اتباع میں پئیں گے، اور انہیں آداب کے ساتھ پئیں گے جنکی آپؐ رعایت فرمایا کرتے۔

غرض، فرمایا کہ، صبح سے شام تک ہر کام کے وقت اس مراقبے کی مدتوں مشق کی، الحمد للہ، اسکے نتیجے میں ہر کام کے وقت اتباعِ سنت کی نیت کی عادت پڑ گئی، اور اب خود بخود ہر کام میں یہ نیت مستحضر ہو جاتی ہے۔

اسی کو حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ دین دراصل زاویۂ نظر کی تبدیلی کا نام ہے۔ روزمرہ کے بیشتر کام اور مشاغل وہی باقی رہتے ہیں جو پہلے انجام دیئے جاتے تھے، لیکن دین کے اہتمام سے ان کی انجام دہی کا زاویۂ نگاہ بدل جاتا ہے، اور اس تبدیلی کے نتیجے میں سارے کام جنہیں ہم دنیا کے کام کہتے اور سمجھتے ہیں، عبادت اور جزءِ دین بن جاتے ہیں۔

اسی مشق پر یاد آیا کہ ایک مرتبہ حضرتؒ نے فرمایا کہ الحمد للہ، احقر نے غضِ بصر کی عادت ڈالنے کے لئے مدتوں یہ مشق کی ہے کہ کبھی کسی مرد کو بھی نگاہ بھر کر نہیں دیکھا، دل میں تہیّہ کر لیا تھا کہ مخاطب مرد ہو یا عورت، ہمیشہ نگاہ نیچی کر کے بات کریں گے، چنانچہ اس کی باقاعدہ مشق کی، اور سالہا سال تک کبھی کسی سے نظر اُٹھا کر بات نہیں کی، رفتہ رفتہ جب عادت پڑ گئی تو اب کبھی کبھی بات کے وقت مردوں کے سامنے نظر اُٹھا لیتا ہوں، لیکن وہ بھی بہت کم۔

چنانچہ اس بات کا مشاہدہ تو ہم خدام نے بھی کیا کہ حضرتؒ عموماً نیچی نظر کر کے بات کرتے تھے کبھی اگر نظر اُٹھائی بھی تو اچٹتی ہوئی، آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنے کا وہاں سوال ہی نہیں تھا۔

حضرتِ والاؒ اپنی اس مشق کا تذکرہ کرتے ہوئے کبھی کبھی یہ شعر بھی پڑھا کرتے تھے ؎

جگر پانی کیا ہے مدتوں غم کی کشاکش میں
کوئی آسان ہے کیا خوگرِ آزار ہو جانا

فرماتے تھے کہ جب میں نے وکالت ترک کر کے ہومیو پیتھک طریقۂ علاج کو اختیار کرنا چاہا تو ایک قوی اشکال دل میں یہ تھا کہ علاج کے دوران مردوں کے علاوہ ہر طرح کی خواتین سے بھی سابقہ پیش آئے گا۔ میں نے حضرت حکیم الامتؒ کو اپنا یہ اشکال لکھا کہ یہ ذریعۂ معاش کہیں موجبِ فتنہ نہ ہو جائے، حضرتؒ نے جواب میں تحریر فرمایا کہ "اپنی آنکھ اور دل کی حفاظت کیجئے، میں بھی آپ کے لئے دعا کرتا ہوں، انشاء اللہ کچھ نہیں ہوگا۔"

فرماتے تھے کہ یہ شیخ کی دعا و توجہ کی برکت تھی کہ الحمد للہ اسکے بعد سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ دل پتھر ہو گیا ہے، اللہ تعالیٰ نے دل اور نگاہ دونوں کی حفاظت فرمائی، غضِ بصر کی بدولت مرد و عورت کا فرق ہی مٹ گیا، اور شدید سے شدید فتنے کے مواقع پر بھی بفضلہٖ تعالیٰ قلب و نظر میلے نہیں ہوئے۔

تعلّق مع اللہ

حضرت والاؒ کی حیاتِ طیبہ کا دوسرا اہم عنوان جو زندگی کی ایک ایک نقل و حرکت اور ہر ہر قول و فعل میں رچا ہوا تھا، "تعلق مع اللہ" اور "رجوع الی اللہ" ہے۔

حضرت والاؒ فرمایا کرتے تھے کہ ایک مؤمن کی زندگی کا پورا خلاصہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ فاتحہ کے چار لفظوں میں بیان فرما دیا ہے، اور وہ ہے اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ (اے اللہ! ہم آپ ہی کی عبادت کرتے اور آپ ہی سے مدد چاہتے ہیں) چنانچہ ایک مؤمن کی معراج یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بندگی اور اس سے استعانت کی تصویر بن جائے، اور حضرت ڈاکٹر صاحب قدس سرہٗ کی زندگی اسی "بندگی" اور "استعانت" کا پیکرِ محسوس بن گئی تھی۔ وہ ہر ہر لمحے چھوٹے سے چھوٹے کام میں بھی اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے کے عادی تھے، یہ دعا ہاتھ اُٹھا کر زبان سے بھی ہوتی، اور بڑی والہیت کے ساتھ ہوتی، اور اکثر دل ہی دل میں ہر وقت جاری رہتی تھی۔

تصوف و سلوک کی منزلِ مقصود درحقیقت یہی ہے کہ بندہ کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ مضبوط ہو جائے۔ صوفیاءِ کرامؒ کے یہاں جتنے مجاہدات اور جتنی ریاضتیں کرائی جاتی ہیں ان سب کا آخری مقصد یہی ہے کہ "تعلق مع اللہ" پیدا ہو جائے۔ اس کے لئے ایک طریقہ تو اُن

ریاضتوں اور مجاہدات کا ہے جو ہر شخص کو نظر آتے ہیں، لیکن ایک طریقہ پوشیدہ طور پر چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے " رجوع الی اللہ" کا ہے، حضرتؒ فرماتے تھے کہ اسی مؤخر الذکر طریقے کو تصوف کی اصطلاح میں "طریق القلندر" کہا جاتا ہے۔ اس میں بظاہر طویل اور پر مشقت مجاہدات نہیں ہوتے، لیکن قلب کو ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کی عادت ڈالی جاتی ہے، اس میں دیکھنے والا محسوس نہیں کرتا کہ کوئی شخص مراقبے یا مجاہدے میں مشغول ہے لیکن کرنے والا دل ہی دل میں اللہ تعالیٰ سے رجوع کرتا رہتا ہے، اور رفتہ رفتہ یہ عادت اس قدر پختہ ہو جاتی ہے کہ انسان بظاہر دنیا کے تمام کاموں میں دوسروں کی طرح مشغول رہتا ہے، لیکن اسکے قلب کا رشتہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہمہ وقت جڑا رہتا ہے۔ اسی کو بعض حضرات نے " باہمہ و بے ہمہ" سے بھی تعبیر کیا ہے۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ کی یہ بات حضرتؒ نے بارہا نقل فرمائی کہ " پہلے اس بات پر سخت حیرت ہوتی تھی، اور سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جن کا رابطہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کے ساتھ استوار تھا، وحی کا نزول مسلسل جاری تھا، اور معرفتِ الٰہیہ کی وہ تجلیات ہر وقت آپؐ پر نازل ہوتی رہتی تھیں جن کا کوئی دوسرا شخص تصور بھی نہیں کر سکتا، ان مقاماتِ عالیہ میں استغراق کے باوجود آپؐ ازواجِ مطہرات کے ساتھ کس طرح خوش طبعی کی باتیں کر لیتے تھے؟ دوستوں کے ساتھ کس طرح گھل مل جاتے تھے؟ دنیا کے دوسرے کام کس طرح انجام دے لیتے تھے؟ فرمایا کہ پہلے اس بات پر حیرت ہوتی تھی، لیکن الحمد للہ، اب سمجھ میں آنے لگا ہے کہ یہ دونوں باتیں کس طرح جمع ہو سکتی ہیں؟ اب احساس ہوتا ہے کہ یہ دونوں کام بیک وقت ہو سکتے ہیں۔"

حضرت ڈاکٹر صاحبؒ فرماتے تھے کہ حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ کی حیاتِ طیبہ اسی سنت پر عمل سے عبارت تھی۔ وہ بھی بظاہر اپنے دوست احباب اور اعزہ اقربا کے ساتھ گھلے ملے رہتے تھے، گھر میں خوش طبعی کی باتیں کرتے، بچوں کو چھیڑتے، لیکن ان تمام باتوں کے ساتھ قلب رجوع الی اللہ میں مشغول رہتا تھا۔ فرماتے تھے کہ جب کبھی کوئی شخص کوئی سوال پوچھتا ہے تو الحمد للہ! کبھی اس میں تخلف نہیں ہوتا کہ چند لمحوں کے لئے دل ہی دل میں دعا کرتا ہوں کہ " یا اللہ! میں کیا جواب دوں گا؟ اپنے فضل سے صحیح جواب دل میں ڈال دیجئے " اس کے بعد جواب دیتا

ہوں۔

اسی طرح فرمایا کہ جب کبھی اپنے احباب میں سے کسی کو اسکی کسی غلطی پر تنبیہ کرتا ہوں تو اگرچہ لہجہ غصّے کا اختیار کرتا ہوں، مگر دو باتوں کا استحضار بحمد اللہ ہمیشہ رہتا ہے، ایک یہ کہ عین اسی ڈانٹ ڈپٹ کے دوران دل ہی دل میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا رہتا ہوں کہ "یا اللہ! مجھ سے اس طرح مؤاخذہ نہ فرمائیے گا"، دوسرے عین اس غصّے کے اظہار کے وقت بھی اپنے آپ کو مخاطب سے افضل نہیں سمجھتا، بلکہ اپنی مثال اس جلاد کی سی سمجھتا ہوں جسے بادشاہ نے کسی شہزادے کو سزا دینے پر مامور کیا ہو۔ وہ جلاد بادشاہ کے حکم کی تعمیل میں شہزادے کو سزا تو دیتا ہے، لیکن اگر اس میں عقل کا ذرہ بھی موجود ہے تو کبھی یہ نہیں سمجھ سکتا کہ وہ شہزادے سے افضل ہے، وہ سزا دیتے وقت بھی دل سے یہی سمجھتا رہتا ہے کہ افضل شہزادہ ہی ہے، اور میں تو درحقیقت بادشاہ کے حکم کی تعمیل میں سزا کا ایک بے حقیقت آلہ بنا ہوا ہوں۔

اللہ اکبر! جس ذاتِ گرامی کی عبدیت و فنائیت اور رجوع الی اللہ کا یہ مقام ہو، اس نے اپنے خاص متوسلین کو رجوع الی اللہ کی کسی منزل تک پہنچا دیا ہوگا؟

چنانچہ حضرت ڈاکٹر صاحب قدس سرہ کی حیاتِ طیبہ میں بھی تعلق مع اللہ کی عجیب و غریب کیفیت ہم جیسے بے ذوق خدام کو بھی محسوس ہوئے بغیر نہیں رہتی تھی۔ شاید یہ کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا کہ حضرتِ والاؒ اپنی زندگی کے ہر کام اور ہر نقل و حرکت میں اللہ تعالیٰ سے رجوع کر کے اسی سے مدد مانگنے کے عادی تھے، چھوٹے سے چھوٹے کام میں اس سے ذہول نہیں ہوتا تھا۔ اپنے خدام سے فرمایا کرتے تھے کہ ہر کام سے پہلے "اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ" کہنے کی عادت ڈالو، بلکہ ہر وقت دل ہی دل میں یہ رٹ لگاؤ کہ "یا اللہ! اب کیا کروں؟" پھر دیکھو کہ کیا سے کیا ہو جاتا ہے؟

حضرتِ والاؒ نے تمام اعمالِ باطنی میں سے چار اعمال کو پورے طریق و سلوک کا خلاصہ قرار دے کر حقیقت یہ ہے کہ "رجوع الی اللہ" اور "تعلق مع اللہ" کا عطر نکال کر رکھ دیا ہے، وہ چار اعمال ہیں صبر، شکر، استغفار اور استعاذہ۔ فرمایا کہ زمانۂ حال میں یا کوئی بات ناگوار پیش آ رہی ہوگی، یا پسندیدہ، ناگوار بات پر صبر اور پسندیدہ بات پر شکر کی عادت

ڈالو، زمانۂ ماضی کا خیال آئے تو اس پر استغفار کرتے رہو، اور مستقبل میں کسی ناگوار بات کا اندیشہ سامنے آئے تو استعاذہ کرو (یعنی اس سے اللہ کی پناہ مانگو) اور خیر کی دعا کرو۔ اس طرح انسان کی زندگی کا کوئی لمحہ ان چار اعمالِ باطنہ سے خالی نہیں ہونا چاہیئے، اور اگر ان اعمال کو ہمہ وقت انجام دینے کی مشق کر کے انکی عادت ڈال لی جائے تو وہ "تعلق مع اللہ" جس کے حصول کے لئے لمبے چوڑے مجاہدات کئے جاتے ہیں، وہ خود بخود حاصل ہو جائے گا۔ حضرتِ والاؒ نے اس نسخۂ کیمیا کو اپنے مختصر رسالے "معمولاتِ یومیہ" میں بھی بیان فرمایا ہے، اور اس موضوع پر حضرتؒ کا ایک مستقل وعظ بھی شائع ہو چکا ہے۔

مقامِ رجاء

اسی "رجوع الی اللہ" اور "تعلق مع اللہ" کا ایک نتیجہ وہ "مقامِ رجار" تھا جس پر اللہ تعالیٰ نے حضرتِ والاؒ کو فائز فرمایا تھا۔ حضرتِ والاؒ کی مجلس میں چند لمحے بیٹھنے والا بھی یہ ضرور محسوس کرتا تھا کہ اس مجلس میں مایوسی اور ناامیدی کا گذر نہیں ہے، حضرتؒ کی مجلس میں ہر شخص کو دین کے بارے میں یہی پیغام ملتا تھا کہ ؎

سوئے تاریکی مرو، خورشید ہاست
راہِ نومیدی مرو، امید ہاست

حضرتؒ کے سامنے کوئی شخص اپنے آپ کو "گناہگار" کہتا تو فوراً فرماتے کہ "بھائی، اپنے آپ کو گنہگار کیوں کہتے ہو؟ جب اللہ تعالیٰ نے توبہ اور استغفار کا دروازہ کھول رکھا ہے تو اس سے کیوں فائدہ نہیں اُٹھاتے؟ یہ دروازہ تو اسی لئے ہے کہ کوئی مومن گنہگار نہ رہے۔"

تعلیم و تبلیغ میں حضرتؒ کا عمل عین سنت کے مطابق "یسّرا ولا تعسّرا، بشّرا ولا تنفّرا" کے ارشادِ نبویؐ پر تھا۔ آپ ہر شخص کو اس کے حالات کے مناسب اصلاح کا ایسا طریقہ تعلیم فرماتے جسے سن کر وہ مطمئن ہو جاتا، اور محسوس کرنے لگتا کہ دین کا راستہ مشکل نہیں، آسان ہے۔ بلکہ بعض اوقات ظاہر بین نگاہ کو حضرتؒ کی باتیں سن کر یہ محسوس ہوتا ہے کہ آپ نے اتنی ڈھیل دے دی ہے کہ سننے والوں میں کہیں ناجائز امور پر جرأت نہ پیدا ہو جائے، لیکن "قلندر ہرچہ گوید، دیدہ گوید"، تجربہ یہی تھا کہ ان باتوں کو سن کر جرأت اور غفلت کے بجائے خشیت پیدا ہوتی تھی، اور

گناہوں سے بچنے کا جذبہ ترقی کرتا تھا۔ بہت سے رائج الوقت ایسے تھے کہ حضرتؒ ان کا صراحۃً بہت کم ذکر فرماتے تھے، لیکن تجربہ یہ تھا کہ حضرتؒ کے پاس آنے والے خود بخود ان منکرات سے بے تعلق ہو جاتے تھے۔

احقر کے ایک کرم فرما اور حضرتؒ کے دیرینہ خادم، جو نو تعلیمیافتہ اور عصری ماحول کے پروردہ ہیں ایک دن فرمانے لگے کہ "حضرتؒ نے ہم پر بہت زیادہ روک ٹوک نہیں فرمائی، لیکن زاویۂ نظر اس طرح بدل دیا کہ الحمد للہ، بہت سے گناہوں سے نفرت کے بجائے بے تعلقی پیدا فرما دی" پھر فرمانے لگے کہ "نفرت بھی درحقیقت ایک قسم کا تعلق ہے، حضرت والا کے فیض سے الحمد للہ یہ تعلق بھی باقی نہیں رہا، اور ایسی بے تعلقی (INDIFFERENCE)، پیدا ہوئی کہ اب ان گناہوں کا خیال بھی نہیں آتا۔"

احقر انکی زبان سے یہ عجیب و غریب بات سن کر محوِ حیرت تھا کہ اللہ والوں کی صحبت کس قدر کیمیا تاثیر ہوتی ہے کہ ان صاحب نے کبھی کسی مدرسے میں تعلیم حاصل نہیں کی نہ کبھی مروجہ علوم دین سے باقاعدہ آشنا ہوئے، لیکن نہ صرف یہ کہ اعمال و اخلاق کی کیفیت کہیں سے کہیں پہنچ گئی، بلکہ ایسی باریک حقیقتوں کا فہم و ادراک نصیب ہو گیا۔

حضرتؒ کا ایک مذاق یہ بھی تھا کہ جس کسی وقت جس کسی عبادت یا کارِ خیر کی توفیق ہو جائے، خواہ وہ بے دلی، بے رغبتی اور حواس باختگی کے عالم میں ہوئی ہو، اسکی ہرگز ناقدری نہ کی جائے، بلکہ اس توفیق پر پہلے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا جائے، پھر اپنی طرف سے اسکی ادائیگی میں جو کوتاہیاں ہوئیں ان پر استغفار کیا جائے، بعض لوگ اپنی نماز کو ہجوم وساوس وغیرہ کی بنا پر "اٹھک بیٹھک" سے تعبیر کر دیتے ہیں، حضرتؒ کو اس تعبیر سے سخت انقباض تھا، فرماتے تھے کہ نماز کو تم اپنی طرف منسوب کرتے ہو، اس لئے اسکی ناقدری کر کے اسکے لئے ایسے الفاظ استعمال کرتے ہو، ارے یہ تو دیکھو کہ یہ توفیق کس کی طرف سے ملی ہے، اور کتنے ہیں جو اس سے محروم ہیں؟ جب اس بات کا تصور کرو گے تو اسی نماز کو قابلِ شکر پاؤ گے، ہاں جب ان کوتاہیوں کا تصور آئے جو اسکی انجام دہی میں تم سے سرزد ہوئی ہیں تو ان پر استغفار کر لو، استغفار کوتاہیوں کا تریاق ہے، اور شکر نعمتوں کے اضافے کا نسخہ، انہی دو باتوں پر عمل کرتے جاؤ، انشاء اللہ کوتاہیاں بھی دور ہوتی جائیں گی، ہائے ہائے

کرنے سے کیا فائدہ ؟

ایک مرتبہ ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرتؒ ! ہمارا سجدہ کیا ہے ؟ ایک مذاق ہے، دل و دماغ میں گندے اور ناپاک خیالات بھرے ہوئے، ذہن وساوس و افکار کی آماجگاہ بنا ہوا، ایسی حالت میں پیشانی زمین پر ٹیک دینے سے کیا حاصل ؟ حضرتؒ نے فوراً فرمایا کہ "کیا یہ گندہ اور ناپاک سجدہ تم مجھے کر سکتے ہو" ؟ ظاہر ہے کہ انکا جواب نفی میں تھا، حضرتؒ نے فرمایا کہ "اگر یہ سجدہ ایسا ہی گندہ اور لاحاصل ہے تو کسی مجھ جیسے گندے انسان کو کیوں نہیں کیا جاسکتا ؟ پھر فرمایا کہ جب یہ پیشانی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے آگے ٹک ہی نہیں سکتی تو سجدہ اللہ ہی کے لئے تھا، اور پہلے اس بات کا شکر ادا کرو کہ انکی طرف سے اس سجدے کی توفیق ہو رہی ہے، ورنہ کتنے ہیں جو اس سے محروم ہیں، پھر اپنی طرف سے اس کی ادائیگی میں جو کوتاہیاں ہیں، ان سے استغفار کرو، لیکن خبردار ! اسکو کبھی لاحاصل اور رائیگاں نہ سمجھنا"

یہ فرما کر حضرتؒ خود اپنا ایک شعر پڑھا کرتے تھے کہ ؎

کم نہیں یہ بھی کہ ہوں میں بھی حریمِ ناز میں
التفاتِ حسن سے بیخود سہی، غافل سہی

اور ؎ جبہہ سائی سے اگر کچھ نہیں حاصل، نہ سہی
کس طرح چھوڑ دے سنگِ درِ جاناں کوئی

بعض لوگ بڑے درجے کے اولیاء اللہ اور بزرگانِ دین کے کثرتِ عبادت کے حالات سن سن کر مایوسی کا شکار ہونے لگتے ہیں کہ اس درجے کی عبادت ہمارے بس سے باہر ہے، لیکن حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کو جداگانہ صلاحیت اور ظرف عطا فرمایا ہے، اسی کے مطابق وہ مکلف بھی ہے، اور اگر کوئی شخص اپنی صلاحیتوں کا شریعت کے مطابق پورا پورا صحیح استعمال کرلے تو مقصود حاصل ہے۔ لہٰذا یہ دیکھو کہ اپنی صلاحیتوں کے مطابق تم کن امور کے مکلف ہو، بس انکو انجام دینے کی فکر کرو، اور جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی انجام دہی کی توفیق ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو، اور بڑے لوگوں کے حالات سے ان کا مقابلہ کر کے ان کی ناقدری نہ کرو، کیونکہ تمہیں اپنی صلاحیت کے مطابق جن اعمال کی توفیق ہوئی ہے تمہارے

لئے وہی عین کرم ہے ؏

کہ انچہ ساقیٔ ما ریخت، عین الطاف است

خود حضرتؒ ہی کا شعر ہے ؎

مجھ کو اس سے کیا غرض، کس جام میں ہے کیسی مے ٭ میرے پیمانہ میں لیکن حاصل میخانہ ہے

جب اس توفیق کی قدر دانی کے ساتھ اس پر شکر ادا کرو گے تو لأزیدنکم کے وعدے کے مطابق انشاءاللہ اس توفیق کو دوام و استحکام عطا ہوگا، اور اپنے ظرف و صلاحیت کے مطابق ترقی کے مدارج بھی طے ہونگے۔

مقامِ شکر

حضرت والاؒ کو ہمہ وقت ادائے شکر کا خاص ذوق تھا۔ فرماتے تھے کہ انسان پر ہر لمحے اللہ تعالیٰ کی جو بے شمار نعمتیں مبذول رہتی ہیں، ان سب پر شکر ادا کرنا تو انسان کے لئے ممکن ہی نہیں ہے، لیکن کم از کم اتنا تو انسان کو کرنا چاہیئے کہ جو مسرت یا راحت واضح طور محسوس ہو، اس پر شکر ادا کرتا رہے۔ فرماتے تھے کہ اگر ہوا کا ایک جھونکا بھی چلے اور اس سے راحت محسوس ہو، تو اس پر بھی شکر ادا کرنا چاہیئے، اس طرح جو نعمتیں بظاہر چھوٹی سی چھوٹی نظر آتی ہیں، ان پر بھی شکر ادا کرنے کی عادت ڈالنی چاہیئے۔ اور چونکہ "شکر" کی حقیقت ہی یہ ہے کہ انسان یہ محسوس کرتا ہے کہ جو نعمت مجھے میسّر ہوئی ہے، میں اس کا مستحق اور اس کے قابل نہیں تھا۔ محض اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مجھے حاصل ہوئی ہے، اس لئے "شکر" کا لازمی خاصہ یہ ہے کہ اس کی وجہ سے تکبّر، عجب اور غفلت جیسے امراض پیدا نہیں ہوتے، اور تواضع حاصل ہوتی ہے۔

حضرتِ والاؒ کی پوری زندگی چونکہ مقامِ شکر میں ڈوبی ہوئی تھی، اس لئے آپ ہر نعمت سے دوسروں سے زیادہ لطف اندوز ہوتے، اکثر اوقات بشاش رہتے، اور کوئی چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی حاصل ہو جائے تو اس پر اس قدر مسرت کا اظہار فرماتے اور بار بار اس کا تذکرہ فرما کر شکر ادا کرتے جیسے یہ نعمتِ غیر مترقبہ اچانک کسی استحقاق کے بغیر حاصل ہو گئی ہے۔

بعض حضرات کا اندازِ تواضع یہ ہوتا ہے کہ وہ بار بار اپنے آپ کو "ناکارہ" اور "ناچیز" اور اپنے ہر عمل کو ناقص، ادھورا اور عیب دار کہتے رہتے ہیں۔ جو لوگ یہ باتیں تصنعاً کرتے ہیں، ان کا تو کوئی ذکر ہی نہیں کہ بقول حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ یہ تواضع نہیں، تکبّر ہی کی ایک خفی قسم ہے جس میں تواضع کی ریا شامل ہوگئی ہے، لیکن جو حضرات سچے دل سے ایسا کرتے ہیں انہیں حقیقی تواضع کی بنا پر نہ اپنا آپ نظر آتا ہے، نہ اپنا کوئی عمل قابلِ تعریف محسوس ہوتا ہے۔ یہ بلاشبہ تواضع کا ایک مقام بلند ہے، لیکن حضرتِ والاؒ کے اندازِ تواضع کا رنگ مختلف تھا، ان پر چونکہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے استحضار کا غلبہ تھا، اس لئے وہ ہمہ وقت اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کے احسانات کا تذکرہ فرماتے رہتے تھے، اور اس پر ادائے شکر میں مشغول رہتے تھے، یہاں تک کہ بعض اوقات بعض ظاہر بیں افراد کو جو حضرتؒ کے مزاج شناس نہ ہوں، اس پر خود ستائی کا شبہ ہونے لگتا تھا، حالانکہ حقیقتِ حال یہ تھی کہ وہ اپنے کسی عمل کو کبھی اپنی طرف منسوب ہی نہ فرماتے تھے، انکے ذہن میں یہ خیال ہی نہیں ہوتا تھا کہ کوئی عمل میرا عمل ہے، وہ تو اسے سراسر عطائے الٰہی سمجھکر اس کی تعریف اور اس پر شکر ادا فرماتے رہتے تھے، اپنی ذات کا تو نہ کوئی خیال ہوتا تھا، نہ اس کا کوئی ذکر۔

چنانچہ ایک مرتبہ خود اس حقیقت کا اظہار فرمایا کہ بعض مرتبہ میرے اندازِ بیان سے بعض افراد کو تعلّی کا شبہ ہوگیا، لیکن واقعہ یہ ہے کہ الحمد للہ، حضرتِ شیخؒ کے فیض سے کبھی قلب پر اپنے کسی کمال کا واہمہ بھی نہیں گذرتا، ہاں اللہ تعالیٰ نے جو بے شمار انعامات احقر پر فرمائے ہیں انکا تذکرہ تحدیثِ نعمت کے لئے کرتا ہوں، یہ تعریف اللہ تعالیٰ کی اور اسکے الطاف و کرم کی ہوتی ہے، کبھی حاشیۂ خیال میں بھی یہ بات نہیں آتی کہ اس تعریف کی کوئی نسبت احقر کی ذات سے بھی ہو سکتی ہے۔

پھر فرمایا کہ میں نے کسی بزرگ کا واقعہ پڑھا ہے، سُنا ہے، کہ جب انکے سامنے کوئی شخص انکے کسی عمل کی تعریف کرتا تو وہ بہت مسرّت کا اظہار فرماتے تھے، ایک مرتبہ کسی نے پوچھا کہ حضرت! آپ اپنی تعریف سن کر بہت خوشی کا اظہار کرتے ہیں؟ فرمانے لگے: "اپنی تعریف سن کر؟ ارے بھائی! وہ تو میرے اللہ میاں کی تعریف ہوتی ہے، کیونکہ جو کوئی بھی عمل

خیر ہے۔ وہ انہی کی عطا اور انہی کی توفیق ہے، میرا اس میں کیا دخل؟ اس لئے جب لوگ اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتے ہیں تو میں خوش ہوتا ہوں کہ میرے مالک کی تعریف ہو رہی ہے۔“

اگر واقعتہً کسی کو یہ مقام حاصل ہو جائے (محض اس مقام کا دھوکا نہ ہو) تو یہ تواضع اور فنائیت کا بہت نازک اور اُونچا مقام ہے، اور حضرتؒ کی ادا ادا سے محسوس ہوتا تھا کہ وہ بفضلہ تعالیٰ اسی مقام پر فائز ہیں۔

ادائے حقوق

حضرتؒ کے مذاقِ زندگی کا شاید اہم ترین عنوان ”ادائے حقوق“ ہے، اور اس سلسلے میں آپ کا طرزِ عمل مجسم کرامت سے کم نہ تھا۔ حضرتؒ خود فرماتے تھے کہ دین دراصل ”ادائے حقوق“ کا نام ہے، ”حقوق اللہ“ یا عبادات کا کچھ تذکرہ تو پیچھے کر چکا ہوں، لیکن ”حقوق العباد“ وہ چیز ہے جس کی طرف اس دور میں بہت کم توجہ دی جاتی ہے، لوگوں نے اسے دین سے خارج ہی سمجھ رکھا ہے، اور اچھے اچھے بظاہر دیندار قسم کے لوگ جو عبادتوں کا ماشاء اللہ خوب اہتمام کرتے ہیں، بعض اوقاتِ دین کے اس اہم شعبے سے بالکل غافل رہتے ہیں۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ کے اندازِ تعلیم و تربیت میں اس شعبے کا خاص اہتمام تھا، چنانچہ حضرتؒ کے تربیت یافتہ حضرات میں ”حقوق العباد“ کی رعایت کا خاص رنگ نمایاں ہوتا ہے۔

حضرت ڈاکٹر صاحب قدس سرہٗ نے بھی ”ادائے حقوق“ کا جیسا اہتمام کر کے دکھایا، وہ اپنی مثال آپ ہی ہے۔ اس بات کو شاید کوئی مبالغہ سمجھے، لیکن یہ حقیقت ہے کہ حضرت والاؒ نے تمام عمر کبھی اپنی اہلیہ محترمہ سے نہ صرف یہ کہ کبھی لہجہ بدل کر بات نہیں کی، بلکہ کبھی یہ بھی نہیں فرمایا کہ ”فلاں کام کر دو“۔ وہ خود اپنی خوشی سے حضرتؒ کی خدمت فرماتی تھیں، لیکن حضرتؒ نے کبھی ان سے پانی پلانے کے لئے بھی نہیں کہا۔ یہ بات خود حضرتؒ نے بھی ہماری تربیت کی خاطر ارشاد فرمائی تھی، اور حضرتؒ کی اہلیہ محترمہ نے احقر کی بیوی سے بھی اس کا کئی بار ذکر فرمایا۔

اندازہ فرمائیے کہ تقریباً ساٹھ سالہ رفاقت ہے، اور رفاقت بھی وہ ازدواجی رفاقت

جس میں سرد و گرم حالات دنیا میں سب سے زیادہ پیش آتے ہیں، ناگوار امور بھی خواہی نخواہی سامنے آتے رہتے ہیں، لیکن اس طویل مدت میں غصہ کے اظہار کے تو کیا معنی، کبھی بدلے ہوئے لہجے سے بھی خطاب نہیں فرمایا۔ پھر عموماً شوہر اپنا حق سمجھتے ہیں کہ بیوی سے اپنا کام لیں، لیکن حضرت ؒ نے تمام عمر کبھی کوئی چیز اُٹھانے یا رکھنے تک میں ازخود انہیں کوئی کام کرنے کے لئے نہیں فرمایا ـــ اللہ اکبر! لوگ ہوا میں اڑنے اور پانی پر چلنے کو کرامت سمجھتے ہیں، لیکن اس جیتی جاگتی زندگی میں اس سے بڑی کرامت کیا ہوگی؟ یہ کام صرف وہ شخص انجام دے سکتا ہے جس نے اپنی ذات کو بالکل فنا کر کے اسے شریعت و سنت پر قربان کر دیا ہو، حدیث میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

خیارکم خیارکم لنسائهم، وأنا خیرکم لنسائی

تم میں بہترین لوگ وہ ہیں جو اپنی عورتوں کے لئے بہتر ہوں اور
میں اپنی عورتوں کے لئے تم میں سب سے بہتر ہوں۔

اس سنتِ عظیمہ پر عمل کا یہ انداز جو حضرت والاؒ نے اختیار فرمایا، وہ آپ سے پہلے نہ کبھی دیکھا، نہ سنا، اور اگر خود حضرتِ والاؒ اور آپ کی اہلیہ محترمہ سے براہ راست یہ بات نہ سنی ہوتی تو اس دور میں اس کا تصور بھی مشکل تھا۔

حدیث میں "احسان" کی تعریف اس طرح فرمائی گئی ہے کہ:۔

أن تعبد اللہ کأنك تراه، فإن لم تکن تراه فإنه یراك

احسان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو جیسے تم اسے دیکھ
رہے ہو، اور اگر تم نہیں دیکھ رہے تو وہ تمہیں دیکھ رہا ہے

ایک مرتبہ ایک صاحب نے حضرتؒ سے عرض کیا کہ "الحمد للہ، احقر کو احسان کا درجہ حاصل ہو گیا ہے" حضرتؒ نے پوچھا: "کیا نماز میں؟" فرمانے لگے "جی ہاں"، آپ نے فرمایا: "ماشاء اللہ بڑی مبارک بات ہے، لیکن ذرا اس کا بھی دھیان رہے کہ احسان کا یہ درجہ بیوی بچوں کے ساتھ معاملات میں بھی حاصل ہوا یا نہیں"؟ پھر فرمایا کہ لوگ "احسان" کو نماز روزے اور اذکار و اوراد کے ساتھ خاص سمجھتے ہیں، اور معاملاتِ زندگی کو اس سے خارج سمجھتے ہیں،

حالانکہ "احسان" جس طرح نماز روزے وغیرہ میں مطلوب ہے، مخلوق کے ساتھ معاملات میں بھی مطلوب ہے۔

حضرتِ والاؒ اپنے متعلقین، اعزہ واقربا، احباب اور متوسلین میں سے ہر ہر شخص کے ساتھ حقِ تعلق اس طرح ادا فرماتے تھے کہ ہر شخص یہ سمجھتا تھا جیسے آپ کو سب سے زیادہ محبت اسی سے ہے۔ آپ ہر شخص کے ذاتی اور نجی معاملات میں دخیل اور اس کے مسائل سے نہ صرف باخبر، بلکہ ان کے لئے فکر مند اور دعاگو رہتے تھے۔

حضرتؒ احقر سے تو اکثر ملاقاتوں میں فرماتے ہی تھے کہ "بھئی، ہم تمہارے لئے بہت دعا کرتے ہیں" لیکن میں نے دیکھا کہ آپ کے متوسلین اور متعلقین کی تعداد یقیناً سینکڑوں میں تھی، اکثر یہ دیکھا کہ جب ان میں سے کوئی بھی شخص ملتا تو آپ ان سے فرماتے: "ارے بھائی! ہم تمہارے لئے بہت دعا کرتے ہیں، مجھے حضرتؒ سے یہ جملہ سن کر حیرت ہوتی تھی کہ یقیناً یہ بات خلافِ واقعہ تو ہو نہیں سکتی، پھر آپ اتنے سارے آدمیوں کے لئے اتنی دعا کرنے کا وقت کہاں سے لاتے ہیں؟ اور ہر شخص کے لئے دعاء کا خیال کیسے آجاتا ہے؟ سوچا کہ شاید حضرتؒ کوئی عمومی دعاء فرما لیتے ہونگے جس میں سب شامل ہوں، لیکن ایک مرتبہ غالباً حضرتؒ ہی سے یہ سنا کہ آپ اپنے متعلقین کے لئے فرداً فرداً نام لے کر دعا فرماتے ہیں، اس لئے یہ احتمال بھی خارج از بحث ہوگیا ——— پھر اسی پر بس نہیں، حضرتؒ اکثر اپنے مرحوم بزرگوں یا دوستوں کا ذکر فرماتے تو انکے بارے میں بھی یہی فرماتے کہ الحمد للہ! میں ان کے لئے بہت دعاء کرتا ہوں حیرت اس بات پر تھی کہ حضرتؒ ان تمام افراد کے لئے دعاء کا اہتمام کیسے فرماتے ہیں؟

ایک روز حضرتؒ نے خود ہی یہ عقدہ کھولا، اور فرمایا کہ میں نے اپنے نمازوں کے اوقات کو اپنے متعلقین وغیرہ پر اس طرح تقسیم کر رکھا ہے کہ ایک نماز کے بعد صرف اپنے رشتہ دار بزرگوں اور مرحومین کے لئے دعاء کرتا ہوں، ایک نماز کے بعد اپنے موجودہ اعزہ اور اقربا کے لئے دعا کرتا ہوں، ایک نماز کے بعد اپنے اساتذہ اور مشائخ وغیرہ کے لئے دعاء کرتا ہوں، کسی نماز کے بعد اپنے احباب اور اصلاحی تعلق رکھنے والوں کے لئے۔ غرض ہر نماز کے ساتھ وہ لوگ متعین کر رکھے ہیں جن کے لئے اس وقت دعا کرنی ہے۔

اس نظم و ترتیب کے علم میں آجانے کے بعد یہ مسئلہ کسی حد تک تو حل ہوا، لیکن اول تو اس ترتیب کا اہتمام ہی ہر شخص سے نہیں ہو سکتا، دوسرے اس ترتیب کے باوجود اپنے تمام متعلقین کو دعا میں نام بنام یاد رکھنا "الاستقامۃ فوق الکرامۃ" کے سوا اور کیا ہے؟

ایک دن ——— جبکہ حضرتؒ سے باقاعدہ اصلاحی تعلق قائم ہوئے کئی سال گذر چکے تھے۔ احقر حاضر ہوا تو فرمانے لگے، "سچ کہتا ہوں کہ مجھے تم سب بھائیوں سے بہت تعلق خاطر ہے، اور کوئی دن خالی نہیں جاتا جب میں رات کے وقت سونے سے پہلے تم سب کے مکانوں کا باقاعدہ حصار کر کے نہ سوتا ہوں" اللہ اکبر! میں یہ سن کر دنگ رہ گیا کہ ہم لوگوں پر حضرتؒ کی شفقت و محبت کی کوئی انتہا ہے؟ مدتوں سے حضرتؒ یہ عمل فرماتے ہیں، اور آج سے پہلے کبھی ذکر بھی نہیں کیا۔ احقر کو معلوم تھا کہ سونے سے قبل حضرتؒ کے بہت سے معمولات ہوتے ہیں، اُن معمولات کے ساتھ اپنے ناکارہ خدام کو نہ صرف دعا میں، بلکہ حفاظتی حصار کے اس عمل میں یاد رکھنا کوئی معمولی بات ہے؟

کافی عرصے تک احقر حضرتؒ کے اس ارشاد ہی پر محوِ حیرت رہا، لیکن اس کے بعد ایک دو نہیں، حضرتؒ کے خاص خدام اور متوسلین میں سے بہت سے افراد نے مختلف مواقع پر بتایا کہ حضرتِ والاؒ سونے سے قبل انکے گھروں کا بھی حصار فرماتے ہیں۔ ادائے حقِ محبت کو جیتی جاگتی کرامت کی حد تک پہنچا دینا کوئی ان اللہ والوں سے سیکھے!

حضرت ڈپٹی علی سجاد صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرتؒ کے پھوپا بھی تھے، اور خُسر بھی، اور حضرت حکیم الامتؒ کے مجازِ صحبت بھی۔ انکی عمر نوّے سال کے قریب پہنچ چکی تھی، آخر میں ضعف و علالت کی بنا پر کئی سال بستر ہی پر گذارے۔ اس حالت میں انہیں اگر کسی کی موجودگی سے تسلّی اور ڈھارس ہوتی تو وہ حضرت والاؒ کی ذات تھی۔ حضرتؒ کو بھی اسکا احساس تھا، اس لئے اس زمانے میں یہ معمول بنا لیا کہ روزانہ بلا ناغہ عصر کے بعد انکے گھر تشریف لے جاتے، اور مغرب تک تو روزانہ اور اکثر عشاء تک انہی کے پاس رہتے، اور انکی دلجوئی میں لگے رہتے۔ یہ بات کہنے میں جتنی آسان معلوم ہوتی ہے، کرنے میں اتنی ہی مشکل ہے، حضرت کی مصروفیات بہت زیادہ تھیں، ان تمام مصروفیات کے باوجود روزانہ اتنا وقت نکالنا، اور ایک دو دن یا ایک دو ہفتے نہیں، مہینوں، بلکہ

شاید سالوں اسکی پابندی کرنا وہی شخص کر سکتا ہے جس نے اپنے آپ اور اپنی ذات کو "ادائے حقوق" کے جذبے میں بالکل فنا ہی کر لیا ہو۔

جب حضرت ڈپٹی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ہوئی تو حضرتؒ خود بہت ضعیف و علیل تھے۔ نقاہت کی وجہ سے چند قدم چلنا دشوار تھا، اس پر حضرت ڈپٹی صاحبؒ کی وفات کے صدمے سے مزید نڈھال تھے۔ ایسے میں متعدد خدام نے، اور شاید خود اہلِ خانہ نے، نمازِ جنازہ کے بعد عرض کیا کہ قبرستان تشریف نہ لے جائیں، لیکن حضرتؒ نہ مانے، اور تدفین کے آخری مراحل تک وہیں موجود رہے۔ حضرت ڈپٹی صاحبؒ سے تو رشتہ داری کا تعلق بھی تھا، بہت سے وہ حضرات جن سے رشتہ داری کا بھی تعلق نہیں تھا، ان کے ساتھ بھی حضرتؒ نے یہی معاملہ فرمایا۔

حضرتؒ کے ہم زلف جناب حاجی ظفر احمد صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ بھی حضرت حکیم الامتؒ کے مجازِ صحبت تھے، اور حضرت والا کی طرف سے مجازِ بیعت بھی۔ جب انکا انتقال ہوا تو اسکے بعد سے مستقل معمول یہ بنالیا کہ دوپہر کو مطب سے اٹھنے کے بعد روزانہ نمازِ ظہر پڑھکر انکے گھر تشریف لے جاتے، اور انکی اہلیہ اور صاحبزادوں کی خبر گیری فرماتے۔ بحمد للہ وہ حضرات خود اپنے پاؤں پر کھڑے ہیں، اور اگر کسی مسئلے میں صلاح مشورے وغیرہ کی ضرورت ہوتی تو وہ ٹیلی فون پر یا بالواسطہ بھی ہو سکتی تھی، لیکن حضرتؒ روزانہ بہ نفسِ نفیس وہاں تشریف لے جاتے۔ یہ عمر کے بالکل آخری دور کی بات ہے جب قویٰ بحد مضمحل ہو چکے تھے، ذرا دیر گفتگو سے سرگرم ہو جاتا تھا، نقاہت کی بناء پر چلتے چلتے ڈولنے لگتے تھے، اس زمانے میں صبح ۸½ بجے سے ایک بجے دوپہر تک مسلسل مطب میں مشغول رہنے کے بعد جب آرام و سکون کی شدید ضرورت ہوتی تھی، اُس وقت بھی "ادائے حقِ محبت" کا یہ اہتمام نظروں سے اوجھل نہ ہوا، اور یہ معمول آخر دن تک برابر جاری رہا۔

حضرتؒ اکثر و بیشتر حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ کی آخری عمر کا یہ ارشاد سُنایا کرتے تھے کہ "وہ لمحاتِ زندگی کس کام کے جو کسی کی خدمت میں صرف نہ ہوں"؟ ایسا لگتا تھا کہ حضرتؒ نے اس ارشاد کو اپنی زندگی کا ہمہ وقتی رہنما بنایا ہوا ہے، اور یہ ارشاد کسی وقت نظر سے اوجھل نہیں ہو سکتا۔

ہمارے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ہمارے لئے زندگی کا سب سے بڑا حادثہ تھا، اس موقع پر ایک مرتبہ برادر مکرم حضرت مولانا مفتی محمد رفیع صاحب عثمانی مدظلہم نے حضرتؒ سے عرض کیا کہ: "حضرتؒ! آپ کی موجودگی میں ہمیں یہ احساس نہیں ہوتا کہ ہم والد کے سائے سے محروم ہیں۔" حضرتؒ نے فرمایا "آپ کو ایسا ہی سمجھنا چاہیئے، اور انشاء اللہ میں حق محبت کی ادائیگی میں کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھوں گا" اور پھر واقعہ بھی یہی ہوا، حضرت والاؒ نے حضرت والد صاحبؒ کے ساتھ اپنے تعلق کا حق جس طرح ادا فرمایا، اس کی اس دور میں مثال ملنی مشکل ہے۔ حضرتؒ ہمارے گھریلو معاملات کی جزئیات تک سے باخبر رہتے، ان میں دخیل رہتے، اور ایک شیخ و مرشد کی رہنمائی کے علاوہ ہمیں ایک باپ کی شفقت سے نوازتے۔

ایک مرتبہ حضرتؒ ہمارے یہاں تشریف لائے، کھانا بھی وہیں تناول فرمایا، اور ہر چیز کی تعریف فرمائی کہ بہت اچھی بنی ہوئی ہے، پھر فرمایا کہ یہ تمہاری تعریف نہیں، بلکہ ان گھر والوں کی تعریف ہے جنہوں نے محنت سے کھانا پکایا ہے، پھر فرمانے لگے کہ جب اچھا کھانا کھاؤ تو پکانے والے کی تعریف کر کے اس کا دل ضرور بڑھا دیا کرو، پھر ایک واقعہ سنایا کہ میں ایک صاحب کے یہاں کھانے پر گیا، کھانے کے بعد میں نے کھانے کی تعریف کی اور کہا کہ ماشاء اللہ آپ کے گھر والوں نے کھانا بہت اچھا بنایا ہے، میرا یہ جملہ صاحبِ خانہ کی اہلیہ نے پردے کے پیچھے سنا تو وہ رو پڑیں، میں بڑا حیران ہوا کہ نہ جانے کیا بات ہوئی؟ بعد میں انہوں نے بتایا کہ آپ کی زبان سے یہ جملہ سن کر مجھے اس لئے رونا آگیا تھا کہ میں سالہا سال سے اپنے شوہر کی خدمت کرتی ہوں، لیکن آج تک کبھی انکی زبان سے اس قسم کی ہمت افزائی کا کوئی کلمہ نہیں سُنا۔

حضرتؒ فرماتے ہیں کہ یہ سن کر میرے دل پر بہت اثر ہوا، واقعہ یہ ہے کہ کسی کی خدمت پر ادائے شکر اور مسرت کا اظہار اس کا حق ہے، خاص طور سے بیوی کا، یہ بڑی شرافت سے گری ہوئی بات ہے کہ انسان کبھی اسکی ہمت افزائی نہ کرے۔

خلاصہ یہ کہ حضرتؒ کی پوری زندگی "ادائے حقوق" سے عبارت تھی، اوپر جو چند مثالیں پیش کی گئی ہیں انکی حیثیت محض مثال اور نمونے ہی کی ہے، ورنہ حضرتؒ کے جس تعلق رکھنے والے

سے پوچھیے، اسکے پاس اس عنوان کی نہ جانے کتنی داستانیں محفوظ ملیں گی۔

سادگی اور نفاست

حضرتؒ کی زندگی سادگی اور نفاست کا ایک دلکش آمیزہ تھی، اللہ تعالیٰ نے حُسنِ باطن کے ساتھ حسنِ ظاہر سے بھی نوازا تھا، اور طبیعت کی پاکیزگی، نفاست اور خوش مذاقی ادا ادا سے نمایاں تھی۔ فرماتے تھے کہ کوئی چیز بے قاعدہ رکھی ہو تو بڑی ذہنی کوفت معلوم ہونے لگتی ہے۔ اس نفاست مزاج کا اثر گفتگو پر بھی تھا، گفتگو میں الفاظ کوثر و تسنیم میں دُھلے ہوئے استعمال فرماتے، بات چیت میں کوئی لفظ جو شائستگی کے معیار سے ذرا ہٹا ہوا ہو، طبیعت پر بار گذرتا تھا۔

جب حضرتؒ سے ابتداءً اصلاحی تعلق قائم ہوا تو ایک مرتبہ احقر حاضرِ خدمت ہوا، حضرتؒ کو کہیں تشریف لے جانا تھا، مگر سواری موجود نہ تھی، احقر کے پاس کار تھی، احقر نے عرض کیا کہ: "حضرتؒ! میں آپ کو چھوڑتا جاؤں گا"، حضرتؒ نے بے ساختہ فرمایا: "چھوڑتے جاؤ گے، یا پہنچاتے جاؤ گے؟ بھئی، ہمیں یہ پسند نہیں کہ کوئی ہمیں چھوڑ کر جائے"، پھر فرمایا کہ "آج کل یہ جملہ بہت بُرا رواج پا گیا ہے کہ کسی شخص کو اپنی سواری میں کہیں پہنچانے کو چھوڑنے سے تعبیر کر دیتے ہیں، حالانکہ چھوڑنے کے لفظ میں ایک بیزاری کا سا پہلو ہے، صحیح لفظ پہنچانا ہے، وہی استعمال کرنا چاہیے"۔

اس سے پہلے اس باریک نکتے کی طرف کبھی توجہ نہیں ہوئی تھی، غور کیا تو محسوس ہوا کہ واقعۃً یہ لفظ بڑا نامناسب، بلکہ بڑوں کے لئے تو بے ادبی کا لفظ ہے، اور آج کل اس سے بھی زیادہ بُرا لفظ "ڈراپ" (DROP) کرنا رائج ہو گیا ہے، لوگ کہتے ہیں کہ میں آپ کو فلاں جگہ "ڈراپ" کر دوں گا۔ حالانکہ اس لفظ کے معنیٰ "ٹپکانے" کے ہیں۔ خاص طور سے کسی بڑے کے لئے اس لفظ کا استعمال بڑی بدمذاقی ہے۔ حضرتؒ کی اس تنبیہ کے بعد بحمد اللہ اب کبھی یہ لفظ استعمال نہیں کرتا۔

لباس حضرتِ والاؒ صاف ستھرا استعمال فرماتے، اور اس میں عموماً بہت لطیف خوشبو بھی استعمال فرماتے تھے جو نہ بہت زیادہ تھی کہ طبیعت پر بار ہونے لگے، اور نہ بالکل ہلکی کہ اس کا احساس

ہی نہ ہو۔ لیکن لباس میں تکلف اور تصنع نام کو نہیں تھا، سادگی کے ساتھ جو صاف ستھرا لباس میسر ہوتا، زیب تن فرماتے، اور سنت کے مطابق سفید لباس زیادہ پسند تھا۔

نشست کے انداز میں بھی سادگی کا یہ عالم تھا کہ عمر بھر کبھی مجلس میں تکیہ لگا کر نہیں بیٹھے، آخر عمر میں جب ضعف بہت زیادہ ہوگیا تھا، ہم خدام نے بارہا باصرار کہا کہ تکیہ لگالیں، لیکن حضرتؒ نہ مانے، شروع میں مجلس کے اندر کسی ممتاز اونچی جگہ پر بیٹھنا بھی پسند نہیں فرماتے تھے، بعد میں جب لوگ زیادہ ہوگئے، اور ارشادات سے استفادے میں انہیں دقت ہونے لگی تو جمعہ کی مجلس میں ایک چوکی پر بیٹھنے کو منظور فرمالیا، مگر دوشنبہ کی مجلس میں نیچے ہی بیٹھتے، اور اپنے لئے کوئی امتیاز قائم نہ فرماتے۔

جذبۂ تبلیغ

ہم نے تو جب سے حضرت والاؒ کو دیکھا، آپ کو جذبۂ تبلیغ کی دھن میں محو پایا۔ آپ کی دعوت وتبلیغ اور تعلیم وتلقین صرف ہفتہ وار مجلسوں کی حد تک محدود نہیں تھی۔ بلکہ آپ جہاں بیٹھتے، دینی اشارات کا ایک سلسلہ شروع ہوجاتا، اور ہر جگہ کے مناسب ایسی ہلکی پھلکی باتوں کا انتخاب فرماتے جو اس خاص ماحول میں سننے والے پر بار نہ ہوں، اور کوئی نہ کوئی دین کی بات کان میں پڑجائے، سترہ سالہ تعلق میں اگر کبھی چند منٹ کے لئے سر راہے بھی کوئی ملاقات ہوئی تو کوئی نہ کوئی کام کی بات حضرتؒ نے ضرور کان میں ڈال دی۔

عام طور سے مشائخِ طریقت کا طریقہ یہ رہا ہے کہ وہ طالب کی اچھی طرح جانچ کرنے کے بعد جب تک یہ اندازہ نہ کرلیتے کہ وہ طلبِ صادق لے کر آیا ہے، اس وقت تک اسے اپنے زیر تربیت نہیں لاتے تھے، لیکن ہمارے زمانے میں لوگوں کی طلب کا جو حال ہے، وہ سب کو معلوم ہے لیکن حضرت والاؒ نے تبلیغ اور خیر خواہی کے جذبے کے تحت یہ محسوس فرمایا کہ اب طلبِ صادق کا انتظار کیا گیا تو کتنے لوگ محروم ہی رہ جائیں گے، اس لئے انہوں نے اپنے پاس آنے والوں میں طلب پیدا کرنے کی ذمہ داری بھی خود ہی اُٹھالی، آپ جانتے تھے کہ یہ لوگ جدید دور کی حواس باختہ زندگی میں پھنسے ہوئے ہیں، اس لئے جتنا تھوڑے سے تھوڑا وقت بھی کوئی شخص دین کے لئے نکال لے، اسی

کو غنیمت سمجھ کر اسے ایسی باتیں بتا دی جائیں جو اس کی زندگی پر اثر انداز ہوں۔

چنانچہ جب کسی بے تکلف شخص سے ملاقات ہوتی، آپ از خود فرماتے کہ: "بھئی، آ جایا کرو، اگر ہمیشہ موقع نہ ملے تو جب بھی موقع ملے، آ جایا کرو" کبھی فرماتے: "بھائی، ہم سے ہماری کچھ باتیں سُن لو، کان میں پڑ جائیں گی تو انشاءاللہ کبھی کام آئیں گی" کبھی فرماتے کہ "یہ باتیں شاید اب کہیں اور سننے کو نہ ملیں، ہماری زبان سے سن لو"، اور اکثر یہ شعر پڑھا کرتے ؎

مجھی سے سُن لو جو سننا ہے غم کی داستاں میری
کہاں سے لائے گا پھر کوئی دل میرا، زباں میری

کبھی فرماتے ؎

کرو گے یاد جب باتیں کرو گے
کہ کوئی رفتۂ بسیار گو تھا

سامعین میں طلب پیدا کرنے کے لئے حضرتؒ بکثرت ان باتوں کی اہمیت اور ان کے قابلِ قدر ہونے کا ذکر کرتے، فرماتے کہ میں نے جو باتیں حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ سے سنی ہیں، اور جن سے مجھے نفع پہنچا ہے، وہ آپ لوگوں کے دل میں اُتارنا چاہتا ہوں، ؎

سنی ہیں جو اُن کے لبِ جانفزا سے
وہ باتیں سنانے کو جی چاہتا ہے،

اس لئے بار بار متوجہ کرتا ہوں کہ باتیں سُن لو جو کتابوں میں نہیں ملیں گی، بعض لوگ میری اس بات کو تعلّی پر محمول کرتے ہیں، اچھا بھئی، جو چاہو سمجھو، لیکن یہ باتیں سُن لو، یہ نہ دیکھو کہ کون کہہ رہا ہے؟ یہ دیکھو کہ کیا کہہ رہا ہے؟ میرے پاس جو کچھ ہے، حضرتؒ ہی کی باتیں ہیں، اس لئے میں ان کی اہمیت بیان کرتا ہوں، ورنہ الحمد للہ، تعلّی کا واہمہ بھی دل پر نہیں گذرتا ؎

بات منہ کی جو ترے آن کے دہرائی ہے
تیرے قاصد کو بھی دعوائے مسیحائی ہے

علمی مذاق

حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ ابتدا ءِ عمر سے میرا مذاق طالب علمانہ رہا ہے۔ حضرتؒ نے باقاعدہ درسِ نظامی کی تحصیل تو نہیں فرمائی تھی، بلکہ انگریزی تعلیم اور قانون کی تعلیم حاصل فرمائی تھی، لیکن حضرتؒ کے نانا بڑے عالمِ دین تھے، اور انہوں نے حضرتؒ کو پہلے فارسی کی تعلیم دی، اور فارسی کی اعلیٰ ترین کتابیں خود پڑھائیں، یہاں تک کہ آپ کو فارسی پر مکمل عبور حاصل ہو گیا۔ پھر عربی صرف و نحو کی ابتدائی کتب بھی پڑھائیں، فقہ میں غالباً مختصر القدوری بھی پڑھائی، اور قرآن کریم کا ترجمہ و تفسیر بھی سبقاً سبقاً پڑھایا۔ اس کے بعد حضرت حکیم الامتؒ سے تعلق قائم ہوا تو حضرتؒ کی تصانیف اور مواعظ و ملفوظات کا اہتمام کے ساتھ مطالعہ کیا، حضرتؒ کی مجالس میں بیٹھے، مدتوں صحبت اٹھائی۔ اس سب کے نتیجے میں دینی علوم کی بقدرِ ضرورت تمام وہ معلومات حاصل ہو گئیں جو بعض اوقات اچھے اچھے علماء کو بھی حاصل نہیں ہوتیں۔

آخر عمر میں حضرت والاؒ نے اپنے زمانے کی ضروریات کے مطابق تصنیف و تالیف کا بھی نہایت مفید سلسلہ قائم فرمایا۔ دینی موضوعات پر حضرتؒ کی سب سے پہلی تالیف غالباً "احکامِ میت" ہے جو احقر کے حضرتؒ سے اصلاحی تعلق قائم ہونے سے پہلے ہی شائع ہو چکی تھی، اس کا پہلا ایڈیشن مختصر تھا۔ آخر عمر میں حضرت والاؒ نے اسے برادرِ مکرم حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہم العالی کی مدد سے از سرِ نو مرتب فرمایا۔ اس نئی ترتیب میں یہ کتاب زیادہ جامع، مفصل اور فقہی اعتبار سے زیادہ مستند ہو گئی۔ ادھر حضرتؒ کے ایک متوسل جناب مسعود احسن صاحب مرحوم نے حضرتؒ کی مجلس سے خاص خاص ملفوظات کا انتخاب "افاداتِ عارفیؒ" کے نام سے مرتب کر کے شائع کر دیا تھا۔ جب احقر نے حضرتؒ کی مجلس میں جانا شروع کیا تو حضرتؒ "مآثرِ حکیم الامت" کی تالیف میں مشغول تھے، یہ حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ کی عجیب و غریب سوانح ہے جس میں سوانحی حالات سے زیادہ حضرتؒ کے مزاج و مذاق کی وضاحت پر زور دیا گیا ہے۔ اسے بھی ابتداء میں مسعود احسن صاحب مرحوم نے حضرت ڈاکٹر صاحبؒ سے حضرت حکیم الامتؒ کی باتیں سُن سُن کر بڑے دلکش پیرائے میں قلمبند کیا تھا، لیکن کتاب کی اشاعت سے

پہلے ہی مسعود احسن صاحب مرحوم کا انتقال ہوگیا، اِنّا لِلّٰہ واِنّا الیہ راجعون۔ حضرتؒ اکثر مرحوم کا ذکر کرکے یہ مصرعہ پڑھا کرتے تھے ع

خوش درخشید، ولے شعلۂ مستعجل بود

انکی وفات کے بعد حضرت والاؒ نے اس پر نظرِ ثانی فرمائی، اور بہت سے مضامین کا اضافہ فرمایا۔

اس کتاب کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ کے مذاقِ زندگی کو زیادہ تر خود حضرتؒ ہی کے ملفوظات کی روشنی میں مرتب کیا گیا ہے، خانقاہِ تھانہ بھون کی ایسی مفصل اور دقیق قلمی تصویر کسی دوسری کتاب میں نہیں ملیگی۔ اس کتاب کے مطالعے سے صرف حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ کی سوانحِ حیات اور حضرتؒ کے کارنامے ہی سامنے نہیں آتے، بلکہ ہر ہر صفحے سے قاری کو خود اپنی زندگی کے لئے عجیب وغریب درس ملتے ہیں۔

"مآثرِ حکیم الامت" کے بعد حضرتؒ نے "اسوۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم" کی تالیف شروع فرمائی۔ اس تالیف کا مقصد یہ تھا کہ زندگی کے ہر شعبے سے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتیں اور آپؐ کا طرزِ حیات ایک کتاب میں جمع ہوجائے، تاکہ ایک طالب کو ہر شعبۂ زندگی میں سنت کی رہنمائی آسانی سے دستیاب ہوسکے، اور اس کے لئے "اتباعِ سنت" جو شریعت وطریقت کی روحِ رواں ہے۔ عملاً آسان ہوجائے۔

اس غرض کے لئے حضرت والاؒ نے ابتداء میں ایک مسودہ تیار کرکے احقر کے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہٗ کو پیش کیا۔ حضرت والد صاحب قدس سرہٗ نے محسوس فرمایا کہ اسکے بعض مآخذ مستند نہیں ہیں، اور یہ اپنی موجودہ صورت میں مفید نہیں ہوگا، چنانچہ اپنی اس رائے کا اظہار حضرت ڈاکٹر صاحب قدس سرہٗ سے فرمادیا۔ حضرتؒ نے باوجودیکہ اس مسودے کی تیاری پر کافی محنت اُٹھائی تھی، لیکن اس مسودے کو یکلخت منسوخ فرمادیا، اور دوبارہ حضرت والد صاحبؒ کے مشورے سے مستند مآخذ کو سامنے رکھکر ازسرِ نو تالیف شروع فرمائی بالآخر کئی سال کی محنت اور عرق ریزی سے یہ کتاب تیار ہوئی، اور بحمد للہ اپنے موضوع پر اس قدر جامع، مفید اور عام فہم کتاب تیار ہوگئی کہ "اتباعِ سنت" کا جذبہ رکھنے والے کے لئے اس سے زیادہ جامع اور سہل الحصول کتاب کم از کم اردو میں شاید کوئی دوسری نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اسے

مقبولیت بھی اس قدر عطا فرمائی کہ اب تک اسکے بیسیوں ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں، مختلف کتب خانوں نے اسے شائع کیا ہے، اور مانگ ہے کہ بڑھتی جاتی ہے۔

اس کے بعد حضرتؒ نے وہ مختصر رسالہ "معمولاتِ یومیہ اور مختصر نصابِ اصلاح نفس" تالیف فرمایا جو اپنے موضوع پر دریا بکوزہ کا مصداق ہے۔ اس کا واقعہ بھی یہ ہوا کہ ایک روز ہم حسبِ معمول دوشنبہ کی مجلس میں حاضر ہوئے تو حضرتؒ نے فرمایا "کاغذ قلم لے کر آؤ ؟ آج ہم تمہیں کچھ ضروری باتیں لکھوانا چاہتے ہیں" احقر کاغذ اور قلم لے کر حاضر ہو گیا تو فرمایا کہ "آج میرے دل میں قوت کے ساتھ یہ داعیہ پیدا ہوا کہ تم لوگوں کو سلوک وطریق کے متعلق چند ضروری باتیں قلمبند کروا دوں، تاکہ وہ تمہارے پاس محفوظ ہو جائیں، اور بعد میں تمہیں یہ حسرت نہ ہو کہ تم نے اپنے والد ماجدؒ سے جو حاصل کرنے کی چیز تھی، وہ حاصل نہیں کی"۔

یہ کہکر حضرتِ والا نے برجستہ املاء کرانا شروع کیا، اور مغرب تک یہ املاء مکمل فرما دیا، احقر نے صاف کر کے یہ تحریر حضرتؒ کو پیش کی، حضرتؒ نے اس میں کچھ مزید اضافات فرمائے، بس یہ کتاب "معمولاتِ یومیہ اور مختصر نصاب اصلاح نفس" کے نام سے شائع ہو گئی۔ دیکھنے میں یہ ایک مختصر رسالہ ہے، لیکن اس میں حضرتؒ نے طریق تصوف وسلوک کا عطر نکال کر رکھدیا ہے، اگر انسان اپنی زندگی میں صرف اسی ایک رسالے پر کاربند ہو جائے تو انشاءاللہ اسکی دینی اصلاح کے لئے کافی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس رسالے کو مقبولیت بھی اس قدر عطا فرمائی کہ یہ اب تک لاکھوں کی تعداد میں چھپ چکا ہے جب اسکی اشاعت ملک وبیرونِ ملک بہت زیادہ ہو گئی تو حضرتؒ نے ایک دن ہم سے فرمایا کہ "یہ کتاب لکھی تو تم لوگوں کے لئے گئی تھی، مگر ماشاءاللہ بے شمار لوگ اس سے فائدہ اٹھا رہے ہیں، اس پر مجھے اپنا ایک واقعہ یاد آیا ـــــ حضرت والاؒ یعنی حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہٗ نے ایک مرتبہ اپنی شفقت سے احقر کو شہد کی ایک بوتل عطا فرمائی۔ احقر کو بہت مسرت ہوئی، اور اسے بہت احتیاط سے ایک الماری میں رکھدیا، خیال یہ تھا کہ یہ حضرتِ والاؒ کا عطا فرمودہ تبرک ہے، اس لئے اس سے بہت قدر کے ساتھ کبھی کبھی تبرک حاصل کریں گے، لیکن میں اسے الماری میں رکھکر بھول گیا، کافی عرصے کے بعد ایک دن یاد آیا تو سوچا کہ آج حضرتِ والاؒ کے اس

شہد کو تبرکاً استعمال کیا جائے۔ اب جو الماری کو کھول کر دیکھا تو بے شمار چیونٹے لپٹے ہوئے تھے، اور اسے صاف کر گئے تھے"۔

یہ واقعہ سنا کر حضرتؒ نے فرمایا کہ "بھئی، ایسا نہ ہو کہ "معمولاتِ یومیہ" جو تمہارے لئے لکھی گئی تھی، شہد کی بوتل ثابت ہو جسے تمہارے بجائے دوسرے چیونٹے صاف کر جائیں"۔ اللہ تعالیٰ حضرتؒ کی اس کتاب پر ٹھیک کاربند ہونے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

اس کے بعد حضرتؒ کے دل میں یہ داعیہ پیدا ہوا کہ حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ نے اس دور میں تصوف اور طریق کو جس طرح بے غبار فرما دیا ہے، وہ عہد حاضر کے مسلمانوں کے لئے غنیمت کبریٰ ہے، لیکن حضرتؒ نے اس سلسلے میں جو کچھ تحریراً یا ارشاداً فرمایا ہے، وہ بہت سی کتابوں میں منتشر ہے، اور ہر شخص کی پہنچ سے باہر ہے۔ اس لئے تصوف و طریق کے اہم مسائل کو ایک فن کی صورت میں ایک کتاب میں مدون کر دیا جائے، چنانچہ حضرتِ والاؒ نے یہ کارنامہ "بصائر حکیم الامتؒ" کے نام سے انجام دیا۔

"بصائر حکیم الامتؒ" کا منفرد امتیاز یہ ہے کہ وہ تمام تر حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ کی تالیفات یا مواعظ و ملفوظات کے اقتباسات پر مشتمل ہے۔ یہ اقتباسات کسی ایک کتاب سے نہیں بلکہ دسیوں مختلف کتابوں سے لئے گئے ہیں جن میں الکشف، التشرف، تربیت السالک، تعلیم الدین، قصد السبیل، کلید مثنوی، عرفان حافظ، اور نہ جانے کتنے مواعظ و ملفوظات شامل ہیں۔ لیکن ان متفرق اقتباسات کو حضرتؒ نے اس ترتیب کے ساتھ یکجا فرما دیا ہے کہ وہ ایک مسلسل کتاب بن گئی ہے جس میں تصوف کا پورا علم مدوّن اور مرتب صورت میں سامنے آگیا ہے۔ ایک مبتدی شخص بھی اس کتاب کی مدد سے مرتب طریقے پر علم تصوف سے آگاہی حاصل کر سکتا ہے۔

اس کتاب کی قدر اس وقت معلوم ہوتی ہے جب انسان تصوف کے موضوع پر لکھی ہوئی مفصل اور طویل کتابیں کنگھالنے کے بعد اس کی طرف رجوع کرے، اس وقت پتہ چلتا ہے کہ ہزاروں اوراق کا مغز کس طرح اس ایک کتاب میں جمع ہو گیا ہے۔

پھر جس زمانے میں حضرتؒ "بصائر حکیم الامت" کی تالیف کے دوران حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ کی کتابوں کے مطالعے اور ان میں سے اخذ و انتخاب میں مشغول تھے، اسی زمانے میں

بہت سے ایسے اقتباسات ضمناً سامنے آتے رہے جو اگرچہ " بصائر حکیم الامتؒ "، کے موضوع سے متعلق نہ تھے، لیکن بذاتِ خود خاص علمی یا عملی اہمیت کے حامل تھے، حضرتؒ ایسے اقتباسات کو الگ جمع فرماتے رہے یہاں تک کہ ان کا ایک ضخیم ذخیرہ جمع ہو گیا، بعد میں آپ نے اس ذخیرے کو " معارف حکیم الامتؒ "، کے نام سے مرتب فرمایا، یہ بھی بحمداللہ شائع ہو چکا ہے، اور بڑے گرانقدر مضامین پر مشتمل ہے۔

اسی طرح حضرت والاؒ کے ایماء سے حضرتؒ کے متوسل خاص جناب مسعود احسن صاحب مرحوم نے (جن کا ذکر " مآثر حکیم الامتؒ " کے تعارف کے تحت آچکا ہے) حضرت حکیم الامتؒ کے مواعظ و ملفوظات سے وہ ارشادات منتخب فرمائے تھے جو عہدِ حاضر کے مسائل جدید گمراہیوں اور جدید شبہات سے متعلق تھے۔ مرحوم نے اس سلسلے میں ارشادات کا ذخیرہ تو کافی جمع فرما لیا تھا، لیکن مرتب نہ کر سکے تھے کہ وفات ہو گئی۔ حضرتِ والاؒ نے اس منتشر ذخیرے کو مرتب فرمانے اور اس میں مناسب ترمیم و اضافہ کی ذمہ داری بھی خود اٹھائی، اپنے متعدد خدام سے بھی اس سلسلے میں کام لیا، اور خود بھی اس میں مصروف رہے، یہاں تک کہ یہ کتاب " اصلاح المسلمین "، کے نام سے شائع ہوئی، اور عہدِ حاضر کے عام مسلمان، بالخصوص نو تعلیم یافتہ افراد کے لئے بڑے قیمتی ارشادات پر مشتمل ہے۔

آخر دور میں حضرتؒ کے دل میں اس بات کا داعیہ قوت کے ساتھ پیدا ہوا کہ حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ کی تمام تصانیف اور مواعظ کی ایک جامع فہرست انکے مختصر تعارف کے ساتھ مرتب کی جائے۔ چنانچہ پہلے یہ کام خود شروع فرمایا، پھر اپنے متعدد خدام سے اس میں مدد لی، بالآخر سعودی عرب سے جناب کریم الدین صاحب نے اس کام کی تکمیل حضرتؒ کے منشاء کے مطابق فرمائی۔ خود حضرتؒ کے زمانے میں مواعظ کی جو فہرست " مرآۃ المواعظ "، کے نام سے شائع ہوئی تھی، اسے بنیاد بنا کر ہر ہر وعظ کے بارے میں اس کا مختصر تعارف لکھا کہ اس میں کونسی آیت تلاوت کی گئی ؟ اور بنیادی موضوع کیا تھا ؟ آخر میں حضرتِ والاؒ نے حضرتؒ کی تصانیف کی مکمل فہرست، اور اہم تصانیف کی فہرست ہائے مضامین اس میں شامل کر دیں۔ جن تصانیف اور مواعظ کا ذکر اس میں نہیں آسکا تھا، انکی مزید تکمیل حضرتؒ کے زیرِ ہدایت احقر کے معاون مولانا عبداللہ میمن صاحب نے کی۔ حضرتؒ کی حیات میں اس کتاب کی کتابت " مکتبۂ دارالعلوم "، کے زیرِ اہتمام شروع ہو چکی تھی، لیکن افسوس ہے کہ حضرتؒ کی حیات میں شائع نہیں ہو سکی، اب اس کی کتابت مکمل ہو چکی ہے اور زیرِ طبع ہے۔

یہ تو حضرتِ والاؒ کی مستقل تالیفات تھیں، اس کے علاوہ حضرتؒ جمعہ اور دوشنبہ کو جو خطب فرماتے تھے، بعض خدام ان خطابات کو قلمبند کر لیتے، حضرت ان پر نظرِ ثانی فرماتے، اور وہ شائع ہو جاتے۔ اس طرح درجنوں کتابچے جو مختلف اصلاحی اور تربیتی موضوعات پر مشتمل ہیں، شائع ہو چکے ہیں۔ صدیقی ٹرسٹ کے حضرات نے ان کتابچوں کا ایک سیٹ بھی شائع کیا تھا اور بعد میں برادرِ مکرم مولانا محمد اسحاق صاحب نے "ادارہ تالیفات اشرفیہ" سے ان تمام کتابچوں کو یکجا جمع کر کے "افاداتِ عارفیؒ" کے نام سے الگ بھی شائع فرما دیا ہے۔

صہبائے سخن

شعر و شاعری بھی اظہارِ جذبات کا ایک بہترین ذریعہ ہے، اور چونکہ شعر دل کے لطیف تاروں کو چھیڑنے کا وہ نازک کام انجام دیتا ہے جو عموماً نثر سے ممکن نہیں ہوتا، اس لئے شعر اور تصوف کا چولی دامن کا ساتھ رہا ہے۔ اس لئے ہمارے تمام بزرگوں کو شعر کا خاص ذوق رہا، بہت سوں نے تو خود بھی شعر کہے، اور جنہوں نے خود نہیں کہے، وہ کم از کم شعر فہمی کی حد تک اس کوچے سے وابستہ رہے، اگرچہ اس کو باقاعدہ مشغلہ کسی نے نہیں بنایا۔ کیونکہ ایک شغلِ تنہائی کی حد تک شعر جتنا لطیف اور تسکین بخش ہے، اگر اسے شب و روز کا مستقل مشغلہ یا پیشہ بنا لیا جائے، تو وہ اتنا ہی کثیف، لایعنی اور بھونڈا مشغلہ بن کر رہ جاتا ہے۔

حضرتِ والاؒ شاعر کی حیثیت سے کبھی متعارف نہیں ہوئے، لیکن شعر کا فطری ذوق بچپن سے تھا، چنانچہ نوجوانی کے آغاز ہی سے آپ نے بڑی پائے کی غزلیں کہنی شروع کر دی تھیں، پھر خانقاہِ تھانہ بھون سے وابستگی کے بعد اس ذوق کو اور جلا مل گئی، اور آپ نے بڑے معرکے کی غزلیں کہیں، ایسی غزلیں کہ ان کو بلا تکلف اردو کے صفِ اول کے معروف شعراء کے کلام کے مقابلے میں رکھا جا سکتا ہے۔ لیکن آپ نے اپنا کلام نہ کبھی کسی مشاعرے میں پڑھا، نہ اس کو کہیں چھپوایا، یہ تو اس دردِ دل کے اظہار کی ایک راہ تھی جو خانقاہِ تھانہ بھون نے پیدا کیا تھا، یہ اظہار تنہائی میں اپنے سامنے ہی ہوتا تھا، کسی اور کے لئے نہیں لہٰذا خود بقول حضرتؒ ؎

زیرِ مژگاں ہی رہا سرمایۂ خونِ جگر
یہ وہ آنسو ہی نہ تھا جس کو بہا کر دیکھتے

حضرتِ والاؒ نے اپنی شاعری کا تعارف اس طرح کرایا ہے ؎

یہ مرے اشعار، یہ ضرباتِ قلبِ بے قرار — ہیں مرے وجدانِ حسن و عشق کے آئینہ دار
شاعری ہے میری تنہائی کا اک شغلِ لطیف — اپنی بزمِ دل کا خود ساقی ہوں، خود ہوں میگسار
جب ہوا کچھ کیف دل میں، کہہ لئے دو چار شعر — پھر بقدرِ ذوق ان کو پڑھ لیا دو چار بار
عمر بھر میں نے چھپایا ان کو مثلِ رازِ دل — کیا سرِ محفل سناتا ماجرائے ناگوار
یہ نوائے تلخ و شیریں، یہ فغانِ گرم و سرد — کیوں کسی اہلِ نظر کی طبعِ نازک پر ہو بار

میں ہوں جس عالم میں رہنے دے مجھے اے عارفی
محفلِ اہلِ ہنر سے دور اور بیگانہ وار

حضرت کا یہ شغلِ لطیف اکثر تو تنہائی کی حد تک ہی محدود رہتا تھا۔ لیکن کبھی کبھی مخصوص احباب کے سامنے بھی آجاتا تھا۔ حضرت بابا نجم احسن صاحب قدس سرہٗ (مجاز حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ) جو بذاتِ خود اعلیٰ درجے کے ادیب اور شاعر تھے، حضرتؒ کے خاص دوست اور طریق و تصوف سے لیکر شعر و سخن تک ہر چیز میں حضرتؒ کے ہم مذاق تھے۔ جب کبھی یہ دونوں بزرگ تنہائی میں فرصت سے بیٹھتے تو شعر و شاعری کی باتیں بھی ہوتیں، اور اشعار کا تبادلہ بھی ـــــــ بالآخر حضرت بابا نجم احسن صاحب قدس سرہٗ ہی نے خدا جانے کس انداز سے اصرار فرمایا کہ حضرتؒ کو اپنے مجموعۂ کلام کی اشاعت پر آمادہ کر لیا۔ چنانچہ یہ مجموعۂ کلام "صہبائے سخن" کے نام سے شائع ہوا۔

آخر عمر میں جب حضرت اپنی تمام پیش نظر تالیفات سے فارغ ہو چکے تھے، اور ضعف و علالت کا سلسلہ رہنے لگا تھا، حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ "اب میں تھک چکا ہوں، اب کسی نئی تالیف کو شروع کرنے کی ہمت نہیں، اب میں بطورِ تفریح صہبائے سخن پر نظرِ ثانی کر رہا ہوں" چنانچہ یہ نظرِ ثانی بڑی حد تک فرما چکے تھے، اور جناب حماد رضا صاحب سے بھی اس سلسلے میں کافی مدد لی تھی، اب یہ نظرِ ثانی شدہ مجموعہ جناب حماد رضا صاحب کے پاس ہے جو اس پر حضرتؒ کی ہدایات کے مطابق کام کر رہے ہیں۔

حضرتؒ کے کلام پر صحیح تبصرہ کسی نرے شاعر کے بس کا نہیں ہے، بلکہ اس پر صحیح تبصرہ وہی کر سکتا ہے جو اہلِ دل بھی ہو، اور اسے شعر فہمی سے بھی حصۂ وافر ملا ہو، اور آج کل ان

دونوں صفتوں کا اجتماع نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہے، اس لئے احقر اس پر تبصرہ کرنے کا اپنے آپ کو اہل نہیں پاتا، لیکن جب حضرتؒ کے کلام کا ذکر نکل آیا ہے تو حضرتؒ کے کچھ منتخب اشعار پیش کئے بغیر بھی دل نہیں مانتا۔ ملاحظہ ہوں ؎

مرا کیفِ نغمۂ دل، مرا ذوقِ شاعرانہ
ترے حسن کا ترنم، ترے عشق کا ترانہ
ترے حسن کی عطا ہے، ترے عشق کا صلہ ہے
مری آہِ صبح گاہی، مرا نالۂ شبانہ
تری یاد دے اجازت تو بتاؤں میں کہ کیوں ہے
مرا ہر نفس حقیقت، مرا ہر نفس فسانہ

پردہ دارِ شورشِ دل خامشی ہوتی ہے کیا
اہتمامِ ضبط سے غم میں کمی ہوتی ہے کیا؟
پا رہا ہوں درد دل میں لذتِ ایمائے دوست
ایسی حالت بھی محبت میں کبھی ہوتی ہے کیا؟
اک ادائے چارہ فرما، اک نگاہِ دل نواز
اور اک آزردہ خاطر کی خوشی ہوتی ہے کیا؟

یاد انکی ہے اک بادۂ سرجوشِ محبت
اور اب مری رگ رگ میں یہی چیز بھری ہے
جو کچھ بھی ہو انجامِ گدازِ غمِ پنہاں
فی الحال تو کچھ باعثِ تسکین یہی ہے
اے عارفیؔ اب اس دلِ پرشوق کا عالم
اک عالمِ صد بادہ و صد تشنہ لبی ہے

اب دل میں نہیں کوئی تمنا کئی دن سے
پاتا ہوں خود اپنے کو بھی تنہا کئی دن سے
اب دل میں تڑپتی نہیں مجروح امیدیں
رستا نہیں اب زخمِ تمنا کئی دن سے
ہو مائلِ پرسش نگہِ لطف کسی کی
اب یہ بھی نہیں دل کو گوارا کئی دن سے

یہ حسنِ یقیں روحِ رواں میرے لئے ہے   خود انکا حریم رگِ جاں میرے لئے ہے
بس رہنے دے اس جذبۂ شیدائے وفا کو   جو خاطرِ نازک پہ گراں میرے لئے ہے
میں عارفیؔ آوارۂ صحرائے فنا ہوں ،
اک عالمِ بے نام و نشاں میرے لئے ہے

محوِ مقامِ ناز ہوں کون و مکاں سے دور   گم ہوں رہِ نیاز میں نام و نشاں سے دور
او بے نیازِ پاسِ وفا اک نگاہِ رحم   ہے کوئی سر بسجدہ ترے آستاں سے دور

نشاطِ کامراں اس کا، حیاتِ جاوداں اسکی   جو دل لذت کش ذوقِ نگاہِ یار ہو جائے
دل پر شوق جس کو جلوہ گاہِ ناز بننا تھا   غضب ہے یوں رہینِ شورشِ افکار ہو جائے
مری آنکھوں میں چشمِ مستِ ساقی کا ہے وہ عالم   نظر بھر کر جسے بھی دیکھ لوں میخوار ہو جائے
زباں پر آرہے ہیں برملا اسرارِ مے خانہ   جسے مدہوش ہونا ہو، ذرا ہشیار ہو جائے

دل بیتاب ہی میں دم نہیں ہے   مجھے اب نازِ ضبطِ غم نہیں ہے
نہ جانے کتنے عالم دل پہ گذرے   مگر اب کوئی بھی عالم نہیں ہے
بہت ہے عارفیؔ بے کیفیٔ دل
مگر "کیفِ محبت" کم نہیں ہے

دل جو یوں طالبِ پیمانِ وفا ہے اے دوست
یہ بھی کچھ ذوقِ محبت کی خطا ہے اے دوست
کس طرح جلوہ گہِ ناز میں اٹھیں گے قدم ؟
یاں تو ایک ایک نفس ہوش رُبا ہے اے دوست

جو ترے نازِ تغافل کی فضا میں گم ہے
کیا تجھے بھی کہیں اس دل کا پتا ہے اے دوست
شرحِ غم کے لئے آنکھوں میں جو اشک آجائیں
اتنی جرأت بھی تو تیری ہی عطا ہے اے دوست

یہ بھی لے دل اثرِ دردِ نہاں ہے شاید
دیکھ رگ رگ مری اب تو رگِ جاں ہے شاید
عارفی دل میں یہ احساسِ تمنا کیا ہے
اپنی ہستی کا کوئی وہم وگماں ہے شاید

مجھکو اپنی بیخودی کا وہ بھی عالم یاد ہے
جب کسی کو اپنے دل میں میہماں سمجھا تھا میں
لذتِ دردِ نہاں بھی بار خاطر تھی مجھے
کچھ اسے بھی اک حجابِ درمیاں سمجھا تھا میں
منزلِ ذوقِ طلب میں جادۂ ہستی سے دور
تم وہیں آخر ملے مجھکو جہاں سمجھا تھا میں
رفتہ رفتہ ہوگئی برہم زنِ صبر وقرار
یاد انکی باعثِ تسکینِ جاں سمجھا تھا میں
اللہ اللہ تھی انہی کے پائے نازک پر جبیں
بیخودی میں سجدہ گہ کو آستاں سمجھا تھا میں

محبت میں یہ کیا کہیے کہ رازِ بیخودی کیا ہے
نہ گذرے جو کسی کی یاد میں وہ زندگی کیا ہے؟
برابر ایک دھن رہتی ہے تجدیدِ تمنا کی
خدا معلوم دل کو عافیت سے دشمنی کیا ہے؟
یہ بزمِ ناز میں آخر ترا کیا حال ہے ناصح
یہ آہ زیرِ لب کیوں ہے؟ یہ آنکھوں میں نمی کیا ہے؟

ہر تعلق، ہر خیال و فکر سے بیگانہ ہے   اب تو کچھ اپنی ہی دھن میں یہ دل دیوانہ ہے
میں ہوں اب دنیا و مافیہا کے غم سے بے نیاز   جام مے ہے، بیخودی ہے، گوشۂ میخانہ ہے
کیا کسی سے کہیے رازِ بادۂ سرجوشِ عشق
عارفیؔ لب پر مرے مہرِ لبِ پیمانہ ہے

اب تو کر سکتے ہیں یہ احساس بھی مشکل سے ہم   کیا تھے؟ اور کیا ہو گئے تاثیرِ دردِ دل سے ہم
ہے قدم راہِ طلب میں، گو وہ ناقص ہی سہی   کچھ تو حاصل کر رہے ہیں سعیِ لاحاصل سے ہم
اے وفورِ شوق! ان محرومیوں کا کیا علاج   ہے تو منزل پاس، لیکن دور ہیں منزل سے ہم

سازِ دلِ شکستہ نہ چھیڑا کرے کوئی   ناموسِ ضبطِ غم کو نہ رسوا کرے کوئی
اس ربطِ حسن و عشق کا عالم ہی اور ہے   دل میں رہے، اور آنکھ سے پردہ کرے کوئی
تاثیرِ سوزِ غم، ترا انجام الاماں !   کس کا جگر کہ تیری تمنا کرے کوئی
جی چاہتا ہے پھر وہ نگاہِ ستم طراز   میرے دلِ حزیں سے تقاضا کرے کوئی
میں اپنے رازِ عشق کا محرم بنا تو لوں   میرا سا ظرفِ دل بھی تو پیدا کرے کوئی
جب انکو اعترافِ محبت ہے عارفیؔ
کیا اس سے بڑھ کے اور تمنا کرے کوئی

جو ضبطِ غم سے نہ یوں خونِ مدعا کرتے   بتا کہ پھر ترے مجبور اور کیا کرتے
کسی کے قدموں پر سر رکھ کے ہوش اگر رہتا   قضا ہوئے تھے جو سجدے وہ ہم ادا کرتے

آج پاسِ ضبط کا کچھ رُخ بدل کر دیکھتے   خود تڑپ کر اپنی بیتابی کا منظر دیکھتے
میں ہوں جس عالم میں اس عالم کا اب کیا رنگ ہے   کاش بھولے سے تم بھی تو آ کر دیکھتے
زیرِ مژگاں ہی رہا سرمایۂ خونِ جگر   یہ وہ آنسو ہی نہ تھا جس کو بہا کر دیکھتے

راہِ وفا میں عالمِ تنہا روی نہ پوچھ   دو گام بھی ملا نہ کوئی ہم سفر مجھے
لے تو چلی ہے ہمتِ پرواز سوئے گل   پہنچائیں جتنی دور بھی اب بال و پر مجھے
مجبور کر رہے ہیں کہ سر اپنا پھوڑ لوں   زندانِ اختیار کے دیوار و در مجھے

مجھ سے ممکن ہی نہیں ترکِ تمنائے وفا   کیفِ صد حاصل مجھے اس سعئ لاحاصل میں ہے
اس محبت کا مذاقِ صبر آشوبی نہ پوچھ   جو قیامت تک نہ ہو پوری وہ حسرت دل میں ہے
صرف دو آنسو بہت تھے شرحِ غم کے واسطے   کیا خبر تھی منتظر دریا کا دریا دل میں ہے
ہر طرح پُر امن ہے آغوشِ گردابِ فنا   اور ہر اندیشۂ جاں دامنِ ساحل میں ہے
ناشناسِ چشم و لب، بیگانۂ شرح و بیاں   مضطرب سا اک تقاضائے محبت دل میں ہے
کہہ چکا جی بھر کے جو کچھ ان سے کہنا تھا مجھے   پھر بھی اب تک حسرتِ شرحِ تمنا دل میں ہے

اس مذاقِ بلند کی انتہائی ناتمام جھلک ہے جو پوری "صہبائے سخن" میں رواں دواں ہے، لیکن جو حضرات شعر و سخن سے ذوق رکھتے ہیں، وہ اس نمونے سے بھی اس مذاق کا کچھ نہ کچھ اندازہ کر سکتے ہیں۔ یہ وہ رفعتِ فکر ہے جس سے آج کی شاعری روز بروز محروم ہوتی جا رہی ہے۔

الحمد للہ حضرتِ والاؒ نے آخری دور میں "صہبائے سخن" پر نظرِ ثانی کا کام مکمل فرما لیا تھا، اور اب وہ جناب حماد رضا صاحب کے زیرِ اہتمام ترتیب کے بعد ان شاء اللہ اہلِ ذوق کے لئے سرمایۂ تسکین بنے گا۔

آخری لمحات

الحمد للہ، اللہ تعالیٰ نے تقریباً سترہ سال حضرت والاؒ کی نظرِ شفقت کے سائے میں رہنے کی توفیق مرحمت فرمائی۔ اپنی ہزار نااہلی کے باوجود حضرتِ والا کے الطاف کی بارشیں بغیر کسی استحقاق کے برستی رہیں، الحمد للہ، ان کے دل سے نکلی ہوئی دعائیں میسر آئیں، اپنی طرف سے کوتاہیاں ہی کوتاہیاں تھیں، لیکن اُدھر سے پیہم التفات و عنایت کا معاملہ جاری رہا، اور میں اس کو بھی حضرتؒ کی کرامت ہی سمجھتا

ہوں کہ اپنی طرف سے نالائقیوں کی انتہا ہوجانے کے باوجود انکے لطف وکرم میں کبھی فرق نہیں آیا، بہت سی باتوں پر روک ٹوک بھی جاری رہی، بہت سے کاموں سے روکا بھی گیا، اور ہماری کسی ادنیٰ غلطی پر بھی سکوت کو آپ نے گوارا نہیں فرمایا، لیکن ہمیشہ اس شفقت ومحبت اور لطف وعنایت کے ساتھ کہ اس پر ہزار ہمت افزائیاں قربان ہوں۔ الحمدللہ اس عرصے میں زندگی کا کوئی اہم قدم حضرتؒ سے استصواب کے بغیر نہیں اٹھا، اللہ تعالیٰ کی اس نعمت پر حقِ شکر ادا ہو ہی نہیں سکتا۔

حضرتؒ کے ضعف وعلالت کا سلسلہ تو جاری ہی تھا، اور ہر وقت دھڑکا لگا رہتا تھا کہ یہ چراغِ آخر شب نہ جانے کتنے دنوں کا مہمان ہے، خود حضرتؒ بھی کبھی کبھی یہ شعر پڑھا کرتے تھے کہ ؎

غالبِ خستہ کو پاؤ گے کہاں
کرلو اس کی میہمانی چند روز

مجھے رجب ۱۴۰۵ھ میں "مجمع الفقہ الاسلامی" کے اجلاس میں شرکت کے لئے سعودی عرب جانا تھا، وہاں سے استنبول (ترکی) کے ایک مذاکرے میں شرکت کرنی تھی جو "تراجمِ قرآنِ کریم" کے موضوع پر منعقد ہونے والا تھا۔ حسبِ معمول احقر نے دونوں سفروں کی حضرتؒ سے اجازت لی، اور اجازت ملنے کے بعد روانگی کا پروگرام بنایا۔

روانگی سے پہلے حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہوا، حضرتؒ نے حسبِ عادت بڑے پیار کے ساتھ رخصت کیا، دعائیں دیں، ہمیشہ کی طرح آیۃ الکرسی پڑھ کر دم کیا، سفر پر جانے سے پہلے حضرتؒ کی یہ دعائیں میرے لئے سب سے بڑا زادِ راہ ہوتی تھیں، چنانچہ اس دولت سے مالا مال ہوکر روانہ ہوا۔

تقریباً دس دن حرمین شریفین اور جدہ میں گزرے، اسکے بعد میں استنبول چلا گیا۔ استنبول میں پانچ دن گذرنے پر وہ مذاکرہ ختم ہوگیا جس میں شرکت کے لئے وہاں جانا ہوا تھا۔ اسکے بعد پی آئی اے کی پرواز چار دن بعد تھی، اور سفر کے قواعد کے مطابق مجھے پی آئی اے سے واپس آنے میں کئی فوائد تھے، استنبول کے کئی احباب بھی مُصر تھے کہ یہ تین چار روز ترکی ہی میں گذارے جائیں، اور اس عرصے میں قونیہ اور انقرہ کا سفر ہوجائے۔ حضرت مولانا رومیؒ کی وجہ سے قونیہ جانے کا مجھے بھی اشتیاق تھا، لیکن نہ جانے کیوں طبیعت یک بیک اُلٹ گئی، اور مجھے یہ تین چار دن پہاڑ معلوم ہونے لگے، میں نے کانفرنس کے منتظمین پر زور دیا کہ وہ جس ایئر لائنز سے بھی ممکن ہو، میرا ٹکٹ جلد از جلد کراچی کے لئے بک کرادیں، چنانچہ انہوں نے بھاگ

دور کر کے ٹرکش ائیرویز سے میری سیٹ اگلے ہی دن کے لئے بک کرادی، اور میں ایک نامعلوم اضطراب کے عالم میں استنبول سے سیدھا کراچی پہنچ گیا۔

ساری رات کی پرواز کے بعد میں صبح ہوتے ہی کراچی ائیرپورٹ پر اترا تو احقر کے خسرِ محترم جناب شرافت حسین صاحب اور احقر کے معاون مولانا عبداللہ میمن صاحب نے بتایا کہ حضرت والاؒ کی طبیعت خراب ہے، سن کر ماتھا ٹھنک گیا، دل کو یہ کہکر تسلی دی کہ حضرت والا کی ان دنوں متعدد مرتبہ طبیعت ناساز ہوئی ہے، انشاء اللہ پہلے کی طرح اس مرتبہ بھی صحت ہوجائے گی ــــــــ لیکن جس انداز سے خبر دینے والوں نے خبر دی تھی اس سے اندازہ یہ ہورہا تھا کہ اس مرتبہ معاملہ کچھ اور ہے، گھر پہنچنے کے بعد احقر ناشتہ وغیرہ کر کے سیدھا حضرتؒ کے مکان پر پہنچا، معلوم ہوا کہ حضرتؒ کو ہسپتال میں داخل کردیا گیا ہے، دل پر چوٹ سی لگی، افتاں خیزاں ہسپتال پہنچا۔ حضرتؒ ایک کمرے میں آرام فرما تھے، بھائی ممتاز صاحب سرہانے کھڑے تھے، بھائی ممتاز صاحب نے احقر کی آمد کی اطلاع کی تو حسبِ معمول احقر کی آمد پر مسرت کا اظہار فرمایا، فرمانے لگے: "الحمد للہ، تم آگئے، بھائی ہمیں یہاں ہسپتال میں داخل کردیا گیا ہے، دیکھو ہم کس عالم میں ہیں؟" احقر کو اندازہ تھا کہ حضرت والاؒ طبعی طور پر ہسپتال میں داخل ہونے کو پسند نہیں فرماتے اور اس واقعے سے بھی متاثر ہونگے، اس لئے احقر نے عرض کیا کہ: "حضرت! تیمارداروں کے دل میں قوت کے ساتھ یہ داعیہ پیدا ہوا کہ ہسپتال میں داخل کر کے ضروری امتحانات وغیرہ کرالئے جائیں: یہ داعیہ بھی منجانب اللہ ہے، انشاء اللہ اسی میں خیر ہوگی، امتحانات وغیرہ ہوجائیں تو انشاء اللہ حضرتؒ جلد ہی گھر تشریف لے جائیں گے۔" حضرتؒ نے فرمایا: "ہاں بھائی، ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی رہنا چاہیئے"۔

علالت اور کچھ شاید دواؤں کے اثر سے زبان قدرے موٹی ہوگئی تھی، اور الفاظ صاف سمجھ میں نہیں آرہے تھے، لیکن آواز میں وہی قوت اور کھرج برقرار تھی، حضرتؒ نے اسکے بعد چند جملے ارشاد فرمائے جو کوشش کے باوجود احقر کی سمجھ میں نہیں آئے، صرف ایک جملہ سمجھ سکا، اور وہ یہ کہ: "جو لمحہ بھی زندگی کا اللہ تعالیٰ کی یاد میں میسر آجائے، بڑا غنیمت ہے"۔

دل چاہتا تھا کہ حضرتؒ کی خدمت میں دیر تک رہوں، لیکن خیال یہ ہوا کہ احقر کی موجودگی میں حضرتؒ باتیں کریں گے، اور معالجین نے زیادہ گفتگو سے منع فرمایا ہوا تھا، اس لئے احقر جلد ہی کمرے

سے باہر آگیا۔ کمرے کے سامنے لان تھا، ظہر کے بعد وہاں سے کھڑکی کے ذریعے زیارت ہوتی رہی۔ اس وقت تک معالجین کی طرف سے قدرے اطمینان بخش خبریں ملتی رہیں۔ جن سے حالت کے رو بہ اصلاح ہونے کا اندازہ ہوتا تھا، احقر ظہر کے بعد دارالعلوم واپس آگیا، اور شام کو برادر مکرم حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہم ہسپتال گئے، ان سے فون پر رابطہ قائم رہا، گیارہ بجے رات کے بعد وہ واپس آئے تو مزید افاقے کی خبر لائے، اور بفضلہ تعالیٰ حالات معلوم ہوکر دوپہر سے بھی زیادہ اطمینان ہوا۔

لیکن کسے معلوم تھا کہ آج کی صبح کو اللہ تعالیٰ نے اپنے اس بندے کو اپنے پاس بلانے کیلئے منتخب فرما رکھا ہے۔ صبح ہوتے ہی ٹیلی فون سے یہ جانکاہ خبر ملی کہ حضرتؒ اس دنیائے آب و گِل کی سرحد عبور فرما چکے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت والد ماجد قدس سرہٗ کی وفات ہوئی تو حضرت والاؒ کا سایہ بحمد اللہ سر پر تھا، اس لئے یتیمی کا احساس ناقابلِ تحمل نہیں ہوا، لیکن آج نگاہوں کے سامنے دور دور تک سناٹا نظر آتا تھا۔ حضرتؒ کے مکان پر پہنچے تو وہاں متعلقین کا ایک ہجوم تھا، حضرت کا جسمِ مبارک برآمدے میں تھا، چہرے پر وہی دلنواز تبسم اور سکینت و طمانینت جیسے ایک تھکا ماندہ مسافر منزل پر پہنچ کر آسودہ ہوگیا ہو۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔

آخری عطا

حضرت والاؒ کے صاحبزادگان نے حضرتؒ کے منشا کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ایثار سے کام لیا، اور تدفین کے لئے دارالعلوم کے قبرستان کو منتخب فرمایا۔ چنانچہ دارالعلوم میں حضرت والد صاحب قدس سرہ کے بعد نماز جنازہ کے لئے اتنا بڑا اجتماع پہلے نہیں ہوا تھا، نمازِ جنازہ کی امامت کے لئے حضرت والاؒ کے صاحبزادگان نے کچھ اس انداز سے احقر سے فرمائش کی کہ اپنی نااہلی اور صدمے کی شدت کے باوجود اس سعادت سے انکار نہ ممکن تھا نہ مناسب۔ کچھ عجیب ناقابلِ بیان جذبات کے ساتھ یہ نمازِ جنازہ پڑھائی گئی۔ بعد میں ایک دوست نے بتایا کہ ایک موقع پر حضرت والاؒ نے یہ اظہار فرمایا تھا کہ میں نے عمر بھر میں جتنی جنازے کی نمازیں پڑھائی ہیں۔ ان سب کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی ہے کہ یا اللہ:

ان سب کا ثواب اس شخص کو عطا فرمادے جو میری نمازِ جنازہ پڑھائے۔

اللہ اکبر! ابھی ہم حضرتؒ کی روح کو ایصالِ ثواب شروع بھی نہ کرپائے ہونگے کہ حضرتِ والاؒ جلتے جاتے بھی اپنے جود و کرم کا ایک اور بادل برسا گئے۔ واقعہ تو یہی ہے کہ حضرت والاؒ کی رفعتِ فکر ہمارے تخیل کی ہر پرواز سے کہیں بلند تھی۔

آج بظاہر حضرت والاؒ ہمارے درمیان موجود نہیں ہیں، لیکن انہوں نے سترہ سال کی محنت سے جو باتیں ہماری طلب اور استحقاق کو قطعی نظر انداز کرکے زبردستی سینے میں اتار دی ہیں، ان کا فیض یہ ہے کہ ہر روز بارہا مختلف مواقع پر حضرتؒ کی آواز کانوں میں گونجتی رہتی ہے، جب کوئی کشمکش پیدا ہوتی ہے تو حضرتؒ ہی کی کوئی ہدایت اس دلنواز لہجے میں سنائی دے جاتی ہے، اور اس طرح نہ جانے کتنی راہیں کھل جاتی ہیں۔ حضرتؒ کے اس فیض کا تصور کرتا ہوں تو متنبی کے یہ شعر زبان پر آجاتے ہیں ؎

كالبدر من حيث التفت رأيته   يهدي إلى عينيك نورا ثاقبا
كالبحر يقذف للقريب جواهرا   جودا، ويبعث للبعيد سحائبا

یا اللہ! حضرت والاؒ پر اپنی خاص رحمتوں کی کروڑوں بارشیں نازل فرما، یا اللہ! انکی روح کو اپنے خصوصی انعام و اکرام سے نہال فرمادے، یا اللہ! انہیں اپنی آغوشِ رحمت میں پیہم ترقیٔ درجات عطا فرما، اللہ العالمین! آپ کے اس بندے نے اپنے قول، فعل، قلم اور نقل و حرکت سے دین کی جتنی خدمتیں کی ہیں ان سب کو اپنے فضل و کرم سے قبول فرما، اور انکا بہترین صلہ اپنے مقاماتِ قرب کی صورت میں انکو عطا فرما۔ یا ارحم الراحمین! آپ نے اپنے مقرب بندوں کے لئے جتنے انعامات، تعلقات اور انوار و تجلیات مقرر فرمائے ہیں، وہ سب حضرتؒ کو عطا فرما۔

یا ارحم الراحمین! حضرتؒ کے نسبی اور روحانی پسماندگان کو صبرِ جمیل عطا فرما، یا اللہ! ہم سب کو حضرتؒ کی تعلیمات پر عمل اور حضرتؒ کے دینی مذاقِ سلیم کے مطابق زندگی بسر کرنے کی توفیق عطا عطا فرما۔ یا اللہ! ہم سب کیلئے آخرت میں سرخ روئی کے ساتھ حضرت والاؒ سے پرمسرت ملاقات کو مقدر فرما۔ ربنا إنك رؤف رحيم، وإنك على كل شيء قدير، وبالإجابة جدير۔

مُشاہدات و تاثرات

از قلم حضرت مولانا نذیر احمد صاحب
مہتمم جامعہ امدادیہ فیصل آباد

جامع المحاسن والکمالات، پیکرِ محبّت، مجسم سوز و گداز، طالبینِ خدائے ذوالجلال کیلئے عظیم راہن وسہارا، عمدۃ العارفین، سراج السالکین حضرت مولانا ڈاکٹر مُحَمّد عبدالحیؒ صاحب عارفی نور اللہ مرقدہٗ سے خصوصی تعلق رکھنے والوں میں سے ہونے کی بنا پر جناب والا نے حضرت اقدس قدس سرہٗ کے کچھ حالات زیبِ قرطاس کرنے کی فرمائش کی ہے۔

حضرت والا سے خصوصی تعلقِ محبت واعتماد تو واقعی احقر کے لیے نعمتِ عظمیٰ ہے لیکن حضرت اقدسؒ کے حالات وکمالات کو ضبط کرنا مجھ جیسے بے بضاعت کے بس کی بات نہیں ؎

دامانِ نگہ تنگ وگلِ حسن تو بسیار
گلچینِ بہار تو ز داماں گلہ دارد

اس پیکرِ جمال وکمال کی صحبت میں بکثرت حاضری کی سعادت ملتی رہی جلوت میں بھی خلوت میں بھی۔ لیکن بیٹھا اصلاح وتربیت کے سلسلہ میں، ارشاداتِ عالیہ سُنتا رہتا اور اپنے نقائص وعیوب کے جزم میں ترقی کرتا جاتا۔ نفس کے مکائد وفریب کھلتے جاتے، اپنی تہی دامنی پر افسوس بڑھتا جاتا، اس سے آگے گذر نہ ہو سکا۔

حضرتِ والاؒ کی مبارک مجلس کے خزینۂ جواہر کو ضبط کرنے کا ایک طریق تو یہ ہے کہ خود اُن سے آراستہ ہوتا رہنا۔ اس رنگ سے رنگین ہوتا رہنا۔ یہ جواہر رنگ طبیعت بن کر محفوظ ہو جاتے، تنگیٔ دامن اور کم ظرفی کی وجہ سے ایسا نہ ہو سکا۔ جیسے یہ مرشد کامل تھے اتنا ہی یہ مُسترشد ناقص الاستعداد اور بالکل اس کا

مصداق ہے ؎

تہی دستانِ قسمت را چہ سود از رہبرِ کامل ٭ کہ خضر از آبِ حیواں تشنہ می آرد سکندر را

دوسرا طریقِ ضبط یہ ہے کہ ان مقدس و اکسیر ارشاد کو ضبطِ تحریر میں لاتا رہتا۔ یہ معمول بھی نہ بنا سکا، کوتاہ قلمی کے علاوہ یہ کبھی تصور بھی نہیں آیا تھا کہ ہم پر مفارقت کی یہ ضربِ کاری لگے گی بعد میں ہمیں کوئی حالات لکھنے کی فرمائش کرے گا۔

حضرت والا عجیب نوعیت کی جامع و محبوب شخصیت تھے، حضرت کی خوبیوں کا احاطہ تو کسی کے بس کی بات نہیں۔ انشاء اللہ بہت سے اربابِ قلم اور اصحابِ ذوق حضرت والا کی خوبیوں پر قلم اٹھانے کی سعادت حاصل کریں گے۔ شاید کچھ محبوب اداؤں کو حسنِ تعبیر کا جامہ پہنا کر پیش کر سکیں۔

آپ کے امر کی تعمیل کرتے ہوئے احقر کسی خاص ترتیب کا لحاظ کئے بغیر چند منتشر باتیں عرض کرتا ہے۔

حضرتِ والا طریقِ انقلاب کی علامتِ عظمیٰ تھے

اہلِ دل، اہلِ حقیقت اور اصحابِ ذوق کے ہاں یہ بات طے شدہ ہے کہ محاسن و کمالات کا رنگ کسی باکمال شخصیت کی صحبت سے ہی چڑھتا ہے محض مطالعہ کے زور سے معلومات کے دفتروں کے دفتر جمع کئے جا سکتے ہیں، لیکن کمالات کا نفس میں انتقال جب بھی ہوا کسی مقدس شخصیت کی صحبت کے فیض سے ہوا، کتاب و سُنّت میں بھی یہ حقیقت مختلف اطوار و اسالیب سے بتائی گئی ہے۔ مثلاً مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ یہ ایک قرآنی دعویٰ ہے، سورۂ فتح کے آخر میں اس دعویٰ کے اثبات کے لئے تعلیمی اعجاز پیش کیا گیا وَالَّذِیْنَ مَعَہٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَی الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ (الآیۃ) اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تربیت کے معجزانہ آثار و نتائج پیش کئے گئے ہیں۔ اس پر فطری طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کونسا طریقۂ تعلیم یا نصابِ تعلیم تھا جس پر ایسے آثار نمودار ہوئے۔ قرآن کی معجزانہ بلاغت نے اس کا جواب مَعَہٗ کے لفظ سے دے دیا ہے کہ یہ بے مثل انقلاب صحابہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت و صحبت سے ہی حاصل ہوا۔

حضرات صحابہؓ علمی، عملی، اخلاقی تمام کمالات میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد ممتاز ترین شخصیات ہیں۔ لیکن لقب صحابہ یا اصحاب رکھا گیا ہے اس لئے کہ ان تمام کمالات کا انتقال ان میں خاتم الکمالات صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے ہی ہوا ہے۔

تجربات و تاریخ سے بھی یہ بات واضح ہے کہ کمالات کا انتقال صحبت سے ہی ہوتا ہے۔

ہمارے حضرت نوّر اللہ مرقدہٗ اس کی واضح علامت تھے۔ ایک وکیل، پھر ایک ڈاکٹر ہیں لیکن رُوحانی کمالات، حُسنِ اخلاق، حُسنِ عادات، حُسنِ معاشرت، حُسنِ معاملات، حُسنِ نظم، حُسنِ اصلاح و تربیت میں تمام اصحابِ دل اور اربابِ ذوق کے لئے محبوب ترین مرجع اور مطمح نظر بنے ہوئے ہیں۔ قریب و بعید لوگوں کے قلوب ان کی طرف کس والہانہ انداز سے منجذب ہو رہے ہیں۔ اہلِ علم اہلِ نظر سب حضرات کی نظر میں حضرتِ اقدس کی رائے گرامی کا کیسا وقیع مقام ہے۔ یہ دولت کہاں سے ملی؟ حُسنِ طلب، حُسنِ محبت، حُسنِ اعتماد، حسنِ انقیاد سے حضرت مجدد الملۃ حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کی صحبتیں حاصل کیں۔ سترہ (١٧) برس تک اپنی قوتوں کو حضرت کے اس طرح حوالے کئے رکھا کہ فنا فی الشیخ کا کامل ترین مقام حاصل کیا جس کا ثمرہ ظاہر ہے۔ شیخ کے مزاج، ذوق اور شیونِ اصلاح و تربیت میں خوب رنگین ہوئے۔

حضرت حکیم الامت رحمہُ اللہ رحمۃً واسعۃً کے تمام خلفاء کرام میں حضرت اقدس کے محاسن و کمالات کی جھلکیاں نمایاں تھیں۔ البتہ جہات کا فرق تھا، کسی صاحب میں شیخ کی ایک ادا غالب ہے، دوسرے میں دوسری وجہِ حسن نمایاں ہے، لیکن حضرت ڈاکٹر صاحب قدس سرہٗ تو اپنے محبوب شیخ کی خوبیوں میں بالکل ڈوبے ہوئے تھے۔ اور ان کے محاسن و ذوق و مزاج کے صحیح امین و ناشر بننے کی سعادت حاصل کی۔

تاثیرِ صحبت کے لئے طلب کامل، اعتمادِ کامل، محبت کاملہ سے بنتے کا جذبہ، اخذِ کمالات کا مضبوط عزم و داعیہ ضروری ہے۔ تاثیر صحبت کے یہ لوازم جتنے زوردار ہوں گے اتنا ہی پختگی سے کمالات کا انتقال ہوگا۔ ان لوازمِ صحبت میں حضرت عارفی قدس سرہٗ کو کمال کا اعلیٰ مرتبہ حاصل تھا۔ اس لئے اقتباسِ محاسن میں مقامِ ممتاز حاصل ہوجانا لازم تھا۔

احقر راقم الحروف کا اصلاحی تعلق پہلے حضرت الشیخ المعظم جامع الخیرات حضرت مولانا خیر محمد صاحب قدس سرہٗ

سے تھا۔ ان کے انتقال کے بعد فکر دامن گیر ہوا کہ اصلاحی تعلق کن سے قائم کیا جائے؟ اس وقت حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ کے کافی خلفاء موجود تھے۔ ان میں جلیل القدر علماء بھی تھے۔ احقر کو ان سب سے انتہائی قلبی گرویدگی کا تعلق تھا، ان میں سے کسی کے دامن سے وابستگی نعمتِ کبریٰ تھی، لیکن احقر نے اس خاص تعلق کے لئے حضرت عارفی نور اللہ مرقدہٗ کا انتخاب کیا۔ وجہ انتخاب یہ تھی کہ حضرت والا پر حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کے مربیانہ ذوق، مرشدانہ مزاج، حکیمانہ تربیت، مشفقانہ گرفت کا غلبہ بالکل نمایاں تھا۔ اصلاح و تربیت میں مقصد مطمح نظر رہتا تھا۔ اس میں کسی ایسی مصلحت کی آمیزش کا اندیشہ نہیں تھا جو اصلاح کے راستہ میں مضر مسامحت تک لے جاسکے۔ معاملات و واقعات سے اس وجہِ انتخاب کے صواب ہونے کا یقین بڑھتا ہی گیا اور بڑھتا ہی جا رہا ہے۔

محاسنِ شیخ کی نشر و اشاعت

آخری سالوں میں تو حضرت عارفی قدس سرہٗ کو خصوصیت سے اپنے شیخ کی نسبت سے جواہر سنت، گلہائے حکمت کی نشر و اشاعت کی اس انداز سے توفیق ملی، جسے مخصوص عطیہ الٰہیہ اور موہبت ربانیہ ہی قرار دیا جاسکتا ہے۔ حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کے علوم و حکم میں ڈوب کر امت کی نفع رسانی کے لئے حیرت انگیز کارنامے سرانجام دینے کی توفیق سے نوازے گئے۔

حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ کے خلفاء بہت تھوڑی تعداد میں رہ گئے۔ تمام سالکین کی نگاہِ انتخاب بزمِ اشرف کے اسی چراغ پر تھی۔ کثرت سے اصلاحی خطوط کا تانتا بندھا رہتا۔ سنتِ شیخ کے مطابق بلاتاخیر جواباتِ شافیہ کا سلسلہ چلتا رہتا۔

مجالس میں کشاں کشاں طالبانِ خدا پروانہ وار حاضر ہوتے۔ پیرانہ سالی اور ضعف کے باوجود اُن کے قلوب کو سیرابی کا سامان مرحمت فرماتے رہتے۔ حضرت عارفی رحمہ اللہ کا مطب صرف جسمانی معالجہ کے لئے ہی نہ تھا، بلکہ ایک دُکان معرفت بنا رہتا تھا۔ بکثرت اہلِ قلوب یہاں سے غذائے رُوح اور دوائے دل حاصل کرتے تھے۔

حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ کے کارناموں میں سے ایک نمایاں کارنامہ مفید ترین تصانیف کی کثرت ہے۔ حضرت عارفی کو اس ادا کا بھی وافر حصّہ نصیب ہوا۔ علم و حکمت کے جواہر اور موتی اپنے شیخ کی کتابوں سے انتخاب کرنے کے عنوانات سے خوب دل بھر کر اُمّت کے سامنے پیش کیے۔

کہیں "مآثرِ حکیم الاُمّت" کے عنوان سے اپنے شیخ کی اداؤں، محاسن اور مخصوص مصلحانہ اسالیب کی توضیح ہو رہی ہے گویا قاری کو ہاتھ پکڑ کر خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون میں بٹھا دیتے ہیں۔

کہیں "بصائرِ حکیم الامت" کے عنوان سے اپنے شیخ کی تصانیف سے انتخاب کر کے اصلاح و تربیت، سلوک و احسان، تصوف و معرفت کا ایک بے نظیر قسم کا مجموعہ نافعہ امت کے سامنے پیش کیا جا رہا ہے۔

کہیں "معارفِ حکیم الاُمّت" کے عنوان سے ایسی عجیب و غریب علمی تحقیقات کا مرقع پیش فرما دیا ہے جو علماءؑ و صُلحاء کے قلوب میں نشاط و طرب کا سامان مہیا کر رہا ہے۔

تمام مصلحینِ امت کا مقصودِ اصلی خاتم الانبیاء صلّی اللہ علیہ وسلم کی سُنّتِ طیّبہ کی نشر و اشاعت ہے، اتباعِ سُنت ہی معیارِ ولایت ہے۔ "اسوۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم" لکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات و سُنن کا جامع مجموعہ آسان ترین انداز سے پیش فرما دیا جسے حیران کن مقبولیت و محبوبیت و نافعیت حاصل ہوئی۔ اردو کے علاوہ انگریزی، فارسی، عربی، سندھی وغیرہ مختلف زبانوں میں اس کے تراجم ہوئے اور لاکھوں کی تعداد میں پوری گرویدگی سے اُمّتِ مسلمہ کی آنکھوں اور دلوں کی ٹھنڈک کا سامان ہوئی۔

"معمولاتِ یومیہ" کے عنوان سے ذکر و شغل، اصلاح و تربیت کا جو اکسیر اور جامع اجمالی مگر کافی و شافی خاکہ پیش فرما گئے اس کی تو نظیر ہی نہیں ملتی، حق تعالیٰ نے امتِ مسلمہ کو اس سے بے حد نفع پہنچایا اس کے متعلق بہت سے صلحاء کو خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مبشراتِ عظیمہ سُنائی گئیں۔

کہیں "احکامِ میّت" کی شکل میں اسلام کے ایک اہم حصّہ کے متعلق ایسے مسائل جمع فرما دیئے جس سے بہت سی بدعات و رسوم کی تردید بھی ہو گئی ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی کثیر التعداد رسائل و مواعظ اور ملفوظات کی صورت میں سالکین کے دلوں کو گرماتے رہے، ان کے ضمیروں کو حرکت دیتے رہے، جمود و غفلت سے نکالتے رہے، مایوس لوگوں کے لئے سامانِ رجاء بنے رہے۔ افراط و تفریط کی نشاندہی کر کے راہِ اعتدال واضح فرماتے

رہے ۔ مکائدِ نفس پر مطلع فرماتے رہے ، ظلمت زدہ افراد کے ضمیروں میں جِلا بخشتے رہے ۔ مردہ دلوں کو زندگی کا سامان فراہم کرتے رہے ۔

جس طرح حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کی تصانیف کثیرہ و متنوعہ کی طباعت کا انتظام غیب سے حضرتؒ کی حیات ہی میں کثرت سے ہوتا رہا اسی طرح ان کے رنگ میں رنگے ہوئے اس خلیفۂ ارشد کی تصانیف ملفوظات و افادات کی ان کی زندگی میں ہی والہانہ انداز سے اشاعت ہوئی ۔

ع ایں سعادت بزورِ بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

یہ سب امور اس بات کی واضح علامات ہیں ، کہ حضرت عارفی قدس سرہٗ کو حق تعالیٰ نے اس دور میں امتِ مسلمہ کی راہنمائی کے لئے خصوصیت سے منتخب فرمایا ہوا تھا ۔ ماموُر مِنَ اللہ بھی تھے مُؤَیَّد مِنَ اللہ بھی ۔ حق تعالیٰ جب کسی متبع سُنّت امتی سے کام لینا چاہیں تو اس کی تائید و تقویت کے سامان بھی پیدا فرما دیتے ہیں ۔

حضرت اقدس سے اِصلاحی تعلق اور چند مکتوبات شریفہ

احقر نے محدثِ جلیل فقیہِ نبیل حضرت مولانا خیر محمد صاحب قدس سرہٗ کے انتقال کے بعد حضرت والا سے اصلاحی تعلق پیدا کیا ۔

اوائل ذی الحجہ ۱۳۹۰ھ میں ایک عریضہ کے ذریعہ مختصر تعارف کے ساتھ اصلاحی مکاتبت کی اجازت طلب کی جس پر حضرت اقدس نے مندرجہ ذیل کلمات ارشاد فرمائے :

> ” وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ،
>
> حالات مندرجہ سے مطلع ہوا اس طریق کے شرائط و آداب سے آپ واقف ہو ہی چکے ہیں ان کا لحاظ رکھتے ہوئے اپنی طلب خلوص اہتمام کے ساتھ جاری رکھئے میرے امکان میں جو اعانت ہوگی اس سے انکار نہیں اللہ تعالیٰ نصرت فرمائے ؟ دعاگو عبدالحی عفی عنہ

۱۳/ ذوالحجہ ۱۳۹۰ھ کو عریضہ تشکر لکھا اور اپنے سابقہ معمولات کی اطلاع دے کر اس میں محو و اثبات کی گذارش کی اس پر یہ کلمات ارشاد فرمائے :

" آپ کے معمولات بہت کافی وشافی ہیں ۔ اللہ تعالیٰ استقامت عطا فرمائیں ۔ اور اس کے برکات وثمرات نصیب فرمائیں "

نقشہ معمولات

احقر وافقر نذیر احمد غفرلہٗ

نماز : تہجد ۔ اشراق ۔ اوابین

اوراد :① دوازدہ تسبیح بعد از نماز عشاء

② ۵ تسبیحات لا الٰہ الا اللہ

" " اسم ذات پاک " اللہ "

۱ پارہ تلاوتِ قرآن پاک و ۱ منزل مناجات مقبول عربی

تہجد کے بعد شروع کر کے نماز فجر سے قبل یا بعد جب ختم ہو جائیں ۔

③ ایک تسبیح سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر

بعد نماز مغرب و اوابین

④ ایک ایک تسبیح درود شریف و استغفار درمیانی اوقات میں کسی وقت

باقی اوقات میں حوائجِ ضروریہ و آرام کے بعد مواعظ، مآثر حکیم الامت، تربیت السالک وغیرہ کا مطالعہ ۔

ارشاد حضرت اقدسؒ : " انشاء اللہ تعالیٰ اسی قدر کافی ہے ۔

اللہ تعالیٰ استقامت و برکت عطا فرما دے

آمین "

اس کے بعد مسلسل اصلاحی خطوط لکھتا رہا ۔ درمیان میں تعلیمی مصروفیات یا غفلت سے مکاتبت میں

تاخیر بھی ہوتی رہی ۔ اظہارِ ندامت کے ساتھ پھر لکھنے کی توفیق مل جاتی ۔

اپنے اصلاحی عریضہ جات میں دو باتوں کی اطلاع کا التزام رہتا :

معمولاتِ مجوزہ پر پابندی ہو رہی ہے یا غفلت ۔ جیسا واقعہ ہوتا بے تکلف اطلاع دیتا رہا ۔

تبلیغ دین اور مواعظ حکیم الاُمّت کی روشنی میں جو رذائلِ نفس میں آئے ایک ایک کر کے انکی اطلاع ور تجویزِ مبارک کی اتباع کی توفیق ملتی رہی ۔ ہر موقع پر منبہانہ، مصلحانہ، مربیانہ، مشفقانہ ارشادات سے حوصلہ افزائی اور راہنمائی اور تعدیل فرماتے رہے ۔ کبھی مایوسی کے قریب بھی پھٹکنے نہیں دیا ۔

ایک موقع پر احقر نے اصلاحی عریضہ میں یہ لکھا :

> " والحمدللہ معمولات پابندی سے ادا ہو رہے ہیں کچھ حصہ حضورِ قلب سے کبھی بدون اس کے ۔ بہرکیف پورا کر لیتا ہوں ۔ اپنی طرف منسوب ہونے اور تقصیرات کی وجہ سے ان کو ناقص بھی سمجھتا ہوں اور پورا کرنے کی توفیقِ الٰہی کو ان کا انعام سمجھ کر مسرت بھی رہتی ہے ۔ "

س کے جواب میں کلماتِ ذیل ارقام فرمائے :

> " کیف و بے کیفی ، انشراح و انقباض ان کی عنایات و احسانات کے مختلف عنوانات ہیں جو بات سامنے آتی جاتی ہے اس کا حق ادا کرتے رہیں ۔ یہی مقصودِ حیات ہے اور یہی رازِ بندگی ہے اللہ تعالیٰ آپ کو اور ہمیں اپنی رضا پر کاربند رہنے کی توفیق عطا فرمائیں ۔ "

کبھی غیر معمولی تعلیمی دباؤ کی وجہ سے معمولات میں اضمحلال بھی ہو جاتا تھا اس کی بھی مع بیانِ عذر طلاع کر دیا کرتا تھا ۔ اس پر ہمیشہ تسلی کے کلمات ہی فرماتے رہے ۔ اس نوعیت کے ایک عریضہ کے جواب میں حضرت اقدس ارشاد فرماتے ہیں :

> " یہ مصروفیت (تعلیمی) ذکر و تلاوت کی برکات ہی سے معمور ہے اور زیادہ اہم ہے ، جس قدر آسان ہو وہ مقدار مقرر کر لیں اللہ استقامت اور اس کے برکات و ثمرات عطا فرمائیں ۔ "

ایک موقع پر ایسے ہی عریضہ کے جواب میں فرمایا :۔

"جو کام آپ کر رہے ہیں ان کی قیمت معمولات سے کہیں زیادہ ہے اور ترکِ معمولات کا ثواب کہیں زیادہ ہے۔"

ایک عریضہ میں احقر نے لکھا کہ :

"معمولات کا اہتمام جاری ہے ذکر و اصلاح اور مطالعۂ مواعظ کی دھن و شوق بہت غالب ہے لیکن تعلیمی مصروفیات اور اس سے متعلق مطالعہ کتب کی وجہ سے شوق پورا نہیں ہوتا گو تعلیم و مطالعہ حدیث، تفسیر، اور اصول فقہ کا ہی ہے۔ لیکن دل یہی چاہتا ہے کہ اب تو انہی کی یاد میں لمحات گذریں مگر تعب کار کی وجہ سے رسم ہی پوری ہوتی ہے۔"

اس پر حضرت اقدسؒ نے یہ تحریر فرمایا :

"یہ شوق پورا ہونے کی چیز ہی نہیں بلکہ اللّٰہم زد فزد۔ یہ بھی انہی کی یاد ہے بلکہ اور تمام یادیں انہی سے وابستہ ہیں۔ اخلاص اور صدق کا تعلق تو صرف نیت پر ہے اور یہ امرِ اختیاری ہے۔"

لیکن اس کے ساتھ ہی کیدِ نفس سے بچانے کے لئے معمولات کی پابندی کی ترغیب و تحریض و تاکید اور غفلت پر تنبیہ زبانی ملاقات میں فرماتے رہتے تھے۔

گاہے گاہے قلبی رجحانات و حالات کی اطلاع کرتا رہتا تھا۔ جواب میں کلمات سکینت سے نوازتے رہتے۔ مثلاً ... ایک موقع پر احقر نے یہ لکھا :

"اپنے کاموں میں اسباب مظنونہ کو اختیار تو کرتا رہتا ہوں ان کو نعمِ الٰہیہ سمجھ کر لیکن اکثر کیفیت یہ رہتی ہے کہ اسباب کو بے اثر سمجھتا ہوں۔ جزئیات و واقعات میں مُسبّب الاسباب کی قدرت و تاثیر کارفرما نظر آتی ہے۔ یہ یقین غالب رہتا ہے کہ کام بنانا صرف انہی کے بس میں ہے۔"

اس پر حضرت اقدس رحمہ اللہ نے یہ ارشاد فرمایا :

"یہ عقیدہ و استحضار رأس الاعمال اور کلیدِ کامیابی ہے۔"

ایک موقع پر احقر نے اصلاحی عریضہ میں یہ حالت تحریر کی :

" سب معمولات سے زیادہ دعا و افتقار کی طرف میلان ہے اپنے اعمال کے قابلِ پیشی نہ ہونے کے یقین کے باوجود توفیق ملنے پر فرحت و تشکر اور فقدان یا اختلال سے ملال ہوتا ہے ۔ ظاہر و باطن کی اصلاح کی دُعا کی درخواست ہے ۔" والسلام

اس پر ارشاد فرمایا :-

" یہ علامات بہت امید افزا ہیں اور کلید کامیابی ہیں دل سے دُعاہائے خیر کرتا ہوں اپنے لئے ان امور کے لئے دُعا کی استدعا ہے ۔"

ایک عریضہ میں عرض کیا کہ :

" وعظ یا درس کے بعد کبھی طبیعت میں انتظار ہوتا ہے کہ سامعین اس پر مادحانہ تبصرہ کریں اس کے ساتھ دل میں سوچتا ہوں کہ اگر یہ عمل جاہ عند الناس کے لئے بن گیا تو اکارت جائے گا ۔ اس سے اس میں کمی ہو جاتی ہے اس کے متعلق جو تجویز مبارک ہو اسی کی اتباع ہوگی ۔"

اس پر عمدۃ العارفین رحمہ اللہ نے حسب ذیل ہدایت ارقام فرمائی :-

" تقریر شروع کرنے سے قبل چند بار یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ بِرَحْمَتِکَ اَسْتَغِیْثُ اَصْلِحْ لِیْ شَأْنِیْ کُلَّہٗ وَلَا تَکِلْنِیْ اِلٰی نَفْسِیْ طَرْفَةَ عَیْنٍ پڑھ لیا کیجیے ۔ انشاء اللہ اعانتِ الٰہی شاملِ حال رہے گی اور عُجب پیدا نہ ہوگا ۔"

اس انداز سے یہ سلسلہ مکتوبات چلتا رہا ۔ پہلے مکتوب میں اصل درخواست اصلاحی تعلق کی اجازت طلب کرنا تھا بیعت پر اصرار نہیں کیا البتہ غیر ضروری سمجھتے ہوئے شوق کی اطلاع دی تھی جس کے جواب میں اصلاحی تعلق کی تو اجازت مرحمت فرمادی (کما مر) لیکن بیعت کے متعلق نفیاً یا ثبوتاً کچھ نہیں فرمایا ۔ کافی سالوں کے بعد ۲۳ رصفر ۱۳۹۸ھ کے ایک عریضہ میں احقر نے یہ لکھا کہ :-

" مقصود اصلاح ہی سمجھتا ہوں اس کو بیعت پر موقوف نہیں سمجھتا نہ ہی اس پر اصرار ہے

تاہم تقویتِ ربط و برکت کے لئے اس کا شوق ضرور ہے۔ مؤدبانہ درخواست ہے کہ اگر طبیعت مبارکہ پر گرانی نہ ہو تو ناکارہ کو بیعت فرمالیں۔ بندہ کو جناب والا سے طبعی مناسبتِ تامہ ہے تعلیم سے نفع ہوتا ہے۔ کسی بات پر اعتراض کا تصور بھی نہیں ... والسلام "

اس کے جواب میں کلماتِ ذیل سے نوازا :

" آپ سے کوئی دریغ نہیں بذریعہ تحریر ہٰذا آپ کو بیعت کر کے سلسلہ میں داخل کرتا ہوں اللہ تعالیٰ بزرگانِ سلسلہ کے طفیل فیوض باطنی سے ہمیشہ مستفیض فرمائیں۔"

دعاگو عبدالحی عفی عنہ

۱۹ر صفر ۹۸ھ

حضرت والا کا ایک ایک مکتوب حرزِ جاں بنانے اور آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے لیکن تذکرہ نگاری میں تطویل مناسب نہیں اس لئے مکتوبات شریفہ کا نمونہ دکھلانے کے لئے چند نقوش مبارکہ نقل کرنے پر ہی اکتف کیا جارہا ہے۔

احقر کو حصول اجازتِ بیعت کی قابلیت کا اپنے اندر کبھی تصور بھی نہیں آیا ہوگا۔ ذی قعدہ ۱۳۹۶ھ میں حضرت اقدس رحمہ اللہ نے اجازت سے متعلق دو دفعہ یکے بعد دیگرے پرچے ارسال فرمائے دونوں ہی احقر کو نہ ملے۔ ۲۴ر ذی قعدہ ۱۳۹۶ھ کو دارالعلوم فیصل آباد سے ایک عریضہ لکھا۔ اس کے جواب میں ارشاد فرمایا۔

" آپ کا پہلا خط آیا اس کے جواب کے ساتھ ایک پرچہ ملفوف کیا تھا پھر آپ کا دوسرا خط آیا اس میں پہلے خط کے پہنچنے نہ پہنچنے کا کوئی ذکر نہ تھا اس خط کے ساتھ بھی ایک پرچہ ملفوف کیا تھا۔ آج آپ کے خط سے معلوم ہوا کہ وہ دونوں خط آپ کو نہیں ملے۔ تعجب ہے کیا ڈاک میں تلف ہو گئے یا پھر آپ کے پاس پہنچ کر آپ کو نہیں ملے کسی اور کے ہاتھ لگ گئے .... واللہ اعلم - اس خط کے جواب کے بعد معلوم ہوگا کہ یہ خط بھی آپ کو ملتا ہے یا نہیں۔"

اس عریضہ کے جواب میں اجازت بیعت کی بشارت کے عنوان سے ایک پرچہ تھا جس کی فوٹو اسٹیٹ

وہی ملحق ہے ۔

بشارتِ

۶ رذی الحجہ ۱۳۹۸ھ ۸ رنومبر ۱۹۷۸ء

ماشاء اللہ تعالیٰ آپ کے معمولات وحالات کا اندازہ کرتے ہوئے دل کو اطمینان ہے اور تقاضا ہے کہ آپ کو بیعت وتلقین کی اجازت دے دی جائے لہٰذا توکلاً علی اللہ تعالےٰ آپ کو اجازت دیتا ہوں، اللہ تعالیٰ نفع کو عام وتام فرمادیں ۔ اگر کوئی طالبِ صادق رجوع کرے تو انکار نہ کریں اس اجازت کی اطلاع اپنے خاص احباب کو بھی کردیں ۔ دل سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ صدق واخلاص کے ساتھ آپ کو توفیق عطا فرمادیں اور مساعی وتبلیغِ دین میں ہمیشہ آپ کی اعانت فرمادیں اور مکائدِ نفس وشیطان سے ہمیشہ ہمیشہ محفوظ رکھیں ۔ آمین

دعاگو محمد عبدالحی عفی عنہ

اس پرچہ کے موصول ہونے پر احقر نے یہ عریضہ لکھا:

" ناچیز کے دونوں عریضوں کا جواب اکٹھا موصول ہوا ۔ پرچہ بشارت واحسان و شفقت نامہ بھی موصول ہوا ۔ اس عنایت وکرم وتوجہ پر شکر ادا کرنے سے قاصر ہوں جذباتِ تشکر کے ساتھ دل میں مندرجہ ذیل احساسات اُبھرے ۔

عجز وانکسار اور فکرِ اصلاح میں ترقی ہوئی ذکر وطاعت کی مداومت کا جذبہ تیز ہوا ، اس یقین میں اضافہ ہوا کہ میرے مرشد پاک کی توجہ وشفقت وحکمت وتربیت سے انشاء اللہ العزیز نفس کے بل پیچ نکل جائیں گے ۔ اور مکائدِ نفس وابلیس سے تحفظ مل جائے گا محبت وعقیدت سے اصلاحی ربط مضبوط کرنے کا افتقار واحتیاج کا احساس بڑھا ۔ مرشد پاک کے توسط سے سلسلہ واکابر سلسلہ کی برکات دنیا وعقبیٰ میں حاصل ہونے کی توقع میں ترقی ہوئی ۔ توبہ وندامت کی کیفیت نمایاں طور پر زائد ہوئی "

حضرت اقدس رحمہ اللہ نے اس پر یہ کلمات ارقام فرمائے :

" ماشاء اللہ آپ کے تاثرات معلوم ہو کر بہت دل خوش ہوا آپ کے حالات بہت امید افزا ہیں۔ سب سے زیادہ اہتمام اپنے ہی نفس کی نگہداشت میں کرنا ہے۔ کتاب مآثر حکیم الامت غور سے بار بار پڑھیں۔ دیکھیں کہ حضرت رحمہ اللہ کا مذاقِ تصوف کیا تھا اسی کی اتباع کی ضرورت ہے۔ اسی طرح فن سے واقف ہونے کے لئے بار بار بصائر حکیم الامت پڑھیں اور اس کے ضوابط کو اچھی طرح ذہن نشین کرتے رہیں۔ جب دل میں جذبۂ خلوص کے ساتھ دوسروں کو تبلیغ و تعلیم کا تقاضا پیدا ہو اس وقت یہ کام شروع کریں۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ آپ کو اپنے حفظ و امان میں رکھیں اور مقامات دینیہ میں آپ کی نصرت و اعانت فرماتے رہیں۔ میں دل سے آپ کے لئے دعاہائے خیر کرتا ہوں "

مجالسِ مبارکہ میں حاضری اور چند ارشادات

احقر نے حضرتِ عارفی قدس سرہٗ سے اصلاحی ربط اوائل ذی الحجہ ۱۳۹۰ھ میں پیدا کیا تھا۔ اس وقت احقر مدرسہ خیر المدارس ملتان میں بطور مدرس مقیم تھا۔ پہلی مرتبہ حضرت اقدس کی خدمت میں حاضری دولت خانہ پر شام کے وقت ہوئی۔ عجب رُوح افزاء ارشادات تھے۔ اس مجلس میں صبر و شکر استغفار و استعاذہ کی ضرورت و برکت پُر کیف اسلوب سے بیان فرمائی۔ اس کا اثر دل و دماغ پر اب تک محسوس ہو رہا ہے۔ لیکن حضرتِ والا کی تعبیر و ادا کو الفاظ میں پیش کرنے سے قاصر ہوں۔ اس مضمون کا ملخص "معمولاتِ یومیہ" میں آگیا ہے۔ یہ حاضری اور اس کے بعد کی حاضری مختصر ہی رہی۔ ان حاضریوں کے موقع پر مفتیٔ اعظم پاکستان جامع الخیرات حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہٗ کی خدمت اقدس میں بھی حاضری ہوتی رہی۔ حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ کی زیارت اس سے قبل بارہا مدرسہ خیر المدارس میں کر چکا تھا۔ احقر کو حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ سے بے حد قلبی محبت و اعتماد تھا۔ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ بھی بے حد شفقت و عنایت فرماتے۔ کراچی میں بعض حاضریاں فقیہہ العصر جامع شریعت و طریقت حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب مدظلہٗ کی معیت میں نصیب ہوئیں۔

شوال ۱۳۹۵ھ میں مدرسہ خیر المدارس کا قیام ترک کرنے کی نوبت آئی۔ تعلیمی خدمت کے لئے گو اور بھی

جگہیں تھیں لیکن احقر نے خطیب اسلام حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی رحمہ اللہ کے ارشاد پر حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب مدظلہ کی سرپرستی میں ٹنڈوالہیار کے دارالعلوم الاسلامیہ میں قیام کا فیصلہ زیادہ تر اس لئے کیا کہ حضرت عارفی قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضری کثرت سے بسہولت نصیب ہو جائے گی دو سال وہاں قیام کیا دونوں سال بکثرت سے حضرت اقدس کی خدمت میں حاضری کا شرف حاصل رہا ۔

اس وقت سے ۱۴۰۶ھ کی آخری حاضری تک معمول یہی رہا کہ قیام کی سعادت حضرت مولانا رشید احمد صاحب مدظلہ کی نگرانی میں دارالافتاء والارشاد ناظم آباد میں حاصل رہتی تھی ۔ حضرت عارفی قدس سرہٗ کی مجالس عامہ کے وقت اور مطب کے پورے اوقات میں حضرت والا کے ہاں حاضر ہوتا رہا ۔ عصر کے بعد حضرت مفتی صاحب مدظلہ کی خدمت میں حاضری کی سعادت رہتی ۔ حضرت مفتی صاحب مدظلہ کی عنایات و احسانات کا قلب پر گہرا نقش ہے ۔ جب بھی حاضری سے قبل بذریعہ عریضہ دارالافتاء والارشاد میں قیام کی اجازت مانگتا تو اکثر شفقت بھرے اس قسم کے کلمات میں اجازت فرماتے کہ نہ صرف اجازت ہے ۔ بلکہ انتظار ہے ۔

کراچی میں کبھی بھی ان دونوں جگہوں میں بغرض اصلاح حاضری دینے کے علاوہ کوئی اور مقصود سفر نہیں ہوا ۔ ان دونوں بزرگوں کی متعدد مجالس میں شرکت سے کوئی کمال تو پیدا نہ ہو سکا اہلِ کمال کا مزاج خوب ذہن نشین ہوا ہے ۔

جامعہ اسلامیہ امدادیہ فیصل آباد قائم ہونے کے بعد ایک دفعہ حضرت عارفی قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضری کی اجازت کا عریضہ لکھا وقت کم تھا جواب کا انتظار کے بغیر ہی کراچی حاضر ہو گیا اس عریضہ میں یہ بھی گذارش کر دی کہ مخصوص احباب کو اس دفعہ مدرسہ کے چندہ کے لئے عرض کرنا ہے ۔ چنانچہ احقر حضرتؒ کے ایک مسترشد چوہدری عبدالحمید صاحب زیدمجدہم کی معیت میں پیر کے دن عصر سے قبل حاضر ہوا عصر کے بعد مجلس خاص تھی ۔ مصافحہ کرتے ہی حضرت کا انداز بالکل مختلف و متغیر نظر آیا ۔ پوری مجلس خاص میں علماء و مشائخ کی موجودگی میں امراء سے چندہ کے خطاب خاص کرنے پر اپنے مخصوص انداز میں شدید نکیر فرمائی اور آخر میں یہ مثال بھی پیش فرمائی کہ شفیق والد کی موجودگی میں بچہ اگر کسی اور سے مانگے تو باپ کس قدر ناراضگی محسوس کرے گا ۔ حق تعالیٰ کے دربار کو چھوڑ کر امراء سے چندہ کا خطاب غیرت ایمانی کے منافی ہے ۔ عجیب کیفیت سے حضرت اقدسؒ نے اس موضوع پر ارشادات فرمائے پوری

مجلس پر بے حد اثر تھا ۔

دوسرے دن مطب پر حاضری ہوئی تو احقر کو خطاب کر کے فرمانے لگے ۔ کہ مقصود تو آپ تھے لیکن کل کی مجلس میں بہت کام کی باتیں ہوگئیں ۔ احقر اپنے ساتھ معافی نامہ لکھ کر لے گیا تھا پیش کر دیا ۔ اس پر بہت ہی مسرور ہوئے اور دعائیں دیں ۔

عجیب بات ہے احقر اور میرے رفیق سفر یہی سمجھتے رہے کہ حضرت کو ہمارا خط مل گیا ہے تبھی ایسا ہوا ۔ احقر کراچی سے پہلے واپس آگیا ۔ دوسرے رفیق ابھی کراچی میں تھے اور میرے بعد بھی مجلس میں حاضری دیتے رہے ۔ میری واپسی کے بعد میرے رفیق کے سامنے ہمارا عریضہ حضرت کو ڈاک میں موصول ہوا ۔ اور پڑھ کر فرمانے لگے کہ وہ واپس بھی چلا گیا ہے خطاب مل رہا ہے ۔ اب معلوم ہوا کہ اس دفعہ ہمارے مقصود سفر میں غل وغش حضرت کو منکشف ہوگیا ہے یا ثمرۂ نور فراست ہے ۔

احقر کا کئی کئی دن قیام رہتا ۔ یہ التزام تھا کہ مطب میں اوّل وقت سے اختتام تک حاضری رہے ۔ ابتدائے مجلس میں تو حضرت والا نے مریضوں کو دیکھنے سے قبل ملاقات وارشادات کا وقت رکھا ہوا تھا ہی ۔ اس سے بھی مستفید ہوتا ۔ اس کے بعد درمیانی وقفات اور آخر میں نہایت ہی شفقت وعنایت دلسوزی سے خصوصی خطاب سے جواہر ملفوظات طیبہ سے نوازتے رہتے ۔ حتیٰ کہ دماغ بالکل تھک جاتا پیرانہ سالی اور ایسی کیفیت ضعف میں اصاغر سے ایسا معاملہ دلسوزی ، دلداری اور جذبۂ نفع رسانی دیکھنے میں نہیں آیا ۔

ان مجالس میں ایسی ایسی عارفانہ مصلحانہ باتیں ارشاد فرماجاتے جن کو سننے کے لئے اب ہمیشہ ترستے رہنے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں ۔ ہر دفعہ واپس آکر دل ہمیشہ انتظار میں رہتا کہ اب حاضری کا شرف حاصل ہوگا ۔ دل کی یہ آواز رہتی ہے

ترا اے شاہ خوباں باز دیدن آرزو دارم ؛ سخن ہا از لب شیریں شنیدن آرزو دارم

افسوس ان باتوں کو ضبط تحریر میں نہ لا سکا ۔ سننے میں ہی محو رہتا ۔ قلب ودماغ پر کافی عرصہ تک اِن ارشادات کا نمایاں اثر رہتا ۔

حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ کے ملفوظات میں بھی دیکھا ہے ۔ حضرت عارفی قدس سرہٗ سے بھی بارہا

سُنا تھا کہ ملفوظ کا اصل مقصود یہ ہے کہ سامع کا دل اُسے قبول کرے اس کا اثر نفس میں پیدا ہو جائے ۔ یعنی الفاظ یاد رکھنا مقصود نہیں ہے ۔

ان جواہر کو غور سے سننے پر حضرت والا خود بھی مختلف عنوانات سے متنبہ فرماتے رہتے تھے واقعی آپ کے بعد سوز و گداز کی یہ باتیں سنانے والا ہے بھی کون ؟ صہبائے سخن میں خود حضرت کا ارشاد گرامی ہے ؎

محفلِ سوز و گدازِ غم کو گرمائے گا کون
اہلِ دل کو اپنے دردِ دل سے تڑپائے گا کون
موجزن ہے کس کے دل میں آتشِ سیالِ غم
مستئ خونِ جگر آنکھوں سے برسائے گا کون
کس پہ طاری ہے جنونِ عشق کی وارفتگی
یوں زباں پر والہانہ رازِ دل لائے گا کون
عارفی میرا ہی دل ہے محرمِ راز و نیاز
بعد میرے رازِ حسن و عشق سمجھائے گا کون

یہ آخری شعر تو کثرت سے مجلس میں بیان فرما دیا کرتے تھے ۔ موقع بموقع پگھلا دینے والے اشعار چسپاں فرمانے کا ذوق تو بے مثل تھا ۔ احقر بدذوق ہے سن کر لذت اندوز تو ہو جاتا لیکن ضبط نہ کر سکتا تھا ۔

ایک دفعہ حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب مدظلہ کی معیت میں شام کے وقت دولت خانہ پر حاضری ہوئی ۔ عجیب و غریب حقائق کے ضمن میں ایک شعر بھی سنایا جسے مَیں یاد نہ رکھ سکا ۔ دوسرے دن مطلب میں جانے سے پہلے حضرت مفتی صاحب مدظلہ نے یہ شعر پوچھا احقر نے لاعلمی کا اظہار کیا اس پر مولانا عبدالرحیم صاحب نبیرہ مجدہم کے ذریعہ پیغام بھیجا کہ حضرت سے پوچھ کر آنا ۔ حضرتؒ سے سوال کرنا میرے لئے نہایت گراں ہوتا تھا حضرت مفتی صاحب مدظلہ کی فرمائش کی وجہ سے سوال کا حوصلہ کر لیا اور اس وقت لکھ بھی لیا .... فرمایا ؎

اے خیالِ دوست اے بیگانہ ساز ماسوا
اس بھری دنیا میں تو نے مجھ کو تنہا کر دیا

واقعی عجیب مضمون اور عجیب تعبیر ہے ۔ اس کے بعد احقر کو یہ یاد ہو گیا ۔ اکثر تنہائیوں میں بے اختیار یہ وردِ زبان رہتا ہے ۔

یہاں حضرت کی چند ایسی باتیں پیش کرنے پر اکتفا کروں گا جو بارہا سُنی ہیں الفاظ محفوظ نہیں لیکن مضمون قلب پر نقش ہے ۔

مطب میں ہی ارشاد فرمایا کہ ہمارے جتنے اعمال ہیں وہ ہماری طرف منسوب ہونے کے اعتبار سے بہرحال ناقص ہی رہیں گے۔ یعنی ان میں کمال کا انتظار نہ ہونا چاہیئے۔ لیکن حق تعالیٰ ان اعمال ناقصہ پر اجر اپنی شان کمال کے مطابق کامل ہی عنایت فرمائیں گے۔ ہم ناقص ہماری ہر چیز ناقص۔ حق تعالیٰ کامل ان کا ہر فعل کامل ہے۔ اس قسم کی باتوں سے دلوں کو مضبوط فرمائے رکھتے تھے کبھی مایوس نہ ہونے دیتے۔

اکثر مجالس میں خطاب خاص سے اکثر اہل علم کی یہ کمزوری بیان فرماتے رہتے کہ ان کے مستحبات کا اہتمام بہت کم ہے ترغیب دیتے رہتے تھے کہ اپنی زندگی میں مستحبات پر عمل کرنے کا بھی بہت اہتمام کیا جائے فرمایا کرتے تھے کہ فرائض و واجبات تو حقِ عظمت ہیں اور مستحبات ان کی محبت کا حق ہیں۔ حقِ عظمت بھی ادا ہونا چاہیئے حق محبت بھی۔

حضرت اقدس کثرت سے فرماتے رہتے تھے کہ وقت کا حق ادا کیا جائے یعنی جونسا وقت جس معمول کا ہو اس میں اس کے ادا، کا اہتمام کیا جائے۔ حضرت والا خود اس کے بہت پابند تھے فرمایا کرتے تھے میں نے ہمیشہ اس کا لحاظ رکھا ہے اور جو کام بھی ہوا ہے اسی کی بدولت ہوا ہے۔ واقعی حضرت اقدس کو ادائے حقوق وقت کا التزام کرتے ہوئے سب دیکھنے والوں نے کھلی آنکھوں دیکھا ہے۔ مثلاً مطب پر تشریف لانے کا جو وقت مقرر ہے حضرت اس وقت مطب پر تشریف فرما ہی ملتے تھے۔ حضرت کی خدمت میں حاضری کے لئے جب کراچی قیام کی سعادت حاصل ہوتی تو اکثر بے تکلف احباب کے گھروں میں بھی صبح کے ناشتہ کی دعوت قبول کرنے سے گریز کرتا تھا تاکہ آزادی رہے اور مطب پر وقت پر پہنچ سکوں۔ اگر چند منٹ کی تاخیر بھی ہو جاتی تو حضرت تشریف فرما ملتے اور پاس بیٹھنے کی جگہ بھی نہ رہتی تھی۔ ایک دفعہ کسی محترم بزرگ کے ہاں شب کا قیام کر لیا صبح بارش ہو رہی تھی دل میں یہی خیال تھا کہ آج تو حضرت والا بھی تاخیر ہی سے تشریف لاسکیں گے۔ اس لئے جلدی کا اہتمام نہ کیا تاخیر سے پہنچے تھوڑی بارش ہونے کے باوجود حضرت مطب پر تشریف لائے ہوئے تھے۔

حسنِ نظم بھی ادائے حق وقت کے اہتمام کے بغیر پیدا نہیں ہو سکتا۔ اسی التزام کی بنا پر حضرت عارفی قدس سرہٗ اپنے شیخ حکیم الامت رحمہ اللہ کی شانِ حسنِ انتظام کے بہترین نمونہ تھے۔

عام طور پر ذکر و عبادت کرنے والوں کو یہ شکایت رہتی ہے کہ ذکر و عبادت میں یکسوئی اور حضورِ قلب

کی دولت حاصل نہیں ۔ بلکہ یکسوئی میسر نہ آنے کی وجہ سے ترکِ ذکر تک آمادہ ہو جاتے ہیں ۔ حضرت والا عجیب تمثیلات سے تسلیاں دیا کرتے تھے ۔ ایک دفعہ فرمایا کہ زیادہ ٹریفک والی سڑک پر کسی کی دکان ہو ہر وقت اس پر شور رہے تو اس دوکاندار کو کبھی تصور بھی نہیں آتا کہ جب تک شور ختم نہ ہو دوکان کا کام کیسے کروں ۔ شور کے باوجود کام جاری رکھتا ہے ۔ ٹیلیفون اسی حالت میں کرتا بھی ہے سنتا بھی ہے ۔ اسی طرح ہر قسم کے وساوس آتے جاتے رہیں ذاکر کو اپنے کام کی طرف متوجہ رہنا چاہئے اس شور کی طرف التفات ہی کیوں کیا جائے؟ اپنے کام سے کام رہنا چاہئے ۔

تربیت السالک دیکھنے کی بہت تاکید فرمایا کرتے تھے ۔ احقر کو متعدد مرتبہ اس کے مطالعہ کا یہ طریق ارشاد فرمایا کہ سالک کے خط کا مضمون پڑھ کر حضرت حکیم الامتؒ کا جواب پڑھنے کے بغیر خود اس کے جواب پر خوب غور کیا جائے ۔ پھر حضرت حکیم الامتؒ کا جواب دیکھا جائے ۔ احقر نے اس کا تجربہ کیا اس فن کا درک پیدا کرنے کے لئے بے نظیر طریق ہے ۔

مآثر اور بصائر حکیم الامتؒ بغور دیکھتے رہنے کی تاکید فرماتے رہتے تھے ۔ جب بصائر حکیم الامتؒ طبع ہوئی تو ایک دوست کے ہاتھ بطور ہدیہ حضرت والا نے اپنے یادگار نقوش مبارکہ کے ساتھ اس کا ایک نسخہ اس رُوسیاہ کو ارسال فرمایا ۔ احقر نے عریضہ میں اس کے متعلق یہ لکھا :

> ”آج عریضہ لکھنے کا ارادہ ہی کر رہا تھا جبکہ حضرت والا کا ارسال فرمودہ انعام عظیم اور خیریت مزاج عالی کی خبر موصول ہوئی ۔ بصائر حکیم الامتؒ کا نسخہ اور معمولاتِ یومیہ کے نسخہ جات دیکھ کر وجوہ عدیدہ سے یہ انعامات نورِ بصر، نورِ قلب اور نورِ دماغ بنے ۔ فرحت کی کوئی انتہا نہیں رہی ۔ اس عنایتِ عظیمہ اور احسانِ جلیل پر ادائے شکر سے قاصر ہوں ۔“
>
> بصائر حکیم الامتؒ تو فن کی عجیب نعمت تیار ہو گئی ہے ۔ اس دورِ انحطاط میں مجددِ اعظم قدس سرہٗ کی ہدایات و خصوصیات کے جلاء و اظہار کے لئے حق تعالیٰ نے حضرت والا کا انتخاب فرمایا ہے ۔ حق تعالیٰ سلامت و عافیت تامہ کے ساتھ حضرت والا کو عمرِ نوح سے نوازے اور یہ فیض بڑھتے ہی جائیں ۔“

اس کے جواب میں حضرت والا نے ارقام فرمایا :

"ماشاء اللہ تعالیٰ آپ کی اس قدر شناسی سے بہت ہی مسرت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ اسے سرمایہ سعادت اور ذخیرۂ رضاءِ حق بنائے۔ آمین۔ دعاء کے لئے استدعا ہے۔"

مجلس مبارک میں بار بار ان کتب کی خصوصیات بیان فرماتے رہتے تھے، مقصد یہ تھا کہ قدر شناسی سے ہمیں ان سے استفادہ کاملہ کی طرف توجہ بڑھے۔ معارفِ حکیم الامت جب طبع ہو کر آئی احقر اس وقت بھی حاضر تھا اس کا بھی ایک نسخہ حضرت اقدس نے احقر کو عنایت فرمایا۔

اصلاحی امور میں حضرت اقدس مسامحات نہیں فرمایا کرتے تھے۔ اپنے متوسلین کے حالات پر نظر رکھتے اور موقع بموقع تنبیہات فرماتے رہتے۔ فیصل آباد سے ایک رفیق احقر کے ساتھ طالبِ بیعت ہو کر خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے۔ احقر کی سفارش پر حضرت نے خلافِ معمول اتنی جلدی بیعت فرمالیا۔ اس کے بعد پھر جب کراچی حاضری ہوئی یہ بزرگ اب بھی ساتھ تھے۔ ملاقات کے وقت احقر نے تعارف کروایا۔ اور بطور تعارف گذشتہ حاضری میں بیعت کا بھی تذکرہ کردیا۔ حضرت نے ناراضگی کے لہجہ سے فرمایا۔ بیعت کا کیا فائدہ جب خطوط وغیرہ سے تعلق نہ رکھا جائے۔ اس کے بعد بھی ایک مجلس تنبیہ فرمائی کہ میرے بعض احباب بعض لوگوں کی بیعت کی سفارش کردیتے ہیں۔ بیعت کے بعد وہ آدابِ طریق کے مطابق اصلاحی رابطہ نہیں رکھتے۔

متوسلین کے حالات پر نظر کی ایک اور مثال ملاحظہ کیجئے۔ کسی مدرسہ کے دستور و تعارف کی کاپی کے شروع میں احقر نے چند کلمات لکھے تھے۔ احقر سے پوچھے بغیر انہوں نے حضرت اقدس کی طرف احقر کی نسبت ظاہر کردی۔ مجھے طباعت کے بعد اس کا علم ہوا۔ اس کی ایک کاپی حضرت اقدس تک بھی پہنچ گئی۔ اس دفعہ ملاقات میں حضرت کا انداز بدلا ہوا تھا۔ اس موضوع پر متعدد ارشادات فرماتے رہے کہ آج کل شہرت پسندی کا مرض بہت ہے۔ بزرگوں کی نسبتوں کو بھی شہرت پسندی کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔

احقر کو عملیات کی طرف میلان خاطر نہیں حضرت اقدس بھی اس طرف بہت کم توجہ دیتے تھے اس کے

انکار نہیں کیا جا سکتا ۔ لیکن آج کل اکثر بلکہ تمام طبائع میں کم و بیش خود رائی ، خود پسندی اور شہرت پسندی کا مرض وبائی انداز سے سرایت کئے ہوئے ہے ۔ جس کی نحوست سے نہ صرف اجتماعیت کی برکات سے حرمان ہوتا ہے ، بلکہ بعض افراد اپنی صلاحیت سے اجتماعیت میں اتنا کام بھی نہیں کر سکتے جتنا وہ تنہا سر انجام دے سکتے ہیں ۔ اسی بناء پر حضرت والا کی طبیعت مبارکہ اجتماعی اچھی تحریکات کی طرف بھی مائل نہ ہوتی تھی ۔

تعلق کے ابتدائی ایام میں احقر کے دل میں ایک جذبہ موجزن تھا ۔ اشاعتِ خیر اور محو شر کیلئے حضرت اقدس کی سرپرستی میں ایک اجتماعی تنظیم قائم ہونی چاہئے ۔ یہ جذبہ اس حد تک پہنچا کہ حضرت اقدس کی خدمت میں اس مضمون کا طویل عریضہ لکھ دیا ۔ جس کے جواب میں حضرت والا نے طویل مکتوب ارقام فرمایا ۔ جس کی نقل درج ذیل ہے :

> " افسوس ہے کہ میں ایسے جذبات سے محروم ہوں ۔ اگر ایسی تحریکات سے متاثر ہو کر کچھ تقلیداً کام کروں بھی تو اس میں کیا جان ہوگی ؟ بلکہ رہی سہی طمانیتِ قلب بھی زائل ہو جائے گی ۔ ہر کسے را بہر کارے ساختند ۔ جس بات کی تھوڑی بہت استعداد دے وہی کام شایانِ کار نہیں بن پڑتا ۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل میں جو جذبات پیدا فرمائے ہیں آپ خود ہی ان کا حق ادا کر سکتے ہیں ۔ اور دنیا میں جو کام بھی مقتدر ہوا ہے ، وہ فرد واحد ہی کی قوتِ ارادی اور ہمت و استقلال ہی سے ہوا ہے ۔
>
> اللہ تعالیٰ آپ کی نصرت فرماویں ۔ آپ نے جس مقصد کا اور جماعت کی تنظیم کا ذکر کیا ہے ۔ وہ سب کچھ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی **دعوت الحق** میں موجود ہے ۔
>
> جس پر اکثر مقامات کچھ نہ کچھ عمل بھی ہو رہا ہے ۔ وما توفیقی الا باللہ ۔"

احقر کو اپنی اس جسارت پر بہت شرمندگی ہوئی ۔ اور حضرت اقدسؒ کے مزاج مبارک کا ایسا پرتو پڑا کہ خود اپنا مزاج ایسا ہی بن گیا ۔ اس قصہ کے کئی سال بعد بطور مشاورت کسی اجتماعی کام کے متعلق گفتگو فرمائی ۔ احقر نے بے تکلف عرض کر دیا کہ حضرت انفرادی حیثیت سے جو کارہائے نمایاں سرانجام

باوجود بعض عملیات احقر کو بتلائے۔ اور صراحۃً ان کی اجازت بھی مرحمت فرمائی۔ احقر نے یہ اسی وقت اپنی بیاض میں قلمبند کر لئے تھے۔

۱۔ سفلی عمل اور آسیب کے دفع کے لئے: ” دو رکعت نفل۔ پہلی رکعت میں فاتحہ کے بعد قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ، دوسری رکعت میں قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ۔ اس کے بعد ۱۱ مرتبہ درود شریف، ۵۰۰ مرتبہ لَاحَوْلَ الخ پھر ۱۱ مرتبہ درود شریف“۔ یہ عمل چالیس دن تک کیا جائے۔

۲۔ تلاش گمشدہ کے لئے (چیز ہو یا مرد): ” دو رکعت نفل۔ ہر رکعت میں سورۂ اخلاص پانچ پانچ مرتبہ۔ اس کے بعد ۱۱ دفعہ درود شریف پھر پانچ سو مرتبہ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ اس کے بعد پھر ۱۱ مرتبہ درود شریف“۔ یہ عمل تین دن تک کیا جائے۔

۳۔ زچگی کے لئے: ” وَاللّٰہُ خَیْرٌ حَافِظًا وَّھُوَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ. رَبِّ یَسِّرْ وَلَا تُعَسِّرْ وَتَمِّمْ بِالْخَیْرِ ثُمَّ السَّبِیْلَ یَسَّرَہٗ“۔

یہ عملیات ۶ رجمادی الاولیٰ ۱۴۰۲ھ کو مطب پر صبح کی مجلس میں مع تصریح اجازت ارشاد فرمائے۔

سفرِ حج کے وقت کراچی میں حضرت اقدس کی خدمت میں حاضری دی۔ بصائرِ حکیم الامت جیسی چند کتب مطالعہ کے لئے سفر میں ساتھ رکھ لیں۔ اور حضرت کو اطلاع دی کہ حضرت سفر حج میں مطالعہ کے لئے یہ کتب ساتھ لے جا رہا ہوں۔ اس پر ارشاد فرمایا کہ کوئی کتاب ساتھ نہ رکھیں، صرف مناجاتِ مقبول ساتھ رکھ کر ہر مقام میں اس کی منزلیں پوری توجہ سے پڑھتے رہیں۔ احقر نے ایسا ہی کیا جیبی سائز کی مناجات ساتھ رکھ لی۔ تمام سفر میں اُسے ساتھ رکھتا اور مخصوص ادعیہ کے علاوہ اس کی منزلیں پڑھتا رہتا۔ مثلاً عرفات میں اس کی ساری منزلیں اطمینان سے پڑھیں۔ اس سے سہولت بھی ہوئی نفع بھی ہوا۔

حضرت اقدسؒ کا مزاجِ مخصوص

دینی کام اجتماعیت سے کرنے کے برکات واضح ہیں اس کی برکات وافادیت سے

ہورہے ہیں۔ انہی کی طرف توجہ بہتر معلوم ہوتی ہے۔ ایسی اجتماعیت اکثر چلا نہیں کرتی۔ حضرت والا اس جواب پر بے حد مسرور ہوئے۔ اور فرمایا کہ تم نے میرے دل کی بات کہی ہے۔

اس سے مقصد اجتماعی تنظیموں کی افادیت کی بالکلیہ نفی نہیں۔ بلکہ یہ بتانا مقصود ہے کہ حضرتِ اقدس ان شخصیات میں سے ہیں جن کی ذات انفرادی طور پر ہی اتنے وجود افادیت کی حامل ہوتی ہیں کہ کئی انجمنوں وجماعتوں سے بڑھ کر بے تکلف اور بسہولت ان کے ہاتھ سے حیرت انگیز کارہائے نمایاں سرانجام ہوجاتے ہیں۔ ایسے مزاج والوں کو اجتماعیت میں الجھنا یقیناً افادیت میں تقلیل کا باعث ہوگا۔ اس امر میں حضرت عارفی قدس سرہٗ اپنے شیخ کے مثیل تھے۔

حضرت اقدس کا دینی مدارس سے تعلق

مدارس عربیہ دین کے تحفظ کا بہترین ذریعہ ہیں۔ حضرت اقدس کو مدارس عربیہ سے قلبی تعلق تھا۔ ان کی ترقی وافادیت، شرور وآفات سے حفاظت کے لئے دعائیں فرماتے رہتے تھے۔ ان کی نصرت واعانت بھی فرماتے رہتے۔ دو مدرسے (۱) دارالعلوم کراچی (۲) جامعہ اسلامیہ امدادیہ فیصل آباد کے تو باقاعدہ سرپرست اور صدر تھے۔ ان کے لئے دعائیں، توجہات وعنایات اور ہر ممکن نصرت کا سلسلہ تو چلتا ہی رہتا ہے۔ ان کے علاوہ دوسرے مدارس عربیہ کی بہی خواہی اور دل سے ان کی اصلاح وترقی کے لئے دعائیں جاری رہتی تھیں۔

حضرت اقدسؒ کے متوسلین میں سے ایک مخلص صاحب نے احقر کو مدرسہ میں علومِ جدیدہ کی تعلیم جاری کرنے کا مشورہ دیا۔ اس کی ضرورت بیان فرمائیں۔ احقر نے یہ بات حضرت اقدس قدس سرہٗ کی خدمت میں پیش کردی۔ حضرت اقدسؒ نے فی البدیہہ یہ ارشاد فرمایا کہ جن کاموں کی ہمیں صلاحیت ہے ہم وہی کرسکتے ہیں۔ جو کام بزرگوں کے مطابق جاری ہے اسی نہج پر کرتے رہو۔ ایسے امور کی طرف کبھی توجہ بھی مت کرو۔ ان صاحب میں اس کی صلاحیت ہے تو وہ خود کرلیں۔ ہم اپنی صلاحیت سے آگے بڑھنے کی سعی نہ کریں گے۔

مقصد اس کے عرض کرنے کا یہ ہے کہ حضرت نے بلند پایہ انگریزی تعلیم حاصل کی ہوئی تھی عالم گر

ہونے کے باوجود مدارس کا مروّجہ نصاب نہ پڑھا تھا ۔ لیکن بزرگوں کے تعلق کی برکت سے سرتاپا بزرگوں کے مزاج میں ہی رنگین تھے ۔ کسی مصلحت کی بنا پر سرِ مو اس سے انحراف نہیں تھا ۔ بلکہ جو اہلِ علم حضرت والاؒ سے متوسل ہیں حضرت کی برکت اور دباؤ سے وہ ایسی آلودگیوں سے محفوظ رہتے تھے حضرت سب کے لئے معتدل تھے ۔ ہم سب اب اس رحمت سے محروم ہیں ۔ اسی تصور سے جوں جوں دن بڑھ رہے ہیں، فراق کا صدمہ ترقی پذیر ہے ۔ ہمیں سنبھالنے والا اب کون ہے ؟ حق تعالیٰ ہماری حفاظت فرمائیں ۔

حضرت اقدس کا زوردار منشاء مبارک تھا کہ مدارس ہر قسم کی سیاسی آلودگیوں سے محفوظ رہیں ۔ احقر اس مزاج پر سختی سے کاربند ہے ۔ تعلیم و دعوت کے سلسلہ میں ہر ایک کی خدمت کے لئے اپنی وسعت کی حد تک تیار ہیں ۔ لیکن عملی سیاست میں نہ کسی کی موافقت کی نہ مخالفت ۔ مثلاً حضرتؒ کی زندگی میں جو آخری ریفرنڈم اور انتخابات ہوئے ۔ ہمارے مدرسہ میں یہ دن اس طرح گذرے جیسے ان کا وجود ہی نہیں ہے ۔ حضرت نے بعض مجالس میں صراحۃً احقر کے اس تصلب کی تحسین فرمائی ۔

حضرتؒ والا کی زندگی کے آخری سال شوال ۱۴۰۵ھ میں حضرت کا افتتاح صحیح بخاری کے موقع پر دارالعلوم کراچی میں عجیب رُوح پرور بیان ہوا ۔ وہ البلاغ میں بھی طبع ہوا ۔ بعد میں دارالعلوم کراچی نے مستقل طور پر اس کی اشاعت کا کارنامہ سرانجام دیا ۔ احقر نے دورہ کے طلباء میں سے ہر ایک کو ایک ایک کاپی دی اور مدرسہ کے تمام شعبہ جات کے اساتذہ و طلبہ کا اجتماع رکھ کر یہ بیان باقاعدہ پڑھ کر سُنایا ۔ اور یہ اعلان بھی کرایا کہ اس کی حیثیت صرف وعظ کی نہیں ۔ حضرت اقدس ہمارے صدر و سرپرست ہیں ۔ یہاں کے تمام اراکین و معلمین و طلبہ حضرت کے ارشاد کے پابند ہیں ۔ یہ ارشادات سب کے لئے ضابطہ کی حیثیت رکھتے ہیں ۔ اس کی اطلاع حضرت اقدس کو بذریعہ مکتوب دی ۔ حضرتؒ نے اس پر بہت ہی مسرت کا اظہار فرمایا ۔ اور دعائیں دیں ۔ یہ احقر کا آخری عریضہ ہے جس کا جواب وفات شریفہ سے چند روز قبل ہی وصول ہوا

دل سے دعا ہے کہ حق تعالیٰ ہم تمام متوسلین کو حضرت کے مزاجِ سلیم کی اتباع کی توفیق عنایت فرمائیں ۔ اور حضرت کی خدمات دینیہ کو قبولیت تامہ سے نوازتے ہوئے ان کو مقاماتِ رفیعہ عطا فرمائیں ۔

آمین ثم آمین

• جنابِ سیّد محمّد اِبراہیم صاحب

یہ حالت ہوگئی ہے ایک ساقی کے نہ ہونے سے
کہ خم کے خم بھرے ہیں مے سے اور میخانہ خالی ہے

قیامِ پاکستان کے بعد حضرت والاؒ جب کراچی تشریف لائے تو رالبن روڈ پر ایک چھوٹے سے کمرے میں گھر کے سارے نفوس کے ہمراہ رہائش پذیر تھے ایک چھوٹی سی دوکان ملی جس میں مطب کھولا کوئی واقف نہ تھا۔ محبی نصرت علی صدیقی پہلی بار مجھے حضرت والاؒ کی مجلس میں لے گئے۔ میں تھوڑی دیر بیٹھا قلب پر ایک خاص اثرِ محبت ہوا۔ شہر واپس آکر ہم نے لوگوں سے ذکر کیا۔ آہستہ آہستہ لوگوں کی رجوعات بڑھیں۔

پہلی ملاقات میں حضرت والا کی محبّت کا جو اثر ہوا تھا۔ اسکے بعد قلب میں تقاضا ہوا کہ حضرتِ والاؒ کی مجلس میں بار بار حاضری دی جائے۔ آمد و رفت شروع ہوگئی۔ ہم سکھر میں قیام پذیر تھے ہر ماہ حضرت والاؒ کی مجلس میں حاضری کے لئے کراچی جاتے اس طرح حضرتؒ سے دلی تعلق بڑھتا گیا۔ غالباً آج سے دس سال قبل مجھ پر دل کا دورہ پڑا۔ یہ خبر سن کر حضرتِ والاؒ مع حضرت نجم صاحب و دیگر احباب کے ہمراہ سکھر تشریف لائے روابطِ محبت کچھ اور بڑھے۔ حضرت والاؒ کی کراچی واپسی کے بعد میں نے حضرت والاؒ کو خط لکھا کہ میں آپ سے اصلاحی تعلق پیدا کرنا چاہتا ہوں۔ حضرتِ والاؒ نے جواب میں فرمایا کہ آپ کی حالت ترقیٔ باطنہ میں ہے میں آپ کی تشنگی پوری نہ کرسکونگا۔ نہ ہی میں اپنے کو اس قابل سمجھتا

ہوں۔ میں نے پھر لکھا پھر یہی جواب آیا۔ میرے مزاج میں تیزی ہے میں نے لکھ دیا ؎

آپ گھبرائیں نہیں جور سے توبہ نہ کریں
آپ پچھتائیں نہیں داغ کا حال اچھا ہے

اب جواب آیا ؎

عارفی جذباتِ خفتہ کو نہ چھیڑ
پھر بھڑک اُٹھے نہ سوز و سازِ دل

میں نے بھی لکھدیا ؎

در پہ تیرے کیوں نہ جھک جاتی ہے جبینِ نازِ دل
سننے والا کون تھا تیرے سوا آوازِ دل
دل کی بربادی کا ناحق غم ہے تجھکو ہم نشیں
وہ اگر پامال کر دیں، ہے یہی اعزازِ دل
اُنکی محفل میں لئے بیٹھا ہے رزمی اک طرف
ایک سوزِ نامکمل ایک شکستہ سازِ دل

اس کے جواب میں حضرتِ والاؒ نے لکھا کہ یہ حالت تو میری ہے۔

روابط محبت کچھ اور بڑھے میرے اور کشف و کرامات کا ایک شدید دور شروع ہوا میرا راستہ چلنا مشکل ہوگیا۔ مجھے انسان کے بجائے بندر نظر آتے اور بہت کریہہ صورتیں نظر آتیں میں نے حضرتِ والاؒ کو یہ حالت لکھی۔ آپ نے جواب میں فرمایا کہ یہ تیرے ہی قلب کی حالت ہے اللہ تعالیٰ مشاہدہ کرا رہے ہیں۔ جواب میں میں نے عرض کیا کہ حضرت والاؒ نے جو یہ فرمایا ہے کہ یہ میرے ہی قلب کی کیفیت ہے تو حضرت والاؒ کا یہ ارشاد میرے دل کو قبول نہیں۔ میری حالت مزید دگرگوں ہوتی گئی۔ میں نے پھر لکھا پھر اسی قسم کا جواب آیا میں نے پھر لکھا کہ قلب مطمئن نہیں ہے۔ پھر جواب آیا کہ آپ اللہ تعالیٰ سے یہ دعا فرمائیں کہ آپ اپنے بندوں کی یہ حالت جو میرے اوپر منکشف کر رہے ہیں۔ اس سے مجھے کیا فائدہ ہے آپ میرے باطن کی حالت میرے سامنے کر دیجئے اور اس تکلیف دہ حالت سے نجات فرمائیے الحمد للہ کچھ عرصہ بعد یہ تمام کیفیات فرو ہوگئیں دل و دماغ میں سکون آگیا۔ حضرت والاؒ کا یہ اعجاز نہیں تو اور کیا ہے ؎

یہی تھانہ بھون کے آسماں کے وہ ستارے ہیں   ضیائے ملائے اشرف ہے عیاں جنکی نگاہوں سے
غضب کا سوز ہے ان میں بَلا کا جذب رکھتے ہیں   ذرا جا کر تو دیکھیں آپ ان کی جلوہ گاہوں میں
شناور بن گئے انکی بدولت ڈوبنے والے   سلیقہ ان فقیروں سا نہیں ہے بادشاہوں میں
وجہ ہے تصرف ہے نہ ہُو حق ہے نہ چلّے ہیں   مگر حقانیت ہے ان کی سادہ خانقاہوں میں
شفیع و عارفی ہوں یا حسن ہوں یا غنی احسن   نشان معرفت ہیں معرفت کی شاہراہوں میں
مناسب ہے دکھادوا نکو جلوہ خلوتِ دل کا   لئے بیٹھے ہو تم جو بجلیاں اپنی نگاہوں میں

ایک روز خبر سنی کہ حضرت والاؒ مع اپنے چچا صاحب۔ حضرت نجم صاحب اور دیگر بارہ احباب کے ہمراہ حج کو جا رہے ہیں یہ نہیں معلوم تھا کہ کس کے نام سے درخواست داخل کی ہے میں عصر کی نماز مسجد میں پڑھ رہا تھا کہ کسی کو کہتے سُنا کہ لفافہ نکل آیا ہے۔ اکمل صاحب وہ لفافہ لے کر حضرت والاؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے کھول کر دیکھا تو حضرت والاؒ کا نام تحریر تھا۔ حج کی روانگی کی تیاریاں شروع ہوگئیں۔ حضرت والاؒ کی روانگی کے بعد میں ایک روز عصر کی نماز پڑھ رہا تھا کہ اچانک نظروں کے سامنے منظر آگیا دیکھا کہ سب بزرگ حرمین شریفین پہنچ گئے ہیں حضرت والاؒ کے چچا جو کہ نیم مجذوب کی حالت کے تھے۔ وہ جالی مبارک پکڑے رو رہے ہیں۔ اور چچا ہادی صاحب میزابِ رحمت کے نیچے غلافِ کعبہ کو پکڑے رو رہے ہیں۔ حضرت نجم صاحب بے خود ہیں مگر ہمارے حضرتِ والاؒ مکّہ مدینے کے درمیان ایک مقام رابغ ہے وہاں کھڑے ہیں میں نے دیکھا کہ انکے سر پر ایک ترازو رکھی ہے اس ترازو کی ڈنڈی پر لکھا ہے: ؎

برکفِ جامِ شریعت برکفِ سندانِ عشق
ہر ہوس ناکِ نداند جام و سنداں باختن

آواز آئی ڈاکٹر عبدالحیئ کو لسانِ شیخ عطا کی گئی ہے۔

جب حضرتِ والاؒ حج سے واپس تشریف لائے تو میں حاضرِ خدمت ہوا۔ موجودہ کمرہ جو مطب کا تھا وہاں پر اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔ مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ اور حضرت ڈپٹی علی سجاد صاحب وہاں پر موجود تھے۔ میں خاموش بیٹھا تھا کہ میں نے یہ منظر دیکھا اور دس یا پندرہ منٹ تک مسلسل دیکھتا رہا۔ دیکھا کہ روضۂ مبارک میرے سامنے آگیا ہے۔ اور ستونِ توبہ اُسطوانۂ ابولُبابہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے

کمرے میں جالی کے پیچھے حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کالا چغہ مبارک پہنے تشریف فرما ہیں۔ اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک میں ایک بادامی رنگ کا گتے کا ٹکڑا ہے۔ اس پر کالی روشنائی سے لکھا ہے "ڈاکٹر عبدالحیؒ قطب الارشاد" حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ گتے کا ٹکڑا دکھا رہے ہیں میں دس یا پندرہ منٹ تک یہ منظر دیکھتا رہا میرے سارے جسم پر لرزش کپکپاہٹ اور تھرتھراہٹ طاری تھی سارا جسم ہل رہا تھا آواز بند ہوگئی تھی حضرت والاؒ جب میری طرف متوجہ ہوئے تو میری حالت دیکھ کر گھبرا گئے جلدی سے میرے اوپر شال ڈال دیا سب احباب متوجہ ہوگئے میں نے حضرت والاؒ سے پوچھا قطب الارشاد کی علامات کیا ہیں اور میں مذکورہ منظر کافی دیر سے دیکھ رہا ہوں۔ آدھے گھنٹے بعد میری حالت سنبھلی میں نے دیکھا کہ حضرت ڈپٹی علی سجاد صاحب اور حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ انتہائی مسرت سے اس کشف کے متعلق ارشاد فرما رہے تھے اور حضرت والاؒ بالکل خاموش تھے۔ دوسرے روز صبح میں پھر حضرت کے مطب میں حاضر ہوا۔ اس وقت حضرت والاؒ بالکل تنہا تھے مجھ سے فرمایا کہ ابراہیم جو کچھ تم نے دیکھا وہ بھی صحیح ہے اور جو کچھ تم نے سُنا وہ بھی صحیح ہے۔ ہمارے تمہارے لئے جملہ حالات مبارک و مسعود ہیں ۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تانہ بخشد خدائے بخشندہ

حضرت والاؒ کو حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے خلفاء میں سے ایک ممتاز مقام حاصل ہے آپ اپنے شیخ کے حقیقی مزاج شناس اور انکی تعلیمات کے امین تھے ساری زندگی شیخ کی تعلیمات کی ترجمانی فرماتے رہے۔ بیعت اصلاح و تربیت کے ساتھ ساتھ آپ نے ایک یادگار تحریری سرمایہ بھی چھوڑا ہے۔ جو طالبانِ حق اور تشنگانِ معرفت کی راہنمائی کرتا رہے گا۔ حضرتِ والاؒ کی داستانِ حیات کا دل کش اور حسین باب اگرچہ ختم ہوگیا ہے مگر آپ کی کتاب زندگی کے روشن ابواب نہ صرف ہمیشہ تابندہ رہیں گے بلکہ اس کی ضیاء پاشیاں لاکھوں بندگان خدا کے دلوں کو منور کرتی رہیں گی۔ سمجھ میں کچھ نہیں آتا کہ مجسمۂ لہجے کی شگفتگی آواز کی نغمگی مزاج کی شائستگی کردار کی پاکیزگی بے داغ زندگی اتباعِ سنت عشق الٰہی۔ دردمندی دل سوزی۔ عالمِ اسلام کی فکر اُمتِ مسلمہ کے لئے بے قراری اُسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق مسلمانوں کو زندگی بسر کرنے پر آمادہ کرنے کی تڑپ تمام دینی و دنیوی معاملات میں شریعت کی پابندی۔ بے لوث

دینی و اصلاحی کوششیں و کاوشیں غرض حضرت والاؒ کی شخصیت ہر پہلو سے اس قدر روشن اور تابناک ہے کہ اس پر کچھ کہنا یا لکھنا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے۔ آپ کی پوری زندگی اتباعِ سنت اور عشقِ الٰہی کا ایسا نادر نمونہ تھی جسے لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ آپ کی درویشانہ اور صوفیانہ عظمت عدیم المثال ہے۔ آپ کے روحانی فیوض و برکات میری زندگی کے دستور العمل کا سرمایۂ افتخار ہیں۔ آپ اہم خصوصیات اور اعلیٰ صفات کے حامل مجسمۂ اخلاق و ایثار فرشتہ صفت انسان تھے آپ کی شخصیت میں اپنا گرویدہ بنا لینے والا عجب سحر تھا۔ اندازِ اصلاح و تربیت میں جو سلیقہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمایا تھا۔ اس کی مثال موجودہ دور میں کم ہی نظر آتی ہے۔

لاکھوں بندگانِ خدا نے آپ سے دینی استفادہ کیا۔ بلاشبہ آپ نے لاکھوں لوگوں کے دلوں میں دینی انقلاب برپا کر دیا۔ آپ کا مطب مرجع خلائق تھا آپ بلا امتیاز مذہب و ملت و عقیدہ امیر و غریب ہر ایک کی بات کامل توجہ اور شفقت سے سنتے مایوس سے مایوس مریض جب اپنا حال کہہ اُٹھتا تو ایک گونہ خوشی اور توانائی محسوس کرتا حضرت والاؒ کی ہمہ گیر محبت متواضع خلیق و ملنسار شخصیت مریض کے قلب پر گہرے اثرات چھوڑتی اسے یقینِ کامل ہو جاتا کہ انشاء اللہ اسی در سے صحت حاصل ہو گی۔ مایوسی اُمید میں بدل جاتی۔ بندگانِ خدا کی امکانی خدمت آپ کا محبوب مشغلہ تھی جسے آپ اپنا ایک دینی فریضہ جانتے مریض کی صحتِ جسمانی کے ساتھ اصلاحِ روحانی کو بھی پیشِ نظر رکھتے۔

آپ کی مجالس میں ہر طبقہ کے عوام و خواص۔ آسمانِ علم کے آفتاب اور ذرے سب ہی ذوق و شوق سے حاضر ہوتے اور عرفانِ عارفی سے فیض یاب ہوتے۔ لاکھوں افراد آپ کی مجالس کی برکت سے صحیح انسان بن گئے انکی بگڑی زندگیوں میں پاکیزہ دینی انقلاب برپا ہو گیا اتباعِ سنت اور عشقِ الٰہی کا شعلہ اُنکے دلوں میں بھڑک اُٹھا اور انہیں شریعت کے مطابق زندگی بسر کرنے کا سلیقہ آ گیا۔ آپ کی ایک خاص مجلس میں تصوف و معرفت کی راہ پر چلنے والے حاضر ہوتے جس میں آپ اپنے خاص دل نشیں انداز میں مسائلِ تصوف معرفت و سلوک بیان فرماتے بڑے بڑے علماء محدثین اور بزرگانِ دین آپ کی اس مجلس میں شریک ہو کر رہنمائی حاصل کرتے اور سیراب ہو کر لوٹتے۔ آپ کی اصلاح و تربیت کی ادا بڑی نرالی بڑی انوکھی اور بڑی پیاری تھی۔ بے تکلفی۔ شگفتگی اور شفقت کا عجب انداز ہوتا کہ سُننے والا ہر فرد قلب میں خاص

کیفیت راحت و محبت محسوس کرتا۔ آپ کی پوری زندگی اتباعِ سنت تعلق مع اللہ اور سنت مع اللہ پر مبنی تھی۔ آپ اپنے شیخ کی ہو بہو تصویر تھے آپ کی مجلسیں اپنے شیخ کی تعلیمات حالات۔ اور کمالات کے تذکرے کی مہک سے معمور ہوتی تھیں حضرتؒ والا کی یہ خصوصیت تھی کہ حاضرین مجلس کو ایسے مؤثر طریقے پر اور دل نشیں انداز میں روزمرہ معمولاتِ زندگی میں خلوص کے ساتھ عمل کرنے کی تدابیر بیان فرماتے کہ سننے والوں کو زبردست ترغیب حاصل ہوتی۔ اور آپ کے ارشادات پر عمل پیرا ہونا ان کے لئے آسان ہوجاتا۔ فنِ تصوف میں حضرت والا کو اس قدر مہارت حاصل تھی کہ سالکوں کے پیچیدہ مسائل کو نہایت سہل انداز میں اور عام فہم الفاظ میں حل فرما دیتے تھے کہ........ سالک کی نہ صرف تشفی ہوجاتی تھی شکوک و شبہات بھی ختم ہوجاتے تھے آج حضرتِ والا رحمۃ اللہ علیہ ہم میں موجود نہیں ہیں اس احساس سے دل مغموم ہے۔

دامن نہیں رہا ہے گریباں نہیں رہا
اب کے تو کچھ بہار کا ساماں نہیں رہا
گلشن میں جب وہ جانِ بہاراں نہیں رہا
وہ گل نہیں رہے وہ گلستاں نہیں رہا
آنسو گرا تو زینتِ داماں نہیں رہا
پانی کا کوئی نقش نمایاں نہیں رہا
مل جائے کچھ سکون یہ امکاں نہیں رہا
نشتر یہ اعتماد رگِ جاں نہیں رہا
کس کو بتائیں حال دلِ آشفتہ حال کا
سکھ کے بادہ خواروں کا نگراں نہیں رہا
جب تم نہیں تو اس دلِ آشفتہ حال کا
کوئی بھی کائنات میں پرساں نہیں رہا
ایک ایک کر کے تارے بھی روپوش ہوگئے
کوئی شریکِ ظلمتِ ہجراں نہیں رہا
افشائے راز درد میں ایسا سکوں ملا
اب کوئی اضطراب کا امکاں نہیں رہا
ساقی نہیں تو درہم و برہم ہے میکدہ
کوئی بھی بادہ خواروں کا پرساں نہیں رہا
جینا تو دردِ ہجر میں دشوار تھا مگر
مرنا بھی شوقِ دید میں آساں نہیں رہا
اب ہو رہا ہے ایک اضافہ خلش کا اور
نشتر کوئی شریکِ رگِ جاں نہیں رہا
ان کے قدم کے ساتھ گیا کیفِ زندگی
بے کیف زندگی کا بھی ساماں نہیں رہا
کچھ روشنی تو اب بھی ہے لیکن تیرے بغیر
ظلمت کدہ میں نیّرِ تاباں نہیں رہا
آسودہ گانِ خاک میں شامل ہوا ہے کون
آپے میں اپنے شہرِ خموشاں نہیں رہا

جس میکدہ میں چلتا تھا دورِ شرابِ عشق   اس میکدہ کا ساقیِ دوراں نہیں رہا
رزمی کو عارفی کی نگاہوں سے دیکھئے!
آسودہ ہو چکا ہے پریشاں نہیں رہا

دو کشوف اور ایک بشارت

آج بتاریخ ۱۵؍ شعبان المعظم ۱۴۰۹ھ کو صبح حضرت ڈاکٹر عبد الحئی صاحبؒ کے مزار پر حاضری ہوئی فاتحہ کے بعد کشف ہوا کہ حضرت ڈاکٹر صاحبؒ فرما رہے ہیں ؎

فنا کے بعد بھی مجھ کو تمہاری یاد آتی ہے   اور پھر میرے چہرہ پر دستِ مبارک پھیر دیا

پھر اس کے بعد حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے مزار پر حاضری ہوئی۔ فاتحہ کے بعد کشف ہوا کہ آپ فرما رہے ہیں کہ تو اور مولوی طیب صاحب اور مولوی محمد اسحاق صاحب اور میں دیوبند سے ایک ساتھ فارغ ہوئے تھے پھر آپ کے بھائی کو مراد آباد کے مدرسہ میں بھیج دیا تھا، اس سبب مجھے تم سے محبت ہے، اور تم میری تفسیر معارف القرآن کا مطالعہ کرتے رہنا۔

حاجی محمد فاروق صاحب جو حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب مدظلہم کے خلیفہ ہیں حال ہی میں عمرہ کے لئے تشریف لے گئے تھے وہاں انہوں نے ایک خواب دیکھا کہ سنگِ مرمر کی پانچ یا سات سیڑھیاں ہیں اور انکے اوپر ایک سنگِ مرمر کا چبوترہ ہے، اس پر ہم دونوں یعنی میں حکیم محمد ابراہیم اور حضرت ڈاکٹر عبد الحئی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور پھر نیچے اُتر رہے ہیں ادب کے طور پر میں پیچھے ہوں اور حضرت ڈاکٹر صاحب آگے، پھر یکایک کیا دیکھتا ہوں کہ آپ کا اور حضرت ڈاکٹر صاحب کا جسم ایک جیسا ہو گیا، اور شکل و صورت بھی ایک جیسی ہو گئی اور حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دائیں ہاتھ میں کتابیں ہیں اور بائیں ہاتھ میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے۔ پھر حضرت ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کتابیں یہ آپ لے لیجئے اور فرمایا ہمیں اور حکیم صاحب کو قیام کی اجازت مل گئی ہے، پھر آنکھ کھل گئی، تہجد کا وقت تھا۔

تصاویر اور ریڈیو، ٹیلیویژن ہرگز گھروں میں نہ ہونا چاہئیے۔ اس سے نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کے اخلاق ضرور خراب ہوتے ہیں۔ (افادات عارفیہ)

• جناب مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی

شفقت و محبت کی جیتی جاگتی تصویر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت والد ماجدؒ کا سنہری معمول

ناچیز نے اپنے والد ماجد حضرت مولانا مفتی عبدالحکیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا بچپن ہی سے ہمیشہ یہ معمول دیکھا، سکھر میں جب کوئی بزرگ تشریف لاتے، حضرت والد ماجدؒ ہم بھائیوں کو اور اپنے خاص احباب کو ساتھ لیکر ان کی خدمت میں حاضر ہوتے، اور موقعہ ملنے پر ہمیں ان کی خدمت میں پیش کر کے دعا کراتے، اور اگر کوئی بزرگ سکھر تشریف نہ لاتے، لیکن کراچی سے لاہور، یا لاہور سے کراچی، جاتے ہوئے روہڑی اسٹیشن سے گزرتے تو ہمیں، اور اپنے احباب کو لیکر روہڑی اسٹیشن تشریف لیجاتے، اور ان بزرگ سے ملتے، ان کے ارشادات سُنتے، اور دعائیں لیکر واپس لوٹتے۔

چنانچہ اس معمول کی برکت سے ناچیز کو بچپن ہی میں بہت سے بزرگوں کی زیارت نصیب ہوئی، جس کا ایک حسین اور منوّر نقش دل پر قائم ہے۔ اللّٰھم لک الحمد ولک الشکر

حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کی خدمت میں پہلی حاضری

حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے اس مبارک معمول کے طفیل حضرت والا حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحئیؒ صاحب عارفی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت اقدس میں بھی حاضری نصیب ہوئی، آج سے کوئی بیس پچیس سال پہلے حضرت والاؒ سکھر میں جناب حضرت ڈاکٹر حفیظ اللہ صاحب مدظلہم کے یہاں تشریف لائے، حضرت والد ماجدؒ کو اطلاع ہوئی، چنانچہ ناچیز ان کے ہمراہ حضرت ڈاکٹر حفیظ اللہ صاحب مدظلہم کے گھر حاضر ہوا، حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ اس وقت ان کے موجودہ مکان کی بیٹھک کے ایک کونہ میں سر جھکائے بالکل خاموش تشریف فرما تھے، نہ بیان تھا، نہ دعاء تھی، مگر عجیب پرکیف مجلس تھی، حاضرین کے قلوب آپ کے فیضانِ صحبت سے سیراب ہو رہے تھے، اور جنھیں حق تعالیٰ نے نورِ باطن عطا فرمایا ہے نہ جانے انھیں کس قدر نفع ہوا ہوگا؟ یہ طفلِ مکتب اور عشق و محبت سے بیگانہ جب گھر واپس پہنچا تو بے ساختہ زبان پر حق تعالیٰ جل شانہ کا ذکرِ مبارک جاری ہوگیا جو اس سے پہلے زبان پر جاری نہ تھا، اس غیر معمولی کیفیت پر مجھے تعجب ہوا، لیکن فوراً ہی ذہن میں آیا کہ یہ سب حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کا فیض ہے، اور اسی وقت سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی عظمت و محبت دل میں اتر گئی۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی یہ سب سے پہلی زیارت اور خدمت اقدس میں حاضری تھی اس کے بعد پھر کبھی سکھر میں حضرتؒ کی زیارت نہیں ہوئی۔

ناچیز جامعہ اشرفیہ والس روڈ سکھر میں حضرت والد ماجدؒ اور دیگر اساتذہ کرامؒ سے درسِ نظامی کی کتابیں پڑھتا رہا اور جب "موقوف علیہ" تک کتابیں پڑھ لیں تو ۱۳۸۹-۹۰ھ میں دورۂ حدیث کے لئے حضرت والد ماجدؒ نے دارالعلوم کراچی ۱۴ میں سیدی و مولائی حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بھیجدیا جو ناچیز کے لئے نہایت مبارک اور مسعود ہوا۔

دو مرشد

دارالعلوم کراچی پہنچکر مرشدِ اول حضرت مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد شفیع صاحب

رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضری ہوئی اور تعلیم شروع ہوگئی، ان دنوں پاکستان میں ہفتہ واری سرکاری چھٹی اتوار کو ہوتی تھی، چنانچہ اتوار کے دن صبح ۱۱½ بجے اور ۱۲½ بجے کے درمیان حضرت مفتی صاحبؒ کی عام مجلس ہوتی تھی، شہر کراچی سے، اور دارالعلوم کے قرب و جوار سے بہت سے حضرات تشریف لاتے اور مجلس میں شریک ہوتے دوسری مجلس جمعرات کے روز عصر کے بعد ہوتی، اور ویسے روزانہ بھی کچھ دیر عصر کے بعد حضرت مفتی صاحبؒ دارالافتاء کے سامنے والے چبوترہ پر تشریف لے آتے اور کچھ احباب و اساتذہ حاضر خدمت ہوتے ناچیز بھی حسبِ توفیق ان مجالسِ خیر میں شریک ہوتا رہتا۔

حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کی فیض رسانی سے چونکہ ناچیز پہلے ہی متأثر ہوچکا تھا اس لئے آپ کی مجلس کی جستجو پیدا ہوئی، معلومات کرنے پر علم ہوا کہ پاپوشنگر میں مطب کے قریب جمعہ کے روز عصر کی نماز کے بعد حضرتؒ کی مجلس عام ہوتی ہے، چنانچہ وہاں حاضری ہوئی اور حضرت کی زیارت اور مبارک مجلس میں شرکت کی سعادت نصیب ہوئی۔ اور پھر الحمدللہ سالہا سال تک پابندی سے جمعہ کے روز شرکت ہوتی رہی پھر وفات سے چند سال بیشتر بجائے جمعہ کے، پیر کو حاضری ہوتی رہی اور وفات تک یہ نعمتِ کبریٰ حق تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے عنایت فرمائی،

کراچی پہنچ کر اور بھی بہت سے اکابر و مشائخ کی زیارت نصیب ہوئی، لیکن دلی مناسبت اور قلبی رجحان اول حضرت مفتی صاحب نور اللہ مرقدہ کی طرف، اور پھر حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کی طرف رہا، اور اسی ترتیب سے ناچیز نے ان دونوں بزرگوں سے اصلاح و تربیت کا تعلق قائم کیا، اس طرح حق تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ناچیز کو ان دونوں بزرگوں سے وابستہ فرمایا اور ان کی مجالس میں شرکت کی سعادت بخشی حضرت مفتی صاحبؒ کی خدمت میں تقریباً پانچ سال اور حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کی خدمت میں پندرہ سال رہنے کی توفیق میسر ہوئی، مجھ حقیر پر ان بزرگوں کی بڑی شفقتیں اور عنایتیں رہیں جسکی ایک خاص یہ بھی تھی کہ حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کا ان دونوں اکابر سے بہت گہرا اور خاص تعلق تھا اس لئے بھی یہ دونوں مجھ پر مثل باپ کے شفیق اور مہربان تھے۔

حضرت ڈاکٹر صاحبؒ سے اصلاحی تعلق

شروع میں دورۂ حدیث سے فارغ ہونے کے بعد باقاعدہ بیعت واصلاح کا تعلق حضرت مفتی صاحبؒ سے قائم کیا۔ لیکن ساتھ ہی بحمد للہ جمعہ کو پابندی سے حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کی مجلس میں حاضر ہوتی رہی، پھر جب حضرت مفتی صاحبؒ اللہ تعالیٰ کو پیارے ہوگئے تو باقاعدہ صلاحی تعلق حضرت ڈاکٹر صاحبؒ سے قائم کیا۔ ایک بار بیعت کی درخواست بھی پیش کی لیکن حضرتؒ نے فرمایا حضرت مفتی صاحبؒ سے بیعت کا قوی ترین تعلق ہوتے ہوئے مجھ سے بیعت کی ضرورت نہیں ہے، چنانچہ پھر ناچیز نے اصرار بھی نہیں کیا۔ کیونکہ بیعت ہونا کچھ ضروری نہیں لبتہ اصلاح ضروری ہے۔ اور یہی اصل چیز ہے۔ وہ الحمد للہ جاری رہی۔

حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کی مجلس

اوپر عرض کیا کہ شروع میں حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس پاپوشنگر میں جمعہ کے روز ہوا کرتی تھی، اس مجلس میں پہلے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات سنائے جاتے تھے س کے بعد حضرت والا کا مختصر بیان ہوتا تھا، اور آخر میں حضرت اپنے مخصوص انداز میں طویل مگر بڑی والہانہ دعا فرماتے تھے ـــــ کچھ عرصہ کے بعد ملفوظات پڑھوانے کا سلسلہ موقوف ہوگیا، صرف حضرت ہی کا بیان ہوتا، اور الہامی دعا ہوتی۔ اور مجلس بھی بجائے پاپوشنگر کے حضرت کے مکان واقع نارتھ ناظم آباد ایف بلاک میں ہونے لگی اور پھر وفات تک گھر ہی پر یہ مبارک مجلس جاری رہی۔

حضرتؒ کا اندازِ بیان

حضرتؒ کا اندازِ بیان ایسا منفرد اور دلنشین تھا کہ الفاظ میں اس کا نقشہ کھینچنا کم زکم مجھ ناچیز کے لئے مشکل ہے، لہجہ کی شیرینی ادب کی سلاست، الفاظ کی روانی، اور مضمون کی جامعیت یہ سب خوبیاں اس بے تکلفی سے جمع تھیں کہ بالکل شیر وشکر معلوم ہوتی

تھیں اور ان سب پر للّٰہیت اور روحانیت اس قدر غالب تھی کہ بیان کا براہ راست دل پر اثر ہوتا، مجلس میں ایک شخص بھی ایسا نہ ہوتا جس پر حضرتؒ کی باتوں کا اثر نہ ہوتا اور اس پر کمال یہ کہ حضرتؒ کا یہ انداز ہمہ وقتی تھا، اس لئے ناچیز اتنا ہی کہہ سکتا ہے کہ ایسا شفقت بھرا اندازِ بیان حضرتؒ ہی کا امتیازی نشان تھا، قارئین حضرتؒ کی مطبوعہ مجالس "افاداتِ عارفی" سے اس کا کچھ اندازہ کر سکتے ہیں۔

حضرت تھانویؒ کی تعلیمات کا عملی نمونہ

حضرت رحمۃ اللہ علیہ، حضرت تھانوی قدس سرہٗ کی تعلیمات کا چلتا پھرتا، جیتا جاگتا، نمونہ اور ان کے مزاج و مذاق کے سچے امین تھے، چنانچہ آپ کی مجلس کا اصل محور اور مرکزی نقطہ تعلیماتِ اشرفیہ اور مزاج اشرف کا بیان ہوتا، ہر مجلس میں مختلف انداز سے ذوقِ اشرف کی تفسیر و تشریح فرمایا کرتے اور فرماتے مجھے اپنا ذوق نہایت عزیز ہے اور شیخ سے جو چیز حاصل کیجاتی ہے وہ یہی ہے، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ بھی اس کی بڑی حفاظت فرماتے تھے اور تلقین کرتے تھے اور آج کل سب سے زیادہ اسی کا فقدان ہے، اور نیز حضرت تھانویؒ کے ملفوظات و مواعظ اور تصنیفات و تالیفات کا جو عطرِ میمون حضرتؒ کے پاس تھا بس اُسی سے تمام اہلِ مجلس کو مہکایا کرتے تھے اور ذوقِ اشرف کے بیان کے وقت اکثر یہ شعر سُنایا کرتے تھے ؎

عارفی میرا ہی دل ہے محرمِ ناز و نیاز
بعد میرے رازِ حُسن و عشق سمجھائیگا کون

بعض مرتبہ فرماتے بھئی! میں نہ عالم ہوں، نہ مفسر، نہ مدرس ہوں نہ مقرر، نہ خطیب ہوں نہ واعظ کہ نئے نئے وعظ کہوں یہ علماء کا کام ہے، میں نے حضرتؒ حکیم الامت، مجدد الملت حضرت تھانویؒ قدس سرہٗ کی فیضِ صحبت سے کچھ باتیں اخذ کی ہیں جن سے مجھکو بہت نفع ہوا ہے، وہ سب مستند و معتبر ہیں، وہی باتیں تمہارے سامنے بیان کرتا رہتا ہوں اور ان کا تکرار کرتا ہوں، اور دین کی باتوں کا تکرار بھی بلاشبہ

مفید ہے اور اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ جب کوئی بات بار بار کہی جائے اور کان میں پڑتی رہے تو آخر وہ دل میں جم جاتی ہے اور پھر عمل کی توفیق بھی ہو جاتی ہے۔

حضرت تھانویؒ کی تعلیمات کا خلاصہ

چنانچہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ اپنی پُر اثر مجالس میں اکثر تعلیماتِ اشرفیہ کا خلاصہ اور لب لباب ارشاد فرمایا کرتے تھے ان میں سے چند اہم اور زیادہ سے زیادہ مفید باتیں قارئین کی خدمت میں حاضر ہیں۔ ان کو لیجیے، اور عمل کر کے دونوں جہاں کی سرفرازی حاصل کیجئے۔ اللّٰھمّ وفقنا، اللّٰھمّ وفقنا۔

اتباعِ سنّت

حضرت رحمۃ اللہ علیہ اپنی مجالس میں اتباعِ سنّت پر بہت زور دیا کرتے تھے، اور بہت کثرت سے اس کا بیان فرماتے، اور اس کی اہمیت ذہن نشین فرماتے، کبھی فرماتے ہمارے سلسلہ میں باطنی نفع جلد شروع ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے یہاں اتباعِ سنت اصل چیز ہے، اوّل بھی یہی ہے اور آخر بھی یہی ہے۔ اس کا بہت اہتمام کرنا چاہیئے، کبھی فرماتے بھئی! اتباع سنت ایسی عظیم نعمت ہے کہ اگر بلا قصد وارادہ بھی اس پر عمل ہو جائے تب بھی نفع سے خالی نہیں ہے اور کبھی فرماتے اتباعِ سنت حق تعالیٰ تک پہنچنے اور ان کے نزدیک محبوب ہونے کا سب سے زیادہ محفوظ و مامون اور سہل ترین راستہ ہے

ایک بار فرمایا مجھے بچپن ہی سے یہ خیال تھا کہ کوئی ایسی جامع کتاب ہو جس میں زندگی کے تمام شعبوں کے متعلق رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور سنّتیں مستند اور معتبر کتابوں سے جمع ہوں، تاکہ اس کو پڑھ کر ہر شخص بآسانی عمل کر سکے الحمد للہ ثم الحمد للہ "اسوۂ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم"، اسی جذبہ کے تحت لکھی گئی ہے جس کی خصوصیت یہ ہے کہ اَقُولُ کہیں نہیں ہے یعنی اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کہی گئی جو کچھ بھی ہے، وہ قَالَ ہے یعنی ہر بات رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے ثابت ہے،

چنانچہ اس میں زندگی کے مختلف حالات کے متعلق تقر ۵۶ عنوانات ہیں، ہر عنوان کے تحت احادیث ہی جمع کی گئی ہیں۔

حضرت مجددِ الف ثانیؒ اور اتباعِ سنّت

حضرتؒ نے اتباعِ سنت کے موضوع پر بیان کرتے ہوئے کئی بار حضرت مجدّدِ الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ واقعہ بھی سُنایا کہ جب حضرت مجدد الف ثانیؒ تمام علومِ ظاہرہ پڑھ کر فارغ ہوگئے اور قرآن وسنت کے تمام علوم پر یدِطولیٰ حاصل کر چکے تو ایک روز فرمانے لگے تمام علوم ہم نے حاصل کر لئے، ان خانقاہوں میں بیٹھنے والے درویشوں کے پاس کون سے علوم ہیں؟ چلکر دیکھنا چاہیئے!

چنانچہ سب سے پہلے حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضرت آپ کے یہاں وہ کون سے علوم ہیں جن کا آپ درس دیتے ہیں؟ فرمایا، ہماری خانقاہ میں رہو، علم ہو جائے گا، حضرت مجدد الف ثانیؒ ان کی خانقاہ میں رہ پڑے اور حضرت خواجہ باقی باللہؒ سے بیعت ہوکر ان کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوگئے اوران کی راہنمائی میں ذکر وشغل اور اصلاحِ باطن میں مشغول ہوگئے جس سے اُن پر ایسے ایسے علوم آشکارا ہوئے جنھیں دیکھ کر حضرت مجدد الف ثانیؒ دنگ رہ گئے اور بالآخر اس مقام کو پہنچ گئے کہ ان کا باطن چمک گیا اور قلب ذکرِالٰہی کے انوار سے منوّر ہوگیا، اور حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو خلافت سے نواز دیا۔

اس کے بعد حضرت مجدد صاحبؒ دوسرے سلسلہ کے کسی بزرگ کی خانقاہ میں تشریف لے گئے، اوران سے بھی دریافت کیا کہ حضرت! آپ کون سے علوم کی تعلیم دیتے ہیں؟ فرمایا یہاں رہو پتہ چل جائے گا، چنانچہ حضرت مجدد صاحبؒ ان بزرگ سے بیعت ہوگئے اوران کی خانقاہ میں رہ پڑے اوران کی ہدایات کے مطابق تربیتِ باطن میں مشغول ہوگئے جس کے نتیجہ میں باطن میں ایسی ترقی ہوئی جو اس سے پہلے کبھی نہ ہوئی تھی اور ایسے ایسے علوم قلب پر وارد ہوئے جو نہ کسی کتاب میں پڑھے اور نہ آج تک کسی سے سُنے

بالآخران بزرگ نے بھی حضرت مجدد صاحبؒ کو اپنا خلیفۂ مجاز بنایا۔

اب حضرت مجدد صاحبؒ کے تیسرے سلسلہ کے کسی بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور ان سے بھی یہی پوچھا کہ حضرت! تمام علوم کا درس تو اہلِ مدارس اور اہلِ علم دیا کرتے، آپ کے یہاں کون سے علوم کی تعلیم ہوتی ہے، فرمایا ہمارے علوم کا تعلق حال سے ہے قال سے نہیں ہے، اگر آپ انھیں سمجھنا اور حاصل کرنا چاہتے ہو تو کچھ عرصہ ہماری خدمت میں رہو، انشاء اللہ تعالیٰ آپ کو بھی ان کا علم ہو جائے گا چنانچہ حضرت مجدد صاحبؒ ان سے بھی بیعت ہو گئے اور ان کی خانقاہ میں مقیم ہو گئے اور ان کی ھدایات کے مطابق اصلاحِ قلب اور تربیتِ ظاہر و باطن میں مشغول ہو گئے، اور چند ہی روز میں پہلے سے کہیں زیادہ حق تعالیٰ کا قرب محسوس ہونے لگا، اور باطنی علوم کا دریا دل میں بہنے لگا جس کا آج تک دل میں خیال بھی نہ گزرا تھا، اور اُن بزرگؒ نے بھی حضرت مجدد صاحبؒ کو خلافت و نیابت سے سرفراز فرمایا،

اسکے بعد حضرت مجدد الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ چوتھے سلسلہ کے کسی بزرگ کی خدمت میں تشریف لے گئے اور ان سے بھی عرض کیا یا حضرت! آپ کن علوم کا درس دیتے ہیں، آپ کے یہاں کون کون سی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں؟ ان بزرگ نے جواب دیا اگر ہمارے یہاں رہ جاؤ تو ان علوم کا کچھ اندازہ ہو سکتا ہے، محض زبانی بات چیت سے سمجھ میں آنا مشکل ہے چنانچہ حضرت مجدد صاحبؒ ان سے بھی بیعت ہو گئے اور ان کی خانقاہ میں ٹھہر گئے اور جس جس طرح انہوں نے ذکر و شغل اور مراقبہ کرنے کو کہا اسیطرح کرنے لگے اور ان کی راہنمائی میں مقاماتِ باطن طے کرنے لگے، اور بہت جلد تمام مقامات طے کر لئے اور ان بزرگ نے بھی حضرت مجدد صاحبؒ کو خلافت سے نوازا۔

اس طرح حضرت مجدد الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو تمام علومِ ظاہرہ حاصل کرنے کے بعد تربیتِ باطن کے چاروں سلسلوں چشتیہ، نقشبندیہ، قادریہ اور سہروردیہ کے مشائخ کی جانب سے خلافت عطا ہوئی اسکے بعد حضرت مجدد صاحبؒ نے قربِ خدا کی لامتناہی منزلیں طے کرنی شروع کیں اور بے پناہ علوم کا سمندر دل میں

ٹھاٹھیں مارنے لگا، اور پیغمبرانہ علوم کا مشاہدہ ہونے لگا جیسے حضرت عارفِ رومیؒ کا شعر ہے ؎

بینی اندر خود علوم انبیاء ؛ بے کتاب و بے معید و اوستا

مجدد صاحبؒ فرماتے ہیں کہ پھر ایک وقت ایسا بھی آیا کہ خود سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستِ مبارک سے میرے سر پر پگڑی باندھی اور مجدد ہونے کی خلعت سے نوازا، اس کے بعد بہت تیزی سے عروج ہوا، اور اس قدر ترقی ہوئی کہ بیان نہیں کر سکتا، تمام حجابات مرتفع ہو گئے بس ایک حجاب، حجابِ اکبر میرے اور حق تعالیٰ کے درمیان رہ گیا، اور میں ایسے مقامِ نازک پر پہنچ گیا کہ اگر زبان کھولوں اور اپنے مافی الضمیر کو ظاہر کروں تو علماءِ ظاہر مجھ پر کفر کا فتویٰ دیں، اور علماءِ باطن مجھے ملحد و زندیق کہیں، لیکن مجھے سوائے خدا کے کسی کی پرواہ نہیں۔

پھر فرمایا اس بلند مقام پر پہنچ کر مجھے جو چیز سب سے اہم اور باطن کی تمام کامیابیوں کا سرچشمہ اور حق تعالیٰ تک پہنچنے کا سب سے آسان اور اسلم راستہ معلوم ہوا، اور جو میری سب سے بڑی آرزو اور تمنا رہی وہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ مرتے دم تک صرف اور صرف رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّتوں کے اتباع کی توفیق عطا فرمائے اور اسی پر خاتمہ ہو، آمین ؎

نکل جائے دم تیرے قدموں کے نیچے
یہی دل کی حسرت یہی آرزو ہے

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اور اتباعِ سنّت

حضرت ڈاکٹر صاحبؒ اتباعِ سنّت کے متعلق حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ واقعہ بھی بار بار سنایا کرتے تھے کہ ایک بار حضرت تھانویؒ نے اتباعِ سنّت کے موضوع پر وعظ کہا، دورانِ وعظ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی کھانے کی چیزیں بھی ذکر کیں جن میں آپ کی ایک مرغوب اور پسندیدہ غذا لوکی بھی بیان کی، اس کے بعد حضرت تھانویؒ نے دیکھا کہ ان کے گھر میں روزانہ لوکی پکنے لگی جب کئی روز گزر گئے تو ایک روز حضرتؒ

نے اہلیہ محترمہ سے دریافت کیا کہ کیا بات ہے روزانہ لوکی پک رہی ہے؟ اہلیہ محترمہ نے عرض کیا آپ ہی نے وعظ میں بیان فرمایا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو لوکی بہت پسند تھی، یہ سن کر اسی دن سے میں نے بھی اس کا اہتمام شروع کر دیا اور خادم سے کہدیا کہ جبتک لوکی کی فصل چلے تم لوکی ہی لاتے رہنا یہ سُنکر حضرت رحمۃ اللہ علیہ لرز گئے اور دل دل میں سوچنے لگے کہ ہم صبح سے شام تک قرآن و سنت کا درس دیتے ہیں مگر ہم میں کبھی اتباعِ سنت کا ایسا جذبہ بیدار نہ ہوا جیسا اس خاتون کے دل میں پیدا ہوا۔ اسی وقت سے حضرت تھانویؒ نے اپنی ہر نشست و برخواست، چال ڈھال، وضع قطع، بول چال غرض کہ ہر ہیئت و حالت کا جائزہ لینا شروع کیا اور تین دن تک اپنی ہر ہر بات کو سنّت کے معیار پر جانچا اور سنّت کے مطابق پاکر حق تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔

سلسلۂ اشرفیہ سے وابستہ حضرات پر لازم ہے کہ اتباعِ سنّت کو مضبوطی سے تھامیں اور اسمیں ذرا سی کوتاہی نہ ہونے دیں، اگر اتباعِ سنّت نہیں ہے تو کچھ نہیں ہے خواہ ہوا پر اڑتا ہو یا پانی پر چلتا ہو۔

رجوع الی اللہ

حضرت رحمۃ اللہ علیہ اپنی مجالس میں اتباعِ سنّت کے بعد جس اہم بات کی طرف توجہ دلایا کرتے تھے وہ ہے رجوع الی اللہ یعنی اپنے ہر کام میں حق تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا اور دعاء کرنا، بہت کثرت سے حضرتؒ اسکو بیان فرمایا کرتے تھے، کبھی فرماتے ہر طرف حادثات ہیں، سانحات ہیں، واقعات ہیں، پریشانیاں ہیں، دشواریاں ہیں، تکلیفیں ہیں، مصیبتیں ہیں، خطرناک بیماریاں ہیں، منکرات و فواحشات اور بے حیائی و بے غیرتی کا سیلاب ہے ایسے حالات میں نجات کا صرف اور صرف یہی راستہ ہے کہ حق تعالیٰ جل شانہٗ کی طرف رجوع کیا جائے، اسی سے عافیت مانگی جائے، کیونکہ سب کچھ اسی کی مشیت کے مطابق ہو رہا ہے اور وہی ہر طرح قادر ہے جو اسکی طرف رجوع ہوگا اسکو ضرور پناہ ملے گی۔

بہتر یہ ہے کہ شب کے اخیر حصّہ میں اٹھکر بیٹھ جائیں اور بارگاہِ الٰہی میں نیاز مندانہ ہاتھ پھیلادیں اور التجا کریں یا اللہ! آپ ان سب پریشانیوں سے نجات عطافرمائیے اور حفاظت فرمائیے، ہمارے قلوب کی صلاحیتیں درست فرما دیجئے، ایمانوں میں تازگی عطا فرمائیے، تقاضائے ایمانی بیدار فرمائیے، ہمارے دلوں میں گناہوں سے نفرت دیجئے، اور غیرت پیدا فرما دیجئے۔

یا اللہ! ہمیں ظاہری و باطنی ہلاکتوں سے بچالیجئے، یا اللہ اپنی مغفرت و رحمت کا مورد بنالیجئے، اور عذابِ نار سے بچالیجئے۔

جب بھی کوئی کام کرنا ہو بڑا ہو یا چھوٹا، آسان ہو یا مشکل، علمی ہو یا عملی، دینی ہو یا دنیوی فوراً دل ہی دل میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہو جائیں، اور عرض کریں یا اللہ! آپ میری مدد فرمائیے آسان فرما دیجئے، پورا فرما دیجئے، قبول فرما لیجئے، پھر دیکھئے آپ کے کاموں میں کیسی آسانی اور سہولت پیدا ہوتی ہے۔

ایک مرتبہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا معمول بیان فرمایا کہ حضرتؒ کا معمول تھا کہ جب کوئی شخص حضرت سے کوئی بات دریافت کرتا تو جواب سے پہلے حضرت دل ہی دل میں فوراً اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہونے اور جواب دینے میں حق تعالیٰ سے مدد چاہتے چنانچہ اس کے بعد بتوفیق اللہ جو جواب مرحمت فرماتے وہ ہر لحاظ سے کامل ہوتا یہ سب رجوع الی اللہ کی برکت تھی آج بھی جو شخص چاہے اس نسخہ کو آزمالے۔

آج کل لوگ بیماریوں میں، پریشانیوں میں، تکالیف وغیرہ میں ظاہری تدابیر تو بہت کرتے ہیں مگر حق تعالیٰ جو قادرِ مطلق ہیں ان کی طرف رجوع نہیں کرتے اور جو رجوع ہوتے ہیں وہ پوری توجہ اور یقین سے رجوع نہیں ہوتے جسکے نتیجہ میں وہ رجوع الی اللہ کی برکات سے محروم رہتے ہیں، حق تعالیٰ کی طرف بالکل عاجز و محتاج بن کر بھکاری اور سوالی بنکر رجوع ہونا چاہیئے، اور پورے یقین و اعتماد کے ساتھ دعا کرنی چاہیئے۔

وساوس وخطرات کا نیا علاج

حضرت رحمۃ اللہ علیہ اس موضوع پر بھی بڑے شرح وبسط کیساتھ کلام فرمایا

رتے تھے چنانچہ ایک مرتبہ ان کا ایک ایسا علاج بیان فرمایا جو نہایت آسان اور وساوس و ختم کرنے والا ہے، فرمایا قلب و ذہن میں خواہ کتنے ہی خبیث اور گندے خیالات آئیں، فر و شرک اور دیگر ناپاک وساوس آئیں جنھیں زبان پر لانا بھی ناقابلِ تحمل ہو، ہرگز ن سے نہ گھبرائیں اور قطعاً ان کی پرواہ نہ کریں، بلکہ فوراً دل ہی دل میں حق تعالیٰ کی طرف جوع کریں اور عرض کریں یا اللہ! یہ سب وساوس و خطرات نفس و شیطان کے پیدا کردہ ہیں، یا اللہ! میں ان سے بیزار ہوں اور بری ہوں، آپ سے عرض کرتا ہوں میرا ان سے کوئی واسطہ نہیں ہے کچھ تعلق نہیں ہے یا اللہ آپ مجھ سے ان پر مؤاخذہ نہ فرمائیے گا، اتنا کرنے کے بعد بے فکر اور مطمئن ہو جائیں، تمہیں ان سے کچھ ضرر نہ پہنچے گا، اور بہت جلد وہ دفع ہو جائیں گے، اور آئندہ بھی جب کبھی کوئی پریشان کن خیال آئے اس کا یہی علاج کر لیا کریں۔ بلاشبہ یہ علاج بہت مفید ہے اور بالکل نیا ہے، ہر شخص اس کے ذریعہ اپنے وساوس و خطرات کا کامیابی سے علاج کر سکتا ہے۔

معمولات پر مداومت

حضرت رحمۃ اللہ علیہ معمولات کی پابندی اور ان پر ہمیشگی کی بہت تاکید فرمایا کرتے تھے اور خود بھی معمولات کے بیحد پابند تھے، ایک بار فرمایا الحمد للہ میرے معمولات ناغہ نہیں ہوتے، پابندی کرتے کرتے اب ان کی ایسی عادت ہو گئی ہے جب ان کا وقت آتا ہے بغیر کسی تکلیف کے خود بخود پورے ہونے لگتے ہیں ـــــ ایک مرتبہ معمولات کی پابندی کے سلسلہ میں ایک اہم گُر یہ ارشاد فرمایا کہ جب کوئی ایسا عذر یا کوئی ایسی مشغولیت پیش آئے جس سے معمول فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو بھی معمول کو ناغہ نہ کریں، بلکہ اگر پورا نہ کر سکیں تو آدھا ادا کر لیں، آدھا نہ کر سکیں تو تہائی ادا کر لیں مثلاً پوری تسبیح نہ پڑھ سکیں تو تینتیس ۳۳ تینتیس ۳۳ مرتبہ پڑھ لیں ورنہ گیارہ مرتبہ، یہ بھی مشکل ہو تو تین تین مرتبہ یہ بھی نہ کر سکیں تو ایک مرتبہ ہی پڑھ لیں اور اس تفصیل کے مطابق تمام معمولات مختصر کر لیا کریں اگر کبھی معمول بالکل ہی ناغہ ہو جائے تو اس وقت استغفار سے تلافی کر لیں اور فقہی اعتبار سے گو ان

معمولات کی قضاء نہیں ہے، لیکن نفس کو آزادی سے بچانے کے لئے کسی دوسرے وقت اس معمول کو ادا کر لیا کریں، ایسا کرنے سے تمہارا نفس وقت پر معمول پورا کرنے پر آمادہ ہو جائے گا ـــــ تاہم اگر کبھی کسی سخت مجبوری کی وجہ سے ایسا ہو جائے کہ ان صورتوں میں سے کسی صورت پر عمل نہ ہو سکے تو اس وقت کم از کم استغفار ہی سے تلافی کر لیا کریں۔

ایک روز حضرتؒ نے اپنا طرز عمل بیان فرمایا کہ جب میں صبح مطب جاتا ہوں تو مطب پہنچنے تک گاڑی ہی میں تمام تسبیحات کا معمول پورا کر لیتا ہوں، لیکن جب کبھی کسی وجہ سے مجھے ناغہ کا اندیشہ ہوتا ہے تو تینتیس تینتیس بار ورنہ گیارہ مرتبہ ورنہ تین تین بار ادا کر لیتا ہوں۔

اس وضاحت کے بعد معمولات پر استقامت اور ان کی پابندی اس قدر آسان ہوگئی جو بیان سے باہر ہے، حادثات و سانحات زندگی کا لازمہ ہیں اور معمولات میں اکثر یہی مخل ہوتے ہیں حضرتؒ کی اس راہنمائی سے ایک بہت ہی آسان راہِ عمل معلوم ہوگئی، اب بھی اگر معمول ترک ہو تو سوائے غفلت و سستی کے اور کیا کہا جا سکتا ہے جو اس راہِ باطن میں سالک کے لئے بڑے راہزن ہیں۔

مستحبات پر عمل

حضرت رحمۃ اللہ علیہ مستحبات پر عمل کرنے اور ان پر مداومت کرنے کی بھی بطور خاص تلقین فرمایا کرتے تھے، بالخصوص اہلِ علم میں ترک مستحبات کا مرض عام پایا جاتا ہے چنانچہ ایک مرتبہ دارالعلوم کراچی تشریف لائے اور دوپہر کو آرام کرنے کے لئے حضرت ناظم صاحب مدظلہم کے کمرہ میں آرام فرما ہوئے ناچیز اور چند خدام خدمت کے لئے حاضر تھے ـــــ حضرتؒ کی عجیب شان تھی افادہ کا اس قدر غلبہ تھا کہ کوئی وقت اس سے خالی نہ جاتا، اس آرام کے وقت میں بھی افادات کا سلسلہ جاری تھا، ناچیز نے عرض بھی کیا حضرت! یہ آپ کے آرام کا وقت ہے کچھ دیر آرام فرما لیجئے فرمایا! بھئی ہمارا یہی آرام ہے اور پھر مستحبات پر عمل اور ان کی پابندی کی تلقین فرماتے رہے، اسی دوران یہ بھی

فرمایا ایک حدیث پاک کا مضمون ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر کام دائیں جانب سے کرنے کو پسند فرمایا کرتے تھے، چنانچہ میں بھی اس کا خیال رکھتا ہوں، حتیٰ کہ نماز کے اندر بھی خیال ہی خیال میں رکوع میں جاتے وقت پہلا دایاں ہاتھ گھٹنوں پر رکھتا ہوں پھر بایاں اور رکوع سے اُٹھتے وقت پہلے بایاں ہاتھ اٹھاتا ہوں پھر دایاں، اسیطرح سجدہ میں جاتے وقت پہلے دایاں گھٹنہ اور ہاتھ زمین پر رکھتا ہوں اور پھر بایاں اور اٹھانے میں پہلے بایاں پھر دایاں یہ سب بلا تکلیف اور بظاہر یکسانیت کیساتھ ہوتا ہے ـــــ اس وقت حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی سنت پر عمل کرنے کی گہرائی کا اندازہ ہوا رحمہ اللہ تعالیٰ۔

اسکے بعد اذان ہوئی، حضرتؒ نے اذان کا جواب دیا اور اذان کے بعد وضوء کیلئے غسل خانہ تشریف لے گئے اور وضوء کے لئے پٹرے پر بیٹھے، لیکن حضرتؒ کی قبلہ کی طرف سے پُشت ہوگئی، کیونکہ غسل خانہ میں پانی جانے کا رُخ ایسا ہے کہ اگر اس کے مطابق کوئی بیٹھے تو قبلہ کی طرف بالکل پُشت ہو جاتی ہے، مگر حضرتؒ نے پٹرہ کا رُخ گھما کر قبلہ رُخ کروالیا اور وضوء فرمایا، اور ارشاد فرمایا کہ آدمی کو حتی الامکان مستحب پر عمل کرنا چاہیئے۔ ـــ اس وقت آنکھیں کھلیں اور علم ہوا کہ اسطرح بھی مستحب پر عمل ہو سکتا ہے۔

نظام الاوقات

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نظام الاوقات کی سب سے زیادہ تاکید فرمایا کرتے تھے، خود بھی نظام الاوقات کے پابند تھے اور دوسروں کو بھی اس کی تلقین کرتے، نظام الاوقات کی پابندی میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا بالکل عملی نمونہ تھے، صبح سے شام تک کی تمامتر زندگی ایک مضبوط اور مربوط نظام الاوقات کے تحت گزرتی تھی مضمون کے طویل ہونے کے اندیشہ سے اسکی تفصیل چھوڑتا ہوں۔

اس بارے میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ اکثر حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات سُنایا کرتے تھے، اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں تشریف لانا، اور حضرت تھانویؒ کا حضرت شیخ الہندؒ سے اجازت لیکر بیان القرآن لکھنے

کا معمول پورا کرنے کے لئے جانے کا واقعہ بھی اکثر سُنایا کرتے تھے ـــــ بہر حال نظام الاوقات کی پابندی کامیاب زندگی گزارنے کے لئے بیحد ضروری ہے، بغیر اس کے دین و دنیا کی کوئی قابلِ قدر ترقی اور فلاح ممکن نہیں۔

تسبیحات پڑھنے کا طریقہ

حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے کہ لوگ تسبیحات تو پڑھتے ہیں، مگر ان کے پڑھنے کا جو طریقہ ہے وہ اکثر کو معلوم نہیں ہے، اسی لئے تسبیحات پڑھنے سے پورا نفع نہیں ہوتا۔

تسبیحات پڑھنے کا اصل طریقہ یہ ہے کہ جب استغفار کی تسبیح پڑھنے لگیں تو پہلے یہ تصور کریں کہ یا اللہ! میں آپ کا ایک خطاکار بندہ ہوں، گناہوں کا مرتکب ہوں طرح طرح کی غفلتوں اور کوتاہیوں کا شکار ہوں یا اللہ ان گناہوں اور ان غفلتوں اور کوتاہیوں کو آپ کے سوا کوئی معاف کرنے والا نہیں ہے، لہٰذا آپ سے ان گناہوں کی معافی اور گناہوں کی خباثت و گندگی سے پاک و صاف ہونے کے لئے استغفار کرتا ہوں، اس کے بعد پوری توجہ سے استغفار کی تسبیح پڑھیں۔

جب درود شریف کی تسبیح پڑھنے لگیں تو پہلے یہ تصور کریں کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے سب سے بڑے محسن ہیں، آپ نے ہمارے خاطر کیسی کیسی تکلیفیں برداشت کیں، آپ ہم پر کتنے شفیق و مہربان تھے، ہمارے لئے کیسی کیسی دعائیں مانگیں، آپ سے محبت کرنا اور آپ کے حقوق ادا کرنا ہم پر واجب ہیں، لہٰذا آپ کا حقِ محبت ادا کرنے اور اپنے قلب میں آپ کی محبت پیدا کرنے کے لئے درود شریف پڑھتا ہوں اسکے بعد توجہ سے درود شریف پڑھیں۔

جب تیسرے کلمہ کی تسبیح یا سُبْحَانَ اللّٰہِ یا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ یا سُبْحَانَ اللّٰہِ وَ بِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ وغیرہ کی تسبیح پڑھیں تو پہلے یہ تصور کریں کہ حق تعالیٰ کے ہم پر کتنے احسانات ہیں، بچپن سے لیکر اب تک ہمیں کتنی ان گنت نعمتیں عطا فرمائی ہیں، ایمان دیا، اسلام کی نعمت دی۔ اہلِ حق سے وابستہ فرمایا، اپنا نام جپنے کی توفیق بخشی، ہم پر ان تمام نعمتوں کا شکر ادا کرنا واجب ہے اور صرف اسی سے حقیقی

اور کامل محبت رکھنی لازم ہے، لہٰذا حق تعالیٰ کی محبت پیدا ہونے کے لئے تسبیح پڑھتا ہوں اسکے بعد توجہ سے تسبیح پڑھیں۔

اس طرح تسبیحات پڑھنے سے بہت جلد نفع ہوتا ہے، ذکر کے انوار وبرکات محسوس ہونے لگتے ہیں اور بہت جلد اصلاح باطن میں نمایاں فرق معلوم ہونے لگتا ہے۔

حُسنِ نیّت

حضرت رحمۃ اللہ علیہ صبح سے شام تک کے تمام جائز اور مباح کاموں اور دیگر فرائض وواجبات حقوق اللہ اور حقوق العباد میں حسنِ نیت کی تاکید فرمایا کرتے تھے، فرماتے کہ حسنِ نیت ایسی عظیم دولت ہے جسکے صدقہ میں زندگی کے تمام لمحات عبادت وطاعت بن سکتے ہیں۔

فرماتے روزانہ صبح چند منٹ کے لئے بیٹھ جایا کریں اور دن بھر کے تمام بڑے بڑے کام شمار کریں اور ساتھ ساتھ نیت کرتے جائیں یا اللہ یہ کام آپ کے لئے کرونگا یا اللہ فلاں کام بھی آپ کی رضا کے واسطے کروں گا، پھر آخر میں دعا کرلیں یا اللہ یہ تمام کام محض اپنی رضا کے لئے کرنے کی توفیق دیجئے میری مدد فرمایئے اسکے بعد امور دنیا میں قدم رکھئے اب درمیان میں بار بار نیت کرنے کی ضرورت نہیں، صبح سے شام تک کی ایک بار نیت کافی ہے جسطرح نماز کے شروع میں ایک بار نیت کافی ہے، ہر رکن میں نئی نیت کی ضرورت نہیں اسیطرح یہاں بھی ہر ہر کام سے پہلے بار بار نیت کرنے کی ضرورت نہیں جبتک آپ از خود کوئی دوسری نیت نہ کریں گے پہلی نیت جاری رہیگی ——— پھر جب آپ گھر لوٹیں تو سونے سے پہلے چند منٹ کے لئے بیٹھ جائیں اور دن بھر کے کاموں کا جائزہ لیں کہ کتنے کام اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کئے اور کتنے اسکے خلاف کئے، جتنے اللہ تعالیٰ کے لئے کئے ان پر شکر ادا کریں اور جو غلط یا گناہ ہوئے ان پر ندامت وشرمندگی کے ساتھ حق تعالیٰ سے معافی چاہیں اور آئندہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق کرنے کا عہد کریں۔

روزانہ اسیطرح کیا کریں کچھ ہی روز میں زندگی کو حق تعالیٰ کی رضا کے مطابق گزارنے

کا سلیقہ آجائے گا اور حسنِ نیت کی بدولت تمام لمحاتِ زندگی عبادت و طاعت بنجائیں گے۔

شفقت و رحمت

حضرت رحمۃ اللہ علیہ یوں تو بڑے جامعِ صفات اور جامعِ کمالات تھے، لیکن ایک خاص صفت حضرتؒ میں ایسا ممتاز اور نمایاں تھی جو حضرتؒ کے ہر قول و فعل اور نشست و برخواست سے ظاہر تھی اور وہ آپ کی شانِ "شفقت و رحمت" تھی، آپ کا ہر اندازِ گفتگو اور اندازِ بیان اسی سے بھرا ہوا تھا، اول سے آخر تک سارا بیان رحمت ہی رحمت ہوتا، ایسا لگتا جیسے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ناامیدی اور مایوسی کا کوئی خانہ ہی نہیں ہے، کوئی کیسا ہی گناہگار، خطاکار اور سیاہ کار ہوتا، اگر ایک بار حضرتؒ کا بیان سُن لیتا تو ہمیشہ کے لئے اسکی ناامیدی کا خاتمہ ہو جاتا۔

آپ کی شفقت و رحمت کا یہ بھی ایک انداز تھا کہ آپ روزانہ اپنے احباب و متعلقین کے لئے دعائیں فرمایا کرتے تھے اور فرماتے جب میں دعا شروع کرتا ہوں تو احباب کی صورتیں فلم کی ریل کی طرح سامنے آتی جاتی ہیں اور میں سب کے لئے دعا کرتا رہتا ہوں اور یہ بھی فرماتے جب تک میں سب کے لئے دعا نہ کرلوں سوتا نہیں ہوں، وفات سے کچھ روز پہلے ارشاد فرمایا اب میرا یہ حال ہے کہ جب تک تمام اہلِ دار العلوم کا اور اپنے تمام مریدوں کا خواہ وہ دنیا کے کسی کونے میں ہوں ان کے لئے دعا اور ان کی حفاظت کیلئے حصار نہ کرلوں اس وقت سوتا نہیں ہوں، اللہ اکبر! کس قدر شفقت تھی اپنے تعلق رکھنے والوں پر، جزاہ اللہ تعالیٰ خیر الجزاء۔

دُعاء

حق تعالیٰ جل شانہ نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو دعا کرنے کا بھی ایسا ممتاز اور والہانہ طریقہ عنایت فرمایا تھا جو کم از کم ناچیز نے حضرتؒ کے علاوہ اور کسی میں نہ پایا، دعا کے دوران حضرت کی شانِ "عارف باللہ" بطورِ خاص ظاہر ہوتی، ایسا معلوم

ہوتا جیسے دعاء کا ایک ایک جملہ حق تعالیٰ کی طرف سے القاء ہو رہا ہے اور حضرت والاؒ زبانِ مبارک سے ادا فرما رہے ہیں، ہمیں بھی یہی انداز اپنانا چاہیئے اسی طرح دعاء کی عادت ڈالنی چاہیئے، آخر میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی ایک دُعاء پر مضمون ختم کرتا ہوں۔

یااللہ! ہمارے قلوب میں بیداری پیدا فرما دیجئے، ہماری غفلتوں کو دُور فرما دیجئے۔

یااللہ! ہم پر جو بے حسّی طاری ہے اُسے دُور فرما دیجئے۔

یااللہ! تمام عالمِ امکان میں جہاں جہاں مسلمانوں پر تباہیاں اور بربادیاں آرہی ہیں ان پر رحم فرمایئے: سب ہمارے شامتِ اعمال کی صُورتیں ہیں ان کو اپنی رحمت سے بدل دیجئے۔

یااللہ! دشمنانِ اسلام کی سازشوں سے اہلِ اسلام کی حفاظت فرمایئے، کفّار و مشرکین یہود و نصاریٰ جو اہلِ اسلام کو مٹانے کے درپے ہیں، یااللہ! آپ دشمنانِ اسلام کو سمجھ لیجئے اور ان کے تسلّط سے اہلِ اسلام کو بچا لیجئے۔

یااللہ! ہماری توبہ اور استغفار کو قبول فرما لیجئے اور اپنے قہر کو ہم سے دُور کر دیجئے۔

یااللہ! ہر طرح کے مصائب اور آلام سے، ہر طرح کے حادثات و سانحات سے ہماری، ہمارے اہل و عیال کی، ہمارے دوست و احباب کی، ہمارے اعزہ و اقارب کی اور تمام مُسلمانوں کی حفاظت فرمایئے۔

یااللہ! ہمارے وجود کو دنیا و آخرت کے دَردناک عذاب سے بچا لیجئے، دَردناک آزمائشوں سے بچا لیجئے۔

یااللہ! ہم ضعیف الایمان ہیں، کسی آزمائش کی سہار نہیں رکھتے ہیں، ہم کو اپنی رحمت میں ڈھانپ لیجئے۔

یااللہ! آپ خالقِ کائنات ہیں، ہم تمام شُرور اور فتن سے آپ کی پناہ چاہتے ہیں اور ہر طرح دین و دنیا کی خیر آپ سے طَلب کرتے ہیں۔

یااللہ! ہمارے ایمانی تقاضے بیدار فرما دیجئے، ہمارے ایمان کو قوی فرما دیجئے، ہم کو سچّا مؤمن و مسلمان بنا دیجئے۔

یا اللہ ! ہم کو، ہمارے اہل و عیال کو، ہمارے دوست و احباب کو، ہمارے عزیز و اقرباء کو سب کو عافیت دارین نصیب فرمائیے ۔

یا اللہ ! جو حاضر ہیں ان کے حق میں بھی اور جو حاضر نہیں ان کے حق میں بھی ہماری دُعائیں قبول فرمائیے ۔

یا اللہ ! لبنان، فلسطین، ہندوستان اور افغانستان کے مسلمانوں کی امداد و نُصرت فرمائیے ۔ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ۔ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا وَّكَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيْرًا ۔

اور جہاں جہاں مغلوب ہیں، دُشمنانِ اسلام پر انہیں غلبہ عطا فرمائیے ۔

یا اللہ ! رشد و ہدایت کے دروازے ہمارے لئے کھول دیجئے ۔

یا اللہ ! ہمارے جو صاحبِ اقتدار ہیں انکو ہوش عطا فرمائیے اسلام اور ایمان کی سچّی محبت سے ان کے دلوں کو بھر دے ۔

یا اللہ ! رشد و ہدایت کا فیصلہ اس قوم اور ملک کے حق میں صادر فرما دے ۔

یا اللہ ! جو آپ کی نافرمانیوں اور گناہوں میں ملوث ہیں ۔ ان کے قلوب کو بدل دیجئے، ان کو ہدایت نصیب فرمائیے ۔ ان کو سچّی توبہ کی توفیق عطا فرمائیے ۔ ان کو اپنا فرمانبردار بندہ بنا لیجئے ۔

یا اللہ ! اس ملک میں دین اور قرآن و سنّت کی ہوائیں چلا دے اور فسق و فجور کے طوفان ٹھنڈے فرما دے ۔

یا اللہ ! ہم کو اپنی اور اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی سچّی محبّت عطا فرما دے، اسلام اور ایمان کی عظمت ہمارے دلوں میں بٹھا دے ۔

یا اللہ ! ہم میں جو صاحبِ اقتدار ہیں اور جو مصلح بہی خواہانِ قوم و ملّت ہیں، جو واعظین اور مبلّغین ہیں ان کے مساعی میں اور ان کے ذرائع و وسائل میں اعانت و نُصرت فرما دیجئے ۔ آمین یا ربّ العالمین آمین ثم آمین ۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ وبارک وسلم

بزمِ اشرف کا پُرانا چراغ

مقام عارف باللہ

اے خیالِ دوست اے بے گانہ سازِ ما سوا
اس بھری محفل میں تو نے مجھ کو تنہا کر دیا
(عارفیؔ)

مخدومی حضرت عارف باللہ عارفیؒ کا یہ شعر آپ کے مقامِ تعلق مع اللہ کا غماز ہے۔ بقول حضرت صغر گونڈوی رحمۃ اللہ علیہ ؎

اصغرؔ سے ملے لیکن اصغرؔ کو نہیں دیکھا
سنتے ہیں کہ کچھ کچھ وہ شعروں میں نمایاں ہے

مقامِ تَبَتُّل کی تفسیر

خلق سے انقطاعِ تعلق یعنی مقامِ تبتل کا یہ مفہوم ہرگز نہیں ہے کہ تعلقات ضروریہ سے کنارہ کش رحقوق واجبہ مخلوقات سے دست بردار ہو جائے۔ یہ راہبانہ تصوف محض جاہلانہ ہے۔ حضرت حکیم الامت بددالملت نے بیان القرآن میں مقامِ تبتل کی جو تفسیر تحریر فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ "تبتل نام ہے تعلقات اسوی اللہ پر اللہ تعالیٰ کا تعلق غالب ہو جائے۔" جیسا کہ جگرؔ صاحب فرماتے ہیں ؎

میرا کمالِ عشق بس اتنا ہے اے جگرؔ
وہ مجھ پہ چھا گئے میں زمانہ پہ چھا گیا

اور اصغر گونڈوی صاحبؒ فرماتے ہیں ؎

اب نہ کہیں نگاہ ہے اب نہ کوئی نگاہ میں
محو کھڑا ہوا ہوں میں حسن کی جلوہ گاہ میں

حسن اخلاق کی تعریف

مداراۃ الخلق مع مراعاۃ الحق (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ)

حضرت عارف باللہ ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر حضرت حکیم الامت مجدد الملتؒ کی تیس ۳۰ سالہ صحبت کے فیضان سے اللہ تعالیٰ کی محبت کا ایسا ہی غلبہ تھا۔ اس نسبت مع اللہ کی برکت سے حضرت خلق خدا پر جہاں سراپا شفیق اور محسن تھے وہاں اتنا ہی درجہ اپنے معمولات خلوت پر جبل استقامت تھے۔ حضرت کی مجلس میں یہ بات محسوس ہوتی تھی کہ آپ بیک وقت حقوق خلق اور حقوق خالق کا پورا پورا استحضار رکھتے تھے۔ احباب کے ساتھ شفقت اور رحمت کا ایسا رنگ تھا جو حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ سے ملتا جلتا تھا جیسا کہ حضرت حکیم الامت حضرت حاجی صاحبؒ کے متعلق فرماتے ہیں کہ :

> " ہمارے حضرت حاجی صاحب سراپا رحمت اور شفقت تھے، خفا ہونا اور ڈانٹنا تو جانتے ہی نہ تھے لیکن آپ کا فیض عام اور تام تھا۔ آپ کے فیضانِ صحبت سے کوئی محروم نہ ہوتا تھا "

علماء عصر کا رجوع جس طرح حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرف ہوا، تقریباً اسی طرح پاکستان کے جلیل القدر علماء کافی تعداد میں اصلاح و تربیت کے لیے آپ سے منسلک تھے۔ حضرت نے کبھی اپنے کو مخدوم نہیں سمجھا اور ارشاد فرمایا کہ سند اجازت دراصل سند خادمیت ہے سند مخدومیت نہیں اور فرمایا کہ لوگ سمجھتے ہیں کہ میں رہنما ہوں مگر بھائی ایک شعر سنو ؎

ہم سفر مجھ کو سمجھتا تھا کہ میں ہوں رہنما
اور خود اس کے سہارے پر چلا جاتا ہوں میں

(عارفیؒ)

روحانی طاقت کا استعمال نفس کے ساتھ جہاد میں ہے

حضرتؒ فرماتے کہ نوافل اور اذکار و اوراد سے قلب میں جو انوار پیدا ہوتے ہیں ہیں اس سے ایک روحانی طاقت پیدا ہوتی ہے لیکن اس طاقت کا استعمال بارگاہِ خلوتِ حق میں نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے ساتھ حسن اخلاق سے پیش آنا، بے جا غصہ کو ضبط کرنا، بدنظری سے آنکھوں کو محفوظ رکھنا، مخلوق کی خطاؤں کو معاف کرنا، شہوت اور غضب سے مغلوب نہ ہونا۔ کسی کو حقیر نہ سمجھنا۔ انتقام نہ لینا، اپنے کو مخلوق خدا کا خادم سمجھنا، اکرام مومن کرنا، اپنے کو بڑا نہ سمجھنا، وغیرہ وغیرہ میں ہے۔ اگر خلوت میں ذاکر شاغل ہے اور مخلوق خدا پر ظالم اور مغلوب الغضب ہے تو اس شخص نے روحانی طاقت کا صحیح استعمال نہیں کیا۔

شانِ رحمتِ حق

حضرت عارف باللہ فرمایا کرتے تھے کہ پوری کراچی کا پیشاب پاخانہ سمندر میں گرتا ہے اور سمندر کی ایک موج سب پاک کر دیتی ہے، پس اپنے معاصی کی غلاظتوں اور نجاستوں سے مایوس نہ ہونا چاہیئے۔ دل سے توبہ و استغفار ندامت اور اشکبار آنکھوں سے کرتے رہو۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے غیر محدود سمندر کی ایک موج ہماری مغفرت کے لئے کافی ہے۔ اور فرماتے کہ اگر گناہ تم سے نہیں چھوٹتے تو استغفار و توبہ کا سلسلہ مت چھوڑو۔ ایک دن انشاء اللہ تعالیٰ نیکی غالب ہو جاوے گی۔

شیطان محبت سے محروم تھا

حضرتؒ فرماتے کہ ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ شیطان کے اندر تین عین تھے۔ عارف، عالم، عابد مگر عاشق کا عین نہ تھا اس لئے برباد ہو گیا۔ پھر ہنس کر فرمایا کہ چوتھا عین عاشق کا نہ ہونے سے اس کا عین غین ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ کی محبت بڑی نعمت ہے جو اہلِ محبت ہی کی صحبت سے عطا ہوتی ہے۔ عابد ہونا تو ظاہر ہی ہے کہ ہزاروں سال عبادت کی تھی، عالم ہونا بھی ظاہر ہے کہ تمام نبیوں کی شریعتوں کے جزئیات و کلیات سے باخبر ہے اور عارف ہونے کی دلیل یہ ہے کہ

عین عتاب کے وقت اس نے مہلت حیات مانگی کیونکہ جانتا تھا کہ اللہ تعالیٰ تاثرات سے پاک ہیں۔

کیا سلوک صرف بزرگوں کی نظر سے تکمیل پاتا ہے ؟

ایک دفعہ فرمایا کہ حافظ شیرازیؒ نے اپنے مرشد سے جو عرض کیا تھا۔

ع آیا بود کہ گوشۂ چشمے بما کنند

یعنی کیا ممکن ہے کہ میرے اوپر آپ ایک نگاہِ کرم ڈال دیں تو کیا اس آرزو سے تکمیل سلوک ہو گئی تھی۔ اس کا جواب حافظ شیرازیؒ نے دوسرے شعر میں دیا ہے۔ وہ شعر یہ ہے ع

کیمیا ایست عجب بندگیٔ پیر مغاں
خاک او گشتم وچندیں درجا تم دادند

یعنی شیخ کی صحبت میں رہ کر اسکے مشوروں کے مطابق ذکر و شغل کرنے اور نفس کے رذائل کی اصلاح کرانے اور عجب و کبر کو خاک میں ملانے سے سلوک کی تکمیل ہوتی ہے۔ ایک بار فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے ملنے کا ایک ہی راستہ ہے کہ اللہ والوں سے راہ ورسم پیدا کرو پھر یہ شعر فرمایا ع

ان سے ملنے کی ہے یہی اِک راہ
ملنے والوں سے راہ پیدا کر

اور اسکے بعد یہ شعر پڑھا ع

انہیں کو وہ ملتے ہیں جن کو طلب ہے
وہی ڈھونڈتے ہیں جو ہیں پانے والے

ہر پریشانی کا علاج

فرمایا کہ اگر کوئی سخت مرض یا پریشانی ہو تو پانچ سو بار یا ارحم الراحمین پڑھکر دُعا کرنا چاہیئے۔

علاج بلا

ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت ایک سخت بلا آنے والی ہے فرمایا کہ ۷۸۶ مرتبہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور آیت الکرسی پڑھکر یہ دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ اپنی تمام مخلوق کی جان و مال کو اس سے بچالیں اور تمام عالم کے مسلمانوں کے گھروں کا حصار کرلو۔

تدبیر مغفرت

فرمایا کہ جب خطا ہوجائے فوراً استغفر اللہ کہو۔ تمام زندگی استغفر اللہ کہتے رہو اور معافی مانگتے رہو اور رَبِّ اغفر وارحم الخ کہتے رہو۔ یہ سرکاری مضمون معافی کا ہے۔ ہماری خطائیں محدود اور انکی مغفرت غیر محدود۔ استغفار کی طاقت کو معمولی مت سمجھو۔ ان شاء اللہ تعالیٰ آخری عمر میں پاک و صاف ہوکر مردگے۔ جب رَبِّ اغفر وارحم پڑھو تو یہ تصور کرو کہ غیر محدود مغفرت و رحمت کی ہمارے اوپر بارش ہوگئی اور ہماری سب خطائیں معاف ہوگئیں۔ یہ تریاق ہے گناہ کے زہر کا۔ جب گناہ کا زہر کھایا تو تریاق کھانے میں کیوں دیر کرتے ہو فوراً استغفار کا تریاق کھاؤ یہ انکا عطا فرمودہ تریاق ہے انکی طاقت کے سامنے گناہوں کی کیا طاقت ہے۔ استغفار کے بعد اپنی مغفرت کا سوفیصد امیدوار رہنا چاہیئے۔

انعام اتباع سنت

فرمایا کہ اتباعِ سنت کا اہتمام کرو۔ کیا آپ کے باپ دادا میز کرسی پر کھاتے تھے۔ اب کیا ہوگیا ہے کہ آپ کو فرش پر سنت کے مطابق کھانے میں عار ہے؟ محمد علی جناح کی انگریزی تقریر سے انگریز بھی شرماتے تھے کہ ہم ایسی نہیں بول سکتے مگر آخر میں شیروانی پاجامہ ٹوپی پہنتے تھے اور ہمارے نوجوانوں کو کیا ہوگیا ہے کہ کوٹ پتلون ٹائی اور ڈاڑھی صاف؟ معلوم نہیں ہوتا ہے کہ یہ مسلمان ہیں یا عیسائی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جب قیامت کے دن حاضری دوگے تو کیا پسند کرتے ہو؟ کہ بابو بن کر کوٹ، ٹائی پتلون، ڈاڑھی مونچھ صاف۔ اس طرح سے پیش ہوکر کہو

گے کہ یا رسول اللہ ! میں آپ کا اُمتی ہوں۔ ارے کس منہ سے کہو گے ؟ جلدی اصلاح کر لو۔ اور فرمایا کہ کھانے، پینے، سونے جاگنے، استنجا کرنے، اور ہر کام میں سنت کا خیال رکھو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو سیکھنے اور ان پر عمل کرنے کے لیے ہماری کتاب اسوۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مطالعہ کرو۔ ایک ایک سنت کو اپناؤ۔ اتباع سنت کو معمولی عمل نہ سمجھو۔ اللہ تعالیٰ کا اتباع سنت پر وعدہ ہے یُحْبِبْکُمُ اللّٰہ اللہ تعالیٰ تم سے محبت فرمائیں گے۔ عجیب انعام ہے۔ ہماری اتباع سنت ناقص ہوگی مگر اللہ تعالیٰ جب محبت فرمائیں گے تو کامل فرمائیں گے کیونکہ وہ نقص سے پاک ہیں انکا کوئی کام ناقص نہیں ہو سکتا۔

دعا مانگنے کا عجیب مضمون

فرمایا کہ جب دعا مانگتے مانگتے تھک جاؤ تو یوں عرض کرو کہ اب آپ بدون مانگے ہم کو سب دے دیجئے کیونکہ ہم تو تھک گئے اب مانگنے کی طاقت نہیں۔

جامع کہتا ہے کہ یہ مضمون آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے۔

تربیت روحانی اور ذکر

فرمایا کہ جسمانی غذا نگلنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے فضل سے وہ تمام بدن میں غذا بن کر پہنچ جاتی ہے۔ سفید بالوں کو سفید غذا کالے بالوں کو کالی غذا۔ اسی طرح ذکر کرنے کے بعد یہ غذائے روحانی اللہ تعالیٰ کے فضل سے روح کو تربیت دے گی آپ سے کچھ مطلب نہیں جس طرح غذائے جسمانی کھانے کے بعد آپ سے کچھ مطلب نہیں۔

فرمایا کہ ایک صاحب نے لکھا کہ آپ تو شیخ بن گئے اور مسندِ خلافت پر فائز ہو گئے میں نے انکو لکھا اور فی البدیہہ یہ شعر موزوں ہو گیا۔ ؎

دیکھ کر میرا مذاقِ خدمتِ جام و سبو
میکدہ والے مجھے پیرِ مغاں کہنے لگے

قدر نعمت الٰہیہ

فرمایا کہ حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ جس نعمت کے اجزائے کثیرہ سے ہم اپنی حاجت پوری کرتے ہیں اس نعمت کے اجزائے قلیلہ کو ضائع کرتے ہوئے دیکھ کر دل لرز جاتا ہے۔

ایک وظیفہ

ایک صاحب نے کہا کہ میرا تبالہ بہت تکلیف دہ جگہ ہو رہا ہے تو فرمایا ہر نماز کے بعد یہ دعا پڑھیں :

رَبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْکَ سُلْطَانًا نَّصِیْرًا ○

حضرت سید سلیمان ندویؒ کا واقعہ

فرمایا کہ سید سلیمان ندویؒ نے حضرت تھانویؒ سے جب پہلی ملاقات کی اور اس وقت میں بھی حاضر تھا تو سید صاحب نے عرض کیا کہ کچھ نصیحت فرما دیجئے۔ حضرت نے فرمایا کہ آپ جیسے فاضل کو کیا نصیحت کروں ؟ لیکن اپنے بزرگوں سے جو سنا ہے اسی کا تکرار کرتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ تمام تصوف کا حاصل اپنے کو مٹا دینا ہے۔ بس سید صاحب پر گریہ طاری ہو گیا میں نے اسی وقت یہ شعر کہا ؎

بہت چاہا نہ ظاہر ہو کسی پر راز ضبط غم
دو آنسو کہہ گئے لیکن شکست دل کا افسانہ (عارفیؒ)

اس کے بعد یہ اشعار سنائے۔

نہ چھوڑا شائبہ تک دل میں احساس دو عالم کا
معاذ اللہ محبت کا یہ انداز حریفانہ
خبر کیا تھی بنائے گی محبت ایسا دیوانہ
مجھے بننا پڑے گا خود محبت ہی کا افسانہ (عارفیؒ)

پھر سید صاحب تھانہ بھون گئے تین دن مجلس میں شریک ہوئے تیسرے دن کھڑے ہوکر سہ دری پر ہاتھ رکھ کر رونے لگے۔ فرمایا تمام عمر جس کو علم سمجھا تھا اب معلوم ہوا کہ سب جہل تھا علم تو ان بڑے میاں کے پاس ہے اور سید صاحب نے فرمایا ؎

جانے کس انداز سے تقریر کی
پھر نہ پیدا شبہ باطل ہوا
آج ہی پایا مزا قرآن میں
جیسے قرآں آج ہی نازل ہوا

علماء کی تربیت کیلئے عجیب اور مفید مثال

حضرت عارف باللہ نے فرمایا کہ علماء کے علوم کی مثال ایسی ہے جیسے بریانی کے اجزاء سب دیگ میں ہوتے ہیں مگر خوشبودار کھانے کے قابل نہیں۔ دَم کی ضرورت ہے۔ ماہر فن آنچ کم کرکے دم دیتا ہے۔ ایک منٹ قبل یہ دیگ کالعدم خاموش بے نام ونشان تھی، دَم کے بعد ایک ہی منٹ میں خوشبوئے بریانی نے محلہ بھر میں ہلچل مچادی۔ علماء کے سینوں میں یہ علوم مثل اجزاء بریانی ہیں کسی اہل اللہ کی صحبت سے جب اس کو دم دے دیا جاتا ہے پھر انکے سینوں سے ایسے علوم ومعارف بیان ہوتے ہیں کہ علماء ظاہر محو حیرت ہو جاتے ہیں اسی کو حضرت عارف رومیؒ نے فرمایا ؎

قال را بگذار مرد حال شو	ترجمہ: قال کو چھوڑو صاحب حال بنو
پیش مرد کاملے پامال شو،	مگر کیسے بنو گے کسی شیخ کامل کے قدموں
بینی اندر خود علوم انبیاء	میں اپنے کو مٹادو پھر دیکھو گے اپنے اندر
بے کتاب وبے معید و اوستا	علوم انبیاء بدون کتاب موجزن ہونگے
گر تو سنگ خارہ و مرمر بوی	ترجمہ: اگر تم پتھر کی طرح سخت ہو تو اہلِ دل کی صحبت میں
گر بصاحب دل رسی گوہر شوی	بیٹھو انکی برکت سے موتی ہو جاؤ گے یعنی صاحبِ نسبت
	اللہ والے بن جاؤ گے۔

تاثیر صحبت اہلِ دل

اور فرمایا کہ لوہا پارس پتھر کی خدا داد خاصیت سے جس طرح سونا بن جاتا ہے اسی طرح اللہ والوں کی صحبت میں منجانب اللہ ایسی خاصیت ہوتی ہے کہ انسان رفتہ رفتہ حقیقی معنوں میں انسان بن جاتا ہے۔ پھر فرمایا کہ ایک بار مولانا شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری نے فرمایا کہ اہل اللہ کی صحبت سے کیا ملتا ہے اس کو کیسے سمجھا دوں پھر یہ شعر پڑھا ؎

آہن کہ بپارس آشنا شد
فی الفور بصورت طلا شد

ترجمہ: لوہا جب پارس پتھر سے متصل ہوتا ہے فوراً سونا بن جاتا ہے اب یہ بات کیسے سمجھا دوں کہ لوہا سونا کیوں بن جاتا ہے اور کیسے بن جاتا ہے لوہے کو چاہیے کہ بیٹھ کر تجربہ کر لے۔

پھر حضرت ڈاکٹر صاحبؒ نے فرمایا کہ آگ کے متعلق پانچ سو صفحات پر لکھی ہوئی کتاب پڑھ ڈالیے گرمی نہیں ملے گی لیکن انگیٹھی کے پاس بیٹھ جائیے تو آگ کی گرمی بھی ملے گی اور آگ کی کتاب بھی سمجھ میں آجائے گی۔

دولت عشق

فرمایا کہ دولت عشق ہر ایک کو عطا نہیں فرماتے اور یہ شعر پڑھا ؎

سرمد غم عشق بوالہوس را نہ دہند
سوز غم پروانہ مگس را نہ دہند

ترجمہ: اے سرمد اللہ تعالیٰ اپنی محبت کا غم اہلِ ہوس حریص دنیا کو نہیں عطا فرماتے اور پروانے کا سوز غم مکھیوں کو نہیں عطا فرماتے۔

اور فرمایا کہ حکیم الامت فرمایا کرتے تھے کہ راہِ عشق سے سلوک طے کرنا آسان ہوتا ہے جیسا کہ اس شعر میں فرمایا گیا ہے ؎

صنمارہ قلندر سزد ار بمن نمائی
کہ دراز و دور دیدم رہ و رسم پارسائی

ترجمہ: اے محبوب مرشد مجھے اللہ تعالیٰ کی محبت کا راستہ دکھایئے کہ یہ راستہ مجھے بہت محبوب ہے اور خشک راستہ بدون محبت کے بہت دراز معلوم ہوتا ہے۔

پھر فرمایا لیکن راہ عشق سے یہ مراد نہیں ہے کہ ہم راہ شریعت سے بے پروا ہو جائیں بلکہ عشق سے راہ شریعت پر چلنا آسان ہو جائے گا بدون عشق شریعت پر چلنا مشکل ہوتا ہے۔

حاصل تصوف

فرمایا کہ حضرت تھانوی نے ارشاد فرمایا کہ تمام سلوک اور تصوف کا حاصل صرف یہ ہے کہ طاعت کے وقت ہمت کرکے طاعت کو بجالائے اور معصیت کے تقاضہ کے وقت ہمت کرکے معصیت سے رک جائے اس سے تعلق مع اللہ پیدا ہوتا ہے، محفوظ رہتا ہے، ترقی کرتا ہے۔

دور حاضر کی ترقی کا مفہوم

فرمایا کہ دور حاضر کی ترقی یہ ہے۔ ایجادات اور اسباب تعیش کی فراوانی اور اخلاق سور اور کتوں سے برے۔ حسد، بغض، کینہ، جہازوں کا اغوا، آدمیوں کا اغوا، ڈاکہ، چوری، ہر اشتہار پر اور ہر سائن بورڈ پر عورت کی تصویر، عورتوں کا پیٹ کھلا، بازو کھلے اس بے حیائی اور بے شرمی کا نام ترقی و تہذیب ہے، نوجوان لڑکے نوجوان لڑکی کا مخلوط تعلیم حاصل کرنا، حد ہے اس بے حیائی کی؟

کثرت مصافحہ سے عجب کا علاج

حضرت عارف باللہؒ نے فرمایا کہ حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایک بار لوگوں کے مصافحہ کی کثرت سے نفس میں عجب کے آثار محسوس ہوئے تو میں نے مصافحہ کی یہ نیت نفس کی اصلاح کے لئے کی کہ یا اللہ میں ان لوگوں سے اس لئے مصافحہ کرتا ہوں کہ شاید آپ کے کسی نیک بندہ کے ہاتھ میں میرا ہاتھ آجائے اور وہ سبب میری نجات اور مغفرت کا بن جائے۔

عبرتناک واقعہ

فرمایا کہ نواب مولوی محسن الملک علی گڈھ کالج کے سکریٹری تھے۔ کالج کو یونیورسٹی بنانے کی منظوری کے لئے لارڈ کرزن وائسرائے کے محل میں گئے۔ ساتھ دو بیرسٹر لے گئے۔ مغرب کا وقت ہوا۔ تنہا وائسرائے لاج میں نماز پڑھی۔ ان بیرسٹروں نے وائسرائے سے کہا حضور یہ مولوی صاحب دقیانوسی آدمی ہیں آداب شاہی سے واقف نہیں۔ ہم لوگ بہت شرمندہ اور معافی کے خواستگار ہیں کہ انہوں نے یہاں نماز شروع کردی۔ وائسرائے سگریٹ پیتا رہا اور خاموش رہا۔ جب محسن الملک صاحب نماز پڑھ کر آئے تو وائسرائے کھڑا ہوگیا اور مولوی صاحب کو کرسی پر بٹھا کر پھر خود بیٹھا اور کہا کہ مولوی صاحب آپ سے دل بہت خوش ہوا۔ وائسرائے لاج کی تاریخ میں پہلی مرتبہ خدا کا نام لیا گیا۔ یہ بیرسٹر مسلمان ہیں یا منافق ہیں اگر آپ کی خاطر ملحوظ نہ ہوتی تو انکو کان پکڑ کر نکال دیتا جو خدا کی عبادت سے معافی طلب کر رہے ہیں ہم کو خوش کرنے کے لئے۔

تلافی مافات

فرمایا کہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ اور استغفر اللہ سے شیطان کی کمر ٹوٹ جاتی ہے کیونکہ شیطان نے ایمان کو نقصان پہنچایا اسکی تلافی لا الٰہ الا اللہ سے ہوگئی ہے پھر اس لے اعمال کو نقصان پہنچایا اسکی تلافی استغفر اللہ سے ہوگئی۔

تعمیر باطن کی اہمیت

مولانا محمد رفیع صاحب مہتمم دار العلوم کراچی نے ایک دفعہ دعا کی درخواست کی کہ تحفیظ القرآن کی چھت پڑنی ہے فرمایا دعا کرتا ہوں لیکن اس تعمیر کی تکمیل تو دوسرے بھی کر سکتے ہیں مگر تعمیر باطنی کی تکمیل کا اہتمام ضروری ہے کیونکہ اس کام کو دوسرا نہیں کر سکتا۔

استغراق اور اختیار

فرمایا ایک صاحب نے حکیم الامتؒ کو لکھا کہ میرے لئے استغراق دائمی کی دعا کر دیجئے: حضرتؒ

نے جواب تحریر فرمایا کہ میں تو اس سے حفاظت چاہتا ہوں کیونکہ استغراق میں مجبور ہو جاؤں گا اور مختار نہ رہوں گا اور اختیار سے ایک بار سبحان اللہ کہنا استغراق اور غلبۂ حضوری بے اختیاری والی سے بہتر سمجھتا ہوں ۔

بعض مشہور مصرعہ کا تکملہ

فرمایا کہ بعض وقت ایک مصرعہ مشہور ہو جاتا ہے اور دوسرا مشہور نہیں ہوتا جیسے کہ :

ے
مے خانہ کا محروم بھی محروم نہیں ہے

اس کا پہلا مصرعہ یہ ہے

مستی کے لیے بوئے مئے تند ہے کافی

اسی طرح یہ مصرع بہت مشہور ہے

در کارِ خیر حاجت ہیچ استخارہ نیست

اس کا پہلا مصرعہ یہ ہے

آں دم کہ دل بعشق دہی خوش دمے بود

حق عظمت اور حق محبت

فرمایا کہ حضرت تھانویؒ کا ارشاد ہے کہ فرائض و واجبات حق عظمت الٰہیہ ہیں اور مستحبات حق محبت الٰہیہ ہیں۔ یہ سن کر ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن نے فرمایا کہ مستحبات کا مادہ بھی محبت ہے اور باب استفعال طلب کے لئے ہوتا ہے۔

فرمایا اللہ کا راستہ جان کی بازی لگانے کا ہے میرا شعر ہے ے

جائز نہیں اندیشۂ جاں عشق میں اے دل
ہشیار کہ یہ مسلک تسلیم و رضا ہے (عارفیؒ)

بزرگوں سے تعلق

فرمایا کہ حضرت تھانویؒ نے فرمایا ہمیشہ اپنے بڑوں سے وابستہ رہے اور اپنے کو کبھی

مستقل بالذات نہ سمجھے جو اپنے کو مستقل بالذات سمجھتا ہے وہ مستقل بدذات ہو جاتا ہے۔

فرمایا کہ حضرت تھانویؒ فرماتے تھے کہ میں نے تین کتابیں درسیات کے علاوہ پڑھی ہیں حاجی امداد اللہ صاحبؒ ۔ مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ اور مولانا یعقوب صاحب۔

جملہ پریشانیوں کا عجیب حکیمانہ علاج

فرمایا کہ میں نے جونپور سے حضرت حکیم الامتؒ کو خط لکھا کہ بیمار ہوں، مقروض ہوں تمام خط پریشانیوں سے بھرا تھا اس خط کا جواب مشفق سے مشفق معالج یہی لکھتا کہ صدمہ ہوا دل سے دعا کرتا ہوں یہ وظیفہ پڑھ لیا کرو مگر ہمارے حضرت حکیم الامتؒ نے ایسا جواب لکھا کہ سبحان اللہ رُخ بدل دیا۔ حضرتؒ نے لکھا کہ حالات موجودہ میں بدون استحقاق جو نعمتیں آپ کو حاصل ہیں آپ نے اس خط میں انکا کوئی ذکر نہ کیا اگر وہ بھی سلب ہو جائیں تو کس قدر مصائب کا سامنا ہو اس جواب نے میرا رُخ بدل دیا تمام پریشانیاں سکون سے تبدیل ہو گئیں۔

فرمایا کہ ہر نعمت پر شکر کی عادت ڈالئے اس پر ترقی نعمت کا وعدہ ہے اور معاصی سے بھی حفاظت رہے گی۔ شکر کی چار صورت ہے

① احساس شکر یعنی دل میں یہ خیال کرنا کہ بدون استحقاق عطا ہوا ہے یہ احساس شکر ہے۔

② زبان سے اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ وَلَکَ الشُّکْرُ کہنا۔

③ نعمت کا استعمال صحیح ہو مثلاً بینائی کو اچھے کاموں میں لگائے کسی کو حسد کی نظر سے حقارت کی کی نظر سے شہوت کی نظر سے اگر دیکھا تو یہ ناشکری ہو گی کیونکہ استعمال غلط ہو گیا۔

④ نعمت جس واسطہ سے حاصل ہو اس کا بھی شکر ادا کرنا اور زبان سے جزاک اللہ کہنا۔ جو شخص شکر کے یہ چار اعمال کرے گا معاصی سے بھی محفوظ رہے گا۔

تکرار نصائح کا افادہ

فرمایا کہ اللہ والوں کے نصائح کا اگر تکرار ہو تو یہ تکرار بھی نافع ہے۔ تکرار نصائح سے گھبرانا یا تکرار علوم نافعہ سے متوحش ہونا اسکی فطرت کا نقص ہے اس کا قلب سقیم ہے اس کو علاج کرانا

چاہیئے کیونکہ خالق فطرت انسانیت نے اپنے کلام کو تکرار آیات کے ساتھ نازل فرمایا ہے. پس فطرت انسانیت کے لئے پند و نصائح کا بار بار ہونے کا نافع ہونا ظاہر ہے۔

بطرز سیاست اصلاح پر ضروری تنبیہ

فرمایا کہ اشرف السوانح حصہ دوم میں حضرت والا تھانویؒ کے اس طریق اصلاح بطرز سیاست کے متعلق ایک ضروری تنبیہ منقول ہے وہ یہ کہ ہر شخص اس طرز کے اختیار کا ہرگز اہل نہیں لہٰذا عام مُصلحین اس کے اختیار کرنے کی ہرگز جرأت نہ کریں ورنہ کورانہ تقلید کرکے اپنا اور طالبین اصلاح کا بھی ناس کریں گے۔

مشائخ بھی اپنی اصلاح سے مستثنیٰ نہیں

فرمایا کہ حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ جو شیخ صاحب نظر صحیح ہو وہ بھی اپنے واسطے کسی شیخ کو تجویز کر لے اپنے احوال خاصہ میں اسکی رائے پر عمل کیا کرے اپنی رائے سے عمل نہ کرے کیونکہ اپنی رائے میں ایک پہلو پر نظر ہوتی ہے اور دوسرے کی ہر پہلو پر نظر رہتی ہے اگر کسی کو دوسرا شیخ نہ ملے تو وہ اپنے چھوٹوں ہی سے مشورہ کر لیا کرے. جب مشائخ کے لئے میں ضروری سمجھتا ہوں کہ وہ بھی اپنا بڑا کسی کو بنالیں تو غیر مشائخ کے لئے تو بہت ہی زیادہ ضرورت ہے۔

صحبت اہل اللہ اس زمانے میں فرض عین ہے

فرمایا کہ حضرت تھانویؒ فرماتے تھے کہ اس زمانے میں اہل اللہ کی صحبت کو میں فرض عین کہتا ہوں اور فتویٰ دیتا ہوں کہ اس زمانے میں اہل اللہ اور خاصان حق کی صحبت اور ان سے تعلق رکھنے کے فرض عین ہونے میں کسی کو کیا شبہ ہو سکتا ہے؟ اور تجربہ سے معلوم ہوا کہ آج کل ایمان کی سلامتی کا ذریعہ صرف اہل اللہ کی صحبت ہے اس تعلق کے بعد بفضلہ تعالیٰ کسی جادو کا اثر نہیں ہوتا۔

یہ چند باتیں احقر نے حضرت کی زبان مبارک سے جو سنی تھیں اُمّتِ مسلمہ کے لئے مفید سمجھ کر ضبط کردیں۔

حضرتؒ کی رحلت سے ہم سب خدام کے قلوب میں لوڈ شیڈنگ کی طرح اچانک نور کی کمی محسوس ہوئی ۔ اہل اللہ کے انتقال سے شعوری اور غیر شعوری طور پر ہر خاص و عام کا قلب متاثر ہوتا ہے ۔

حضرت والا سے احقر کا سنہ ۱۹۵۰ء سے تعلق تھا حضرتؒ جونپور سے پھولپور تشریف لایا کرتے تھے اور اپنے اشعار عارفانہ حضرت شیخ پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کو بہت کیف سے سنایا کرتے تھے ۔ اللہ تعالیٰ حضرت کے درجات کو ساعۃً فساعۃً متزائداً متبارکاً متصاعداً بلند فرمائیں اور جملہ پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائیں ۔

تمام زندگی حضرت کی سراپا اس سوال کا جواب تھی کہ اہل اللہ کی صحبت سے کیا ملتا ہے ۔ حضرت کے خلفا کی خاصی تعداد ہے ۔ اللہ تعالیٰ انکی مجالس ارشاد سے مخلوق کو استفادہ کی توفیق بخشیں اور شرفِ قبول عطا فرمائیں ، جنازہ میں تقریباً تمام اکابر علماء اور طلباء اور صلحاء نیز عمائدِ شہر ۔ بادشاہ سے لے کر فقیر تک تقریباً ہر طبقہ کا آدمی شریک تھا حضرت عارف باللہ بزبانِ حال یہ شعر پڑھتے ہوئے منزل آخرت کی طرف عازم سفر ہوئے ۔

ع شکریہ اے قبر تک پہنچانے والو شکریہ
اب اکیلے ہی چلے جائیں گے اس منزل سے ہم

حضرت شاہ مظہر جانِ جاناں رحمۃ اللہ علیہ انتقال سے قبل اپنے پسماندگان کی تسلی کے لئے اپنے روزنامچہ میں یہ شعر تحریر فرما گئے تھے ۔

ع لوگ کہتے ہیں کہ مظہر مر گیا
اور مظہر در حقیقت گھر گیا

حضرت خواجہ صاحبؒ کا یہ قطعہ بھی ایسے موقع پر یاد آتا ہے جو نہایت باعثِ عبرت ہے ع

یہ عالم عیش و عشرت کا یہ دنیا کیف و مستی کی
بلند اپنا تخیل کر یہ سب باتیں ہیں پستی کی
جہاں دراصل ویرانہ ہے گو صورت ہے بستی کی
بس اتنی سی حقیقت ہے فریبِ خوابِ ہستی کی
کہ آنکھیں بند ہوں اور آدمی افسانہ بن جائے

اور اسی حقیقت کے ترجمان حضرت کے یہ دو شعر ہیں ؎

عارفی زندگی افسانہ در افسانہ ہے
صرف افسانوں کے عنواں بدل جاتے ہیں

ہم دیکھتے ہی رہ گئے نیرنگِ صبح و شام
عمرِ فسانہ ساز گذرتی چلی گئی

حضرت عارف باللہ کی حسبِ ذیل تصانیف اُمت کے لئے باعثِ ہدایت اور حضرت کے لئے انشا اللہ تعالیٰ صدقہ جاریہ ہیں :

① اسوۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ۔
② مآثرِ حکیم الامت ۔
③ بصائرِ حکیم الامت ۔
④ معارفِ حکیم الامت ۔
⑤ معمولاتِ یومیہ ۔
⑥ احکامِ میت ۔

اللہ تعالیٰ خلق کو ان کتب سے استفادہ کی توفیق بخشیں یہ تمام کتابیں دراصل حضرت حکیم الامت کی تمام تر تعلیمات کا خلاصہ ہیں ۔

اللہ تعالیٰ احقر کے اس مقالہ کو شرفِ قبول بخشیں ۔

احقر محمد اختر عفا اللہ تعالیٰ عنہ

٢٣ رجب سنہ ١٤٠٦ھ گلشنِ اقبال
کراچی

کہکشاں جیولرز
(درآمد برآمد کنندگان)
٢ - بی - آمنہ مینشن روڈ لیاقت آباد کراچی ١٩

• حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی

حضرت ڈاکٹر صاحب کا انتقال اور آپ کے جانشین

حضرت ڈاکٹر محمد عبد الحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا جب نام لیا تو زبان "دامت برکاتہم" کہنے کو سبقت کر رہی تھی۔ اچانک خیال آیا کہ وہ تو وطن جا چکے ہیں، لیکن اگر کوئی شخص خود تو چلا گیا، اور اس کے فیوض و برکات دنیا میں جاری ہیں اور مخلوق ان سے نفع اٹھا رہی ہے تو کیا پھر بھی اس کے لئے دامت برکاتہم کا دعائیہ جملہ استعمال نہیں کر سکتے؟ اللہ تعالیٰ ان اکابر کے فیوض و برکات کو قیامت تک کے لئے باقی رکھے۔ آمین۔

انہی کے نقش قدم پر ہو یا خدا جینا
ویرحم اللہ عبداً یقول آمینا

گذشتہ کل حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مکان پر تعزیت کے لئے پہنچا تو بڑے صاحبزادے اور چھوٹے صاحبزادے دونوں تو موجود تھے، ڈاکٹر احسن عباس نہیں تھے، وہ اپنے مطب میں تشریف لے جا چکے تھے۔ تعزیت کے بعد خیال آیا کہ ان کا بھی حق محبت ادا کرنا چاہئے اس لئے میں ان کے مطب چلا گیا انہوں نے فرمائش کر دی کہ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حالات پر دار العلوم سے نمبر شائع ہونے والا ہے، آپ بھی اس میں کچھ لکھیں، یہ فرمائش انہوں نے اس لئے کی کہ وہ یہ جانتے تھے کہ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کا میرے ساتھ بہت ہی گہرا، بہت ہی شفقت و محبت کا تعلق تھا۔ میرا معمول یہ ہے کہ میرے سامنے بہت سے

اکابر، شیوخ اور اساتذہ وطن آخرت چلے گئے مگر میں نے آج تک کسی کے حالات نہیں لکھے، باوجودیکہ حالات لکھنے پر فرمائشیں بھی کی گئیں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ ان اکابر اور بزرگوں کا مقام اتنا بلند ہے کہ ہمارے وہم و گمان سے بھی بالاتر ہے۔ جب ہم اظہارِ عقیدت و محبت میں ان کے حالات بیان کریں گے تو ہم اپنی سمجھ اور اپنے ذہن کے مطابق بیان کریں گے، جبکہ ان کا مقام اس سے کہیں زیادہ بلند ہوگا، تو سننے والا یہ خیال کریگا کہ ان کا مقام بس اتنا بلند ہے جتنا بیان کیا گیا ہے حالانکہ ہم نے تو صرف ایک بٹہ ہزار حصہ بیان کیا ہے، تو ان کے حالات بیان کرنے میں بظاہر تنقیص ہو جائے گی۔ اس لئے میں سکوت اختیار کرتا ہوں۔ مگر ڈاکٹر احسن عباس صاحب کی فرمائش ایسی نہیں ہے کہ اسے ٹھکرایا جا سکے۔ اسے تو پورا کرنا ہی پڑے گا۔

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حالات اس لئے بتا رہا ہوں تاکہ کوئی اہل قلم اس مضمون کو صحیح انداز میں درست کر کے صحیح عنوان دیکر لکھدے تو شاید کسی کو اس سے نفع پہنچ جائے۔ بہر حال! تعمیل کیلئے کچھ بتا دیتا ہوں

پہلی بات یہ ہے کہ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر تعلق مع اللہ اور آخرت کے شوق کا غلبہ وہ چیزیں تھیں جو اکثر مجلس میں سامنے آتی تھیں۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ آخری عمر میں اکثر بیمار رہا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ میں اور حضرت ڈاکٹر صاحب ملاقات کے لئے حضرت مفتی صاحب کی خدمت میں گئے، باتوں باتوں میں مفتی صاحب فرمانے لگے: ہر وقت یہ الجھن سوار رہتی ہے کہ وطن جانے کا وقت کب آئیگا؟ دنیا سے رخصت ہونے کا وقت کب آئے گا؟ انتظار ہے کہ وقت کب آئے گا؟ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ہنس کر فرمایا: یہ فکر جانے دیجئے۔ جب وقت آنا ہوگا آ ہی جائیگا فکر کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

مجھے سن کر بڑا مزہ آیا کہ شوقِ وطن ہو تو ایسا ہو اور اللہ تعالیٰ سے تعلق ہو تو ایسا ہو۔ اگر دنیا میں ہیں تو بھی ان کی معیت حاصل ہے اور اگر اللہ تعالےٰ وہاں بلالیں گے، تب بھی ان کی معیت حاصل ہو جائیگی۔

وفات سے ڈیڑھ دو مہینے پہلے حضرت ڈاکٹر صاحب نے ایک شعر پڑھا تھا، جس سے ان کی حالت کا اندازہ ہوتا ہے۔ فرمایا ؎

فنا کیسی بقا کیسی جب ان کے آشنا ٹھہرے
کبھی اِس گھر میں آ ٹھہرے، کبھی اُس گھر میں جا ٹھہرے

اس سے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مقام معلوم ہوتا ہے۔ یعنی کیا فنا، کیا بقا۔ جب ہمیں

ان کی معیت حاصل ہے، جب ہمیں ان کے ساتھ محبت کی دولت عطا فرما رکھی ہے، تو پھر چاہیں وہاں گھر میں ٹھیرائیں یا اس گھر میں ٹھیرائیں، جہاں ان کی مرضی ہو وہاں ٹھیرائیں بس ہمیں تو جب ان کی معیت حاصل ہے تو پھر ہمیں کچھ پرواہ نہیں۔

دنیا میں جنت کا مزہ پانے والے حضرات کی حالت ایسی ہوتی ہے، یہیں ان کو جنت کی نعمتیں اس کی حلاوت اور لذت حاصل ہو جاتی ہیں۔

حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کے مکارم اخلاق

دارالعلوم کے قیام کے زمانہ میں ایک مرتبہ پانچ چھ ماہ کی میری بچی سخت بیمار ہو گئی، اور بے ہوش ہو گئی، برنس روڈ پر ایک ایلوپیتھی ڈاکٹر بہت مشہور تھے، حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ان کے گہرے تعلقات تھے، حضرت مفتی صاحب نے ان کے نام ایک پرچہ لکھ دیا کہ یہ تشریف لا رہے ہیں، ان کی بچی کا علاج توجہ سے کریں۔ جب میں ان کے مطب پہنچا اور حضرت مفتی صاحبؒ کا پرچہ ان کو بھیج دیا، مگر انہوں نے کوئی توجہ نہیں کی۔ ادھر بچی کی حالت خراب ہو رہی تھی اور دوسرے مریض بھی بچی کی حالت کو دیکھ کر ڈاکٹر صاحب سے کہنے لگے کہ ان کی حالت زیادہ خراب ہے، آپ پہلے ان کو دیکھ لیں، مگر ڈاکٹر صاحب تو اپنے گھمنڈ میں تھے۔ توجہ ہی نہیں کر رہے تھے۔ حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحبؒ کا مطب ان دنوں برنس روڈ ہی میں تھا، میں نے سوچا کہ یہ تو دیر کر رہے ہیں، اس لئے ذرا حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کو دکھا دوں ہم لوگ گاڑی میں بیٹھ کر سیدھے حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کے مطب پہنچے۔ حضرت ڈاکٹر صاحبؒ نے مطب ہی سے ہمیں دیکھ لیا اور ابھی ہم گاڑی سے اترنے بھی نہ پائے تھے کہ حضرت ڈاکٹر صاحب مطب سے نکل کر فوراً گاڑی کے پاس آگئے اور پوچھنے لگے: کیا بات ہے؟ کیا بات ہے؟ میں نے بتایا کہ بچی کا یہ حال ہے، تو اسی وقت فوراً دوا دی۔ اور ساتھ ساتھ بہت سی دعائیں بھی دیں۔

یہ ہیں مکارم اخلاق اور ان کی شفقت و محبت کا حال۔ تو ایک طرف تو اس ڈاکٹر کا حال دیکھئے کہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اس کا خاص تعلق اور حضرت مفتی صاحبؒ کے سفارشی خط کے باوجود یہ حال، اور یہاں یہ حالت۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات زیادہ سے زیادہ بلند فرمائے اور رحمت کی بارشوں سے نوازے۔ آمین۔

میرا معمول ہے کہ میں ہومیوپیتھک کی اکثر دوائیاں اپنے پاس رکھتا ہوں۔ جہاں کوئی بچہ بیمار ہوا، تو

اگر خود کوئی دوا سمجھ میں آئی تو دیدی، ورنہ حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کو فون کر کے پوچھ لیا کہ کیا دوا دینی چاہیئے وہ ٹیلی فون پر بتا دیتے۔

دار العلوم کے قیام کے زمانے میں کئی بار ایسا ہوا کہ آدھی رات کو بچے کی طبیعت خراب ہوئی اور فوراً کوئی دوا دینے کی ضرورت ہوئی اور میں نے حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کو فون کیا اور یہ سوچ رہا کہ سب سے پہلے معذرت کروں گا کہ حضرت رات کے وقت آپ کو بے آرام کیا، مگر کیا کرتا۔ آپ کی شفقت نے ہمیں ایسا کر دیا ہے، اور بچے کی حالت بہت خطرناک ہے، تو یہ تمہید سوچ رہا کہ پہلے اس طرح معذرت کروں گا، مگر جیسے ہی حضرت ڈاکٹر صاحبؒ نے ٹیلی فون اٹھایا اور میں نے السلام علیکم کہا، اور معذرت پیش کرنے سے پہلے ہی حضرتؒ نے فرمایا: کوئی بات نہیں، گھبرانے کی کوئی بات نہیں، پوچھو کیا بات ہے؟، تو حضرت میرے ساتھ ایسی شفقت فرماتے کہ معذرت کا موقع ہی نہیں دیتے تھے۔

یہیں کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ گھر میں سخت تکلیف ہوگئی اور سردی کا موسم، رات دو بجے کا وقت، ایک دوست کو بلایا کہ آپ گاڑی لے آئیں۔ ہسپتال چلتے ہیں، وہ گاڑی لے آئے اور گھر میں سے یہ کہہ رہی تھیں کہ میں مر رہی ہوں، کوئی دوا میرے منہ میں ڈال دو، تو میں نے بلا سوچے سمجھے ہومیو پیتھک کی ایک دوا ان کے منہ میں ڈال دی۔ تاکہ ذرا اطمینان ہو جائے۔ ابھی دوا حلق میں بھی نہیں گئی تھی، منہ میں ہی تھی کہ اسی وقت فوراً کہنے لگیں کہ میری جان بچ گئی، اب ہسپتال کا ارادہ چھوڑ دو، اور حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کے پاس چلنا چاہیئے، پھر میں ان کو لیکر تو نہیں گیا، بلکہ خود ہی چلا گیا، اس وقت ڈاکٹر صاحب اوپر کی منزل میں رہتے تھے، سردی کا موسم تھا، جب میں نے ان کے یہاں پہنچ کر گھنٹی بجائی اور بتایا کہ میں ہوں، تو آدھی رات کے وقت سردی کے موسم میں اس عمر میں چادر اوڑھے ہوئے خود ہی چلے آئے اور پوچھا: کیا قصہ ہے؟، میں نے بتایا کہ یہ بات ہے، فرمایا: کہ جس دوا سے فائدہ ہوا ہے وہی دوا دیتے رہیں اور پھر دعا فرمائی۔

حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کا یہ معمول تھا، جب تک کچھ قوت تھی کہ ایک مہینہ سے زیادہ گزرنے نہیں پاتا کہ وہ میرے یہاں تشریف لاتے۔

یہ ہیں مکارمِ اخلاق اور چھوٹوں کے ساتھ شفقت اور محبت کرنا، اور تعلقات کو اس طریقے سے نبھانا، دوسروں کے خاطر محنت اور مشقت برداشت کرنا، یہ چیزیں دنیا میں اب نہیں ملتی ہیں۔

آپ کی ہمت ابھی وفات سے چند روز پہلے جب بیماری شروع ہوئی تو ایسی بیماری میں اتنی عمر میں

دارالعلوم میں ختم بخاری میں شرکت کے لئے تشریف لے گئے۔ اس بیماری کی حالت میں اتنا لمبا سفر کرنا، یہ ہمت کی بات ہے۔

آخر عمر میں مَیں نے کئی بار عرض کیا کہ چھڑی لیا کریں۔ جب کہ آخری چند مہینوں میں دو مرتبہ گرے بھی اور چوٹ بھی آئی۔ مگر یہی جواب دیتے کہ ساری عمر تو بے چھڑی کے گزار دی۔ اب چھڑی لیتے اچھا محسوس نہیں ہوتا، شرم معلوم ہوتی ہے۔ یا کبھی آپ بیٹھے ہوتے، اور اُٹھنے کا ارادہ فرماتے، میں نے کہا: کہ میں ذرا اٹھا دوں، فرماتے: نہیں، نہیں، میں خود اٹھ جاؤں گا، پھر ایک دم اُٹھ کر ایسے چلتے پھرتے جیسے کوئی تکلیف ہی نہیں ہے۔ ہمت سارے کام کرادیتی ہے۔ اس لئے حضرت ڈاکٹر صاحب ہمیشہ ہمت سے کام لیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔

معاملات میں انصاف

یہ واقعہ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے خود ہی سنایا تھا کہ ایک مرتبہ اپنے صاحبزادے کی گاڑی پر جا رہے تھے، راستہ میں دوسری گاڑی کے ساتھ ایکسیڈنٹ ہو گیا، سب لوگ تو کہنے لگے: کہ دوسری گاڑی والے کا قصور ہے۔ اس سے ہرجانہ وصول کرنا چاہئے۔ لیکن حضرت ڈاکٹر صاحب نے رپورٹ لکھوانے والے سپاہی سے کہا: بھائی صاف معاملہ یہ ہے کہ میرے بیٹے کا قصور ہے، لوگ تو یہ کہہ رہے تھے کہ حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کے تعلقات بہت وسیع ہیں، اگر کسی کو اشارہ کر دیتے۔ کہ معاملہ ایسا نہیں ہے اور اپنے بیٹے کی طرف داری کر دیتے تو دوسرے سے سارے نقصان کا ہرجانہ وصول ہو جاتا، مگر آپ فرما رہے ہیں: نہیں، نہیں، میرے بیٹے کا قصور ہے، اس پر سزا نہ ہو، وہ الگ بات ہے، مگر قصور میرے بچے کا ہے۔ اتنا انصاف کا معاملہ آپ نے فرمایا۔

ایک قصہ ان کے صاحبزادے ڈاکٹر احسن صاحب نے سُنایا کہ ہمارے رشتہ داروں میں دو آدمیوں میں جھگڑا تھا، انہوں نے حضرت ڈاکٹر صاحبؒ سے کہا کہ آپ فیصلہ فرما دیں۔ آپ نے فیصلہ فرمایا، وہ فیصلہ جس کے خلاف پڑا وہ آپ کا بہت مخالف ہو گیا۔ اس نے آپ کی بے ادبی کی اور گستاخی کی، اور بہت بُرا بھلا کہا۔

میں نے اس پر کہا: میرا معمول یہ ہے کہ میں کبھی فیصلہ کرتا ہی نہیں، ایک بار جب میری عمر ۲۰ سال تھی، اس وقت میں نے اپنے رشتہ داروں کے درمیان ایک فیصلہ کیا تھا، جس کے خلاف وہ فیصلہ گیا، وہ میرا مخالف ہو گیا، اور مجھے بُرا بھلا کہنے لگا۔ اس وقت سے میں نے ہمیشہ کے لئے توبہ کر لی کہ آئندہ کبھی فیصلہ

نہیں کروں گا

اس پر ان کے صاحبزادے نے بڑی عجیب بات بتائی کہ حضرت ڈاکٹر صاحب فرمایا کرتے تھے کہ میں نے فیصلے کئے ہیں، فیصلہ کر رہا ہوں، کرتا رہوں گا، فیصلے کی وجہ سے کوئی میرا مخالف ہو کر مجھے بُرا بھلا کہے۔ مجھے اس کی کوئی پُرواہ نہیں، الحمد للہ! پانچ منٹ کے اندر اندر میرا دل صاف ہو جاتا ہے۔ اور مجھے یاد بھی نہیں رہتا کہ کسی نے مجھے بُرا بھلا کہا تھا، یا نہیں۔

کتنی بڑی ہمت کی بات ہے کہ کوئی معتقد یا مرید ہو، رشتہ دار ہو یا غیر ہو، مگر فیصلہ عین شریعت کے مطابق فرماتے۔ چاہے کوئی راضی رہے یا ناراض ہو جائے۔ اس پر حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کا سُنایا ہوا ایک شعر یاد آگیا جو کئی بار حضرت سے سُنا ؎

دریائے فراواں نہ شود تیرہ بہ سنگ
عارف کہ برنجد تنگ آب است ہنوز

یعنی جس طرح دریا میں پتھر پھینکیں، غلاظتیں ڈالیں، اس میں کوئی تغیر پیدا ہی نہیں ہوتا، اسی طرح جو صحیح معنی میں عارف ہوتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت اور محبت کا دریا ہوتا ہے۔ اس کی تعریف کیجائے، یا اس کو بُرا بھلا کہا جائے، اس میں ذرا بھی تغیر نہیں ہوتا، اور اس کو ان چیزوں کی کوئی پرواہ بھی نہیں ہوتی۔ ہاں اگر پانی تھوڑا ہو اس میں پتھر ڈالیں، تو پانی گدلا ہو جائے گا، اسی طرح کوئی شخص اپنے کو عارف کہے، اور اس میں کسی کی ذرا سی بات سے تغیر پیدا ہو جائے، رنج پیدا ہو جائے، وہ حقیقت میں عارف نہیں ہے۔

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ حقیقی معنی میں عارف تھے، لوگوں کے ناراض ہونے اور بُرا بھلا کہنے سے ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا، اسی لئے فرمایا کرتے تھے کہ جو دوست ناراض ہو جاتے ہیں اور بُرا بھلا کہنے لگتے ہیں ان کا اثر پانچ منٹ سے زیادہ نہیں رہتا۔ پانچ منٹ کے بعد مجھے یاد بھی نہیں رہتا کہ کس نے مجھے کیا کہا تھا، اور کیا نہیں کہا تھا۔

چھوٹوں کے ساتھ شفقت و محبت اور آپ کی تواضع وانکساری

حضرت ڈاکٹر صاحبؒ اپنے چھوٹوں کے ساتھ بڑی شفقت اور محبت کا معاملہ فرمایا کرتے تھے، اور آپ کی تواضع اور انکساری بھی انتہا درجہ کی تھی۔ چنانچہ ایک مرتبہ میں حضرت شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ

کی خدمت میں حاضر تھا کہ حضرت ڈاکٹر صاحب تشریف لے آئے، میں نے اٹھ کر مصافحہ کیا فرمایا: صرف مصافحہ نہیں، بلکہ معانقہ کریں گے۔ کہاں میں، اور کہاں حضرت ڈاکٹر صاحب رح کا مقام اور پھر اس بے تکلفی اور محبت سے پیش آنا، انتہائی درجہ کی تواضع ہے۔

ایک بار یہاں تشریف لائے۔ معانقہ فرماتے ہوئے کہنے لگے، کچھ اپنے دل سے ہمارے دل میں داخل کر دیجئے، میں نے عرض کیا: حضرت! جس طرف نشیب ہوگا، اس طرف خود ہی آ جائے گا۔ تو اس طرح اپنے چھوٹوں سے کہنا کہ کچھ دیدیجئے۔ اعلیٰ درجہ کی انکساری ہے۔

ایک بار حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے کی شادی پر دعوتِ ولیمہ میں مجھے بُلایا، میں جیسے ہی حاضر ہوا تو وہ بہت خوش ہوئے اور بہت ہی مسرت کا اظہار فرمایا اور اس کے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ جو آپ یہاں تشریف لائے ہیں، یہ مجھ پر احسان کیا ہے۔ اور یہ احسان میں مدتِ عمر تک نہیں بھولوں گا۔ ایسے الفاظ سے چھوٹوں کی دلجوئی کرنا اور محبت و شفقت کا معاملہ کرنا اور ایسی تواضع اور انکساری کی مثالیں نہیں ملتیں۔

آخر میں پھر وہی شعر ؎

انہی کے نقشِ قدم پر ہو یا خدا جینا
ویَرحَمُ اللہ عَبدًا یَقُولُ آمینا

اللہ تعالیٰ حضرت کی کامل مغفرت فرمائیں اور ان کو مقامِ عالیہ میں اپنا قرب عطا فرمائیں، آمین۔

تعلقات زندگی کے ساتھ وابستہ ہیں لیکن ان کو بھی بہت ہی ضروری تعلقات پر بقدر ضرورت محدود رکھا جائے۔ غیر ضروری تعلقات خواہ اعزہ و اقربا سے ہوں یا دوست و احباب سے ہوں یا کاروباری زندگی میں ہوں کسی نہ کسی درجے میں ضرور پریشان کن ثابت ہوتے ہیں کیونکہ سب کا حق ادا کرنا عادتاً دشوار ہوتا ہے اس وجہ سے قلب مشوش رہتا ہے کیونکہ ایسے غیر ضروری تعلقات میں اکثر اپنے کسی عذر کی وجہ سے دوسرے کی توقعات کو پورا نہ کر سکنے کی وجہ سے تو اس کو رنج و شکایت ہوتی ہے اور پھر خود اپنے کو بھی ندامت و خجالت ہوتی ہے محض رسمی تعلق اور دوستی رکھنے والے اکثر بیجا مروت سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ جن سے بعض وقت مالی نقصان اٹھانا پڑتا ہے یا عافیت سوز معاملہ در پیش ہو جاتا ہے ہر شخص پر اعتماد نہ کرنا چاہیے۔

(از افاداتِ عارفیہ)

• جناب نصرت علی صدیقی

حضرت مولانا ڈاکٹر محمد عبد الحی صاحب عارف باللہ نور اللہ مرق

حضرت مولانا ڈاکٹر محمد عبد الحیؒ صاحب عارف باللہ نور اللہ مرقد مجدد الملّت حکیم الامت حضرت مولانا مولوی محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ العزی کے ممتاز خلیفہ مجاز بیعت تھے۔ اپنے پیر و مرشد کے مزاج شناس اور ان کی تعلیمات کے امین تھے۔ حضرت والاؒ کو مجددالملّت کے ملفوظات اُن ہی کے الفاظ میں یاد تھے۔ اور اپنی مجلس میں فرمایا کرتے ہمارے حضرت نے یوں فرمایا۔ یوں فرمایا......

ایک بار حضرت والا نے احقر سے فرمایا کہ ہمارے حضرت اپنے وقت کے مجدد تھے۔ اور اب تک جتنے مجدد ہوئے ہیں سب سے زیادہ مشقّت حضرت والا نے برداشت کیں۔ ہمارے حضرت ایسے وقت میں مجدد ہوئے جب سب سے زیادہ بگاڑ ہر گھر میں عام تھا۔ جائز ناجائز کا اہتمام ہی نہ تھا۔ ہمارے حضرت نے ہی عقائد۔ عبادات۔ معاملات۔ معاشرت اور اخلاق کی بے مثل درستی فرمائی ہے۔

حضرت ڈاکٹر صاحب نوّر اللہ مرقدہٗ فرماتے ہر بُرے کام کو چھوڑنے میں اوّل اوّل بہت دشواری ہوتی ہے مگر ہمّت اور اختیار سے برابر کام لیتا رہے تو رفتہ رفتہ یہ دشوار مبدل بسہولت ہو جاتی ہے اور گناہوں سے بچنے کی عادت پڑ جاتی ہے۔

ایک بار احقر سے حضرت والا نے فرمایا ہمارے حضرت جیسا مجدد اب تک نہیں آیا۔ ہمارے حضرت کی تعلیمات عجیب و غریب ہیں۔ زندگی کے ہر شعبہ میں کامل رہبری ملتی ہے۔

ایک مرتبہ فرمایا ہمارے حضرتؒ کے اسم مبارک کے ساتھ تحریر۔ تقریر اور بول چال میں مجدد الملت شامل کرنا اب بہت ضروری ہوگیا ہے۔

ایک مرتبہ احقر سے فرمایا مجدد الملت حکیم الامت حضرت مولانا مولوی محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ العزیز کے مواعظ۔ ملفوظات اور دیگر تصانیف پڑھنے کے بعد ہماری کتاب اسوۃ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اہمیت سمجھ میں آئے گی۔

ایک بار فرمایا میری تمام تصانیف میں میری یہ کوشش رہی ہے کہ حضرت مجدد الملت حکیم الامت کی تعلیمات شامل رہیں۔ اپنی تصانیف میں میں نے حضرت کی تعلیمات کو اُجاگر کیا ہے۔

ایک مرتبہ احقر سے فرمایا آجکل حالات تیزی سے بگڑ رہے ہیں۔ حضرت کے ملفوظات پڑھا کرو۔ عشاء کے بعد نشر الطیب بھی روزانہ پابندی سے پڑھا کرو امن میں رہو گے۔ ہم بھی روزانہ پڑھتے ہیں۔

حضرت والا محبت و شفقت کے پیکرِ عظیم تھے احقر پر اور احقر زادہ پر بہت شفقت فرماتے۔ فرماتے میں تم سے اپنے گھر والوں کی طرح محبت کرتا ہوں۔ احقر کا قیام مکہ مکرمہ میں تھا۔ فرمایا کبھی تمہارے خطوط آنے میں دیر ہو جاتی ہے ہمیں انتظار رہتا ہے اب جب تم چھٹی گذار کر واپس جاؤ تو اپنے پتہ کے لفافے ہم کو دے جانا جب تمہارے خط میں معمول سے زیادہ دیر ہو گی ہم خود خط لکھ دیا کریں گے۔

حضرت والا نے ازراہِ شفقت اور احقر کا دل رکھنے کے لئے ہدیہ لانے کی اجازت مرحمت فرما رکھی تھی۔ حضرت فرماتے تھے مجھے بچپن سے ہی بڑھیا قلم اور بڑھیا گھڑی کا شوق ہے ہمارے حضرت والا بہت حسین و جمیل تھے ایک مرتبہ نہایت صاف ستھرے کپڑے پہنے ہوئے تھے احقر سے فرمایا یہ کپڑے تم ہی لائے ہو۔ مجھے کپڑے بنوانے کی ضرورت ہی نہیں ہوتی۔ یہ اس قدر محبت بھرے الفاظ میں فرمایا کہ احقر کے آنسو بے اختیار جاری ہو گئے۔ حضرت والا نے فوراً بات کا رُخ بدل دیا۔

احقر زادہ عظمت علی صدیقی جو سعودی عرب میں ایک امریکن کمپنی میں منیجر ہیں ان پر اسقدر شفقت اور محبت تھی کہ خطوط اور تحریروں میں نورِ چشم راحت جان طول عمرہٗ وغیرہ

تحریر فرماتے ہیں۔ حضرت والا نے ایک بار احقرزادہ کو نصیحت فرمائی کہ اپنی اہلیہ اور بچّوں کا بہت خیال رکھا کرو۔ عورت کی مثال کانچ جیسی ہے۔ بہت احتیاط اور محبت کا برتاؤ کرنا چاہیئے اور اور عورت بھی خیال رکھے کہ اگر کانچ میں بال پڑ جائے تو بیکار ہو جاتا ہے۔ لہذا عورت کو گھر کے کاموں میں گہری دلچسپی لینا چاہیئے۔ بچوں کی تربیت اور دینداری اور تعلیم کا بہت خیال رکھنا چاہیئے۔ ایک بار فرمایا جب تم گھر سے باہر جایا کرو تو گھر سے نکلتے وقت پڑھ لیا کرو۔ بِسْمِ اللّٰہِ تَوَکَّلْتُ عَلَی اللّٰہِ۔ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ۔ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّ اَتُوْبُ اِلَیْہِ۔ وَاُفَوِّضُ اِلَی اللّٰہِ۔ اس کے پڑھنے سے تمہاری بیوی بچّوں کی اور خود تمہاری حفاظت رہے گی۔ حضرت والا کی توجہ کا ایک اثر یہ بھی ہے کہ یہ جب بھی کسی ڈنر وغیرہ میں شریک ہوتے ہیں تو اسلامی شعار کو قائم رکھتے ہیں مثلاً داہنے ہاتھ سے ہی کاٹنا اور داہنے ہاتھ سے ہی کھانا۔

حضرت والا کی شفقت کا یہ عالم تھا کہ کوئی حضرت کے متعلقین میں سے حج کو جاتا تو احقر کے نام خط تحریر فرماتے۔ اور اس شخص سے فرماتے نصرت سے ملنا تم کو صحیح رہبری سہولت اور آرام ملے گا۔ جب حضرت کے متعلقین عمرہ یا حج کو جاتے تو واپسی پر دریافت فرماتے نصرت سے ملے تھے اگر کوئی صاحب احقر سے نہیں مل پاتے تو فرماتے تعجب ہے تم نصرت سے نہیں ملے۔

ایک مرتبہ احقر سے فرمایا تم اپنے مبشرات اور خواب لکھ کر مجھے دو جن میں سے چند درج ذیل ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

بَشارَتُ نعمتِ عظمیٰ
شرفِ قبولیت
اُسوۂ رسُول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم

محبِّ صادق جناب نصُرت علی صاحب صدیقی مقیم مکۃ المکرمہ نے حسب ذیل بشارت نامہ

حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحی صاحب مدظلہٗ کو مدینہ طیبہ سے تحریر فرمایا ہے۔

"۲۱ رمضان المبارک ۱۳۹۶ھ کو احقر نے حضور والا کی کتاب "اُسوۂ رسُولِ اکرمؐ صلی اللہ علیہ وسلم" دربارِ رسالت مآبؐ صلی اللہ علیہ وسلم مواجہ شریف میں پیش کی۔ احقر نے دیکھا کہ آنقبلہ خود بہ نفسِ نفیس اپنی کتاب پیش کر رہے ہیں۔ آنقبلہ اُسوقت سراپا نُور نظر آ رہے تھے۔ چہرۂ انور پر بشاشت تھی سکون و اطمینان تھا قدرے مسکراہٹ تھی جیسی کہ آنقبلہ کے چہرۂ انور پر رہتی ہے۔ ہر طرف نُور ہی نُور تھا عجب منظر تھا صرف آنقبلہ خوب اچھی طرح دکھائی دے رہے تھے۔ احقر کو محسوس ہوتا تھا کہ حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم شفقت فرما رہے ہیں اور آنقبلہ پوری طرح متوجہ ہیں"۔

اس کے جواب میں حضرت والا نے فرمایا:

"لاکھوں بشارتوں کا انعامِ عظیم ہے اس پر شکر ادا بھی ناممکن ہے مگر پھر بھی شکر ہی ادا کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ مزید انعامات و بشارتوں سے ہمیشہ سرفراز فرماتے رہیں اور انکی اہلیت و قابلیت عطا فرمادیں"۔

احقر کی دلی آرزو تھی کہ جامع المجددین حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی قدس سرہٗ العزیز کو دیکھ لے۔ احقر نے ایک مرتبہ خواب دیکھا کہ عجیب ہی منظر ہے بہت دبیز بہترین سبزہ دُور دُور تک ہے اس پر ایک بہت ہی خوبصورت عالیشان ٹم ٹم چل رہی ہے جسمیں کئی گھوڑے جتے ہیں یہ ٹم ٹم اِس سبزہ پر چل رہی ہے اور جامع المجددین حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی قدس سرّہٗ العزیز نہایت ہی بھولے پن سے سوار ہیں۔ چہرۂ انور نورانی ہے۔ عجیب کیفیت ہے سر مبارک کے بال کانوں تک ہیں۔ سفید کپڑے کی ٹوپی پہنے ہیں۔ یہ ٹم ٹم نہایت خوبصورت عالی شان نورانی محل کے کونہ پر پہونچی جو دودھ سے زیادہ سفید ہے جسکی تعریف کرنا ممکن نہیں۔ اس محل میں حضرت جامع المجددین حکیم الامت مولانا تھانوی قدس سرہٗ العزیز داخل ہو گئے احقر بھی ساتھ تھا۔

اس پر حضرت والا نے یہ ارشاد فرمایا:

"ماشاء اللہ بڑا مبارک مقدر ہے، الحمد للہ بشارت ہے حضرتؒ کے ساتھ

قلبی تعلق اور فیوض وبرکات روحانی کے جاری ہونے کے لئے۔"

احقر نے ایک اور خواب دیکھا کہ احقر کسی جگہ پر ہے پھر ایک پہاڑ آگیا احقر کے پیچھے اور بہت لوگ ہیں۔ احقر اُس پہاڑی پر چڑھ گیا جو لوگ پیچھے تھے وہ بھی احقر کے ساتھ تھے پھر احقر پہاڑ کی چوٹی سے دوسری طرف نیچے اُترا تو سامنے بیت اللہ شریف تھا۔

فرمایا: مُبارک ہے۔

احقر نے ایک بار خواب دیکھا تھا کہ ایک طویل مضمون پڑھا جارہا ہے معلوم ہوا کہ یہ مضمون پیر ومرشدی حضرت مولانا مولوی محمد حبیب اللہ صاحب قدس سرہٗ العزیز کا ہے احقر بھی اس مضمون کو سُن رہا ہے پھر معلوم ہوا کہ یہ مضمون جامع المجددین حکیم الامت حضرت مولانا مولوی اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ العزیز کا مضمون ہے اور احقر کے متعلق لکھا گیا ہے۔

فرمایا: انشاء اللہ تعالیٰ یہ خواب آپ کے حق میں بہت بشارت ہے حضرتؒ کے فیوض برکات کا ظہور ہوگا انشاء اللہ تعالےٰ۔

احقر جب سب سے پہلے حج کو گیا تو احقر طواف کر رہا تھا اور اپنے دونوں ہاتھ اپنے جسم سے ملائے تھا تاکہ احقر کا کسی کو دھکا نہ لگے۔

حجر اسود کے قریب احقر نے سُنا پیچھے سے آواز آرہی ہے معلوم ہوتا ہے کہ اِس کے ہاتھ تو جسم سے ملے ہیں یہ شخص معذور ہے۔ یا مریض ہے پھر آواز آئی معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بزرگ ہے۔ احقر آواز سُن تو رہا تھا مگر التفات نہیں تھا احقر کا سارا دھیان طواف میں تھا جب احقر حجر اسود سے حطیم کے قریب پہونچا جہاں ہجوم کم تھا احقر کو دو لڑکے پندرہ سولہ سال کے نہایت حسین جمیل دکھائی دیئے جو احرام باندھے تھے اور احقر کی طرح ہاتھ جسم سے ملائے تھے ایک لمحہ کو احقر کو خیال ہوا کہ بچے بھی نقل کر رہے ہیں اور احقر اُن کے بالکل ہی قریب پہونچ گیا۔ پھر وہ دونوں لڑکے ایک دم غائب ہوگئے۔ یہ واقعہ بیداری میں اور طواف کرتے وقت ہوا۔

فرمایا: "معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اس ادب کے معاملہ کو فرشتوں کے ذریعہ سے پسند فرمانا ظاہر فرمایا۔ مُبارک ہو۔"

ایک مرتبہ احقر مدینہ المنوّرہ گیا۔ سلام پڑھتے مواجہ شریف پر پہونچا۔ بائیں ہاتھ کی کلائی میں شدید درد تھا۔ سلام پڑھنے سے آواز بہت بلند ہو جاتی تھی اور درد شدت سے تھا احقر کو خیال آیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا فرمانے کے لئے عرض کروں فوراً ہی خیال آیا کہ اگر درد اچھا ہو گیا تو احقر کا عقیدہ عرش پر پہونچ جائے گا اور اگر درد اچھا نہ ہوا تو کہیں عقیدہ پر اثر نہ پڑے ابھی یہ پورا خیال تک بھی نہیں آیا تھا کہ اس کی جگہ فوراً تیسرا خیال آ گیا کہ احقر کی حقیقت ہی کیا ہے۔ یہ دربار تو سب سے بڑا ہے اگر احقر کو نکال بھی دیا جائے تو یہ احقر کی خرابی ہے دربار کی شان تو بہت عالی ہے جو سمجھ سے بھی بالاتر ہے۔ درد کی بے چینی میں زبان سے خود بخود نکل گیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ کو سلام عرض کرنا چاہتا ہوں اور احقر کے ہاتھ میں درد شدید ہے۔ اُسی وقت درد ختم ہو گیا احقر نے مزید دو یوم اور قیام کیا مگر درد کا خیال تک نہیں آیا۔ تقریباً پندرہ سولہ سال ہو گئے بفضلہٖ تعالیٰ پھر کبھی درد نہیں ہوا۔ یہ سب بھی بیداری میں ہوا۔

فرمایا۔ ”الحمد للہ بڑی قبولیت کا شرف حاصل ہوا۔ اللہ تعالیٰ کا بڑا ہی عظیم فضل ہے۔ اور قابلِ صد مبارکباد ہے۔ اللّٰہم زد فزد“

ایک مرتبہ احقر نے خواب میں دیکھا کہ احقر کہیں چلا جا رہا ہے پھر ایک پہاڑ پر چڑھ گیا احقر نے دیکھا کہ کچھ حضرات احقر کے پیچھے آ رہے ہیں احقر پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گیا اور پھر مع اور لوگوں کے اُترنے لگا کہ سامنے بیت اللہ شریف نظر آ رہا تھا۔ احقر نے کبھی بھی اس خواب کے طرف التفات نہیں کیا اور یہ خیال فوراً ہی آیا ایک چپراسی کو بھی راستہ بتانے کے لئے بھیج دیا جاتا ہے یہی حال اپنا ہے۔

فرمایا: ”ماشاء اللہ تعالیٰ یہ حالات قابل ہزار شکر ہیں اور اپنی نااہلیت کا احساس بہ مزید براں نعمت ہے جس سے ہمیشہ ترقی ہوتی رہتی ہے“

حضرت والا نے ایک بار احقر سے فرمایا کہ دعا خوب بیان کر کے مانگا کرو۔ یا اللہ میں فلاں چیز چاہتا ہوں میں تو اس کا اہل نہیں مگر آپ قادرِ مطلق ہیں آپ کی بڑی شان ہے مجھے اس کا اہل بنا کر مجھے یہ چیز عطا ہی فرما دیں۔ میں فلاں پریشانی میں مبتلا ہوں اپنی پریشانی خوب بیان کرے پھر وہ رو کر عرض کرے کہ آپ کے سوا میرا کوئی نہیں آپ ہی اِسے دُور

فرما دیں۔ مزید فرمایا اس کا ہمیشہ خیال رکھنا جب دعا قبول ہو جائے تو دل و جان سے اللہ سبحانہ، تعالیٰ کا شکر ادا کرنا۔ شکر ادا کرنے سے نعمت میں زوال نہیں ہوتا۔

ایک مرتبہ حضرت نے از راہِ شفقت اور دلجوئی کے فرمایا اگر کسی وجہ سے ہم اپنے گھر سے جانا چاہیں تو مکہ مکرمہ تمہارے ساتھ ہی رہیں گے۔ حضرت والا کی کیا شفقت اور محبت تھی۔ حضرت ہر وقت ہر موقع پر یاد آتے ہیں۔

ایک مرتبہ فرمایا ہر شخص کی صلاحیتیں جدا جدا ہوتی ہیں۔ اللہ سبحانہ، تعالیٰ کو جس سے جو کام لینا ہوتا ہے ویسی ہی صلاحیتیں عطا فرماتے ہیں۔ ہمارے حضرت سے مجدّدِ وقت کا کام لینا تھا ویسی ہی صلاحیتیں عطا فرمائیں۔ اور سب مجدّدین سے بڑھ کر صلاحیتیں عطا فرمائیں انشاء اللہ تعالیٰ ہمارے حضرت کا فیض ہمیشہ جاری رہے گا۔

حضرت والا کے تینوں صاحبزادگان بڑی بڑی خوبیوں کے مالک ہیں۔ پختہ عقائد، معاملات کے بالکل صاف۔ حق گو۔ بڑے صاحبزادے جناب مکرمی و محبی حسن عباس صاحب کے لئے حضرت فرماتے تھے "حسن میں بہت خوبیاں ہیں" ملنسار ہے۔ مزاج میں تحمل بہت ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ میرے بعد اپنے بھائیوں میں اتفاق اتحاد قائم رکھے گا۔

حضرت والا ایک دینی ادارہ کی سرپرستی فرماتے تھے۔ اساتذہ کی سیاست میں حصّہ لینے سے حضرت والا بہت مغموم ہوئے اور حضرت کو خیال آیا کہ اس ادارہ کی سرپرستی سے کنارہ کشی فرمالیں۔ مگر شفقت کا یہ عالم تھا احقر سے فوراً فرمایا کہ پھر یہ کہاں جائیں گے کہیں غلط راستہ پر نہ ہو جائیں۔ فوراً معاف فرمادیا اور برابر شفقت اور محبت کا برتاؤ فرماتے رہے۔

ہمارے حضرت دار العلوم کراچی کے صدر تھے۔ آپ کی وفات کے بعد حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب دامت برکاتہم صدر اور حضرت مولانا محمد تقی صاحب دامت برکاتہم نائب صدر مقرر ہو گئے۔ دلی مسرت ہوئی۔ انشاء اللہ تعالیٰ دار العلوم مجدد الملت حکیم الامت حضرت مولانا مولوی محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ العزیز کے مسلک پر چلتا رہے گا اور رسالہ البلاغ زیر سرپرستی حضرت مولانا فاروق القاسمی صاحب دامت برکاتہم جاری رہیگا۔ آمین ثم آمین یا ربّ العالمین بحرمۃ سیّد المرسلین صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم۔

• حافظ ابرار الحق صاحب

جمال الاولیاء سے مستفیض ہو گیا

تمام تعریفیں اس ذات کے لئے ہیں جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی، اس نے تمام کائنات کو وجود بخشا، وہ کسی کا محتاج نہیں سب اس کے محتاج ہیں وہ باقی ہے اور اس کے سوا سب کو فنا ہے۔

اور درود و سلام اس ذات پر جس کو اللہ تعالیٰ نے سراپا رحمت بنا کر مبعوث فرمایا اور آپ کی آل پر اور آپ کے اصحاب پر جو کہ مظہرِ رحمت و شفقت بن کر نجوم بن گئے جو ہادین و مہتدین کے القاب سے نوازے گئے، اور پیکرِ صدق و صفا کہ اُنکو دیکھ کر خدا یاد آئے گا مصداق ہوئے۔

اور ان پر جو انکے نقشِ قدم پر چل کر صراطِ مستقیم پر گامزن ہوئے اور دوسروں کے راہِ حق پانے کا باعث ہوئے۔

بعد حمد و صلوٰۃ کے

بندہ ابرار الحق بن الحاج الحافظ ریاض الحق صاحب مرحوم عرض گزار ہے کہ آج سے ستائیس اٹھائیس سال قبل ۱۹۵۸ء ۱۹۵۹ء میں حضرت عارف باللہ مرشدی و مولائی و ملجائی جناب ڈاکٹر محمد عبد الحیٔ صاحب عارفی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں میں اپنے والد ماجد (حضرت حافظ ریاض الحق صاحب مرحوم) کے ساتھ حضرت

عارف باللہ کے مطب (واقع رالبن روڈ) میں جایا کرتا تھا، بہت کم عمری تھی حضرت کی باتیں سنتا تھا مگر سمجھ میں کچھ نہیں آتا تھا کہ یہ کیا باتیں کرتے ہیں؟ بس یہ جانتا تھا کہ یہ بزرگ (حضرت عارف باللہ) حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء میں سے ہیں اور بہت بزرگ ہستی ہیں۔

میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ بزرگوں کی خدمت میں بہت حاضر باش تھے اور چونکہ حضرت والد صاحب مرحوم کا بچپن ہی سے حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اپنی خالہ صاحبہ کے ساتھ (کیونکہ والدہ صاحبہ کا انتقال ہوگیا تھا) آنا جانا بہت کثرت سے رہتا تھا اور کئی کئی ماہ کا قیام کرنے کا موقعہ ملتا تھا اس لئے حضرت والد صاحب نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو خوب دیکھا اور بہت فیض اٹھایا اس لئے دل میں یہ ہی فیصلہ کیا کہ میں اپنا اصلاحی تعلق حضرت تھانوی رحمۃ اللہ سے قائم کردوں گا چنانچہ آپ جب ذرا جوان ہوئے تو آپ نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کی درخواست کی اور وہ منظور ہوئی حضرت کے وصال کے بعد حضرت والد صاحب نے حضرت مولانا عبدالمجید صاحب بچھرایونی رحمۃ اللہ علیہ سے اپنا اصلاحی تعلق قائم کیا اور بعد میں حضرت والد صاحب انکے مجازین میں سے ہوئے غرض کہ شروع سے اس گھرانے میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ کا سلسلہ رہا حضرت والد صاحب حضرت مولانا بچھرایونی رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ان خلفاء کے پاس جو کراچی میں تھے یا باہر سے آتے تھے بہت کثرت سے جایا کرتے تھے اور میری یہ سعادت اور خوش بختی تھی کہ حضرت والد صاحب مجھے اپنے ساتھ ضرور لے جاتے، ان میں حضرت عارف باللہ ڈاکٹر محمد عبدالحئی صاحب عارفی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مفتیٔ اعظم پاکستان۔ حضرت مولانا حبیب اللہ صاحب ضحاک (بہت ہنسنے والے) حضرت مولانا فقیر محمد صاحب بکار (بہت رونے والے) حضرت مولانا عبدالغنی صاحب پھول پوری۔ حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کیمبل پوری۔ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری۔ حضرت حاجی عبدالغفور صاحب جوید پوری۔ حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب۔ حضرت بابا نجم احسن صاحب نگرالی وغیرہم رحمہم اللہ علیہم۔

میں حضرت والد صاحب کے ساتھ ان بزرگوں کے پاس بکثرت گیا ہوں اور خوب دعائیں ملی ہیں۔

لیکن میرا کثرت سے تین جگہ جانا ہوا حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں مطب میں بھی اور آپکے دولت خانہ پر پاپوش نگر میں بھی اور حضرت مفتی محمد شفیع صاحب کے مکان واقع لسبیلہ پر اور حضرت بابا

نجم احسن صاحب کے مکان ناظم آباد ۲/۷ پر بھی اسی اثنا میں کچھ باتیں سمجھ میں آنے لگیں اور حضرت والد صاحب نے حکماً مجھے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ کے مواعظ و ملفوظات پڑھوائے جن کی تعداد تقریباً دو سو ہوگی میں نے کہا تمام باتیں تو میری سمجھ میں نہیں آتیں فرمایا کہ تم پڑھتے رہو سمجھ میں آئیں یا نہ آئیں یہ تمہارا صرف پڑھنا بھی بہت کار آمد ہوگا جب وقت آئے گا اور جس مضمون کی ضرورت ہوگی وہ یاد آجائے گا اور آج کی پڑھی ہوئی باتیں کل تمہارے کام آئیں گی میرے لئے حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا فرمانا الہامی معلوم ہوتا ہے آج الحمد للہ اس کا خوب مشاہدہ کرتا ہوں، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مواعظ و ملفوظات پڑھنے سے دل میں ایک خلش پیدا ہونے لگی اور اپنی اصلاح کی فکر ہونے لگی وقت گذرتا گیا اور اس خلش میں اضافہ ہوتا گیا میں نے حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ میں کس سے اپنا اصلاحی تعلق قائم کروں میرے سامنے دو ہستیاں تھیں حضرت پیر المرشد رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت والد صاحب نے فرمایا جہاں تمہیں مناسبت ہو وہیں رجوع کرو، چنانچہ میں بہت سوچ بچار کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا کہ اگر حضرت عارف باللہ مجھے اپنے متوسلین میں داخل فرمالیں تو میری سعادت ہوگی، آخر میں نے ۱۳۸۶ھ ۱۹۶۶ء ربیع الاول میں حضرت والاؒ سے بہت ہمت کرکے بیعت کی درخواست کی کیونکہ ایک تو میری عمر ۲۶ ر سال تھی دوسرے حضرت کا رعب بھی غالب تھا، جب میں نے درخواست کی تو فرمایا کہ آتے رہا کرو کسی وقت بیعت کریں گے مجھ سے سوال کیا بیعت کیوں ہونا چاہتے ہو میں نے عرض کیا اپنی اصلاح کے لئے، فرمایا کسی وقت کرلیں گے، میرے چند بار درخواست کرنے پر حضرت نے ایسا کرم فرمایا کہ مجھے چند دن بعد ہی، ۹ ربیع الثانی ۱۳۸۶ھ مطابق ۱۹۶۶ء ۲۷ جولائی کو بعد نماز مغرب دولت خانہ بیت الاشرف پاپوش نگر میں اپنے دستِ حق پر چاروں سلسلوں میں بیعت فرمالیا ؎

ایں سعادت بزور بازو نیست

تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

حضرتِ والاؒ کی نگاہ کرم اس ناکارہ پر ایسی پڑی رہی کہ حضرت والاؒ نہایت دل سوزی سے اپنے علوم و معارف کے خزانے لٹاتے رہے اور وہ موتی عطا فرمائے کہ ہر ایک نے اپنی جھولی اپنی وسعت کے مطابق بھرلی اور دامن کے تنگ ہونے کا احساس کرنے لگے کیونکہ خزانہ لعل و جواہر کے لامحدود ہیں، اور آپ نے شرابِ طہور

کے وہ جام لنڈھائے کہ ہر ظرف اپنی وسعت کے مطابق لبریز ہوگیا، اور اس نے روئیں روئیں کو سیر ور کرلیا۔ اور سرمایہ دو جہاں کی دولت لازوال سے مالا مال ہوگیا ؎

وہ تو وہ ہیں، تمہیں ہو جائے گی الفت مجھ سے
اِک نظر تم مرا محبوبِ نظر تو دیکھو

اللہ تعالیٰ نے حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کو وہ مقام بلند عطا فرمایا جو مقامِ عارفی ہے۔

؎ افروختن و سوختن و جامہ دریدن
پروانہ زمن شمع زمن گل زمن آموخت

آپ کی صحبت بابرکت کا لازمی یہ اثر تھا کہ اتباعِ سنت کا اس قدر اہتمام ہوتا کہ ناامیدی امید میں بدل جاتی ناکامی کامرانی میں بدل جاتی ؎

کوئے نومیدی مرو کامیدہاست
سوئے تاریکی مرو خورشیدہاست

اور اس صراطِ مستقیم پر اللہ کے فضل و کرم سے گامزن فرماتے کہ پھر کسی کی ہمت ہی نہیں ہوتی کہ کوئی اور راہ اختیار کرے اور اس کا حال اور قال یہ ہوجاتا ؎

خلافِ پیمبر کسے رہ گزید
کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید
مپندار سعدی کہ راہِ صفا
تواں رفت جز در پئے مصطفیٰؐ

آپ کے شفقت بھرے انداز ہی میں بیمار کو دوا مل جاتی اور اس کے مرض کو دور کرنے کے لئے ایسا نشتر لگاتے کہ پتہ بھی نہ چلتا اور وہ مرض ہمیشہ کے لئے نیست و نابود ہوجاتا اور اس شخص کو اپنی اصلاحِ احوال اور درستیٔ اعمال کی فکر لاحق ہوجاتی اسی میں کامیابی کی راہ پر گامزن ہوجاتا۔

آپ کس قدر پیارے انداز سے توجہ دلاتے جس میں جمال ہی جمال کی جھلک ہوتی شفقت ہی شفقت میں مرض کا علاج وافی فرماتے ایک واقعہ عرض کرتا ہوں کہ ایک مرتبہ میں حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی خدمتِ اقدس میں بڑے بیر ہدیہ لے کر حاضر ہوا میں نے عرض کیا کہ آج اتفاق سے

اچھے بیر مل گئے تو دل چاہا کہ حضرت کی خدمت میں ہدیہ پیش کر دوں۔ حضرت نے فرمایا کہ بھئی اتفاق کوئی چیز نہیں اتفاق کیا ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کا فضل اصل چیز ہے کہ اللہ کے فضل سے اچھے بیر مل گئے ہمیشہ کے لئے ایسی اصلاح فرمائی کہ بات کرنے کا ڈھنگ بھی بتلا دیا اور دل جوئی ایسی فرمائی کہ اتباعِ سنت کا کامل نمونہ پیش فرمایا، فرمایا اس میں سے تمام حاضرین کو دو دو بیر دیدو یہ تو جنت کے پھل ہیں اور پھر فرمایا ہمیں بھی ہمارا حصّہ (یعنی دو۲) بیر دیدو حکم کی تعمیل میں دو بیر حضرت کو میں نے اپنے ہاتھ سے دیئے اور پھر حضرتؒ نے وہ بیر دونوں لیکر اپنی جیب میں ڈال لئے، پھر میں نے حضرت والا سے عرض کیا حضرت آپ ہی اپنے دستِ مبارک سے مجھے بھی دیدیجئے حضرت نے دو بیر مجھے دیئے اور فرمایا باقی ہمارے تھیلے میں رکھدو جس کو مزاحاً عمر عیار کی زنبیل فرمایا کرتے تھے اور اس کے بعد مجھے اس قدر دعائیں دیں جو میرے لئے اور میرے متعلقین کے لئے دونوں جہاں کا بہترین سرمایہ ہیں۔

حضرت والا انوار کی ندیاں بہاتے اور لوگ اس میں غوطہ زن ہو کر تمام ناپاکیاں اور الائشیں دور کرتے اور اپنے ظاہر و باطن کو مجلّٰی و مزکّٰی و منجھا ہوا قلب لے کر باہر آتے، حضرت والا کے معطر انفاس کی خوشبو سے وافر حصہ لیتے کہ خود بھی مہکتے اور دوسروں کو بھی مہکاتے۔

حضرت والا کی تمام زندگی اتباعِ سنت سے عبارت تھی اور تمام لوگوں کو بھی یہ ہی تعلیم دی کہ اللہ تعالیٰ سے رشتہ جوڑنے اور حضرت جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر عمل پیرا کرنے کے لئے ایسی کاوش کی کہ ایسے گلدستہ تیار کرکے جو اپنے رنگ و بو میں بالکل منفرد تھے بعد والوں کے لئے میراث چھوڑے ہیں، کہ جو شخص بھی انسان بننا چاہے وہ ان گلدستوں کو حاصل کرکے ان پھولوں سے خوشبو حاصل کرے اور علومِ معرفت کے لعل و جواہر سے جھولیاں بھر کر فیضیاب و کامیاب ہو۔

حضرت والا کو اللہ تعالیٰ نے سراپا جمال بنایا تھا ہمیشہ اپنے تعلق والوں کو رحمت اور جمال کے عنوان سے ہی دین سمجھاتے اور اسی میں اصلاح فرمادیتے، میں کبھی بھی کتنا ہی پریشان آپ کی خدمتِ بابرکت میں گیا اور اپنی پریشانی کا ذکر کیا آپ ایسے پرتاثیر الفاظ سے اور اپنے دستِ شفقت سے ایسی تسلّی دیتے کہ ذرا سی دیر میں تمام حیرانی اور پریشانی اور قلبی اضطراب ختم ہو جاتا اور یہ یقین ہو جاتا کہ یہ جو کچھ ہوا ہے اس میں کتنے فائدے ہیں ایک مرتبہ میں گیا کچھ انقباضی کیفیت کا ذکر کیا مسکرا کر فرمایا بھئی بجلی کا کھمبا بنجاؤ نہ تکلیف ہوگی نہ پریشانی وہ کھمبا بھی بیچارہ سیدھا کھڑا رہتا ہے نہ اسے تکلیف نہ پریشانی پھر خوب مسکرانے

کے بعد فرمایا اس میں کتنے فائدے ہیں وہ مسلمان ہی کیا جو حضرت جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل نہ کرے ارے یہ تو سب باتیں ہوں گی کبھی حیرانی کبھی پریشانی کبھی خوشی کبھی غمی اس قدر پیارے انداز سے سمجھایا کہ زخمی دل پر مرہم رکھدیا اور فرماتے جو حالت بھی ہو اللہ تعالیٰ سے کہو اسی سے سب کچھ کہدیا کرو۔

حضرت والا جسمانی مطب کے ساتھ ساتھ روحانی مطب میں بھی بے شمار پیاسوں کو سیراب فرماتے اور روحانی مطب ..... کے مریض بہ نسبت جسمانی مطب کے زیادہ تعداد میں آتے، بارہا مشاہدہ کیا بلکہ ہمیشہ مشاہدہ کیا حضرت والا اپنے روحانی مطب میں آنے والے مایوس سے مایوس مریض کو اپنے عارفانہ اور عاقلانہ کلام سے جو پُراثر ہوتا جو للٰہیت سے پُر ہوتا یاس کو آس میں بدل دیتے اور سرمایہ آخرت سے اس کی جھولی بھر دیتے کہ وہ سرمایہ آخرت کی لازوال نعمتوں کو لے کر شاداں و فرحاں لوٹتا۔

حضرت والا کی سادہ گفتگو مگر جادو اثر ہوتی کہ قلب کی کیفیت ہی بدل جاتی اور قلب و دماغ منور و معمور ہو جاتے، حضرت کی مجلس میں بیٹھکر تمام خامیوں پر نظر جاتی اور حضرت والا ہی کی شان تھی کہ آپ کی مجلس میں ہر بیٹھنے والا یہ ہی محسوس کرتا کہ حضرت میرے ہی متعلق فرما رہے ہیں۔

جمعہ کی مجلس میں ایسا محسوس ہوتا کہ ہفتہ بھر کے دلدّر دور ہو گئے اور مجلس کے اختتام پر طبیعت بالکل ہلکی پھلکی اور ہشاش بشاش ہوتی، حضرت بابا نجم احسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی ہم سے حضرت والا صاحب کی نسبت سے بہت محبت فرماتے تھے فرمایا کرتے تھے تم میرے بیٹوں کی طرح ہو ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ حضرت بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ ۱۹۷۶ء کے اوائل میں حضرت والا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی شام کی مجلس میں بہت دن کے بعد تشریف لائے (علالت کی وجہ سے شام کی مجلس میں آنا کم فرما دیا تھا) اس دن اللہ تعالیٰ کے فضل سے میں بھی حضرت والا صاحب کی مجلس میں تھا جب نماز مغرب کا وقت ہوا تو حضرت والا نے حضرت بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا کہ آج تو آپ موجود ہیں آج آپ ہی امامت فرمائیں (کیونکہ حضرت والا کی مجلس میں حضرت بابا صاحب اور انکی عدم موجودگی میں حضرت والا صاحب نماز کی امامت فرماتے تھے) اس پر حضرت بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہمارے ساتھ تو امام صاحب موجود ہیں یہ نماز پڑھائیں گے اور یہ کہکر مجھ ناچیز کو حکم فرمایا چلو بیٹے تم نماز پڑھاؤ۔

؎ این سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

چنانچہ میں تعمیلِ حکم میں آگے بڑھ گیا کیونکہ الامر فوق الادب اس دن سے حضرت کے یہاں امامت کی کی سعادت نصیب رہی اور حضرت امام صاحب کے الفاظ سے یاد فرماتے جو میرے لئے سرمایہ صد افتخار ہے اور حضرت والا دل جوئی کا اس قدر خیال فرماتے کہ اگر کبھی کوئی بڑے بزرگ عالم موجود ہوتے تو یہ نہیں فرماتے کہ فلاں شخص نماز پڑھائیں گے یا براہ راست ان سے فرمائیں کہ آپ نماز پڑھائیں بلکہ چپکے سے کان میں فرماتے کہ فلاں صاحب سے نماز پڑھوا لینا۔

حضرت کی صحبت بابرکت میں حاضری برابر رہی ۱۹۸۶ء جولائی میں میں حج کے لئے جانے لگا تو میں سب سے ملا اور دعائیں لیں اس میں یہ واقعہ بہت اہم ہے کہ میں اشراق کے وقت حضرت بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس دعاؤں کے لئے اور الوداعی ملاقات کے لئے گیا جو حقیقت میں الوداعی ملاقات ہوئی کہ میرے جانے کے چند دن بعد بابا رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہو گیا۔

جب میں حضرت بابا صاحب کی خدمت میں پہنچا تو حضرت بابا صاحب اس وقت کمرے میں اکیلے تھے میں نے عرض کیا بابا میں حج کے لئے جانے والا ہوں ملاقات اور دعاؤں کے لئے حاضرِ خدمت ہوا حضرت بابا صاحب نے مجھے بہت نصیحتیں کیں اور حضرت والا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ کرنے لگے اور اس قدر دعائیں دیں جو احاطہ سے باہر ہیں اسی اثنا میں حضرت بابا جو لیٹے ہوئے تھے ان پر اس قدر رقت طاری ہوئی کہ خوب رونے لگے اور مجھے بھی رلایا اور لیٹے لیٹے ہی مجھے اپنے سینے سے چمٹا لیا اور اس قدر اہمیت اور تاکید کے ساتھ فرمایا بیٹے ابرار ایک بات کی نصیحت اور وصیت کرتا ہوں کہ تم ڈاکٹر عبد الحئی کو معمولی آدمی مت سمجھنا یہ وہ بزرگ اور قابلِ قدر ہستی ہیں کہ اگر انکے لئے میری جان کی بھی ضرورت پڑے تو میں اس واحد ہستی کے لئے جان دینے کے لئے بھی تیار ہوں بیٹے تم ڈاکٹر عبد الحئی کی بے قدری مت کرنا اور ہمیشہ قدر کرنا اور پھر اس قدر دعاؤں کے ساتھ رخصت فرمایا جو میرے لئے سرمایہ سعادت ہے، حضرت بابا صاحب کی اس نصیحت کے بعد میری آنکھیں اور بھی کھل گئیں اور میں حضرت کی صحبت میں بہت کثرت سے جانے لگا یہاں تک کہ حضرت کی جمعہ کی مجلس کو میں نے اپنے لئے خاص طور پر فرض واجب کے درجہ میں ضروری قرار دیا اور ہر تقریب بھی سے غائب ہو جاتا لیکن حضرت کی مجلس میں حاضر رہتا، ایک عجیب واقعہ ۱۳۹۹ھ

مطابق ۱۹۷۹ء میں ایک عجیب معاملہ ہوا ۲۶ رمضان المبارک ۱۳۹۹ھ کو میری اہلیہ کے پیٹ میں درد ہوا اور میں ایک دوست کے ہمراہ حضرتِ والا رحمۃ اللہ علیہ کے مطب میں حاضر ہوا، حضرت دیکھکر بہت خوش ہوئے اور فرمایا بہت اچھا ہوا کہ تم آگئے پھر ایک خادم سے فرمایا کہ ڈاک میں ڈالنے کیلئے جو خطوط دیئے ہیں وہ کہاں ہیں ان کا ایک خط ہے میں حیران ہوا کہ میں نے حضرت کو کوئی خط نہیں لکھا حضرت نے ان خطوط میں سے ایک لفافہ نکال کر مجھے دیا اور تاکید سے فرمایا اس کو یہاں نہ کھولنا گھر جاکر کھولنا، میں نے بڑے ادب سے لے لیا اور جیب میں رکھ لیا میرے ساتھ جو دوست تھے بہت بے تکلّف تھے کہنے لگے حضرت نے اجازت نامہ دیا ہے میں نے کہا ہم اس لائق کہاں ہیں اور اسی شروع رمضان میں میں ایک خواب دیکھ چکا تھا کہ حضرتِ والا رحمۃ اللہ علیہ اپنے مصلّی پر تشریف فرما ہیں اور میرے دو تعلق والے اور موجود ہیں عصر کی نماز کا وقت ہے میرے دو ساتھیوں میں سے ایک دوسرے ساتھی سے ٹھونکا مار کر چپکے سے کہہ رہے ہیں کہ تم نماز پڑھانا جیسے شاید ان کو معلوم ہے کہ میں حضرت والا کے یہاں نماز پڑھاتا ہوں میں خاموش بیٹھا یہ منظر دیکھتا رہا جب حضرتِ والا نماز کے لئے کھڑے ہونے لگے تو میں نے آپ کا ہاتھ پکڑ کر کھڑا کیا اور میں پیچھے صف میں آگیا اور حضرتِ والا اس طرح کھڑے ہوئے جیسے آج خود امامت فرمائیں گے اور اپنا کرتہ ٹھیک کیا اور قبلہ رو کھڑے ہو گئے، پھر ایک دم آپ ہماری طرف بڑے اور مجھے فرمایا بھئی تم نماز پڑھاؤ میں فوراً آگے بڑھا اور حضرت کا ہاتھ تھام لیا اور حضرت کو صف میں کھڑا کیا اور میں مصلّی پر چلا گیا اور نماز پڑھائی، صبح میں نے اہلیہ سے خواب بیان کیا اہلیہ کہنے لگیں کہ حضرت تمہیں اجازت دینے والے ہیں، میں نے کہا میں اس لائق کہاں ہوں، جب میں حضرت کے مطب سے وہ لفافہ لیکر گھر پہنچا تو میں نے کہا لو یہ تمہاری تعبیر حضرت نے لفافہ کی صورت میں دی ہے تمہیں کھولو جب اس کو کھولا تو اس میں حضرتِ والا کے دستِ مبارک سے عطائے نعمت کے عنوان سے تحریر مضمون تھا، چند ایام کے بعد مناسب موقعہ ہوا حضرت اکیلے مطب میں تھے میں نے خواب اور تعبیر اہلیہ کی بیان کی تو حضرت نے فرمایا الحمد للہ ہمارا فیصلہ درست ہے اور پھر استقامت کی اور فلاح دارین کی اور خدمت کے شرف کی بہت دعائیں دیں۔

ہمارے حضرت اس قدر بے تکلّف تھے کہ ہر بات کر لیتے تھے اور تنہائی میں تو بہت ہی راز و نیاز کی باتیں فرماتے اور یہ مواقع زیادہ تر مطب میں میسر آتے کہ حضرت کے سر میں تیل مالش کرنے کا

شرف بھی مل رہا ہے اور فیوض و برکات بھی، باتوں ہی باتوں میں کام کی باتیں بتا رہے ہیں بڑے بڑے معرفت کے عقدے حل فرما رہے ہیں، بے حد شفقت سے جب میں مطب میں جاتا تو دیکھتے ہی مصافحہ کا ہاتھ بڑھاتے اور ہاتھ پکڑ لیتے اور فرماتے بھئی ہمارے سرپرست آگئے ہیں ذرا ہمارے سر میں تیل ڈال دیں مالش ہو رہی ہے نسخے تجویز ہو رہے ہیں، روحانی بیماروں کے علاج ہو رہے ہیں، نصیحتیں ہو رہی ہیں۔

حضرت اس قدر محبت فرماتے کہ اکثر آنے والوں کے سامنے بھی فرما دیتے کہ یہ ہمارے سرپرست ہیں اور مزاح بھی بہت فرماتے، ایک مرتبہ میں نے حضرت سے حسنات الابرار سیآت المقربین کے کیا معنٰی ہیں سوال کیا اتفاق سے میرے برابر میں ایک نابینا حافظ بیٹھے ہوئے تھے حضرت نے سُن کر بہت سنجیدہ ہو کر جو سنجیدگی بھی مزاح سے پُر تھی ارے حافظ صاحب سنئے یہ آپ کے برابر میں حافظ ابرارالحق بیٹھے ہوئے ہیں اور یہ کیا کہہ رہے ہیں حسنات الابرار سیآت المقربین یہ بہت چالاک اور ہوشیار آدمی ہیں ساری حسنات اپنے حصہ میں لگالیں اور سیآت سب آپ کے حصہ میں لگا دیں ذرا ان سے دور ہو جائیے اور فرمایا تم بہت چالاک ہو سب اچھائیاں خود لے لیں اور ہمیں سیآت دے دیں پھر خوب مسکرائے اور جب خوب مزاح فرما چکے تو فرمایا یہ مطلب ہے جو چند جملوں میں سمجھا دیا اور تسلی فرما دی، اسی طرح ایک مرتبہ حضرت والا کے یہاں عید کے موقعہ پر میں نے عرض کیا حضرت آج ہم شیر خوار ہو جائیں حضرت کو یہ جملہ اتنا پسند آیا کہ ہر سال عید کے موقعہ پر جب احباب جمع ہوتے تو فرمایا کرتے کہ بھئی ہمارے حافظ ابرارالحق نے بڑی اچھی بات کہی کہ ہم آج شیر خوار ہو جائیں گے۔

اسی طرح میں نے ایک مرتبہ عرض کیا کہ حضرت میرا اور میری اہلیہ کا دل چاہتا ہے کہ حضرت کے لئے ایک جوڑا بنائیں، حضرت نے فرمایا کہ بھئی ہم کیا کریں گے ہمارے پاس تو بہت کپڑے ہیں آخر میں وقفہ وقفہ سے درخواست کرتا رہا خوش قسمتی سے ایک دن منظور فرما لیا اور فرمایا کہ کسی وقت گھر سے ناپ کے لئے جوڑا لے جانا میں نے موقعہ غنیمت جانا میں شام ہی کو حاضر ہوا اور ناپ کے لئے جوڑا لے آیا اور دوسرے دن بعد نماز مغرب جوڑا سی کر حضرت کے دولت خانہ پر حاضر ہوا، فرمایا کیسے آنا ہوا ؟ میں نے عرض کیا حضرت یہ آپ کا جوڑا اور یہ ناپ کا اس برجستہ فرمایا اور یہ آپ کا اور یہ کہکر وہ جوڑا مجھے عطا فرما دیا جو میں نے بڑے ادب سے لے کر آنکھوں کو لگایا سر پر رکھا، پھر فرمایا ارے بھئی تمہارا

اہلیہ ماشاء اللہ بہت ہوشیار اور خدمت گذار اور لائق فائق ہیں ارے معلوم ہوتا ہے کہ مشین ہیں جو اتنی جلدی سی دیا اور اس قدر دعائیں دیں کہ بیان سے باہر ہے، ایک مرتبہ رمضان المبارک ۱۴۰۳ھ میں پہلے جمعہ کو آپ کی خدمت اقدس میں آپ کی مسجد نور میں دعا کی درخواست اور ملاقات کے لئے حاضر ہوا اور ایک ٹوپی نئی حضرت کے لئے ہدیہ کرنے کی نیت سے لے گیا جب ملاقات پر بات چیت سے فراغت ہوئی تو میں نے ٹوپی پیش کی تو اس پر فرمایا تم بہت چالاک آدمی ہو تمہیں تبرک لینے کا بھی طریقہ خوب آتا ہے، پھر فرمایا بھئی ہمارے پاس دو ٹوپیاں ہوگئیں اور ہمیں تو نئی مل گئی اس لئے یہ پرانی ٹوپی ہماری طرف سے تم لے لو میں نے فوراً ادب سے لے کر اسی وقت سر پر اوڑھ لی اسی طرح میں نے مختلف اوقات میں حضرت سے چند ٹوپیاں حاصل کیں ایک مرتبہ آپ نے ایک صف بھی عطا فرمائی اور ساتھ ساتھ اسکے محفوظ رکھنے کے لئے طریقہ بھی از خود بتایا کہ اس کو تکیہ بنا لینا جس طرح ہم نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی عطا فرمائی ہوئی رضائی کو تکیہ بنا کر اپنے مطب میں رکھ رکھا ہے، حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں خوب آپ کی جوتیاں سیدھی کیں خوب دست بوسی کے مواقع نصیب ہوئے۔ اور حضرت کی لاتعداد دعائیں قدم قدم پر لیتا رہا،

آخیر میں حضرت فرمایا کرتے تھے تم بڑے خوش نصیب ہو کہ تم نے ان آنکھوں کو دیکھا ہے جن آنکھوں نے بڑی بڑی ہستیوں کو دیکھا ہے تم قدر کرو اور ہماری باتیں سنو اور عمل کرو یہ باتیں مجھ سے سن لو پھر یہ باتیں سنانے والا کوئی نہیں ملے گا یہ باتیں بتانے والا کوئی نہیں ملے گا اس انداز سے یہ عقدے حل کرنے والا پھر کہاں پاؤ گے، حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں یہ حاضری کا سلسلہ ۱۹۵۶ء سے شروع ہوا اس میں روز بروز اضافہ ہوتا رہا یہاں تک کہ اس میں شدت ۱۹۷۵ء سے آتی گئی اور اس قدر عروج پر گئی کہ حضرت کے مطب اور گھر کے والہانہ چکر لگائے اور بغیر آپ سے ملے چین نہیں ملتا تھا آخر یہ سلسلہ ۱۶ر مارچ ۱۹۸۶ء کو دنیا کی آخری سے پہلی ملاقات پر ختم ہوا اس روز اتوار کا دن تھا دو تین احباب بھی موجود تھے تفصیلی گفتگو فرمائی اور میں جامع مسجد فیڈرل ایریا سے جامع مسجد قبا کلیانہ ٹاؤن سیکٹر ب۱ میں منتقل ہونے والا تھا اس کے متعلق بہت تفصیل سے معلوم کیا اور میں نے عرض کیا عنقریب منتقل ہونے والا ہوں اس پر مجھے اور میرے اہل و عیال کو بہت دعائیں دیں اور سب سے آخری ملاقات ۲۱ر مارچ ۱۹۸۶ء کو جمعہ کے دن عصر کی نماز کے لئے

میں دستِ مبارک تھامے لیکر آرہا تھا اس وقت ہوئی میری طرف دیکھا میں نے عرض کیا ابرارالحق پھر خیریت دریافت فرمائی اور سیڑھی سے اُترتے اُترتے مجھے بہت ہی دعائیں دیں اور پھر مصلیٰ پر نماز کے لئے کھڑے ہوگئے پھر مجلس ہوئی اور ختم ہوگئی کسی کو کیا معلوم تھا کہ یہ علوم و معارف کا خزانہ اب دنیا سے پردہ کرنے والا ہے اور آئندہ جمعہ کو یہ یہاں نہیں بلکہ بہشت بریں میں ہونگے، یہاں تک کہ یہ جمالِ اولیا اپنے جمالِ جہاں آراسے دنیا کو ۹۰ سال تک دیدار کی نعمت سے مشرف فرماتے رہے اب اس دارِ فانی سے پردہ فرماکر مستور ہونے والے ہیں۔ چنانچہ ۲۲ر مارچ ۱۹۸۶ء کو تہجد کے وقت سے علیل ہوئے اور پیٹ کی تکلیف میں مبتلا رہکر مختصر سے وقت میں یعنی ۲۳ر مارچ کو علیل ہوئے اور ۱۵ر رجب المرجب ۱۴۰۶ھ مطابق ۲۷ر مارچ ۱۹۸۶ء بروز جمعرات (بمضمون حدیث شریف پیٹ کی بیماری میں مرنا شہادت کا مرتبہ عطا کرتا ہے) صبح اذان فجر کے وقت اذان کا جواب دیتے ہوئے جامِ شہادت نوش فرماتے ہوئے اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

یہ حق گو گمنامی میں زندگی گذارنے والے، طالبانِ حق کو سیراب کرنے والے علوم و معارف کے خزانے لٹانے والے ہر غم زدہ کے غم خوار، ہر ایک کے دکھ درد میں کام آنے والے، ہر ایک کے خیر خواہ، ہر ایک کے ماویٰ اور ملجا، اور ہر ایک کو رحمتِ خداوندی کی اُمید دلانے والے، ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑنے والے، ہر وقت اللہ و رسول کی باتیں سنانے والے، ہر ایک کی پریشانی میں برابر کے شریک، ہر ایک کی خوشی میں برابر کے شریک، ہر لمحہ خیر خواہی اور بھلائی کرنے والے، ہر لمحہ خیر کی دعا کرنے والے، اُمت کے لئے اللہ سے لو لگانے والے، غیروں کو اپنے بنانے والے، گناہگاروں کو نیک بنانے والے، کافروں کو مسلمان بنانے والے، مسلمانوں کو مؤمن بنانے والے، مایوسوں کو آس دلانے والے، جہنمیوں کو جنتی بنانے والے، گالیاں دینے والوں کو دعائیں دینے والے، غیروں کی تقلید کرنے والوں کو متبع سنت بنانے والے، مخلوق سے رشتہ جوڑنے والوں کا خالق سے تعلق جوڑنے والے، ساری زندگی اعلاء کلمۃ الحق میں وقف کرنے والے، اللہ اور رسول کے مبغوض لوگوں کو اللہ اور رسول کے محبوب بنانے والے۔ دنیا کی زندگی میں ہمیشہ مسکرانے والے مرنے کے بعد بھی دیدارِ حق کی دولت سے مالامال ہو کر مسکرانے والے۔ راضی بقضا اپنے کو اللہ حی و قیوم کے سپرد فرمانے والے، اللہ کی رحمت اور مقام رضا پانے والے۔ جنت الفردوس میں اعلیٰ سے اعلیٰ مقام پانے والے لاکھوں عاشقانِ حق کو رنجیدہ اور خاطر کبیدہ چھوڑ کر جانے والے

اب بھی اپنے فیض سے مستفیض فرماتے رہتے ہیں یا اللہ ہمیں صبر جمیل عطا فرمایئے اور حضرتِ والا رحمۃ اللہ علیہ کو مقامِ قرب اور مقامِ رضا نصیب فرمائیے اور حضرتِ والا کی تعلیمات پر عمل کی پوری توفیق عطا فرمایئے اور آپ کی تعلیمات اور فیوض و برکات کو عام کرنے کی ہمیشہ توفیق کامل عطا فرمایئے، یہ حضرت والا کی زندگی کے کچھ نمونے پیش کئے ہیں جو میرے حضرتِ والا سے تعلق اور محبت اور شفقت کے عکاس ہیں مجھے نہ تو لکھنے کا سلیقہ نہ مضمون نویسی کا ڈھنگ توکلاً علی اللہ کچھ تاثرات تحدث نعمت کے طور پر مکرم و محترم جناب مولانا محمد تقی صاحب عثمانی کے حکم پر سپردِ قلم کئے ہیں اس میں ناز کا کوئی پہلو نہیں حضرت کی عنایات تو اتنی ہیں کہ سب کے احاطہ کے لئے دفتر کے دفتر چاہئیں اس میں کوئی بھی بات کسی کو ناگوار خاطر ہو تو میں معافی کا خواستگار ہوں یہ میں نے فخریہ نہیں بلکہ تحدث نعمت کے طور پر لکھا ہے چونکہ مجھے لکھنا نہیں آتا اس لئے الفاظ کی غلطیوں سے بھی اُمید کروں کہ صرفِ نظر فرمائیں گے اور مجھ ناکارہ خلائق کو دعاؤں میں یاد فرمائیں گے عنوان میرے دل میں اللہ تعالیٰ نے حضرت کے جمال ہی جمال ہونے کی نسبت سے ”جمالِ اولیا مستور ہو گیا“ ڈالا، اس لئے اس کا یہ عنوان اختیار کیا، مدیر صاحب کو میری طرف سے پورا پورا اختیار ہے۔

آخر میں حضرتِ والا ہی کے کلام پر اس مضمون کو ختم کرتا ہوں حضرتِ والا کی شفقت کا اندازہ کرنے کے لئے حضرت والا کا ایک خط بھی ساتھ میں منسلک کر رہا ہوں جو حضرت والا نے میرے خط (قیامِ مکہ مکرمہ کے زمانے میں) کے جواب میں تحریر فرمایا تھا مناسب ہو تو شائع فرما دیں۔

جذبۂ بے اختیار

محفلِ سوز و گدازِ غم کو گرمائے گا کون

اہلِ دل کو اپنے دردِ دل سے تڑپائے گا کون

موجزن ہے کس کے دل میں آتشِ سیالِ غم

مستیٔ خونِ جگر آنکھوں سے برسائے گا کون

کس پہ طاری ہے جنونِ شوق کی وارفتگی

یوں زباں پر والہانہ رازِ دل لائے گا کون

عارفی میرا ہی دل ہے محرمِ راز و نیاز

بعد میرے رازِ حسن و عشق سمجھائے گا کون

✽

• ڈاکٹر حافظ محمد الیاس صاحب

مراحلِ سلوک کی غایت

اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو جبلت عطا فرمائی وہ انسان کی محدود نگاہی کے باعث ابتداءً اسکی ذات اور وجود کے تحفظ کی تدابیر تک محدود رہی اور جبلی طور پر بھوک پیاس دور کرنے اور آفات۔ ارض وسماوی سے خود کو محفوظ رکھنے کے علاوہ ودیعت کردہ صلاحیتوں کو بروئے کار لانا اس کے احاطۂ امکان میں نہیں تھا اس لئے کہ اس کو اللہ کی طرف سے خود اُس ہی کے لئے بخشے ہوئے شرف کو محسوس کرنے کی نہ تو صلاحیت اس میں پیدا ہوئی تھی اور نہ ہی ...... اس کو اس کا علم ہو سکا تھا۔ در آں حالے کہ اللہ تعالیٰ نے اسکی محدود نگاہی کو شعور وادراک کی روشنی عطا فرمائی۔ اس کے سامنے چھائے ہوئے اندھیروں کو دور کیا اور فطرت پر قابو پانے اور موسموں۔ دنوں۔ برسوں اور زمانوں کی تبدیلی کے خوف سے اس کو آزاد کرنے کی استفہامی قوت عطا فرمائی۔ تمام عالم کو اپنا مطیع بنانے کے احساسِ توانی اور اس ادراک سے اسکو آشنا کرنے کے سامان عطا فرمائے۔ اس طرح جب انسان خود پر اعتماد کرنے لگا تو وہ اس حقیقت کی تلاش میں مصروف ہوا کہ آخر وہ کون ہے ؟ اور جس ہستی نے اسکی آسائش و سہولت کے لئے اس جہانِ رنگ و بو کی تخلیق فرمائی تو اسکی غرض و غایت آخر کیا تھی ؟

یہ سوال انسان کے لئے بہت بڑا سوال تھا۔ اس کا جواب جو اسکے ذہن سے تجربات و مشاہدات

اور ادراک سے پھوٹا تھا اسکو گمراہ بھی کر سکتا تھا اور متکبر بھی بنا سکتا تھا۔ سو ایسا ہی ہوا کہ شیطان اور اس کے پیدا شدہ وسوسوں کی رسائی انسان کے شعور و ادراک اور احساس خیال تک دراز کر کے اس کے لئے عرصہ امتحان پیدا کر دیا گیا۔ اس سے وہ بہک گیا متکبر ہوا اور منکر بھی لیکن اللہ تعالیٰ کی اس حکمت تک اس کی محدود نگاہی اور فہم کی کمی کیسے پہنچ پاتی کہ رات کے اندھیرے کے بعد صبح کی روشنی بھی اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہے۔

سو بعض انسانوں پر اللہ تعالیٰ کا کرم بھی ہوا اور اس روشنی کو سمجھنے کے لئے انکو ایک ایسے وسیلے کی ضرورت ہوئی کہ جس کی وساطت سے اپنے ذہنی وسوسوں سے نجات بھی پا سکیں اور ابدی حقیقت کو بھی جان سکیں ابدی حقیقت سے آگاہی دراصل وہ مرحلہ ہے کہ جو پہلے خود آگاہی کا اعلا شعور پیدا کرتا ہے اور پھر خدا شناس کی راہ کا عرفان عطا کرتا ہے۔

مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ

اس طرح اس راہ مستقیم تک پہنچنے کے لئے کہ جو انسان کے واسطے روزِ ازل ہی سے متعین کی جا چکی تھی ایک وسیلے کی اہمیت اُبھر کر ذہنِ انسانی میں اپنا نشان چھوڑ جاتی ہے۔

بچہ بھوک کو محسوس کر کے چیخ تو سکتا ہے کہ یہ اسکی جبلت ہے۔ پیٹ بھرنے اور بھوک مٹانے کا وسیلہ خود اُسکے ہاتھ اس وقت تک نہیں آسکتا جب تک کہ اس سے محبت کرنے والی ہستی اسکی اس پکار کو نہ سن لے اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا تھا وہ انسان کا خالق تھا اس کے لئے ہی یہ کائنات اور یہ آفاق بنائے گئے تھے اس نے انسان کی اس جبلّی پکار کو بھی سُنا کہ وہ اپنے احساسِ خیال اور ادراک کی اس طلب کو مٹانا چاہتا ہے کہ وہ کیوں پیدا کیا گیا ہے۔ اس کائنات اور فطرت سے اس کا کیا تعلق ہے اور وہ ہستی کون سی ہے کہ جس کی اس نظام شمسی پر حکمرانی ہے اور دریا، ہوا، برق و باراں کس کے تابع ہیں؟ زندگی کی بہترین نعمتوں اور سہولتوں کی فراہمی کا سرچشمہ کون ہے؟ یہ جاننے کے لئے اور اس حقیقت کا ادراک کرنے کے لئے رسولوں اور پیغمبروں کے توسط سے اللہ تعالیٰ نے بندوں کی راہ نمائی فرمائی اور ہر قوم میں مصلحین بھیجے گئے کہ وہاں بے چینیوں کی طمانیت روح کا سامان کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کا پیغام ان تک پہنچائے کہ جو انہی کے ادراک، انہی کی فہم و زبان میں ہو "لِکُلِّ قَوْمٍ ھَادٍ" (ہم نے ہر قوم میں ہادی بھیجے) (القرآن)۔

اس لئے کہ اللہ تو موجود تھا کہ وہی تو ہے کہ جو ہو سکتا ہے لیکن یہ بتانے والا بھی تو کوئی ہو کہ وہ "ہے" اور اس کے بغیر کچھ نہیں۔ ہر شے اس سے ہے اور اسکے پرتو سے روشن و متحرک ہے اس سے صبح کے جلوے اور نمودِ شام ہے اور اس کے حکم سے شب افروزی و جگر سوزی۔ یہ وسیلہ انسانوں کو اس طرح نصیب ہوا کہ جو فرمانِ الٰہی لے کر ایسی معاشرتی اقدار کے ساتھ بھیجے کہ جن میں انسان کی فوز و فلاح کے سامان موجود تھے تاکہ اس کا تکبر دور ہو اور وہ خود کو مقامِ الوہیت پر سرفراز سمجھنے کے وسوسوں کے چنگل سے نکلنے میں آسانی پا سکے وہ اس کائنات میں اپنی اہمیت کو بھی سمجھے اور خالق کائنات کو بھی پہچاننے کا مکمل شعور و ادراک حاصل کر سکے۔ وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ۔

زمانے کے ساتھ ساتھ کائنات اور موجودات میں جو تبدیلیاں اللہ تعالیٰ فرماتے گئے وہ انسانوں کے لئے تو وقت کے پیمانوں سے ناپی جا سکتی ہیں کہ انسان کی جبلی قوتیں فطرت کی پابند رکھی گئی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ جس نے زماں و مکاں کو محدود کیا اور خود کو لامحدود۔ کہ وہ ان سب تعینات سے ماورا ہے اس کی مصلحت یہ تھی کہ انسانی شعور و ادراک تجربات و مشاہدات کی ٹھوکریں کھا کر پختہ ہوتے رہیں اور اللہ تعالیٰ کا پیغام بھی زماں و مکاں کے تعینات اور ضروریات کے مطابق اس تک پہنچتا رہے اور بالآخر جب انسان کا شعور پختہ ہو گیا اور ادراک کو بلوغ نصیب ہوا تو وہ منتہائے مقصود بھی انسان کو عطا فرما دیا گیا کہ جو باعثِ تخلیق کائنات اور مکاں و لامکاں کے تعینات کا امین روزِ ازل سے ہی قرار دیا جا چکا تھا اور جو اللہ تعالیٰ کے نور ہی سے آشکار ہوا تھا اور اسکے ذریعہ سے صراطِ مستقیم عطا فرما کر آخری پیغام قرآن حکیم کی صورت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ انسان کو عطا کر کے اتمامِ حجت فرما دی گئی۔

"اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا"،

حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے انسان کو اللہ تعالیٰ کی آخری شریعت عطا فرما کر اس کا رشتہ سابقہ شریعت سے جوڑ دیا اور ساتھ ہی یہ آگاہی بھی فرمائی کہ اللہ کو پانے کا وسیلہ اور خود پہچاننے کی راہ کون سی ہے اور انسان کہ جو اب راہِ مستقیم اور کلامِ حق پا کر مومن و مطہر ہو چکا تھا اور جو پیدا ہی اس لئے کیا گیا تھا کہ وہ "وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون" کے تحت اپنے آپ کو اس نورِ مجسم میں گم کر دینے کی سعی و کوشش کرے جو تمام کائنات اور تمام عالموں میں اس طرح جاری و ساری ہے کہ کہیں بارش کا پہلا قطرہ بن کر پیاسی زمین کو سیراب کرتا ہے اور کہیں سمندروں کی نمی تک کو بھاپ بنا کر اُڑا

دینے پر قادر ہے۔ وہی بناتا اور بگاڑتا ہے کہ سب کچھ اس سے ہے مگر وہ کسی سے نہیں۔

ان اللہ علی کل شیئ قدیر- ان اللہ بالغ امرہٖ ، بس چارہ گر مطلق و مختار ہمارا اللہ ہے اللہ ہے اللہ ہے اللہ۔

اور اس طرح انسان نے اپنا مرتبہ پہچانا: اپنی ہستی کو پایا اور اس کائنات میں اپنی موجودگی کی صورت کو سمجھا لیکن وسوسے اور شیطانی تجسس عالم امکان میں اپنی طاغوتی طاقتوں سے ذہنِ انسانی پر حملہ آور ہوتے رہتے ہیں کہ یہ دنیا اس کے لئے امتحان گاہ بنائی گئی ہے جہاں وہ حق و باطل میں امتیاز کرکے اپنی راہ خود تعیّن کر سکے ورنہ شر اور بولہبی کی ستیزہ کاریوں کو تو ابد تک چھوٹ دی جا چکی ہے۔ اس لئے گمرہی اور شیطانی وسوسوں کو موجود رکھا گیا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندے اپنے اختیار تمیزی سے نیک اور خدا آگاہ بندوں کا دامن ہدایت تھام کر سرخ رو ہو سکیں۔

آج کے مادی دور میں اعلائے کلمۃ الحق کا نعرہ لگانے کے باوجود جن پیچیدگیوں اور قباحتوں سے زمانہ گزر رہا ہے اس کی وجہ سے کسی نہ کسی وسیلے اور آسرے کے بغیر گمرہی سے بذاتِ خود انسان کے لئے بچنا محال ہو گیا ہے، پچھلی اُمتوں سے گمراہ لوگ اللہ کی شریعتوں اور ہدایات مفصل کی تکذیب کرتے رہے اور اس کی شریعت لانے والوں سے ایسے مطالبات کرتے رہے جو اصول فطرت اور قوانین الٰہی کے خلاف تھے اور انہی وجوہ سے انکا ایمان متزلزل رہا اور انہوں نے اپنی خواہشات نفسانی کے تحت شریعتوں میں تحریف کر ڈالی لیکن جس طرح اندھیرے میں روشنی کی کرن چھپ تو جاتی ہے لیکن فنا نہیں ہوتی۔ ان گمراہ لوگوں میں سے ہی اللہ کے ان نیک بندوں نے جو فتنہ و فساد سے خود کو محفوظ کرکے اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے پکڑے رکھا اور اپنے لئے شر انگیز طاقتوں سے کنارہ کشی اختیار کی اور جدال و قتال اور تسلط دنیوی کی خواہشوں کو مٹا کر اپنی باطنی قوتوں کو اتنا مضبوط کر لیا کہ اندھیروں کی یلغار بھی اس تک نہ پہنچ سکی۔ یہی وہ مقام ہے جہاں سے تصوف کی وہ مختلف راہیں جو اللہ تعالیٰ کی آخری شریعت میں اس طرح پیوست تھیں کہ ان جیسے بالغ نظر لوگ ہی اس کے تار و پود تلاش کر سکتے تھے۔ اللہ کے ان نیک بندوں نے سلوک و معرفت کی حدوں کو تجسس دینی سے پا لیا۔ مجاہدہ نفس کی منزلیں طے کیں اور سلوک و طریقت کا عرفان حاصل کیا۔ ایسے لوگ ہر دور میں گزرے ہیں مگر عام سمجھ بوجھ کے انسان کے لئے ان راہوں پر چلنا بغیر کسی روشنی اور وسیلہ کے ممکن نہیں ہوتا کہ اسکی

باریکیاں وہی جانتے ہیں جو اس ازلی روشنی کو اپنے سینے میں اُتار چکے ہوتے ہیں کہ جو وسیلہ نجات قرار دیگئی ہے۔

ایسے ہی مراحل کے لئے عارف باللہ حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحئی صدیقی خلیفہ ارشد مجدد ملت محی السنت حکیم الامت شیخ طریقت عارفِ شریعت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہٗ نے ایک جگہ ارشاد فرمایا ہے "طریقت و سلوک کے لئے ایک مرشد کامل کی رہ نمائی لازمی ہے تاکہ بندگانِ عالی متعالی اوامر و نواہی سے واقف ہو کر اسکی روح کو سمجھ سکیں۔ ایک اور جگہ حضرت والا شیخ عارف باللہ نور اللہ مرقدہٗ نے اس رُشد و ہدایات کی توضیح فرمائی کہ "اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو جو احکام عطا فرمائے ہیں وہ دو قسم کے ہیں۔ ان میں سے بعض احکام انسان کے ظاہری اعمال سے متعلق ہیں جن کو شریعت کہا جاتا ہے اور بعض احکام باطنی ہیں اور یہ اعمال باطنی درحقیقت انسان کے اعمال ظاہری کی بنیاد ہیں اور اگر انسان باطنی فضائل سے آراستہ ہو تو اسکے اعمال ظاہری بھی درست ہو جاتے ہیں۔ اسی وجہ سے ہر مسلمان کے لئے اخلاق باطنی کی اصلاح کے واسطے کسی شیخ و مرشد سے رجوع کرنا ناگزیر ہے۔ تاکہ شیخ کے بتائے ہوئے معمولات پر عمل کرکے قلب کی صلاحیت درست اور مقاومتِ نفس آسان ہو جائے اور قلب میں کیفیت تقویٰ راسخ ہو۔"

آپ نے اس سلسلے میں آج کے حالات پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا:

" دورِ حاضر میں ہماری زندگی بہت اُلجھ گئی ہے اور مصروفیات زندگی بڑھ گئی ہیں چنانچہ فی زمانہ سالکیت کے آسان اور قوی الاثر تدابیر کی ضرورت ہے جن کو معمولی توجہ اور اہتمام کے ساتھ سالکیت اختیار کر سکتے ہیں" اس باب میں ایک مجلس میں آپ نے فرمایا " ہم دیکھتے رہے کہ لوگ روزآنہ عازمِ سفر آخرت ہیں۔ کبھی ہم نے سوچا کہ ہم آخر اس سفر آخرت کے لئے کیا اہتمام کر رہے ہیں ہمارے پاس سرمایۂ سفرِ آخرت کیا ہے، آپ نے فرمایا" اس موجودہ گھناؤنے معاشرہ میں صبح سے شام تک کے ہماری زندگی کے تعلقات سے اسلام کے بتائے ہوئے اصولوں کے تحت وابستگی ہی ہمارا سرمایۂ آخرت ہے۔

حضرت مولانا عارف باللہ کی خدمت میں میری رسائی ایک ایسا واقعہ ہے جس پر مجھے خود بھی بعض اوقات حیرت ہوتی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی ایسے بندے کو جو اپنی ہی تلاش

میں موجود راہ عطا فرما دیتے ہیں کہ جو اسکی نجات کا ذریعہ ثابت ہوتی ہے۔

میں شروع ہی سے اپنی ذات کائنات اور زماں و مکاں کے تعلق کو حتی المقدور اپنی عدم بلوغت فکر کے سہارے تلاش کرنے میں غلطاں رہا لیکن جیسا کہ بعد میں عارف باللہ حضرت ڈاکٹر مولانا محمد عبدالحئی صاحبؒ کی صحبت میں مجھے ان نکات سے آگاہی ہوئی کہ جنہوں نے مجھے سکونِ قلب اور راحتِ جان کی نعمتوں سے سرفراز فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی حقیقت جاننے والوں کو مختلف گروہ میں منقسم فرمایا ہے اور انکے علم و فراست کی حدود بھی انکی اپنی صلاحیتوں کے مطابق متعین فرما دی ہیں۔ اپنی اس تلاش و جستجو کے زمانے میں میری ابتدائی دستگیری ایک بزرگ محترم بابا نجم احسن علیہ الرحمۃ نے فرمائی۔ جو نہ صرف حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کے ہمعصر تھے بلکہ پیر بھائی بھی تھے۔ دونوں بزرگ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہٗ کے اجازت یافتہ تھے۔ اور یہ بھی عجیب اتفاق تھا کہ دونوں پیشہ کے لحاظ سے وکیل تھے۔ اور خود بقول حضرت اقدس جناب ڈاکٹر صاحبؒ حضرت بابا صاحبؒ اپنے سفرِ آخرت کے موقع پر اس ناکارہ کو اُن ہی کے (حضرت مولانا عارف باللہ نور اللہ مرقدہٗ) کے حوالے فرما گئے تھے۔ اور یہ بھی اس ناکارۂ خلائق ہی کے لئے خالق حقیقی نے سعادت لکھ دی کہ حضرت بابا صاحب کا دم آخر میرے ہی ہاتھوں میں اپنے سفرِ آخرت کی طرف پرواز کر جائے۔ یہ ۱۹۷۶ء رمضان المبارک کی بات ہے اور جب انہوں نے ایک شیخ مشفق کی طرح مجھے اپنے سینہ مبارک سے متصل فرما کر تسلی دی کہ بابا صاحبؒ مرحوم و مغفور آپ کو میرے حوالے کر گئے ہیں تو گویا مجھے وہ سب کچھ مل گیا کہ جس کا میں مدتوں سے متلاشی تھا اور راہِ سلوک کی بہت سی منزلیں میری باطنی دنیا کو منور کر گئیں۔

اور مجھے معلوم ہوا کہ مظاہر کو حقیقت سمجھنا ایک بڑا فریب ہے۔ حضرت عارف باللہ نے مجھے آگاہ فرمایا کہ راہِ سلوک کے مختلف درجات ہیں۔ حضرت شیخ فرمایا کرتے تھے کہ فنا فی اللہ ہونے کے لئے سب سے پہلے فنا فی الشیخ ہونا ہوتا ہے اور چونکہ شیخ اصل معنوں میں وہی ہوتا ہے کہ جو متبع سنت ہو اور اس لحاظ سے پھر دوسرا درجہ شیخ کی اتباعِ کامل کے بعد فنا فی الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ آتا ہے اور پھر آخری درجہ فنا فی اللہ کا آجاتا ہے اور جو مقصود بھی ہے۔ فنا فی الشیخ ہونے کے لئے حضرتِ والا نے تین منزلیں فرمائیں۔ سب سے پہلے "عقیدت" ہے کہ ہمیں کسی سے عقیدت ہو جائے اور یہ عقیدت اس شیخ تک لے جائے اور پھر آہستہ آہستہ یہ عقیدت "انسیت" میں تبدیل ہو جائے۔ بس یہ لگاؤ

جب محبت میں تبدیل ہو گیا تو یہ درجہ فنا فی الشیخ کا درجہ کہلاتا ہے۔

پہلا درجہ شیخ کی اطاعت سے حاصل ہوتا ہے اس درجے کو فنا فی الشیخ کہتے ہیں۔ اس درجہ کے حصول کے لئے مجھے اپنی مانوس و محسوس جذبوں سے اور خواہشوں سے بڑی نبرد آزمائی کرنی پڑی اور بالآخر اس ناکارہ کو یہ شرف حاصل ہوا کہ حضرت والا عارف باللہ اور یہ ناکارہ باطنی طور پر قلب میں دوڑنے والے خون کی طرح ہم رشتہ ہو گئے۔

فنا فی الشیخ کا درجہ حاصل ہو جانے کے بعد کے درجات تک رسائی حاصل کرنے کے لئے بھی شیخ کی اعانت اور توجہ کی بڑی ضرورت ہوتی ہے اس لئے کہ راہ میں توحید کے تصور کی بہت سی قسموں سے سالک کو واسطہ پڑتا ہے توحید کی راہ کی مشکلات کو سمجھنے کے لئے ہم کو احتیاط سے دنیا میں موجود افکار کی آلودگی سے اپنے دامن کو بچانا پڑتا ہے۔

عینیت پرست مُفکرین کے ذریعہ سے توحید کا جو تصور ہمیں ملتا ہے اسکے تحت حقیقتِ اصلی ایک خیال باطل ہوتی ہے لیکن یہ تصور پوری طرح اس توحید پر محیط نہیں ہوتا جو لاتعین کی طرف جاتا ہے۔ دوسرا تصور مادیت پرستوں کا ہے جو مادے ہی کو ازلی و ابدی مانتے ہیں اور اس میں تغیر اور صورتوں کے فرق کو مادے کی خاصیت کہتے ہیں۔ چنانچہ انہیں اس کائنات میں جو کچھ نظر آتا ہے وہ مادے ہی کی صورتیں ہیں۔ حقیقت اصلی انکے نزدیک صرف مادّہ ہے۔ یہ تصور اپنی نوعیت میں قطعی ناقص اور گمراہ کن ہے اس لئے کہ فہم و فکر مادے کی کوئی آخری اور حقیقی تعریف متعین کرنے سے عاری و محروم ہیں۔

تیسرا تصور توحید ہے جو انبیاء کے ذریعہ سے ہم تک پہنچا ہے کہ ہم نے اللہ کی عظمت و بلندی اور اسکے وجود کو انبیا علیہم السلام ہی کے ذریعہ سے جانا ہے۔ ورنہ وہ نور حقیقت تو خود سے ہے اور رہے گا اس تصور کا سرچشمہ براہِ راست باری تعالیٰ ہے اور اس حیثیت سے یہ تصور حقیقی اصلی سے ہم کنار ہے اور اس کا درجہ آخر مقام لاتعین ہے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں رہ کر دنیا کی طرف سے عائد ذمہ داریوں کو پورا کرتے ہوئے دامنِ عبدیت تک پہنچنے کا جو راستہ ہم کو بتایا ہے وہی شیوخ وقت سلوک و طریقت کے ذریعہ سے اپنے سالکین کو بتاتے ہیں یہی وہ نعمتِ غیر مترقبہ ہے جو سلوک و طریقت کے رموز حضرت عارف باللہ جناب ڈاکٹر مولانا محمد عبدالحیٔ صدیقیؒ خلیفہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ کے دامنِ فیض سے مجھے نصیب ہوا۔ مجھے دنیا

سے نفور نہیں حضرت عارف باللہ کے فیض سے مجھے دنیا کے سیدھے سادھے یا گمراہ لوگوں کو وہ روشن راہ بتانے اور انہیں راہِ مستقیم پر لا ڈالنے کی ہدایت و روشنی ملی ہے اور نہ حقوق اللہ کے لئے اپنے آپ کو وقف کرسکتا ہے نسبت باطنی کے اس فیض کو جو مجھے عطا ہوا ہے لوگوں تک پہنچانے کے لئے میری طبیعت دنیا کی طرف رجوع نہیں ہوتی لیکن جو درجہ کمال اس تعلق خصوصی سے کہ جو حضرت شیخ عارف باللہ سے مجھ ناکارہ کو عطا ہوا ہے، ادراک اور اہمیت حقوق العباد ہے کہ جو میرا دامن تھام لیتا ہے اور میرے قدموں کو روک دیتا ہے کہ میں ترک دنیا کر کے فنا فی الشیخ۔ فنا فی اللہ کے درجہ تک نہیں پہنچ سکتا بلکہ واحد ذریعہ "اتباعِ سنت" کو ہی اپنا کر مقصدِ حیات تک پہنچ سکتا ہوں۔ حضرتِ والاؒ ادائیگی حقوق العباد پر بہت متشدد تھے۔

آج جبکہ حضرتِ والا عارف باللہ جناب ڈاکٹر محمد عبدالحئی صدیقی صاحب نور اللہ مرقدہٗ دنیوی حیثیت سے ہم سے جدا ہو گئے ہیں اور اس مسئلہ پر حضرت والاؒ نے بارہا انفرادی طور پر اس ناکارہ سے بھی فرمایا اور مجلس خصوصی میں بھی فرمایا کہ "یہ نہ سمجھا جائے کہ شیخ" صرف اپنی زندگی ہی میں اپنے طالبین اور سالکین کے لئے راہ نمائی اور رہبری کا سبب بنتا ہے نہیں بلکہ اس عالمِ فنا سے عالمِ بقا کو رجوع کرنے کے بعد "شیخ" کا تعلق اور زیادہ قوی ہو جاتا ہے اور پھر اپنے طالبین کے لئے اس کا فیض روحانی کا سلسلہ برابر جاری رہتا ہے اور یہ ناکارہ الحمد للہ اس فیض روحانی کو قوی تر محسوس کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمارے حضرت کو حضرت حاجی صاحبؒ حضرت تھانوی صاحبؒ اپنے ہم عصر حضرت بابا نجم احسن صاحبؒ اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی معیت میں بلند درجات سے سرفراز فرمائے انکی قبر کو اپنے نور سے منور فرما دے۔ آمین۔

"عطرِ مجموعہ"
دیسی خوشبویات کا دلآویز مجموعہ، ہر نماز اور تلاوت کے
موقع پر لگائیے - - - - - - - - - ہر جگہ دستیاب
عبدالغنی محمد اسمٰعیل تاجرِ عطر کراچی، لیاقت آباد

• حافظ عتیق الرحمٰن صاحب
ڈائریکٹر فنانس ہمدرد پاکستان،
(مجاز بیعت حضرت والا)

آہ! مرشدی حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحی صاحب عارفی رحمۃ اللہ علیہ

احقر کے والد محترم حافظ خلیل الرحمٰن نور اللہ مرقدہٗ ۱۹۲۰ء میں حضرت مولانا محمد عمر صاحب تھانوی سے بیعت ہوئے تھے۔ مولانا محمد عمر صاحب حضرت مولانا نور محمد صاحب (میاں جی) کے صاحبزادے تھے جو حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے پیر بھائی تھے۔ حضرت مولانا محمد عمر صاحب قدس اللہ سرہٗ کی وفات کے بعد قبلہ اباجی نے حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے اصلاحی تعلق قائم کیا۔ ۱۹۳۰ء سے ۱۹۴۳ء تک مسلسل ۱۳ سال تھانہ بھون حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضری کا سلسلہ جاری رہا۔ قبلہ اباجی گھر میں اکثر و بیشتر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات اور واقعات سُنایا کرتے تھے چنانچہ احقر کو بچپن ہی سے حضرت تھانوی قدس اللہ سرہٗ سے عقیدت پیدا ہوگئی تھی ۱۹ جولائی ۱۹۴۳ء کو جب حضرت تھانویؒ کا وصال ہوا تو احقر مدرسہ امدادیہ مرادآباد میں قرآن کریم حفظ کرچکا تھا حضرت کے وصال کی اطلاع موصول ہونے پر مدرسہ میں تعطیل کردی گئی تھی۔

۱۹۵۲ء میں جب یہ ناکارہ ہندو کالج مرادآباد میں الف۔ اے کا طالب علم تھا تو اس زمانے میں احقر نے ایک خواب دیکھا کہ مرادآباد کی جامع مسجد میں ایک عالمِ دین وعظ فرما رہے ہیں احقر نے بحالت خواب کسی سے دریافت کیا کہ یہ وعظ فرمانے والے کون صاحب ہیں اس نے بتایا کہ یہ مولانا اشرف علی

صاحب ہیں یہ سن کر احقر والہانہ طور پر اسٹیج کی جانب بڑھا حضرت حکیم الامتؒ اس وقت وعظ ختم کر چکے تھے۔ حضرت نے احقر کو اپنے سینے سے لگایا۔ ۱۹۶۲ء میں ناظم آباد نمبر ۲ میں رہائش اختیار کرنے پر احقر کو حضرت بابا نجم احسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا ۱۹۶۳ء سے ۱۹۷۶ء تک انکی مجالس میں برابر حاضر ہوتا رہا۔ اور حضرت بابا صاحبؒ احقر کی تعلیم و تربیت فرماتے رہے ایک دن حضرت بابا صاحب کو یہ خواب سنایا۔ تو انہوں نے خواب سن کر فرمایا کہ تم کو روحانی طور پر حضرت حکیم الامت نے بیعت کر لیا ہے۔

مرشدی و مولائی سیدی و سندی حضرت ڈاکٹر محمد عبد الحیؒ صاحب عارفی نور اللہ مرقدہٗ کی زیارت سب سے پہلے حضرت بابا صاحب ہی کے یہاں ہوئی۔ حضرت بابا صاحب کے آخری زمانے میں حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ نے ہر پیر کو صبح مطب جانے سے قبل بابا صاحب کے یہاں تشریف لانے کا معمول بنا لیا تھا اور احقر بھی اس مجلس میں شریک ہوتا تھا۔ چنانچہ حضرت بابا صاحب کی وفات سے ۲ ریوم قبل یعنی ۱۷ ر رمضان المبارک ۱۳۹۶ھ بروز پیر حضرت مرشدی حضرت بابا صاحب کے یہاں تشریف لائے احقر بھی اس مجلس میں حاضر تھا اور اسکے ۲ ریوم کے بعد ہی یعنی ۱۹ ر رمضان المبارک کو حضرت بابا صاحب کا وصال ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت بابا صاحب کے وصال کے بعد شوال ۱۳۹۶ھ سے احقر نے مرشدی حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کی مجالس میں جانا شروع کر دیا۔ اور حضرت والا نے ۲۵ ر شوال المکرم ۱۳۹۶ھ کو احقر کو باقاعدہ طور پر بیعت فرما کر سلسلہ میں داخل فرما لیا۔ اور اس طرح حضرت والا کے ساتھ احقر کا تقریباً دس سال تربیت و اصلاح کا سلسلہ جاری رہا۔

حضرت والا کا انداز تربیت بالکل منفرد تھا اہل سلسلہ سے نہ چلہ کشی کراتے تھے اور نہ کوئی خاص مجاہدہ اس کے باوجود انکی ایسی تربیت ہوتی تھی کہ قلوب بدل جاتے تھے اور زندگی میں انقلاب پیدا ہو جاتا تھا۔ حضرت والا اکثر و بیشتر اپنی مجالس میں جائزہ لینے پر بہت زور دیتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ روزانہ رات کو سونے سے قبل دن بھر کے کاموں کا جائزہ لے لیا کرو کہ آج صبح سے شام تک کیا کیا کون سے نیک کام کئے اور کون سے گناہ سرزد ہوئے گناہوں پر استغفار اور نیکیوں پر اللہ کا شکر ادا کرو۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ جائزہ کا عمل ایسا مجرب نسخہ ہے کہ اگر اس پر پابندی کے ساتھ عمل کیا جائے تو انسان سے بہت سے

گناہ خود بخود چھوٹ جائیں گے۔ آخرت کا خوف ہمہ وقت مستحضر رہے گا اور خدا کے خوف کی وجہ سے گناہوں کا ارتکاب بہت کم ہوگا۔ حضرت والا نہ صرف اپنے اہلِ سلسلہ کو بلکہ دیگر لوگوں کو بھی نظام الاوقات مرتب کرنے کی تلقین فرمایا کرتے تھے نظام الاوقات متعین کرنے سے سب کام آسانی کے ساتھ اپنے وقت پر ہو جاتے ہیں۔

ایک روز ایک مجلس خاص میں فرمایا کہ ۱۹۲۷ء میں حضرت حکیم الامتؒ سے بیعت ہوا تھا الحمد للہ جو معمولات اسوقت مقرر کئے تھے اب تک برابر جاری ہیں ایک دن بھی ناغہ نہیں ہوا۔ معمولات میں غیر حاضری اچھی چیز نہیں" فرماتے تھے کہ اگر وقت کی کمی یا ضروری مصروفیت کی وجہ سے معمول کے مطابق پوری تسبیحات پڑھنے کا وقت نہیں ہے تو کم کرکے ۳۳ مرتبہ پڑھ لیا کرو۔ اگر اتنا وقت بھی نہیں ہے تو ۱۱ مرتبہ پڑھ لو اور اگر اتنا بھی نہ ہوسکے تو ۷ مرتبہ یا ۵ مرتبہ حتیٰ کہ ۳ مرتبہ پڑھکر ہی معمول پورا کر لیا کرو ناغہ نہیں ہونا چاہیئے حضرت والا کا ہر عمل سنت کے مطابق ہوتا تھا اور سنت پر عمل کرنا حضرت کی عادت ثانیہ بن چکی تھی۔ ایک دن فرمایا کہ کل مسجد سے نکلتے وقت بایاں پیر باہر نکالنے کے بجائے سہواً داہنہ پیر باہر نکل گیا فوراً مسجد میں دوبارہ داخل ہوا معمول اور سنت کے مطابق بایاں پیر باہر نکالا۔ نوافل اور مستحبات کی ادائیگی کے سلسلے میں حضرت والا کا عجیب ذوق تھا اور اپنے متوسلین کو یہی ذوق پیدا کرنے کی تلقین فرمایا کرتے تھے حضرت کا فرمانا تھا کہ اگر کسی دن اشراق اور چاشت کے نفل چھوٹ جائیں تو انکو ظہر کی نماز کے ساتھ یا جب بھی موقع ملے پڑھ لینا چاہیئے حضرت والا نے یہ استنباط کھانے کی اس سنت سے کیا تھا کہ کھانا شروع کرنے سے قبل بسم اللہ پڑھنی چاہیئے لیکن اگر شروع میں بھول جائیں تو درمیان میں جب بھی یاد آجائے بسم اللہ اولہٗ و بسم اللہ آخرہٗ پڑھ لینا چاہیئے آپ نے فرمایا جب بھول جانے پر درمیان میں بسم اللہ پڑھی جاسکتی ہے تو اشراق اور چاشت کے نفل بھی وقت گذرنے کے بعد پڑھ لیا کریں۔

حضرت والا کے مزاج میں انتہائی سادگی اور تواضع تھی ہر ایک کے ساتھ انتہا درجہ کی محبت اور شفقت کا برتاؤ فرماتے تھے اور ہر ایک یہ خیال کرتا تھا کہ حضرت اس کو سب سے زیادہ چاہتے ہیں حضرت پر شفقت علی الامت کا غلبہ تھا ہر کس و ناکس کی غمخواری فرماتے تھے اور ہر ایک کے لئے دعاء فرماتے تھے۔ جمعہ اور پیر کو حضرت والا کے یہاں مجالس ہوتی تھیں جمعہ کے دن کا موضوع اصلاح معاشرہ ہوتا

تھا اور حقوق العباد کی ادائیگی پر انتہائی زور دیتے تھے معاملات کی صفائی کی تلقین فرماتے تھے فرمایا کرتے تھے کہ اسلام کے پانچ اجزا ہیں عقائد، عبادات، معاملات، معاشرت اور اخلاقیات، فرماتے تھے کہ چار شعبوں کی تکمیل تو کتابوں سے ہو جاتی ہے جبکہ پانچواں شعبہ عملی تربیت کا طالب ہے اس کے لئے کسی اللہ والے کی صحبت اختیار کرنی ضروری ہے پیر کی مجلس ابتداء میں خواص کے لئے مخصوص تھی جس میں علماء حضرات کافی ہوتے تھے مگر بعد میں دیگر لوگوں کی درخواست پر حاضری کی اجازت دے دی تھی اور کوئی پابندی نہ تھی پیر کی مجلس میں مسائل تصوّف بیان فرماتے تھے اور عجیب و غریب انداز سے انکی تشریح فرمایا کرتے تھے ایک دن فرمایا کہ ہمارے حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ فرماتے تھے کہ ہمارے یہاں اوّل فنا اور آخر فنا ہے فنائیت کی تشریح فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ فنائیت کا مطلب ہے ترک اعتراض یعنی کسی پر اعتراض مت کرو ناگوار اَمر پر صبر کرو اور ضبط سے کام لو اس ترک اعتراض کا آخر مقام یہ ہوگا کہ ہر ناگوار اَمر کو مشیت ایزدی پر محمول کرتے ہوئے ناگواری نہیں ہوگی جو کام بھی ہوگا اور جس طرح بھی ہوگا اسکو منجانب اللہ تصوّر کرتے ہوئے خوش طبعی کے ساتھ قبول کر لوگے۔ اور یہی مقام فنائیت ہے حقیقت یہ ہے کہ حضرت والا کے ملفوظات اتنے عارفانہ اور حکیمانہ رنگ لئے ہوئے ہوتے تھے کہ یہ علم کتابوں سے حاصل نہیں ہو سکتا۔

٢٢ ر مارچ ١٩٨٦ء کو حضرت والا دار العلوم بخاری شریف کے ختم میں باوجود ضعف اور درد شکم تشریف لے گئے وہاں تکلیف اتنی بڑھی کہ ختم میں شرکت کئے بغیر دار العلوم سے مکان پر تشریف لے گئے۔ احقر بھی اس وقت دار العلوم میں موجود تھا۔ مرض نے شدت اختیار کر لی اور بدھ کے دن صبح دس بجے حضرت والا کو المرتضیٰ ہسپتال ناظم آباد میں داخل کر دیا گیا شام تک طبیعت کافی سنبھل گئی باوجود پابندی کے احقر مغرب کی نماز سے قبل حضرت والا کی خدمت میں حاضر ہوا حضرت نے آنکھیں کھولیں بہت آہستہ سے سلام کا جواب دیا احقر نے حضرتؒ کے دستِ مبارک کو بوسہ دیا نصف شب کے بعد حضرت کی طبیعت زیادہ خراب ہو گئی اور تنفس کی تکلیف شروع ہو گئی قریبی مسجد سے اذانِ فجر شروع ہوئی جواب دینے کے لئے حضرت کے لب مبارک ہلے اور اذان کے ساتھ ہی حضرتؒ نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا واحسرتا! رشد و ہدایت کی پر شمع ٢٧ ر مارچ ١٩٨٦ء مطابق ١٥ ر رجب المرجب ١٤٠٦ھ

یوم پنجشنبہ اذانِ فجر کے وقت گل ہوگئی :

بقول حضرت حکیم محمد ابراہیم صاحب رزمی ؎

ساقی نہیں تو در ہم و برہم ہے مے کدہ
کوئی بھی بادہ خواروں کا پرساں نہیں رہا
انکے قدم کے ساتھ گیا کیفِ زندگی
بے کیفِ زندگی کا بھی ساماں نہیں رہا
جس مے کدے میں چلتا تھا دورِ شرابِ عشق
اس مے کدے کا ساقیٔ دوراں نہیں رہا

بارگاہِ ایزدی میں دست بدعا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے حضرت والا کو اپنے قرب کا اعلیٰ ترین مقام عطا فرمائیں اور ہم سب کو ان کی تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں :

آمین ثم آمین

* * *

دینی معلومات کا حاصل کرنا بھی نہایت اشد ضروری ہے کیونکہ بغیر اس علم کے زندگی کا مقصد متعین نہیں ہوتا۔ چند کتابوں کا مطالعہ بہت اہم اور ضروری ہے مثلاً سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حالات صحابہ کرام رضؓ و حالات بزرگانِ دین، تاریخ اسلام، حضرت حکیم الامت شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ العزیز کی تصانیف خصوصاً مواعظ و ملفوظات، بہشتی زیور وغیرہ ان کے مطالعہ سے دین و دنیا کی بہت گرانقدر کافی و شافی معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ فضول اور بے مصرف کتابیں مثلاً اخبار، ناول، رسالے وغیرہ پڑھنے میں وقت ضائع نہ کرنا چاہیئے۔ ان سے قلب میں ظلمت اور عقل و فہم میں پستی پیدا ہوتی ہے۔ اور دوسرے مذاہب کی کتابیں تو ہرگز نہ پڑھنا چاہئیں کیونکہ بغیر اپنے مذہب کے علم کے راسخ ہونے کے دوسرے مذاہب کے عقائد اور فلسفہ سے ذہن ضرور منتشر ہوتا ہے اور گمراہی کا اندیشہ ہے۔ اپنے مذہب میں اگر کوئی اشکال و شک پیدا ہو تو فوراً کسی اہل علم سے حل کر لینا چاہیئے۔ (از : افاداتِ عارفیہ)

• جناب مُظفّر احمد اشرف صاحب

حضرتِ والا

حضرت سیدی وسندی ڈاکٹر محمد عبد الحیؒ عارفی قدس اللہ سرہٗ کے ملفوظات بحمد للہ مختلف ذرائع سے شائع ہوتے رہے ہیں اور انشاء اللہ تعالیٰ مدت مدید تک شائع ہوتے رہیں گے۔ بہت سے ملفوظات بذریعہ ٹیپ محفوظ کر لیے گئے ہیں لہٰذا مندرجہ ذیل سطور میں جو باتیں کہی جا رہی ہیں وہ غالباً کسی نہ کسی عنوان سے شائع بھی ہو چکی ہونگی پھر بھی چونکہ حضرت والا قدس سرہٗ کے سوانح اور ارشادات پر "البلاغ" ایک خصوصی شمارہ شائع کر رہا ہے اور جناب ناظم صاحب نے اس ناچیز سے بھی ایک مضمون لکھنے کی فرمائش کی ہے لہٰذا میں بھی چند سطور حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ سے متعلق لکھ رہا ہوں۔

یوں تو حضرتِ والا رحمۃ اللہ علیہ کی شانِ تربیت کے بے شمار پہلو ایسے ہیں جو اپنی اپنی جگہ پر نہایت ہی اعلیٰ اور نادر الوجود ہیں۔ لیکن اس وقت میں حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی شانِ تربیت کے دو پہلوؤں کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جن میں حضرتِ والا منفرد نظر آتے ہیں۔ ایک تو حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی سادگی اور بے تکلفی دوسرے حضرتِ والا کی بے انتہا شفقت اپنے منتسبین پر بلکہ تمام مسلمانوں پر۔ سادگی اور بے تکلفی میں حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ اپنے شیخ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اسوہ پر عمل پیرا تھے جس کا ذکر قرآن شریف میں "وما انا من متکلفین" کے الفاظ سے کیا گیا ہے اور

شفقت و رافت میں سید الکونین حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اس سنت کی پیروی کی روشن مثال تھے جسے قرآن شریف میں "حریصٌ علیکم"، کے الفاظ سے بیان فرمایا گیا ہے۔ مندرجہ ذیل سطور ان ہی دو خصوصیتوں کو واضح کرنے کے لئے لکھے جا رہے ہیں۔

حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ ہر معاملے میں سادگی پسند تھے۔ لباس کے معاملے میں ہمیشہ خود بھی سادگی پسند رہے اور اپنے منتسبین سے بھی یہی چاہتے تھے کہ لباس میں سادگی اختیار کریں، عبا، چغہ، یا ایسا لباس جس کے پہننے میں تکلیف ہو نہ خود کبھی پہنا نہ اپنے متبعین کے لئے پسند فرمایا۔ نشست و برخاست میں بھی بے تکلفی تھی۔ اپنے قریب بیٹھنے والے خدام کا باادب ہو کر مثلاً دو زانو ہو کر بیٹھنا ناپسند فرماتے اور فرماتے "آرام سے بیٹھو"، گفتگو میں بھی بے انتہا سادگی اور بے تکلفی تھی۔ نہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی بہت بڑے عالم یا بہت بڑے صوفی بول رہے ہیں نہ ہی بہت متواضعانہ گفتگو فرماتے۔ بلکہ اگر کوئی تواضعاً کہتا کہ ہم تو بہت گنہگار ہیں تو اس کو ناپسند فرماتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ یہ کہنا کہ ہم گنہگار ہیں بہت بری بات ہے۔ کیوں ہو گنہگار؟ گنہگار ہونا کوئی اچھی بات ہے؟ توبہ کرلو۔ پاک صاف ہو جاؤ گے۔ حضرت والا کی اس سادگی کی وجہ سے کئی نوجوانوں کو دھوکہ ہو جاتا تھا کیونکہ عام طور سے جن چیزوں کو بزرگی کی شان سمجھا جاتا ہے وہ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں نہیں تھیں۔ اسی طرح کے ایک صاحب جو عالم بھی ہیں اور کسی بزرگ کے سلسلے میں مجاز بھی ہیں جب حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہلی دفعہ حاضر ہوئے تو بہت متاثر نہیں تھے لیکن کئی سال بعد حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد جب میری ان سے ملاقات ہوئی تو کہنے لگے کہ حضرت والا ولائت محمدی پر فائض تھے اور بہت دیر تک حضرت والا کی مدح سرائی کرتے رہے۔

حضرت والا کا معمول تھا کہ عصر کی نماز کے بعد کچھ دیر توقف فرمانے کے بعد تقریر فرماتے تاکہ لوگ جمع ہو جائیں۔ کبھی کبھی ہم خدام بھی عرض کرتے کہ کچھ تاخیر سے گفتگو شروع فرمائیں تاکہ زیادہ دیر تک بولنے کی وجہ سے تعب نہ ہو۔ اس مشورے کو قبول فرما کر حضرتِ والا خود ہی فرماتے تھے کہ شروع کرنا تو اپنے اختیار میں ہوتا ہے ختم کرنا اپنے اختیار میں نہیں ہوتا۔ نماز اور تقریر شروع کرنے کے درمیان جتنا وقفہ ہوتا اتنی دیر حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ اپنے قریب بیٹھے ہوئے خدام سے ہلکی پھلکی باتیں کرتے رہتے۔ کبھی کسی کی خیریت دریافت فرماتے کبھی کسی کے استفسار پر اپنی خیریت بتاتے۔ آخری زمانے میں جب حضرت والاؒ کو اکثر بھوک نہیں لگنے کی اور کمزوری اور حرارت کی شکایت رہتی تھی ایک دن اس احقر نے مزاج پرسی کی۔

جواب میں حضرت والا نے ایک ایسا شعر پڑھا جس کا اثر حضرت والا کے خدام پر کیا پڑا ہوگا یہ بتلانے سے تعلق نہیں رکھتا جس نے بھی سُنا اس پر رقت طاری ہوگئی حضرت والا نے فرمایا ؎

حال میرا نہ پوچھئے زندہ ہوں اور کیا ہوں
نیند سی آرہی ہے کچھ آنکھ ابھی لگی نہیں

یہ واقعہ تو یوں ہی یاد آگیا اس لئے لکھ دیا۔ تذکرہ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی سادگی اور بے تکلفی تھا۔ نمازِ عصر اور تقریر کے درمیان کا یہ مختصر وقفہ ایسا ہوتا تھا جس میں حضرت والا عام روزمرہ زندگی کی باتیں فرماتے تھے۔ کبھی اپنی تالیف کے بارے میں کبھی کسی تازہ موضوع گفتگو پر۔ اس گفتگو میں حضرت والا کے بہت زیادہ رعب کے باوجود حضرت والا کے خدام بھی حصہ لیتے تھے۔ ایک مرتبہ اسی وقفہ میں حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے بہت سے اشعار معرفت کے سُنائے۔ بہت سے اشعار سنانے کے بعد حضرت والا نے ایک عالمِ دین کو جو حضرت والا کے پاس بیٹھے ہوئے تھے مخاطب کرکے فرمایا "یہ کیا ہو رہا ہے مولوی صاحب؟ مشاعرہ ہو رہا ہے؟" یہ سادگی اور بے تکلفی ہر جگہ نمایاں تھی۔ ایک بار احقر نے اپنے کسی عریضے میں کوئی بات پوچھی جس کا تعلق کسی فقہی مسئلے سے بھی تھا۔ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے اسکا شافی جواب دیتے ہوئے ارقام فرمایا کہ یہ بات میں حضرت مفتی صاحب (یعنی حضرت مفتی محمد شفیع قدس سرہٗ) سے پوچھ کر لکھ رہا ہوں۔ اس طرح حضرت قدس سرہٗ اپنی تصانیف کو شائع ہونے سے پہلے کئی علماء کو (جو حضرت والا ہی کے خدام میں سے ہیں) دکھلا لیتے تھے اور اگر کسی کی صحیح رائے ہوتی تھی تو قبول فرمالیتے تھے۔

حضرت والا اکثر فرمایا کرتے تھے کہ متقی مت بنو۔ جسکا مطلب یہ تھا کہ اپنے تقوے کا اظہار مت کرو۔ ایک بار اسی سلسلے میں فرمایا کہ عذر تو کرسکتے ہو کہ میرے پیر میں درد ہے .... یہ تو کہہ سکتے ہو کہ مجھے عذر ہے ڈاکٹر نے بتایا ہے کہ فلاں چیز کے شوربے کے کچھ نہیں کھا سکتے ہو (لیکن یہ نہیں کہو کہ ایسا کھانا تقویٰ کے خلاف ہے اس لئے میں نہیں کھا سکتا) فرمایا "میرے ایک دوست ڈاکٹر صاحب نے مجھے میلاد کے لئے بلایا۔ وقت نو بجے کا تھا۔ میں آٹھ بجے پہنچ گیا۔ وہاں لوگ انتظامات میں لگے ہوئے تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے پوچھا کہ وقت نو بجے کا تھا تم آٹھ بجے کیسے آگئے۔ میں نے کہا کہ مجھے کچھ کام تھا۔ تو سوچا پہلے ہی ہو آؤں۔ محفل میلاد کی برکت میں تو شریک ہو ہی گیا۔ کہنے لگے تم بہت ذہین آدمی ہو۔

نہیں شریک ہونے کا بہانہ بنالیا ہے۔ میں نے کہا بہانہ ہی سمجھ لو۔ بہرحال میں شریک ہونے کے قابل نہیں ہوں۔" اسی مجلس میں اپنے شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے ایک واقعہ کا بھی ذکر کرتے ہوئے فرمایا "ہمارے حضرت والا ایک دعوت میں گئے۔ وہاں ہماری طرف کے دیہاتوں میں ہوتا تھا کہ لوگ ماڑ نکالنے کے لئے نئی چادریں دھوبی کو دیتے تھے اور لوگ اس سے کرائے پر وہ لے لیتے تھے اور بطور دسترخوان کے استعمال کرتے تھے۔ حضرت کے ساتھ ایک صاحب بھی تھے وہ کہنے لگے کہ اس پر تو کھانا ناجائز ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ چپ چاپ سے کھالو۔ یہ تبلیغ کا موقع نہیں ہے۔ حضرت نے اس چادر پر اپنا رومال بچھا دیا اور کہا کہ اس پہ ہم کھالیتے ہیں۔ بعد میں تقریر میں خوب کھول کر بیان کیا کہ یہ ناجائز ہے۔ اس میں یہ خرابی ہے۔ یہ خرابی ہے۔"

اپنے منتسبین پر حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی شفقت یوں تو ہر بات میں ظاہر ہوتی رہتی کہ کتنی دلسوزی سے نصیحت فرما رہے ہیں اور کام کی بات کو بار بار مختلف پیرایوں سے دہرا دہرا کر کہہ رہے ہیں۔ لیکن میں یہاں حضرت کی شفقت خاصہ کے دو پہلوؤں کا ذکر کروں گا۔ ایک تو یہ کہ حضرت والا اپنے منتسبین کے لئے ہر معاملے میں آسانی چاہتے تھے اور نفس کو مزکی اور مزین کرنے کے آسان سے آسان نسخے بتاتے رہتے تھے جسکے جو مناسب حال ہوتا تھا۔ دوسرے حضرت والا کی شدید خواہش رہتی تھی کہ اپنے زیر تربیت لوگوں کو بلکہ جو بھی مسلمان حضرت والا سے ملنے آئے اسکو کچھ نہ کچھ فائدہ پہنچاتے رہیں۔ دو منٹ کے لئے بھی حضرت والا کی خدمت میں حاضری ہوتی تھی تب بھی حضرت والا کوئی نہ کوئی ایسی بات فرما دیتے تھے جو سننے والوں کے لئے مفید ہوتی تھی۔

حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے پوری طریقت کا خلاصہ بارہا مختلف طریقوں سے بھی بتلایا کہ اللہ تعالیٰ سے صحیح اور قومی تعلق پیدا کرو۔ اس کے لئے قوی مجاہدوں کے بجائے آسان طریقے بتلاتے رہتے تھے۔ مثلاً ایک مرتبہ جب حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کے پاس صرف تھوڑے سے لوگ بیٹھے تھے حضرت والا نے فرمایا: جائزہ لے لیجئے اپنے تمام کاموں کا۔ کاغذ پر لکھ لیجئے۔ عبادات سے متعلق ہوں۔ گھر والوں سے متعلق ہوں۔ دفتر سے متعلق ہوں۔ پھر دیکھئے کہ کیا کیا امور اختیاری ہیں اور کیا کیا غیر اختیاری ہیں۔ پھر جو اختیاری ہوں ان میں نرمی کے ساتھ تدبیر کیجئے اور دعاء۔ اور جو غیر اختیاری ہوں ان میں دعاء .... پیش کر دیجئے اللہ میاں کے سامنے۔ جن چیزوں پر ہمارا زور نہیں ہے اور اپنے سامنے دیکھ رہے ہیں فواحشات

و منکرات کو تو کیا جواب دیں گے داورِ محشر کے سامنے۔ آپ سے سوال ہوگا کہ تمہارے سامنے ہمارے احکام کی نافرمانی ہو رہی تھی تم نے کیا کیا، آپ کہیں گے کہ یارسول اللہؐ ہم کیا کرتے ہم تو مجبور تھے۔ کوئی ہماری بات نہیں سنتا تھا........ وہ کہیں گے ہم تو احکم الحاکمین تھے۔ تم نے ہماری بارگاہ میں پیش کیوں نہیں کیا۔ دعا تو تم کر سکتے تھے کہ یا اللہ اس میں ہم مجبور ہیں۔ ہماری اصلاح کر دیجئے اور ہم سے مواخذہ نہ کیجیے۔

اوراد و وظائف کے سلسلے میں ایک بار حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں نے اپنے دوستوں سے دو باتوں کی قید اٹھا دی ہے ایک تعداد کی دوسرے وقت کی۔ ایک مرتبہ میں حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ سے ملنے (غالباً کسی علاج کی غرض سے) صبح صبح حضرت کے مطب میں پہنچا۔ راستے میں مجھے کوئی وظیفہ پڑھنا تھا۔ جلدی جلدی اسے ختم کرنے میں کچھ تعب ہوا اور بیچ بیچ میں ڈرائیور کو راستہ بتانا پڑھتا تھا اس لئے بڑی الجھن ہوئی۔ حضرت والا کی خدمت میں جب حاضری ہوئی تو حضرت والا نے کشف سے یا اپنی فراست سے میری پریشانی کا اندازہ لگا لیا۔ فرمایا اوراد و وظائف کی تعداد کچھ مقرر نہیں ہے۔ تعداد مقرر کر دی جاتی ہے تسلی کے لئے تاکہ تسلی ہو جائے کہ ہم نے پڑھ لیا۔ مقصد تو رجوع الی اللہ ہے۔ ایک تسبیح پڑھ لیا۔ موقعہ نہ ہوا ۳۳ بار پڑھ لیا۔ اتنا بھی موقع نہیں ملا تو ۱۱ ربار پڑھ لیا یہ بھی نہیں ہو سکا تو ۳ ربار پڑھ لیا....... وظیفہ کے درمیان اگر کوئی ضروری کام آجائے جو وقت کا تقاضا ہو تو اس کام کو کرنا چاہیئے۔ وقت کا تقاضا واجب ہو جاتا ہے۔ اوراد و وظائف نوافل میں مستحبات ہیں۔ تو فرض و واجب کو چھوڑ کر مستحبات میں نہیں پڑنا چاہیے......... اس کا افسوس نہیں ہونا چاہیئے کہ ہائے فلاں وظیفہ چھوٹ گیا....... جو لوگ (حقیقت سے واقف نہیں ہوتے) وہ ہمیشہ ہائے ہائے کرتے رہتے ہیں کہ فلاں اوراد و وظائف چھوٹ گئے........ اگر کسی مجبوری کی وجہ سے ایک دن، دو دن وظیفہ چھوٹ جائے تو کوئی حرج نہیں۔ بلکہ ایک ہفتہ، ایک مہینہ، ایک سال بھی چھوٹ جائے تو کچھ حرج نہیں۔ معمولات ادا کرنے کا ثواب ملتا رہے گا۔ جب تک آدمی کسی معمول کو ترک کرنے کا ارادہ نہیں کرلے........ آپ CASUAL LEAVE۔ لیتے ہیں۔ EARNED LEAVE لیتے ہیں تو کیا آپ کی تنخواہ کٹ جاتی ہے ؟ .... تو کیا اللہ تعالیٰ کی رحیمی پر آپ کو یہ گمان ہے کہ گورنمنٹ جو رعایت آپ کو دیتی ہے اتنی رعایت بھی آپ کو نہیں ملے گی؟ ..... اللہ تعالیٰ کی رحمت بڑی ہے۔“

لیکن یہ تمام آسانی صرف اس شکل میں ہے جب کوئی واقعی مجبور ہو۔ مثلاً بیمار ہو جائے یا سفر پر

جاتا ہو۔ کیونکہ حضرت والا بار بار اس کی تاکید فرماتے تھے کہ معمولات کو ناغہ نہ کیا جائے۔ اکثر فرماتے تھے ”وقت پر کام کرنے کی عادت ڈال لو۔ پھر وقت خود کام کرالیتا ہے۔“

ایک بار حضرت والا نے فرمایا کہ پہلے زمانے میں شب بیداری ہوا کرتی تھی۔ آج کل کے زمانے میں سونا عبادت ہے۔ چونکہ یہ گفتگو چند احباب کے سامنے ہو رہی تھی اور اس ناچیز کو حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی بے انتہا شفقتوں نے بے تکلف بنا دیا تھا اس لئے احقر نے عرض کیا کہ سونا ویسے بھی مہنگا ہو گیا ہے۔ حضرت والا نے فرمایا کہ جی ہاں سونا بہت مہنگا ہو گیا ہے۔ ہمارے زمانے میں ۷۱ روپے تولہ ہوتا تھا۔ اسی مجلس میں جو غالباً رمضان شریف کا مہینہ تھا ایک ایسا نسخہ بتایا اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کو متوجہ کرنا جو شب بیداری کی کمی کو پورا کر دینے کے لئے کافی ہے۔ فرمایا کہ صاحب ایمان کا ایک ایک لمحہ عبادت ہے اگر وہ اپنے کو معاصی سے، گناہ سے بچالے.........بیٹھ جاؤ مسجد میں عصر سے مغرب تک اور سورج غروب ہونے سے ۱۵ منٹ پہلے یا کم از کم دس منٹ پہلے اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کر دو ایک ایک چیز اپنی۔ ایک ایک معاملہ پیش کر دو......

حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے تعلق مع اللہ پیدا کرنے کے لئے اور اسکو قوی کرنے کے لئے اسی طرح کا ایک اور نسخہ کئی بار اپنی مجلسوں میں بتلایا کہ رات کو سونے سے پہلے اپنے آپ کو تمام کاموں سے فارغ کرنے کے بعد لیٹ جاؤ اور سوچو کہ اللہ تعالیٰ کے کتنے انعامات رہے تم پر، ایمان عطا فرمایا، عافیت عطا فرمائی، اسی طرح یاد کرتے رہو اور پھر سوچو کہ تم سے کیا کیا گناہ سرزد ہوئے، آنکھوں کے، زبان کے، جو جو نعمت یاد آئے اس پر شکر ادا کرو اور جو جو گناہ تم سے سرزد ہوئے ہوں ان سے توبہ کرو۔ صرف دس منٹ۔ روز کرو یہ کام اور پھر صبح کو تھوڑی دیر کے لئے اسی طرح اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرلو سرسری طور پر۔

ایک بار حضرت والا نے ایک اور نسخہ جو صرف ایک منٹ کا ہے عطا فرمایا۔ اس سے زیادہ آسانی اور کیا ہوگی کہ روزانہ صرف ایک منٹ کا مجاہدہ ہے۔ فرمایا کہ بیٹھ جاؤ تنہائی میں۔ اللہ میاں کے سامنے اور ایک منٹ تک یا زیادہ سے زیادہ دو (یا تین) منٹ تک کہتے رہو کہ ”یا اللہ آپ ہیں اور میں ہوں۔ آپ ہیں اور میں ہوں۔ میں ہوں اور آپ ہیں۔“

حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی شفقت کا ایک مظہر یہ بھی تھا کہ اگر دو منٹ کے لئے بھی کوئی حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا تو اس سے کوئی نہ کوئی ایسی بات فرما دیتے تھے جو اسکی دنیا اور

آخرت کی فلاح کا باعث ہوتی تھی۔ کوئی شخص سفر پر جا رہا ہو اور رخصت ہونے والا حضرت کی خدمت میں پہنچا ہو، کسی شخص نے حضرت والا کے کسی جاننے والے کا خط لا کر دیا۔ یا کوئی شخص کسی خوشی میں حضرت والا کے پاس مٹھائی کا ڈبہ لے کر آیا۔ ان سب موقعوں پر ملاقات تو صرف چند منٹ کی ہوتی تھی مگر حضرت والا نصیحت کے چند کلمات ضرور فرما دیتے۔ اکثر اپنے شیخ کا یہ قول نقل فرماتے تھے کہ وہ لمحات زندگی کس کام کے جو کسی کی خدمت میں صرف نہ ہوں۔ ایک بار حضرت والا مجلس صیانۃ المسلمین کے جلسے میں شرکت کیلئے لاہور تشریف لے گئے۔ یہ ۵؍ جولائی ۱۹۷۹ء کی بات ہے۔ حضرت والا نے جامعہ اشرفیہ میں قیام فرمایا۔ یہ ناچیز بھی اسلام آباد سے لاہور پہنچ گیا۔ حضرت کی خدمت میں مزاج پرسی کے لئے مختصر سی حاضری ہوئی۔ فرمایا جب دو چیزوں میں سے کسی ایک چیز کا فوت ہونا لازمی ہو تو جس بات کی تلافی ممکن نہ ہو اس کو اختیار کرلیا جائے۔ جیسے میں کراچی سے لاہور آرہا تھا۔ لیکن خیال تھا کہ بہت دور جانا ہے۔ گرمی کا زمانہ ہے۔ بڑی تکلیف ہوگی لیکن دوسری طرف یہاں کے دوستوں کا بھی اصرار تھا مجلس میں بھی شریک ہونا ضروری تھا تو اب میں نے دیکھا کہ عافیت کا کیا ہے بعد میں آرام کرلیں گے اور مجلس اگر فوت ہوتی ہے تو یہ پھر ہاتھ نہیں آئے گی۔ اس لئے میں چلا آیا۔

اسی روز جب حضرت والا کہیں جانے کے لئے مدرسہ سے باہر نکل رہے تھے اور یہ خادم اور دو تین اور خدام ساتھ تھے تو باہر نکلتے وقت حضرت والا نے فرمایا کہ الحمد للہ موسم بہت اچھا ہے بادل آئے ہوئے ہیں۔ بارش بھی نہیں ہوئی ہے تو اللہ میاں نے سب کچھ ہمارے ہی لئے کیا ہے۔ پھر قدرے توقف کے بعد فرمایا کہ کیا ہوگا اوروں کے لئے بھی لیکن ہمیں اس سے کیا۔ ہم تو سمجھتے ہیں کہ یہ سب انتظام اللہ میاں نے ہمارے ہی لئے کیا ہے جب تک یہ احساس نہیں ہوگا شکر کیسے ادا ہوگا۔

اس طرح کے بے شمار واقعات ہیں جن سے حضرت والا کی شفقت کا پتہ چلتا ہے۔ لیکن مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اب اس مضمون کو ختم کیا جائے اور اختتام سے پہلے حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں جو اس ناچیز کی آخری حاضری ہوئی ہے، اس کا ذکر کردوں۔ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ اتوار ۲۳؍ مارچ ۱۹۸۶ء کی صبح سے علیل ہوئے جسکی اطلاع اس ناچیز کو تیسرے دن صبح کو ملی۔ اسی دن شام کو حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کے دولت کدہ پر حاضر ہوا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی طبیعت چونکہ زیادہ خراب تھی اس لئے خدام باہر کے کمرے میں جمع تھے۔ ایک دو خاص حضرات کو اندر باریابی ہوئی۔ میں

نے اس خیال سے کہ حضرت کو تکلیف نہ دی جائے کسی سے اندر جانے کی درخواست نہیں کی۔ کچھ دیر کے بعد معلوم ہوا کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو اب کچھ افاقہ ہے۔ برادرم مستحسن صاحب سلمہ اللہ عزیز نے فرمایا کہ جی چاہے تو آپ بھی اندر چل کر مل لیں۔ چنانچہ میں انکے ساتھ اندر چلا گیا۔ حضرت والا اپنے کمرے میں چارپائی پر جس پر سفید بستر بچھا ہوا تھا لیٹے ہوئے تھے۔ دو تین خدام پائنتی میں چوکی پر بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت والا کا سر غالباً دو تکیوں پر تھا یعنی کچھ اٹھا ہوا تھا۔ میں نے کروٹ میں پہنچ کر سلام عرض کیا۔ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے سلام کا جواب دیا اور مصافحہ کیا۔ مجھے دیکھتے ہی ارشاد فرمایا "ماشاءاللہ آپ بھی آگئے"۔ میں نے عرض کیا کہ مجھے آج ہی کسی سے حضرت کی علالت کی اطلاع ملی۔ حضرت والا نے فرمایا "اسی طرح ایک سے دوسرے کو اطلاع ہو جاتی ہے"۔ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے میرا ہاتھ پکڑے ہوئے فرمایا "تین دن طبیعت بہت خراب رہی۔ بہت تکلیف میں رہا۔ اب تو طبیعت ماشاءاللہ ٹھیک ہے .... وقت تو گذر ہی جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتے رہنا چاہیئے .... ذرا سی دیر میں آدمی کی حالت بدل جاتی ہے۔ کیا سے کیا ہو جاتی ہے ؎

جو وقت بھی سکون سے گذرے ہے نصیب
کیا اعتبار گردش لیل و نہار کا

* * *

اپنے گھر کے ماحول کو تمام تر اسلامی بنانا چاہیئے ورنہ آئندہ نسلیں دین سے بالکل بیگانہ ہو جائیں گی اور اس سے دین و دنیا کے بے شمار مفاسد پیدا ہوں گے۔ اپنا رہنا سہنا، لباس پوشاک، وضع قطع، کھانا پینا سب شریعت و سنت کے مطابق ہونا چاہیئے، گھر کے استعمال کا سامان بھی سادہ اور پاک و صاف ہونا چاہیئے۔ حیثیت سے زیادہ قیمتی سامان جو محض نمائش کے لئے ہو اس کا مہیا کرنا اسراف بنتا ہے اور پریشانی کا باعث ہوتا ہے۔ کیونکہ ہمیشہ اس کی حفاظت کا خیال رکھنا پڑتا ہے کبھی ان میں اضافے کی ہوس اور کبھی ان کے خراب ہو جانے کا خدشہ قلب کو مشوش رکھتا ہے۔ قناعت تو ضروری سامان ہی میں نصیب ہوتی ہے۔ مغربی تہذیب کی لعنت ہمارے معاشرے کو اس قدر مسحور کرتی جارہی ہے کہ ہم غیر شعوری طور پر اس میں مبتلا ہو کر اپنے شعائر اور شعور اسلامی سے محروم ہوتے جارہے ہیں۔ وقار اسلامی، روایات خاندانی اور لوازمات شرافت کو ضرور برقرار رکھنا چاہیئے۔ ورنہ دنیا میں بھی خواری ہے اور آخرت میں بھی خسران ہے اگر انجام کار پر غور کیا جائے تو یہ بات خود عقل تسلیم کرے گی۔ (از افادات عارفیہ)

• جنابِ محمد عشرت علی خان قیصر

تأثرات بر حیاتِ قدسی قطب الارشاد

خانوادۂ امدادیہ اشرفیہ تھانوی سلسلۃ الذہب کا ایک اور درخشندہ ستارہ غروب ہوگیا۔ عارف باللہ ڈاکٹر محمد عبدالحی صاحب عارفی رحمۃ اللہ علیہ ۱۵ رجب ۱۴۰۶ھ بوقت فجر مؤذن کی اذان کا جواب دیتے ہوئے سوئے آخرت رحلت فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت ڈاکٹر صاحب کے ایک خادم خاص جو آخری وقت انکی بالیں پہ کھڑے تھے انکا بیان ہے کہ جیسے ہی موذن نے اذان ختم کی حضرتؒ کی زبان کی حرکت بھی بند ہوگئی اور اُسی دم روح جسد عنصری سے پرواز کر گئی۔ سبحان اللہ حسن خاتمہ کا یہ ایمان افروز منظر کہ جب دم نکلا تو زبان پر اس کا نام تھا۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوبین اور مقبولین بندوں کے حسن خاتمہ کا عینی مشاہدہ اس طرح کرا دیتے ہیں۔ نمازِ جنازہ اور تدفین کا منظر بھی عجیب تھا کہ خلق خدا پروانہ وار کندھا دینے اور مٹی دینے کے لئے ٹوٹی پڑ رہی تھی، بقول حضرت مولانا مُشرف علی صاحب تھانوی ؎

یہ رحلت ہے جہاں سے آج کس محبوب عالم کی
گری جاتی ہے خلقت شمع پر ہم مثل پروانہ

فجر کی اذان کے وقت حضرتؒ دنیا سے رخصت ہوئے اور جیسے ہی تدفین تکمیل کو پہنچی تو دارالعلوم

کی مسجد سے عصر کی اذان فضا میں گونج رہی تھی گویا کہ فجر سے عصر تک کے وقفہ میں "احکام میت" کے مؤلف نے اس دار فانی کے سب مراحل سفر طے کر لئے تھے۔ کُل مَن علیھا فانٍ و یبقیٰ وَجہُ رَبّکَ ذُو الجلالِ والاکرام۔

خانقاہِ تھانہ بھون کہیئے یا بعُنوانِ دیگر "دوکانِ معرفت" جہاں ایک بوریہ نشین نے اپنی چھوٹی سی سہ دری میں مسندِ رُشد و ہدایت پر بیٹھکر علوم و معارف اور حقائق و حکم کے وہ عظیم الشان کارنامے انجام دیئے کہ عقل حیران ہے۔ ایک قلیل وقت میں اس قدر کثیر و ہمہ گیر دینی خدمت انجام دی جو ایک عام بشری قوت سے باہر ہے تاوقتیکہ تائیدِ غیبی نہ ہو: ذٰلکَ فضلُ اللّٰہِ یؤتیہِ مَن یشاء:

یہ محض اللہ کا فضل ہے اور اس مجدد وقت، حکیم الامت، محی السنۃ حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ایک کرامت ہے کہ تجدید دین۔ احیاء السنۃ، اصلاح باطن، تبلیغ و دعوت، نشر و اشاعت، درس و تدریس، افتاء و مواعظ و ملفوظات، ازالۂ شکوک و اوہام، تخریب رسوم و شرک و بدعات، غرضیکہ شریعت و طریقت کا کوئی گوشہ ایسا نہ تھا کہ جس کو حضرت تھانویؒ نے مجلّیٰ و مصفّیٰ نہ کر دیا ہو ؎

نئے فتنے اُٹھے اور اُٹھ کے تفسیریں بدل ڈالیں
مگر تو نے مسلمانوں کی تقدیریں بدل ڈالیں

ایک ہزار سے زیادہ تصانیف و تالیفات کا ایسا بیش بہا گنجینۂ گراں قدر از قبیلِ باقیات الصالحات ترکہ میں چھوڑا کہ طالبینِ حق تا قیامت اس سے فیض یاب ہوتے رہیں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

اسی خُم خانہ اشرفی سے عارفین و کاملین و توابین کی ایک نابغۂ روزگار جماعت سیراب ہو کر مشرق و مغرب اور عرب و عجم میں پھیل گئی کہ جس نے حضرت حکیم الامت کے طریق اور مسلک کو عام کیا۔ علاوہ مریدین و منتسبین کی کثیر تعداد کے تقریباً ایک سو تیس ۱۳۰ مجازین نے اپنے شیخ کامل کے ذوق و طریق کی ترویج و اشاعت کی۔ ان ہی میں سے ایک مایۂ ناز ہستی حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کی ذات تھی۔ اس نااہل اور ناکارہ کا تعلق حضرت سے کم و بیش تیس ۳۰/۳۵ پینتیس سال رہا لیکن افسوس کہ وہی کہنا پڑتا ہے جو آج انکے ہر خادم کی زبان پر ہے کہ نہ انکو پہچانا نہ انکی قدر کی۔ حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کا ایک شعر بالکل اپنے حسبِ حال ہے ؎

ایک بھی تو نہ ہوا حقِ محبت پورا
ہم سمجھتے تھے کہ ہم بھی ہیں وفاداروں میں

لیکن قدر گوہر شاہ بداند یا بداند جوہری۔ حضرت ڈاکٹر صاحب کے قدر دانوں میں انکے ایک پیر بھائی اور اپنے وقت کے مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ صحیح فرما گئے ہیں کہ "حق تعالیٰ نے حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ کے فیوض و برکات کو مسلمانوں میں عام کرنے کے لئے ہمارے محترم ڈاکٹر صاحب کو چُن لیا ہے"۔ (ماخوذ از تقریظ مآثر حکیم الامت)

یہ وصفِ اجتبائیت من جانب اللہ، حضرت ڈاکٹر صاحب کی اپنے معاصرین میں ایک امتیازی اور موہوبہ نعمت ہے۔ وہ خود بھی بارہا اپنی مجالس میں فرمایا کرتے تھے کہ "اس میں کوئی فخر و مباہات کی بات نہیں ہے بلکہ تحدیث نعمت کے طور پر عرض کر رہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ ناکارہ سے حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کے ذوق کو عام کرنے میں جو کام لیا ہے وہ آئندہ شاید کوئی نہ کر سکے گا"۔ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ بندے سے یہ باتیں سن لو پھر کوئی سنانے والا بھی نہ ملے گا۔ حضرت ڈاکٹر صاحب قدس سرہٗ نے اپنے شیخ و مرشد کے ذوق کو صحیح اور اصلی رنگ میں دکھایا اس کام کے لئے وہ منجانب اللہ مامور تھے۔ چنانچہ الحمد للہ انہوں نے بذریعہ اپنی تحریر و تقریر و مجالس یہ حق بحسن و خوبی ادا کر دیا۔ "مآثر حکیم الامت" "بصائر حکیم الامت" "معارف حکیم الامت" "اصلاح المسلمین" "معمولاتِ یومیہ" اور "افادات عارفی" اس دعویٰ پر شاہد ہیں چنانچہ خود ہی فرماتے ہیں: ؎

میں نے ساری عمر کی ہے خدمتِ پیرِ مغاں
مجھ سے پوچھو میکدہ کی زندگی ہوتی ہے کیا

"مآثر حکیم الامت" کی تصنیف پر انکا ناز حق بجانب تھا کیونکہ جس شان و نوعیت کی یہ سوانح حیات ہے اس میں وہ منفرد ہے۔ فرماتے تھے کہ خانقاہ تھانہ بھون میں حضرت والا کی مجلس میں بیٹھا نوٹ لکھتا رہتا تھا۔ صبح سے شام تک کے تمام معمولات اور حضرت حکیم الامت کے قواعد و ضوابط نوٹ کر لیتا تھا، جب ہندوستان سے ہجرت کر کے حضرت ڈاکٹر صاحبؒ پاکستان تشریف لائے تو یہ تحریریں یادداشتیں بھی ساتھ آئیں لہٰذا اس زمانہ کی تحریر کردہ یادداشتوں پر مآثر حکیم الامت کو مرتب کیا ہے۔ فرمایا کہ مآثر حکیم الامت کے مطالعہ سے آئندہ آنے والی نسلوں کو اس مجدد العصر کی جائے قیام اور نشست و برخاست کا نقشہ و

خاکہ انشاء اللہ بہت سبق آموز ہوگا"۔ خانقاہ کا حال لکھتے وقت معمولی معمولی جزئیات پر حضرت کی نظر گئی ہے مثلاً ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں کہ "خانقاہ کے دروازہ میں جب داخل ہوئے تھے تو اندر داخل ہونے پر ایک گلیارہ کے آخر میں سب سے پہلے بائیں ہاتھ کی طرف ایک درجہ میں استنجے کے لئے مٹی کے ڈھیلے بھرے رہتے تھے اور فراغت کے بعد ڈھیلے وہیں ایک کونڈے میں ڈالدیئے جاتے تھے"۔ بادی النظر میں شاید کوئی اعتراض کرے کہ ایک مجدد کی سوانح میں استنجے کے ڈھیلوں کے ذکر کا کیا موقع؟ لیکن حقیقتاً یہ طہارت کا پہلا باب ہے۔ اس کے برعکس جب تصویر کا دوسرا رُخ "مقام مسند" کے عنوان سے پیش کرتے ہیں حضرت حکیم الامتؒ کی مجلس کا ہو بہو نقشہ سامنے آجاتا ہے، مآثر کا مطالعہ کرنے والا یہ کہے گا کہ "کاش" ہم نے بھی انہیں دیکھا ہوتا۔ غرضیکہ اپنے شیخ کی مجلس و مسند و معمولات، اور نظم و ضبط کا ایسا فوٹو صفحہ قرطاس پر اتارا ہے کہ قاری یہ محسوس کرتا ہے گویا کہ وہ خود خانقاہ میں موجود ہے۔

اسوۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مقبولیت اظہر من الشمس ہے ایڈیشن پر ایڈیشن طبع ہوتے ہیں اور ختم ہو جاتے ہیں مختلف زبانوں میں ترجمے ہو گئے ہیں عامۃ المسلمین کو دینی نفع اس کتاب سے جیسے پہنچ رہا ہے اسی طرح ناشرین کو بھی مالی منفعت حاصل ہو رہی ہے۔ حضرت ڈاکٹر صاحبؒ نے بھی حضرت حکیم الامتؒ کی تقلید میں کوئی حقوق اپنی تصنیف میں اپنے لئے یا اپنے ورثاء کے لئے محفوظ نہیں کئے ہیں۔ ہر شخص کو طبع کرانے کی اجازت ہے۔ فرمایا کرتے تھے کہ "اسوۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خزانہ ہے اور "معمولات یومیہ" اسکی کنجی ہے۔ دونوں کتابوں کے لئے بار ہا فرمایا کہ یہ بارگاہ نبوی میں مقبول ہو چکی ہیں۔ بعض ثقہ حضرات کے مبشرات منامیہ اور مکاشفات بھی اس بات پر شاہد ہیں۔

حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کی تصانیف اور تالیفات پر سیر حاصل تبصرہ کرنے کی استعداد راقم الحروف میں نہیں ہے یہ کام متبحر علماء و فضلاء زیادہ احسن طور پر انجام دے سکتے ہیں۔ خوش قسمتی سے حضرت کے ملفوظات وارشادات کافی تعداد میں کیسٹوں میں ٹیپ کر لئے گئے ہیں اگر انکو کتابوں کی صورت میں شائع کر دیئے جائیں تو زیادہ نفع ہوگا۔

مولانا محمد قاسم صاحب مرحوم جو حضرت سے بیعت تھے اور کوٹ جائی ضلع ڈیرہ اسماعیل خاں میں ایک مدرسہ چلاتے تھے وہ اپنے بعض خواب جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی انکو زیارت ہوئی تھی اور جن کا تعلق حضرت ڈاکٹر صاحبؒ سے ہوتا تھا مجھے ارسال کرتے تھے میں حضرت کی خدمت میں پیش

کر دیا تھا انکو پڑھکر حضرتؒ فرماتے تھے کہ مولوی قاسم صاحب کے خواب رویا رِ صادقہ ہیں اور بڑی بشارتیں ہیں۔

چند واقعات جو حضرت سے متعلق ہنوز احقر کے حافظہ میں محفوظ ہیں سپرد قلم کئے جاتے ہیں۔ تقریباً ۱۵ سال کا عرصہ گذرا کہ دار العلوم کراچی میں ختم بخاری شریف کی تقریب منعقد تھی۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ حیات تھے خوش قسمتی سے اُس سال حضرت حکیم الامت کے چند اجل خُلفاء بھی موجود تھے مثلاً حضرت ڈاکٹر صاحبؒ، حضرت بابا نجم الحسن صاحب، حضرت ظفر احمد صاحبؒ تھانوی (انجینئر) حضرت حافظ عبدالولی صاحبؒ وغیرہ وغیرہ۔ مفتی صاحبؒ نے بخاری شریف کی آخری حدیث شریف پڑھانے سے قبل اپنے بیان میں فرمایا کہ علماء کا منصب ہی درس و تدریس ہے اور انکا مشغلہ صبح سے شام تک قال اللہ و قال الرسول ہے لہٰذا ہمارا اپنے شیخ و مرشد کے فیض سے پوری طرح بہرہ ور ہونا کوئی کمال نہیں ہے۔ کمال تو یہ ہے کہ اس پیر کامل کے فیض سے ایک ڈاکٹر، ایک وکیل، ایک انجینئر، اسکول ماسٹر، پٹواری اور ڈپٹی کلکٹر کہاں سے کہاں پہنچ گئے۔

حضرت عارف باللہ ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تکمیل مشیخت کا سارٹیفکیٹ تو انکے مرشد کامل خود دے گئے ہیں لہٰذا اب مزید کسی توصیف و تصدیق کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ حضرت حکیم الامت قدس اللہ سرہٗ کے مرض الموت کے آخری ایام میں ڈاکٹر صاحب نے تین روز ہومیوپیتھک کا علاج کیا تھا۔ پیر و مرشد کا مکالمہ بحوالہ "بزم اشرف کے چراغ" (مرتبہ پروفیسر سعید احمد صاحب) ملاحظہ ہو

دوران علاج ایک دن تنہائی میں مجھ کو بلا کر فرمایا "بھائی مجھ سے پرہیزی غذائیں نہیں کھائے بنتیں،، میں نے عرض کیا "حضرت چونکہ اسہال کبدی ہے اس لئے حضرت کے ضعف اور مرض کے لحاظ سے ہلکی اور زود ہضم غذائیں ہی تجویز کی جا سکتی ہیں"۔

فرمایا: "جی ہاں! یہ ساری شتق اور احتیاط و پرہیز ہمارے ہی لئے ہے۔ ہم نے تو تم سے کوئی پرہیز نہیں کرایا۔ صرف معمولی نوک و پلک درست کر کے جانے کہاں سے کہاں پہنچا دیا"۔ ذرا غور فرمائیے کہ ایک شیخ کامل اور مُصلح اپنے آخری وقت میں اپنے ایک خلیفہ ارشد سے فرما رہا ہے ہے کہ ہم نے تم سے نہ مجاہدہ کرایا اور نہ زیادہ محنت و مشقت لی صرف معمولی تعلیم و تربیت اور اصلاح سے ماشاء اللہ باکمال بن گئے کیونکہ حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کے ساتھ تو یہ معاملہ تھا کہ ع

ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی

درحقیقت ایک پیر کامل کی نظر کیمیا گر سب کام کر گئی جیسا کہ وہ خود بھی کہہ گئے ہیں ؎

عارفی پیر مغاں نے ایسی کچھ ڈالی نظر
میری ہستی مظہرِ اعجاز ہو کر رہ گئی

مندرجہ بالا واقعہ سے یہی نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کی فطرت ہی میں اللہ تعالیٰ نے ایسا جوہر استعداد ودیعت فرمایا کہ جسکی وجہ سے انکو منازل سلوک طے کرنا اور مقاماتِ رفیعہ کا حصول سہل ہو گیا نہ زیادہ اذکار و اشغال کرنے پڑے اور نہ تکثیرِ مجاہدات و ریاضات کی شاید نوبت آئی بلکہ حُبِّ رسول صلی اللہ علیہ وسلم جو انکی گھٹی میں پڑا تھا اور اتباع سنت کی برکت سے وہ رشد و ہدایت اور اصلاحِ نفس کے تمام مراحل سے بآسانی گذر گئے۔ ذٰلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء :

انکے حق میں حضرت حکیم الامتؒ کا یہ مختصر سہ حرفی فقرہ کہ "کہاں سے کہاں پہنچا دیا" غالباً اسی مقام کی نشاندہی کرتا ہے کہ جن ظاہری اور باطنی کمالات کا ذکر حضرت ڈاکٹر صاحبؒ نے اپنے وصایا میں کیا ہے جو انکے انتقال کے بعد نظر سے گذرے ورنہ حضرتؒ نے تو تمام عمر اس راز کو چھپایا اور ظاہر نہ ہونے دیا کیونکہ ؎

عشق کے راز کا افشا مجھے منظور نہیں
ورنہ حاصل مجھے کیا درجہ منصور نہیں

غالباً اسی خیال کی ترجمانی حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوبؒ نے اس طرح کی ہے

؎ کہاں سے مجھ کو پہنچایا کہاں پیر مغاں تو نے
میرا میخانہ اب لاہوت ہے، روح الامیں ساقی

حضرت حکیم الامتؒ کی صحبتِ بابرکت اور نظرِ کیمیا اثر نے ایک ڈاکٹر اور وکیل و انجینئر اور ڈپٹی کلکٹر وغیرہ پر علم و عرفان اور حکمت و حقائق کے ایسے رموز و اسرار آشکار کر دیئے کہ وہ قطب الارشاد اور عارف باللہ تھے حالانکہ کسی دار العلوم کے فارغ التحصیل نہ تھے۔ خواجہ صاحبؒ نے اپنے شیخ کی اس صفت کا اظہار بار بار کیا ہے ایک جگہ فرماتے ہیں ؎

تیرے رندوں پہ سارے کھل گئے اسرار دیں ساقی
ہوا علم الیقین عین الیقین حق الیقین ساقی

حضرت ڈاکٹر صاحبؒ نے جب وکالت کا پیشہ ترک کیا تو اسکی اطلاع اپنے شیخ و مُربی کو کردی وہاں سے جواب میں خلعتِ خلافت سے سرفراز کیا گیا اور لکھا کہ بس اسی کا انتظار تھا۔ یہ واقعہ حضرتؒ سے کئی دفعہ سُنا کہ جب جونپور میں ہومیوپیتھک ڈاکٹری شروع کی تو حضرت حکیم الامتؒ کو خط لکھا کہ میرے قلب پر ایک خطرہ گذرا ہے۔ غیر محرم بے پردہ مریض عورتوں کا علاج کرنے میں غضِ بصر کے قرآنی حکیم پر کیسے عمل کروں؟ جواب آیا کہ میں دعا کرتا ہوں اور توجہ بھی۔ تم فکر نہ کرو بس اللہ کا نام لے کر کام شروع کردو۔ یہ واقعہ بیان کر کے حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ وہ دن ہے اور آج کا دن کہ حضرت والا کی برکت و توجہ سے "میری آنکھ پتھر کی آنکھ ہوگئی"! فاعتبروا یااولی الابصار: بدنگاہی کا رذیلہ ایک عام مرض ہے۔ تربیت السالک میں مُریدین، سالکین اور مجازین کے احوال کثرت سے نقل کئے گئے ہیں جنکے مختلف معالجے حضرت حکیم الامتؒ نے تجویز فرمائے ہیں۔ لیکن حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کی پاک طینت ہستی کے قلب پر ایک خطرہ گذرا تھا کہ مُرشد علیہ الرحمۃ کی ایک نظر سے بالکل فنا ہوگیا۔ ذرا غور فرمائیے کہ ۱۹۳۶ء لغایۃ ۱۹۸۶ء تقریباً پچاس سال حضرت ڈاکٹر صاحبؒ نے مطب کیا ایک دن یا دو دن کی بات نہیں ہے اور تمام عرصہ میں ان کی آنکھ ایک غیر محرم کے لیے ہمیشہ پتھر ہی کی آنکھ بنی رہی۔ سبحان اللہ ؎

کیا فیض تھا کہ پڑ گئی جس پر بھی ایک نظر
رشکِ جنیدؒ و شبلیؒ و منصورؒ ہوگیا

ایک اور واقعہ یاد آیا۔ چند سال قبل کی بات ہے کہ حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کے گھر پر شب کی دعوتِ طعام تھی حج سے واپسی پر حضرت مولانا ابرارالحق صاحب مدظلہ (خلیفہ حضرت حکیم الامتؒ) ہندوستان جاتے ہوئے کراچی تشریف لائے تھے، دعوت کے مہمان خصوصی وہی تھے دیگر اکابر بھی مدعو تھے۔ بعدِ طعام حضرت ڈاکٹر صاحبؒ نے ارشاد فرمایا کہ ایک صاحب نے خط لکھا ہے (ان کا نام نہیں بتایا) وہ لکھتے ہیں کہ آپ کے مطب میں مریض عورتیں کثرت سے آتی ہیں جن میں سے زیادہ تر بے پردہ ہوتی ہیں، عریاں لباس زیب تن ہوتا ہے۔ لہٰذا آپ کے منصب رُشد و ہدایت کے شایان

شان نہیں ہے کہ آپ ان بے پردہ بے حیا عورتوں کا علاج معالجہ کریں آپ مطب ترک کر دیں اور گھر پر ہی تبلیغ و تلقین کا سلسلہ جاری رکھیں وغیرہ وغیرہ۔ اس وقت خط کا لفافہ بھی شاید حضرتؒ کے ہاتھ میں تھا۔ مہمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے استفسار فرمایا کہ آپ بتائیں کیا جواب دوں؟ کیا اپنے مطب جانا چھوڑ دوں۔ حاضرین خاموش رہے تھوڑی دیر بعد خود ہی ارشاد فرمایا "بھائی ہماری خانقاہ تو ہمارا مطب ہے"۔ بہر حال اللہ کے اس برگزیدہ فرشتہ صفت مقبول بندہ نے بظاہر تو ڈاکٹری کی لیکن درحقیقت اپنے مطب میں بیٹھ کر اصلاحِ معاشرہ، اصلاحِ نفس اور روح کی بیماریوں کا وہ معرکہ آرا علاج کر گئے جو عصرِ حاضر کی بڑی بڑی خانقاہیں انجام نہ دے سکیں۔ ہومیوپیتھک دوکان کیا تھی؟ وہاں تو دوائے دردِ دل بکتی تھی۔ حضرتؒ سر جھکائے بیٹھے ہیں نیچی نگاہ کئے نسخے لکھ رہے ہیں اور دل ہی دل میں چپکے چپکے ہر مریض کو دعائیں بھی دے رہے ہیں ؎

اہلِ ظاہر تجھے سمجھے نہیں اے سادہ جمال
کوئی اس حسن کو پوچھے ہم ادادانوں سے

فرمایا کرتے تھے کہ نسخہ لکھنے سے قبل اوّل اللہ سے رجوع کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ باری تعالیٰ اس دوا کو حکمِ تاثیر و شفا عطا فرما۔ غرضیکہ ہر مریض کو شفا اور ہدایت دونوں کی دعا ملتی تھی۔

حضرتؒ کے نسخوں سے بدن کا دکھ درد اور دل کا روگ دونوں بفضلہ تعالیٰ دور ہو جاتے تھے۔ بہت سی بے پردہ فیشن ایبل خواتین نے برقعے اور چادریں پہننا شروع کر دیں جو بے حیا تھیں وہ باحیا بن گئیں۔ صوم و صلوٰۃ کی پابند ہو گئیں۔ کلبوں اور ہوٹلوں کے مخلوط مجمع میں شریک ہونے والی خواتین پردہ نشین بن گئیں۔ حضرت کی ہفتہ وار مجلس میں اندرونِ خانہ مستورات کا مجمع اس قدر بڑھنے لگا کہ گھر کی مکانیت ناکافی ہو گئی تھی۔ شاید ہی کوئی ہفتہ وار مجلس خالی جاتی ہو گی کہ عورتوں کی بے پردگی، بے حیائی اور بے غیرتی کے خلاف حضرت صاف صاف نہ کہتے ہوں۔ جمعہ کے دن کا کوئی کیسٹ سن کر دیکھ لیجئے یہی درد بھری صدا آئے گی:۔

بھائی ایک مختصر سی بات کہہ رہا ہوں۔ خدا کے لئے رائج الوقت چیزوں سے پرہیز کرو۔ اپنی آنکھوں کو بچاؤ۔ اپنی حیا کو قائم کرو۔ اپنی شرم و غیرت کو قائم کرو۔ بے غیرتی اور عریانی ابلیسی و شیطانی والی بات ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جس کی آنکھ میں حیا نہیں اسکے پاس ایمان نہیں۔ حیا اور ایمان دونوں ایک چیز ہیں۔ حیا ڈھلی تو ایمان گیا وہ عورت صحیح معنوں میں عورت نہیں جس کی آنکھوں میں حیا نہیں ہے وہ جانور

ہے انسان نہیں ہے۔"

اصلاحِ معاشرہ، صفائیٔ معاملات، اہمیتِ وقت پر خاص طور سے حضرت ڈاکٹر صاحب ؒ زور دیتے تھے۔ اپنی کتاب "معمولاتِ یومیہ" میں سرفہرست اوّل نمبر پر نظام الاوقات کو جگہ دی ہے۔ کہتے ہیں کہ "سب سے پہلے میری گذارش یہ ہے کہ آپ اپنے شب و روز کی ضروری مصروفیات کے پیشِ نظر ایک مستحکم نظام الاوقات بنائیے" بارہا حضرت کی زبان مبارک سے یہ سُنا کہ عمر بھر کے تجربہ کی ایک بات بتاتا ہوں کہ اپنے نظم الاوقات کی پابندی کرو وقت بڑا گرانقدر سرمایۂ زندگی ہے۔ اگر وقت پر کام کرنے کی عادت پڑ گئی اور اس پر مداومت حاصل کر لی تو پھر وقت تمہارا خادم بن جائے گا۔ حضرت اپنے معمولات وقت پر ادا کرنے کی ایک ایسی مثال تھے کہ شاذ و نادر ہی کوئی معمول چُھوٹا ہو فرمایا کہ طالبعلمی کے زمانہ سے جو معمولات شروع کئے وہ الحمد للہ آخر زندگی تک ہوتے رہے۔ صبح کو تلاوتِ قرآن پاک کا جو وقت مقرر تھا بلا ناغہ اُسی وقت وہ شروع ہوتا تھا۔ فرمایا ایک مرتبہ کالج کے ہوسٹل میں حسبِ معمول صبح کو تلاوت کر رہا تھا کہ ایک ہم جماعت شخص میرے کمرہ کے سامنے کھڑے ہو کر اپنی گھڑی درست کرنے لگے۔ میں نے دریافت کیا کہ آپ یہ کیا کر رہے ہیں انہوں نے جواب دیا کہ گھڑی بند ہو گئی تھی وقت ملا رہا ہوں۔ کیونکہ آپ روزانہ ٹھیک اسی وقت تلاوت کرتے ہیں۔ فرمایا کہ عمر بھر میں نے وقت پر کام کیا ہے۔ چنانچہ اس پیرانہ سالی، ضعیفی اور بیماری کے باوجود جب رات کے ۲ بجتے ہیں تو وقت خود مجھے کھڑا کر دیتا ہے۔ حالانکہ نہ جسم میں طاقت ہے اور نہ ہمت ہے۔ ایک دفعہ حضرت کو بخار تھا، بے حد نقاہت تھی جب وقتِ شب خیزی آیا تو اپنے بستر سے اُٹھنے لگے حضرت کے گھر میں سے فرمانے لگیں کہ آج آپ کی طبیعت خراب ہے نہ اُٹھو۔ لیکن حضرت سے نہ رہا گیا، پلنگ سے اُٹھ کر دیوار کے سہارے سہارے غسل خانہ گئے، وضو کیا پھر نماز کی چوکی پر کھڑے ہو کر نفلیں ادا کیں، حضرت عارفِ کامل تھے وہ رخصت و عزیمت سب کچھ جانتے تھے لیکن چونکہ وہ "ابوالوقت" تھے اس لئے انہوں نے وقت کو کنٹرول کر لیا تھا مُداومتِ معمولات حضرت کی عادت ثانیہ بن گئی انکی یہ استقامت فوق الکرامت ہے۔ معمولات کا ناغہ ہونا انکی سرشت ہی میں نہ تھا۔ تہجد کے بارے میں اپنے خدام کو نصیحت فرماتے تھے کہ اگر بے حد کسل ہے اور بستر سے اُٹھا نہیں جا رہا ہے تو پلنگ کی پٹی پر ہی بیٹھ کر کم از کم تین بار اللّٰھم اغفرلی، اللّٰھم اغفرلی کہہ لو تاکہ کم از کم آخر شب کے مُستغفرین کے رجسٹر میں تو تمہاری حاضری درج ہو جائے اور تم "وبالاسحار ھم یستغفرون" ـــ کے مورد بن جاؤ۔

حضرتؒ چونکہ خود سرتاپا محبت کے پُتلے تھے، اس لئے عقیدت کے مقابلہ میں محبت کو ترجیح دیا رتے تھے فرماتے تھے کہ عقیدت کرنے والے تو بہت ہیں لیکن محبت والے کم ہیں۔ چنانچہ انکی نظرِ محبت اپنے تمام متعلقین و منتسبین پر ایسی پڑی کہ آج انکی محفل کا ہر حاضر باش یہی سمجھتا ہے کہ سب سے زیادہ وہ اُسی سے محبت کرتے تھے۔ وقت بے وقت جب بھی کوئی ملاقاتی آتا حضرت باوجود ضعف ونقاہت اور تعب کے اس سے ملاقات کرنے باہر تشریف لاتے، مغرب کی نماز سے قبل مجلس ختم ہوجاتی تھی لیکن حضرتؒ بعدِ مغرب بھی طالبین کی خاطر انکو اپنے ملفوظات سے مُستفید کرتے تھے۔ فرماتے تھے ہ وہ آدمی کس کام کا جو کسی کے کام نہ آئے۔ بعد عشاء اصلاحی خطوط کا جواب مرحمت فرماتے تھے، اس ام میں رات کے بارہ بج جاتے۔ سونے سے قبل جس طرح اپنے گھر کا حصار کرتے اسی طرح اپنے مخصوص احباب کے گھروں کا حصار کرتے تھے اور انکو فرداً فرداً دعائیں دے کر سوتے تھے۔ اب کہاں ملیں کے ایسے محبت کرنے والے اہلِ دل ؏

اب انہیں ڈھونڈھ چراغِ رُخِ زیبا لے کر

حضرتؒ کی رحلت اُمتِ مسلمہ کے لئے ایک عظیم سانحہ ہے ایک مستجاب الدعوات بزرگ کی دعاؤں سے ہم محروم ہوگئے ؏

اُٹھ گیا ناوک فگن مارے گا دل پہ تیر کون

احقر کے والدین اور دو چچاؤں کا انتقال کراچی میں ہوا انکی نمازِ جنازہ حضرت ڈاکٹر صاحبؒ نے پڑھائی تھی۔ حضرت کو ہمارے خاندان کے اکابر سے بڑا تعلق تھا، تقریباً بیس سال قبل کی بات ہے کہ میرے ایک چچا کینسر کے مرض میں مبتلا تھے حضرت ڈاکٹر صاحبؒ سے بیعت تھے انکی زندگی کے آخری ایام بھی احقر کے گھر پر گذرے جب انکا نزع کا وقت آیا تو حضرت کو اطلاع کی گئی حالانکہ مطب کا وقت تھا لیکن حضرت ڈاکٹر صاحبؒ فوراً تشریف لائے، حضرت بابا نجم صاحبؒ بھی ساتھ تھے۔ دونوں حضرات چچا صاحب مرحوم کی داہنی طرف بیٹھ گئے اور کچھ پڑھنے لگے میں سرہانے کھڑا تھا تھوڑی دیر بعد چچا صاحب مرحوم نے حضرت ڈاکٹر صاحب کو مخاطب کرکے کہا کہ مجھے اپنے گناہ یاد آرہے ہیں۔ انکی زبان سے یہ فقرہ سُن کر حضرت ڈاکٹر صاحبؒ نے فوراً اپنا دستِ مبارک انکے قلب پر رکھا اور نہایت حکیمانہ انداز سے ارشاد فرمایا، "خبردار گناہوں کو بالکل یاد نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے سب گناہ معاف کردیئے" کئی

بار یہ کلمات دُھرائے۔ یہ سُنتے ہی چچا صاحب مرحوم کی آنکھوں میں ایک خاص مسرت و اطمینان کی لہر دوڑ گئی، چند لمحے بعد ایک ہچکی آئی اور ختم ہو گئے، شاید ابلیس اُس وقت اللہ کی رحمت سے مایوس کرنے آیا ہو گا کہ پچھلے گناہوں کو یاد دلا رہا تھا لیکن حضرتؒ نے بے حد وثوق سے فرمایا کہ آپ کے سب گناہ بخش دیئے گئے آج تک حضرتؒ کی آواز کانوں میں گونجتی ہے۔ آخر وقت میں کیسی تسلّی دی تاکہ دنیا سے جانے والا اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔

حال کا واقعہ ہے کہ حضرتؒ کے وصال سے تقریباً چھ ماہ قبل میری والدہ مرحومہ کا انتقال ہوا وہ جمعہ کا دن تھا۔ حضرت کا معمول تھا کہ بارہ بجے مسجد تشریف لے جاتے تھے چنانچہ نماز سے فارغ ہو کر جب گھر تشریف لائے تو انتقال کی خبر ملی۔ اس زمانہ میں حضرت کی علالت کا بھی سلسلہ چل رہا تھا بایں ہمہ مسجد سے واپسی پر گھر میں آرام نہیں کیا بلکہ غسل میت سے قبل احقر کے مکان پر پہنچ گئے اتفاق سے اسی روز حضرت کے ایک پوتے بھی امریکہ سے آ رہے تھے جو وقت جہاز کی آمد کا تھا وہی وقت والدہ مرحومہ کی نمازِ جنازہ اور تدفین کا تھا، حضرتؒ نے اپنے صاحبزادگان سے تاکید کی کہ نمازِ جنازہ اور دفن میں شرکت کریں اس سلسلہ میں حضرتِ کا ایک مقولہ یاد آیا فرمایا کرتے تھے کہ اگر ایک ہی وقت میں دو معاملے درپیش ہوں اور اتنی گنجائش نہ ہو کہ دونوں کو بیک وقت انجام دے سکو تو ان میں سے جس عمل کی بعد میں تلافی نہ ہو سکے اسکو ترجیح دو یہ ایسا عارفانہ نکتہ ہے کہ عالمِ تعلقات میں جب بھی کشمکش ہوتی ہے تو ان افادات کی روشنی میں بڑے بڑے عُقدے حل ہو جاتے ہیں۔ سچ کہا ہے۔ ؎

عارفی میرا ہی دل ہے محرم راز و نیاز
بعد میرے رازِ حسن و عشق سمجھائے گا کون

انگریزی داں طبقہ کے لئے عمل اور ردّ عمل (ACTIAN AND REACTIAN) کی تھیوری ارتکابِ معصیت کے مُضرات سمجھنے میں بڑی مفید ثابت ہوتی تھی فرماتے تھے کہ "یہ انتہائی غفلت ہے کہ گناہوں کو نہیں چھوڑتے ہیں۔ گانا بجانا، ریڈیو، ٹیلیویژن، وی سی آر، راگ رنگنی، تصاویر، بے حجابی، بے غیرتی رائج الوقت ہو گئی ہے انکا وبال تو ہم پر ضرور ہونا ہے۔ یقیناً ہو گا اور ہمیشہ ہو گا۔ یہ خدا کا قانون ہے۔ اسکو کوئی نہیں بدل سکتا خوب سمجھ لیجئے جب تک نافرمانی کرتے رہو گے اور توبہ استغفار نہ کرو گے اس کا ردّ عمل ضرور ہو گا جس کو بھگتنا پڑے گا۔" "گھر گھر پریشانی ہے، بد مزگی ہے، رشتے نہیں آتے، زن و شوہر

میں نہیں بنتی۔ لڑکے نافرمان ہورہے ہیں۔ تجارتوں میں گھاٹے ہورہے ہیں۔ فلاں نقصان ہوگیا۔ فلاں جگہ آگ لگ گئی، فلاں جگہ یہ حادثہ یہ سانحہ ہوگیا یہ سب واقعات ہورہے ہیں۔ روز سُنتے ہیں روز دیکھتے ہیں۔ یہ سب کیا ہورہا ہے وہی عمل اور ردِّ عمل کے قانون الٰہی کا مظاہرہ ہے۔ جیسا عمل ہورہا ہے ویسا ہی اس کا ردِّ عمل ہورہا ہے" (ماخوذ از افاداتِ عارفیؒ)

کم وبیش یہی مضمون ہر جمعہ کی مجلس میں بیان ہوتا تھا الفاظ بھی وہی ہوتے تھے لیکن نہ معلوم حضرتؒ کی زبان میں اللہ نے کیا تاثیر رکھ دی تھی کہ اس کثرتِ تکرار کے باوجود ہر دفعہ سامعین پر ایک نیا اثر ہوتا تھا گویا کہ پہلی دفعہ سُن رہے ہیں۔ آغازِ مجلس میں کبھی کبھی یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ میں واعظ نہیں مقرر نہیں جو باتیں اپنے بزرگوں سے سُنی ہیں وہی آپ لوگوں کو سُنا دیتا ہوں۔ ان سیدھی سچی باتوں میں خدا معلوم کیا جادو تھا کہ دور دور سے لوگ جوق در جوق سننے آتے تھے اور مجمع بڑھتا جاتا تھا۔

فرمایا کہ صبح وشام کی تسبیحات میں (Energy) انرجی ہے قوت ہے یہ مثال دیا کرتے تھے کہ جس طرح صبح کے ناشتے کے بعد جسم میں طاقت وتوانائی آجاتی ہے کیونکہ اعضاء رئیسہ کو غذا پہنچ گئی چنانچہ دن بھر کے جسمانی مشاغل انجام دینے میں وہ توانائی جو ممد ومعاون ہوتی ہے اسی طرح تسبیح وتہلیل اور درود واستغفار سے روح کو غذا میسر ہوتی ہے اور اسطرح روحانی قوت سے روزانہ کے معمولات بحسن وخوبی ادا ہوجاتے ہیں اور اجتناب معاصی میں مقاومتِ نفس سہل ہوجاتی ہے۔

حضرت ڈاکٹر صاحبؒ سے اپنی پہلی اور آخری ملاقاتیں تصور میں آگئیں، پہلی ملاقات آج سے تقریباً ۳۵ سال قبل برنس روڈ کے مطب میں ہوئی۔ میرے ایک چچا مرحوم نے اس طرح مجھ سے حضرتؒ کا تعارف کرایا تھا کہ ہندوستان سے ایک بزرگ آئے ہیں جنکی زبان میں تاثیر ہے اور جنکے پاس بیٹھ کر دل کو سکون حاصل ہوتا ہے دنیا سے نفرت ہوجاتی اور فکرِ آخرت پیدا ہوتی ہے اسکے بعد چچا مرحوم ہی مجھ کو حضرت کے پاس لے گئے تھے حضرتؒ نے دعا دی کہ اللہ جوان صالح بنائے پھر قصد السبیل نکالکر مجھے دی اس میں ایک باب اس بارہ میں ہے کہ کیا کرنا ہوگا؟ اور کیا چھوڑنا ہوگا؟ فرمایا کہ اس پر سرخ پنسل سے نشان لگا کر بتانا۔ ایک دفعہ میں حضرت کے مطب میں بیٹھا تھا، اس زمانہ میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ مسجد باب الاسلام کے پاس رہتے تھے، تھوڑی دیر بعد حضرت مفتی صاحب نور اللہ مرقدہٗ مطب کے سامنے بازار میں سے جاتے ہوئے نظر آئے۔ حضرت ڈاکٹر صاحبؒ فرمانے لگے کہ دیکھو پاکستان کے مفتیٔ اعظم جارہے ہیں لیکن کیا سادگی اور عجز وانکساری ہے کہ

وضع قطع لباس پوشاک سے کوئی نہ پہچانے گا کہ یہ ایک متبحر عالم و مفتی و مُحدّث و مفسر ہے جو اس شان سے بازار میں جا رہے ہیں فرمایا کہ مُنتہی اور مبتدی کے ظاہر میں فرق نہیں ہوتا۔

آخری ملاقات حضرتؒ کے وصال سے تین ہفتے قبل انکے گھر پر بعد عصر بڑے کمرہ میں اُسی جگہ ہوئی جہاں حضرتؒ بوقت مجلس تشریف رکھا کرتے تھے۔ حاجی سید اختر صاحب زید مجدہٗ وہاں پہلے سے بیٹھے تھے۔ اُسوۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عربی ترجمہ سید صاحب کی وساطت سے مکمل ہو گیا تھا اسکے طبع کرنے کے سلسلہ میں حضرت ہدایات دے رہے تھے۔ طباعت وغیرہ کے اخراجات کا ذکر دوران گفتگو آیا فرمایا کہ اگر ایک لاکھ روپیہ بھی خرچ ہو تو کوئی پروا نہیں مجھ سے لے لینا۔ پھر فرمایا کہ اس پر تقریظ کسی عربی عالم سے لکھوانی چاہیئے۔ احقر جب حضرتؒ سے رخصت ہونے لگا تو عرض کیا کہ پشاور جا رہا ہوں۔ فرمایا کہ مولانا فقیر محمد صاحب سے میرے لئے دعا کرانا۔ میں پشاور ہی میں تھا کہ حضرتؒ کے ہسپتال میں داخلہ کی اطلاع ملی۔ حضرت مولانا نے دعا کی۔ دوسرے صبح بذریعہ ٹیلیفون انتقال کی خبر پہنچی شکر ہے کہ پنڈی سے صبح کے پہلے جہاز سے سیٹ مل گئی، مجھے نمازِ جنازہ میں شرکت اور میت کا کندھا دینے کی سعادت نصیب ہو گئی ورنہ تمام عمر حسرت رہ جاتی۔

حضرت حکیم الامتؒ کی تعلیم میں فنائیت روح رواں ہے۔ ایک ملفوظ ہے، فرمایا کہ ہم نے حضرت حاجی صاحبؒ سے ایک ہی سبق پڑھا ہے کہ اپنے کو مٹا دو۔ چنانچہ اس سلسلہ کے تمام اکابر پر فنائیت کا غلبہ رہا ہے۔ ان حضرات نے خود کو ایسا مٹایا کہ ایک ظاہر بین نظر نہ پہچان سکی۔ جو سبق حضرت حکیم الامتؒ نے اپنے مُرشد شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ سے پڑھا تھا وہی انہوں نے اپنے خلیفۂ ارشد حضرت ڈاکٹر صاحبؒ قدس سرہٗ کو پڑھایا۔ انتقال کے بعد حضرتؒ کے وصایا میں مندرجہ ذیل عبارت نظر سے گذری۔ لکھتے ہیں کہ "سب سے بڑا حق میرا جو میری اولاد پر ہے وہ یہ ہے کہ میری نصیحت و وصیت کو دل سے مانیں اور اس پر عمل کریں۔ مجھ کو اللہ تعالیٰ نے ظاہر و باطن کی بہت سی نعمتیں عطا فرمائی ہیں"۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کو ظاہر و باطن کی کیا کیا نعمتیں عطا فرمائیں اس کا علم تو صرف اللہ ہی کو ہے اور اللہ سے دعا بھی ہے کہ وہ اپنی شان کے مطابق حضرتؒ کو نعماء جنت اور درجات رافعہ سے نوازے۔ انکی ایک پسندیدہ دعا جو وہ اکثر اپنی مجلس کے اختتام پر

مانگا کرتے تھے میں بھی اس مضمون کو اس دعا پر ختم کرتا ہوں۔ اے اللہ ہمارے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو آپ اس آیت کریمہ کا مورد بنا دیجئے۔

یا ایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الیٰ ربک
راضیۃ مرضیۃ ○ فادخلی فی عبادی
فادخلی جنتی ○

* * *

شائقین علوم حدیث کی سالہا سال کی آرزوں کی تکمیل

تکملۂ فتح الملہم
جلد ثانی

جو انتہائی خوبصورت ٹائپ میں دیدہ زیب چھپ گئی ہے

تالیف: مولانا محمد تقی عثمانی
استاذ حدیث دارالعلوم کراچی

صحیح مسلم پر شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی شہرۂ آفاق عربی شرح "فتح الملہم" وہ بے مثال شرح ہے جس نے مشرق و مغرب سے خراجِ تحسین وصول کیا لیکن افسوس ہے کہ حضرت علامہؒ زندگی میں اسے مکمل نہ فرما سکے۔ اہل علم کی یہ ضرورت تھی کہ اس کا تکملہ لکھا جائے۔ مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی ایما پر مولانا محمد تقی عثمانی نے اس عظیم کام کا بیڑا اٹھایا، اور اب بفضلہ تعالیٰ اس کی دوسری جلد بھی منظر عام پر آگئی ہے۔

- دوسری جلد میں فرائض، ہبہ، وصیت، ایمان، حدود، دیات، اقضیہ، لقطہ مکمل
- احادیث کے متن وسند میں چھپی ہوئی باریکیوں کا استنباط اور عام فہم اسلوب
- حدیث کے ایک ایک جز کی مبسوط اور دلنشین تشریح۔
- احادیث کی تخریج، راویوں کے حالات اور مختلف طرق حدیث کا مفصل بیان
- فقہی مسائل میں ائمہ مجتہدین کے مذاہب کا مستند ترین تذکرہ۔
- عصر حاضر میں پیدا شدہ فتنوں اور ان کے پھیلائے ہوئے شبہات کا شافی جواب

صحیح مسلم کے متعدد حصوں کی ایسی جامع شرح جو انشاء اللہ طلبۂ حدیث کی دیرینہ پیاس بجھائے گی۔

جن ابواب میں مروجہ شروح کے اختصار کی بنا پر بہت سے مسائل تشنہ رہ جاتے ہیں ان میں تسلی بخش تفصیل جو سالہا سال کی محنت اور مطالعے کا نچوڑ ہے۔

دبیز آفسٹ پیپر پر ٹائپ کی حسین طباعت، ہر حدیث پر نمبر پڑے ہوئے، ہر پیراگراف ممتاز جابجا عنوانات، مفصل فہرست اور استفادہ نہایت آسان۔

رگزین کی دلکش ترین جلد   قیمت ۱۹۰ روپے

ناشر: مکتبۂ دارالعلوم کراچی

حاجی محمد فاروق صاحب
سکھر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

”خاموش ہو گیا ہے چمن بولتا ہوا“

حضرت عارفیؒ نور اللہ مرقدہٗ سے پچیس سالہ تعلق

عارف باللہ حضرت اقدس ڈاکٹر محمد عبد الحیؒ صاحب عارفیؒ کا پہلی مرتبہ شرف نیاز اُسوقت حاصل ہوا جب حضرت والا مع احباب خاص یعنی بابا نجم احسن صاحب پرتاب گڈھیؒ حضرت مولوی عبد الوحید خاں صاحبؒ مولانا لطافت علی صاحب ہمارؒ وغیرہ حضرت حکیم سیّد محمد ابراہیم صاحب رزمیؒ کی دعوت پر سنہ ۱۹۶۰ء میں سکھر تشریف لائے۔

حضرتِ والا کی مجالسِ رشد و ہدایت سے احقر بہت متأثر ہوا ارشادات سے بہت نفع ہوا اس کے بعد بھی دو بار سکھر تشریف لانا ہوا آخری مرتبہ سنہ ۱۹۷۳ء میں حضرت ڈاکٹر ابراہیم محمد پیٹل صاحبؒ کی عیادت کے لیے تشریف لائے اس مرتبہ حضرت والا کے ہمراہ حضرت ظفر احمد صاحب تھانویؒ انجینئر بھی تھے حضرت ڈاکٹر حفیظ اللہ صاحب مدظلہٗ کے مطب کی بالائی منزل پر قیام فرمایا ہماری خوش قسمتی تھی کہ کئی یوم قیام فرمایا بتوفیقہٖ تعالیٰ احقر کو شب و روز حضرت والا کے مبارک قدموں میں رہنے کا شرف حاصل ہوا۔ نمازِ تہجّد کے بعد حضرت والا کا معمول چاء نوشی کا تھا ایک روز چاء نوشی کے وقت جبکہ چاروں طرف سے فجر کی اذانوں کی آوازیں آنا شروع ہوئیں تو عجیب انداز میں وجد آفریں اور بصیرت افروز

کلمات فرمائے ۔

• فرمایا فسق و فجور مٹ گیا نافرمان بندے انکی نافرمانیوں سے باز آ گئے ساری کائنات میں وحدانیت کا ڈنکا پٹ رہا ہے ارے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ۔

نبی الرحمۃ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اعلان ہو رہا ہے ۔

حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ ، مسلمانوں کو نماز کی طرف بُلایا جا رہا ہے ۔

حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ ، فلاح کی دعوت دی جا رہی ہے ۔

ہر سمت انوار و تجلّیات کا نزول ہو رہا ہے ارے عجیب وقت ہے اللہ کی طرف رجوع ہونے کا ۔"

حضرت والا مجھ سے بہت خوش تھے بہت محبت فرماتے تھے بوقت روانگی فرمانے لگے تم نے ہماری بہت خدمت کی ہے ہماری دُعا ہے اللہ تعالیٰ تم کو مخدوم بنا دیں ۔

ایک بار احقر نے روہڑی اسٹیشن پر عرض کیا کہ حضرت میری اصلاح کے واسطے دُعا فرما دیں دُعا فرمانے کے بعد فرمایا اسے اس بات کو یاد رکھو فری دُعا سے کسی کی اصلاح نہیں ہوئی خود بھی کچھ کرنا پڑتا ہے ۔ ؎

کامیابی تو کام سے ہوگی ۔ نہ کہ حُسنِ کلام سے ہوگی
ذکر کے اہتمام سے ہوگی ۔ فکر کے التزام سے ہوگی

اس کے بعد پیہم حضرت والا کی خدمت میں احقر کراچی حاضر ہوتا رہا ۔ بہت ہی شفیق تھے غایت کرم و کمال شفقت سے پیش آتے تھے بفضلہ تعالیٰ ہمیشہ حضرتِ والا کے ارشاداتِ عالیہ سے نفع ہوا عقدہ کشائی ہوئی عزم و ہمت میں اضافہ ہوا دین بہت آسان معلوم ہوا ۔

جب حضرت والا کو یہ معلوم ہوا کہ احقر مسیح الامت حضرت مولانا شاہ محمد مسیح اللہ صاحب مدظلہم سے بیعت ہے تو بہت عجیب الفاظ میں خوشی کا اظہار فرمایا کہ مولوی مسیح اللہ صاحب سے بیعت ہو ہم ہی سے بیعت ہو ایک ہی بات ہے ۔ ایک مرتبہ بہت ہی خصوصیت سے فرمایا کہ کراچی کے قیام میں کوئی تکلیف ہو تو تم بے تکلف ہمارے پاس ٹھہر جایا کرو اس زمانہ میں حضرت والا کا قیام پاپوش نگر میں مطب کے اوپر تھا ایک مرتبہ فرمایا تم بہت کام کے آدمی ہو ۔

۱۹۶۵ء میں جنگ کے بعد حضرت مرشدی مسیح الامت دامت و برکاتہم سے مکاتیب کا سلسلہ دو سال کے لئے بند ہو گیا تو حضرت والا نے بغایتِ شفقت فرمایا ہمیں خیریت کا خط لکھتے رہا کرو اس دو سال کے عرصہ میں حضرت والا نے بہت ہی رہنمائی فرمائی دل سے دُعائیں نکلتی ہیں

۱۹۶۹ء میں دور ایوبی میں حج پر سخت پابندیاں عائد تھیں احقر فریضہ حج کے لئے بیتاب تھا حضرت والا نے بہت دُعائیں فرمائیں حضرت والا کی دُعا سے حاضری کی صورت پیدا ہو گئی فالحمد للہ علیٰ ذالک ۔

ایک روز مطب میں فرمایا اللہ تعالیٰ نے تم کو ایک طویل ویزا عطا فرما دیا ہے ۔ انشاء اللہ تعالیٰ حرمین شریفین جاتے رہو گے ۔

دیکھو جب مواجہ شریفہ میں حاضر ہو تو یوں عرض کرنا ۔

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

؎ غم بے مایگی شرم گناہ بیتابیٔ ہجراں
یہ سارا قافلہ منزل بمنزل لے کے آیا ہوں

فرمایا یہ میرا شعر نہیں ہے تسکین میرٹھی کا ہے یہ بھی فرمایا کہ میرا سلام عرض کر دینا آداب والقاب کے بغیر میرا نام لینا کہنا عبدالحئی سلام عرض کرتا ہے فرمایا عالم امکان میں اتنا بڑا شرف نہیں کہ ایک بندہ گنہگار بارگاہِ عزت وجلال اور بارگاہ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہو جائے ۔

حضرت والا کی فرمودہ مذکورہ ہدایات کے مطابق جب حاضری کی سعادت نصیب ہوئی احقر کی عجیب کیفیت تھی جسکو الفاظ کے جامہ میں پیش نہیں کر سکتا حضرت والا کی دُعاؤں سے احقر بہت متأثر ہوا بالخصوص بار بار اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ ۔ فرمانے سے ۔

لاہور میں کئی سال تک مجلس صیانۃ المسلمین کے سالانہ اجتماع میں حضرت والا تشریف لے جاتے رہے عجیب و غریب مجالس ہوئیں ۔ ہزاروں مُردہ و تشنہ قلوب حضرت والا کے نصائح سے صحتیاب و سیراب ہوئے احقر ان مجالس میں حاضر رہا متعدد بار حضرت والا کی معیت میں حضرت چھوٹی پیرانی صاحبہ اہلیہ مجدد تھانویؒ کے دولت خانہ پر حاضری نصیب

ہوئی۔ ایک مرتبہ فرمایا اگر کسی کے پاس مطالعہ کے لئے زیادہ وقت نہ ہو تو کم از کم ہمارے حضرت کے چالیس وعظ دیکھ لے انشاء اللہ تعالیٰ باطن میں انقلاب آجائے گا۔

ایک مرتبہ حاضر ہوا تو بہت ہی محبت سے پیش آئے فرمانے لگے ماشاء اللہ تم بہت کام کر رہے ہو ہمارے حضرت کی تعلیمات کی اشاعت کر رہے ہو ہمارا تم سے بہت دل خوش ہے اور دُعا سے نوازا۔

ایک مرتبہ فرمایا کہ ڈاکٹر صاحب اور حکیم صاحب اور تم ہماری کیسٹیں سُنا کرو انشاءَ اللہ تعالیٰ بہت نفع ہو گا باتیں تو وہی ہیں جنکو سب جانتے ہیں مگر لب ولہجہ کا بڑا اثر ہوتا ہے ایک ملاقات میں معارفِ حکیم الامّت کے مسوّدہ کی فائل دیکھنے کے لئے عنایت فرمائی بڑی دیر تک والہانہ انداز میں اپنے شیخ مجدّد تھانویؒ کے علوم کو بیان فرماتے رہے۔

آخری ملاقات

یہ ناکارہ حضرت والا کی زیارت کے لئے ۱۶، مارچ ۱۹۸۶ء بروز اتوار گیارہ بجے دن مطب میں حاضر ہوا مریضوں کے ہجوم کے باوجود مصافحہ اور معانقہ فرمایا خاص وقت بنظرِ کرم عنایت فرمایا اپنے قریب بٹھلایا حضرت ڈاکٹر حفیظ اللہ صاحب اور حضرت حکیم سیّد محمد ابراہیم صاحب اِن دنوں بیمار تھے حضرت والا نے خاص طور پر دونوں حضرات کی خیریت مِزاج معلوم فرمائی فرمایا ہمارا دل ڈاکٹر صاحب اور حکیم صاحب کی طرف لگا ہوا ہے ہم برابر دونوں کی صحت کے لئے دُعا کر رہے ہیں۔

احقر نے عرض کیا کئی روز ہو گئے پاسپورٹ عمرہ کے ویزا کے لئے سعودی سفارتخانہ میں جمع ہے ابھی تک ویزا نہیں ملا حضرت والا دُعا فرمادیں۔

فرمایا "پہلے بھی آپکو ویزا ملتا رہا ہے انشاء اللہ تعالیٰ اب بھی مل جائیگا ارے بھئی یہاں بھی تم ہمکو یاد رکھتے ہو وہاں بھی یاد رکھنا"

آہ یہ کیا معلوم تھا کہ آفتابِ زمانہ امام السالکین آیتِ اشرف شیخ المشائخ حضرت والا سے یہ آخری ملاقات ہے۔

اسی روز بعد مغرب سفارت خانہ سے ایک دوست نے پاسپورٹ لاکر دیا ویزا دیکھتے ہی حضرت والا کی دعاؤں کی مقبولیت نظروں کے سامنے آگئی کہ ویزا میں تاریخ اجراء ۱۶ مارچ ۱۹۸۶ء ہی درج تھی۔

بتوفیقہٖ تعالیٰ احقر ۲۰ مارچ کو جدّہ کے لئے روانہ ہوا مکّہ مکرمہ میں ۲۸ مارچ کو نماز جمعہ کے لئے المسجد الحرام حضرت ڈاکٹر عبدالواحد صاحب دامت برکاتہم کے ساتھ جا رہا تھا کہ راستہ میں حضرت ڈاکٹر صاحب نے محترم حسن امام صاحب مدظلہٗ کے حوالہ سے یہ خبر سنائی کہ حضرت والا رحلت فرما گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

بیحد صدمہ ہوا دعائے مغفرت اور ایصالِ ثواب کی توفیق ملی بتوفیقہٖ تعالیٰ حضرت والا کی طرف سے عمرہ بھی کیا اب روزانہ سورہ اخلاص بارہ دفعہ پڑھ کر بخشنے کا معمول ہے انشاء اللہ تعالیٰ احقر جب تک زندہ ہے حضرت والا کے لئے دعائے مغفرت اور ایصالِ ثواب کرتا رہے گا حضرت والا کے ساتھ خاص تعلّق پر بار بار شکر کی توفیق مل رہی ہے اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ وَلَکَ الشُّکْرُ۔

این سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

"مدینہ طیّبہ میں حضرتِ عارفی کی زیارتِ منامی"

احقر ۲۹ مارچ ۱۹۸۶ء کو مدینہ طیّبہ حاضر ہوا حضرت والا کے وصال کی خبر وہاں بھی پہونچ چکی تھی ہر شخص رنجیدہ تھا انفرادی طور پر احباب ایصالِ ثواب اور دعائے مغفرت کر رہے تھے۔

شیخ القراء حضرت قاری فتح محمد صاحب پانی پتی ثم المدنی پر عجیب رنج کا عالم تھا بہت غمزدہ تھے بار بار فرماتے تھے رنج رنج (حضرت قاری صاحب معذور و مفلوج ہیں اس لئے صاف بول نہیں سکتے لہٰذا اپنے رنج کا اظہار اس طرح فرما رہے تھے)

۴ اپریل بروز جمعۃ المبارک فجر کے بعد ناشتہ سے فارغ ہو کر اصطفاء منزل میں

قیام تھا احقر اپنے کمرہ میں سو گیا ایک عجیب و غریب خواب دیکھا کہ ایک عمارت بہت بلند و بالا ہے چھت مثل چبوترہ کے ہے چاروں طرف دہلی کی جامع مسجد کی سی سیڑھیاں ہیں پوری عمارت مع سیڑھیوں کے سنگ مرمر کی ہے احقر اوپر کھڑا ہے اچانک کیا دیکھتا ہے کہ حضرت عارفی نور اللہ مرقدہٗ اور ان کے پیچھے حضرت حکیم سید محمد ابراہیم صاحب رزمی بھی تشریف لا رہے ہیں۔

حضرت والا کے دائیں دست مبارک میں کتابیں تھیں اور بائیں ہاتھ میں کچّا گوشت تھا چبوترہ پر پہونچ کر حضرت والا نے فرمایا فاروق کتابیں تم لے لو بڑی خوشی سے احقر کو کتابیں عنایت فرمائیں اور کچّا گوشت اپنے ہی پاس رکھا حضرت والا خوش و خرم تھے فوراً احقر بیدار ہو گیا بیدار ہونے کے بعد معاً قلب میں آیا کہ یہ حضرات جنّۃ البقیع منتقل کر دیئے گئے ہیں و ما ذالک علی اللہ بعزیز۔ اس خواب کے بعد اپنے باطن میں عجیب تغیّر محسوس کر رہا ہے۔

واپسی پر کراچی پہونچ کر بہت خلاء محسوس ہوا حضرت والا کی بہت یاد آئی زمانہ قحط الرجال ہے اب تو جو نفوسِ قدسیہ فی زمانہ موجود ہیں اُن سے پُورا پورا استفادہ کرنا چاہیئے اور انکی قدر کرنی چاہیئے۔ ؎

کیسی کیسی صورتیں آنکھوں سے پنہاں ہو گئیں
کیسی کیسی صحبتیں خواب پریشاں ہو گئیں

؎ جو تھے نوری وہ گئے افلاک پر
مثل تلچھٹ رہ گیا میں خاک پر
بلبلوں نے گھر کیا گلشن میں جا
بوم ویرانے میں ٹکراتا رہا

بس اللہ تعالیٰ صحیح تواضع اور اخلاص و تقویٰ عطا فرما دیں راضی ہو جاویں اپنا بنا لیں۔ آمین

؎ یہ رتبۂ بلند ملا جسکو مل گیا
وَذَالِكَ فَضْلُ اللهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ

اَللّٰهُمَّ وَفِّقْنَا لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضیٰ
احقر مُحَمَّد فارُوق عفی عنہ
۱۱ رمضان المبارک سنہ ۱۴۰۲ھ
بوقتِ چاشت

• جناب جسٹس ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن صاحب

حضرت عارف باللہ

مولانا مفتی محمد شفیع اور مولانا محمد یوسف بنّوری رحمہما اللہ تعالیٰ کے وصال کے بعد برادرِ عزیز حافظ عتیق الرحمٰن سلّمہ اللہ تعالیٰ (جنھیں حضرتؒ نے اپنی حیات ہی میں خلافت عطا فرمائی) کے ہمراہ عارف باللہ حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحیؒ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے دولت کدہ پر جمعہ کے دن حاضری ہونے لگی۔ یہ مجلس عام ہوا کرتی تھی۔ یہ بات ۱۹۷۸ء کی ہے۔ پھر جب حضرتؒ نے بعض مریدین و متوسّلین کی خواہش پر پیر (دوشنبہ) کے دن خاص مجلس شروع کی تو اُس خاص مجلس میں شرکت کا معمول رہا جو تقریباً ایک سال جاری رہا۔ اور اسلام آباد نقل مکانی کے بعد ۸۴ - ۱۹۸۰ء کے دوران جب کبھی اسلام آباد سے کراچی آنے کا موقع ملتا تو حضرتؒ کی خدمت میں حاضری معمول کا حصّہ تھی۔ اس دوران حضرتؒ سے بیعت کا شرف بھی حاصل ہوا اور اب بذریعہ خط و کتابت باقاعدہ تربیت شروع ہو گئی۔ جون ۱۹۸۴ء میں اسلام آباد سے کراچی واپسی کے بعد حضرتؒ نے میری درخواست پر پہلے جمعرات اور پھر ہفتہ کے دن عصر اور مغرب کے درمیان کا وقت مخصوص فرما دیا جس میں مَیں اور حافظ عتیق الرحمٰن سلّمہٗ موجود ہوتے اور قریباً ایک گھنٹہ حضرتؒ کے ساتھ صحبت رہتی اور حضرتؒ علم و معرفت کے خزانے لٹاتے۔ اور الحمدللہ یہ سلسلہ حضرتؒ کی زندگی کے آخری ہفتہ تک جاری رہا۔ اس آخری ہفتہ کا واقعہ ہے کہ میں اُس روز (۲۳ مارچ) عام تعطیل کے سبب

اہل خاندان کے ساتھ کراچی سے تقریباً سوا سو کلو میٹر دور، کلری جھیل سیر کی غرض سے گیا ہوا تھا پہلے سے حضرتؒ کو عدم حاضری کی اطلاع کرادی تھی لیکن دل کا تقاضہ ہوا کہ کسی طرح حاضری ہو ہی جائے۔ چنانچہ وقتِ مقررہ سے قبل تقریباً چار بجے سہ پہر کلری سے روانگی ہوئی۔ راستہ میں ڈرائیور کو (جو نہایت احتیاط سے گاڑی چلاتا ہے) رفتار تیز کرنے کی بار بار ہدایت کی تاکہ حضرتؒ کی خدمت میں حاضری کا موقع مل جائے۔ ڈرگ روڈ پہونچ کر وقت دیکھا تو اندازہ لگایا کہ مغرب کی اذان سے بیس پچیس منٹ قبل حضرتؒ کی خدمت میں پہونچا جا سکتا ہے چنانچہ اہلِ خاندان کو دوسری گاڑی میں بٹھایا، وہ سیدھے گھر روانہ ہو گئے اور میں حضرتؒ کے دولت خانہ جا پہونچا۔ اطلاع کرائی۔ اس دوران لان میں چار رکعت نماز عصر پڑھی۔ جب کمرہ میں داخل ہوا تو حضرتؒ زنان خانہ سے تشریف لا چکے تھے۔ بہ کمال تبسم مصافحہ کیا اور فرمایا کہ آپ کی طرف سے تو آج نہ آنے کی اطلاع آگئی تھی۔ میں نے عرض کیا کہ اطلاع تو کرادی تھی مگر دل کا تقاضہ ہوا اور کوشش یہی رہی کہ ناغہ نہ ہو۔ حضرتؒ بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ اس سے محبت اور اخلاص کا اندازہ ہوتا ہے۔ کیا خبر تھی کہ یہ ملاقات آخری ہو گی۔ کیونکہ اُسی شب حضرتؒ کی طبیعت خراب ہوئی اور چند روز بعد (۲۷ مارچ ۸۶ء) نماز فجر کے وقت انتقال ہو گیا۔
اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

وصال کے بعد حضرتؒ کے صاحبزادے عزیزم احسن عباس سلمہٗ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ "حضرتؒ کو ہفتہ کے دن آپ کا انتظار رہتا، پہلے سے ڈرائنگ روم کھلوا دیا کرتے اور ملازم کو کہدیا کرتے کہ تنزیل الرحمٰن صاحب آئیں گے انھیں ڈرائنگ روم میں بٹھانا اور مجھے فوراً مطلع کرنا"۔ اور یہ تو اکثر ہوتا کہ حضرتؒ ہفتہ کے دن چاء باہر منگواتے اور ساتھ ہی نوش فرماتے۔ اور اگر کبھی مجھے دیر ہو جاتی تو چاء اندر مکان میں نوش فرماتے، حضرتؒ کا معمول تھا کہ عصر کے بعد چاء نوش فرماتے تھے۔

اکثر فرمایا کرتے کہ زندگی میں تنظیم اوقات بڑی چیز ہے۔ دنیا میں جتنے بھی بڑے لوگ گذرے ہیں اُن کی زندگی کے حالات کو اُٹھا کر دیکھو تو یہی پتہ چلتا ہے کہ اُن کی زندگی میں نظام الاوقات کی بڑی اہمیت رہی۔

حضرتؒ کی جس چیز نے مجھے بے حد متاثر کیا وہ حضرتؒ کی سادگی تھی۔ اِس زمانہ کے عام پیروں اور صوفیوں کی ایک بات بھی تو اُن میں نہ تھی۔ کوئی ظاہری علامت (زمانۂ حال کے اعتبار سے) حضرتؒ میں ایسی نہ تھی کہ کوئی دیکھے اور کہہ اُٹھے کہ بہت بڑے بزرگ ہیں، نہ وضع قطع، نہ لباس بس ایک عام متشرّع متبّع سنّت مسلمان کی صورت ـــــ لیکن ذرا دیر بیٹھو اور حضرتؒ توجہ فرمائیں تو دل پر جو کیفیت گذرتی، خدا کی قسم، لفظوں میں بیان نہیں ہو سکتی ؎

کرشمہ دامنِ دل میکشد کہ جا اینجاست

حضرتؒ کی مجلس سے اُٹھنے کو جی نہ چاہتا۔ بس "بیٹھے رہیں تصورِ جاناں کئے ہوئے"

حضرتؒ کی کونسی بات ہے جو قابلِ ذکر نہیں، لیکن جو بات میرے نزدیک انتہائی قابلِ ذکر ہے وہ حضرتؒ کا خلق خدا سے اخلاص تھا۔ لوگوں کی اصلاح ظاہری و باطنی کا جذبہ۔ مگر طریقہ ایسا دلآویز کہ کسی کو خبر بھی نہ ہو کہ سُننے والا خود ہی مخاطب ہے ؎

انیس ٹھیس نہ لگ جائے آبگینوں کو

اکثر تلقین فرمایا کرتے:

باخلق کرم کن کہ خدا با تو کرم کرد

واقعہ یہ ہے کہ ہم نے لوگوں کے ساتھ کرم کا برتاؤ کرنا چھوڑ دیا ہے۔ حالانکہ ہم جس نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کے اُمتی اور نام لیوا ہیں وہ تو رحمۃ للعالمین تھے۔ سراپا عفو و کرم تھے۔ اور یہ اللہ والے اپنے اخلاق و آداب میں اُس نبیؐ ہی کا تو پَرتو ہیں۔ خدا سے تو ہم یہ توقع رکھتے ہیں کہ ؎

تو کہ با دشمنان نظر داری
دوستاں را کجا کُنی محروم

لیکن خود ہم خلق خدا کے ساتھ کیسا سلوک کرتے ہیں؟ اے کاش یہی بات سمجھ لیں تو ہماری انفرادی اور اجتماعی زندگی میں کتنا بڑا انقلاب آجائے۔ اور یہ دنیا جو آج فتنہ و فساد اور جنگ و جدل کی آماجگاہ بنی ہوئی ہے اتحاد و اتفاق اور امن و سلامتی کا گہوارہ بن جائے۔

حضرتؒ کے اِس دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد، بیان نہیں ہو سکتا کہ کس عظیم نعمت سے محروم ہو گئے۔ کبھی کبھی فرمایا کرتے تھے کہ میری باتیں سُن لو، میرے بعد کہیں بھی سننے کو نہ ملیں گی۔ واقعی بات سچ تھی۔

اب انھیں ڈھونڈ چراغِ رخِ زیبا لے کر

حضرتؒ کی محبت ایک ٹھنڈک تھی روحانی ٹھنڈک، ماں کی گود، باپ کا سایہ۔ ماں کی گود اور باپ کا سایہ اُٹھ جائے تو کیا کہیں ملتا ہے؟

تنزیل الرحمٰن

پاک شاہین
کنٹینرز سروس لمیٹڈ
پلاٹ نمبر ۲۲، ۲۰ نمبر لونڈا، کیماڑی، کراچی
الحمد للہ
پاکستان میں یہ پہلا ٹرمینل جو نجی کاروباری شعبے میں قائم ہوا ہے۔
مال کی درآمد و برآمدات نہایت عمدہ کارکردگی کے ساتھ بذریعہ کنٹینرز
منتقل ہوتے ہیں۔ جہاز راں کمپنیاں اور تاجر ہماری خدمات حاصل کریں۔
کسٹم اور کراچی پورٹ ٹرسٹ کی تمام سہولتیں حاصل ہیں۔
تار پتہ: شاہین کراچی
ٹیلکس ۲۷۱۹
فون:
۲۶۱۸۴۰ — ۲۶۱۹۵۳
۲۶۱۳۵۴ — ۲۶۱۸۴۲

• حضرت مولانا محمد عاشق الٰہی صاحب
از مدینہ منورہ

تاثرات

احقر مکہ معظمہ عمرہ کے لئے گیا ہوا تھا ایک صاحب نے مدینہ منوّرہ سے ٹیلیفون پر اطلاع دی کہ حضرت عارف باللہ ڈاکٹر عبدالحی صاحب فانی دنیا کو چھوڑ کر اپنے رب سے جا ملے۔ اللہ جل شانہٗ ان کے درجات بلند فرمائے اور متعلقین اور متوسّلین کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔ جانے والے کے لئے جانا مبارک ہی ہوتا ہے حدیث شریف میں فرمایا ہے "یستریح من نصب الدّنیا وأذاہا إلٰی رحمۃ اللہ"۔ البتہ پسماندگان کو جدائی کا رنج ہوتا ہے اور مستفیدین کو محرومی ہو جاتی ہے۔ سب جانتے ہیں کہ اس دنیا میں جو بھی آیا ہے اس کو جانا ضروری ہے موت و حیات دونوں ساتھ ساتھ ہیں۔ "خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیَاۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا" جو ارشاد فرمایا ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ دونوں چیزیں ساتھ ساتھ ہیں۔ جدائی کا رنج و غم امرِ طبعی ہے اور صبر امرِ شرعی ہے۔

آج کل صحافی لوگوں کا یہ طریقہ ہو گیا ہے کہ جب کسی معروف آدمی کی موت پر اداریہ لکھتے ہیں تو یوں کہتے ہیں کہ موت نے ہم سے ایک ایسی شخصیت کو جدا کر دیا جسکی اسوقت ہمیں زیادہ ضرورت تھی اس طرح کے الفاظ لکھنا شرعاً صحیح نہیں۔ بہت سے آزاد قلم تو یہاں تک لکھ جاتے ہیں کہ

قدرت کے سفاک ہاتھ نے ہم سے فلاں شخص کو چھین لیا۔ یہ تو کلمۂ کفر ہے مؤمن کا کام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قضاء وقدر پر راضی رہے اور تعلیماتِ اسلامیہ کی حُدود سے باہر نہ نکلے۔ فرحت ومسرت رنج والم ہر حالت میں بندہ احکام خداوندی کا پابند ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی وفات ہوگئی تو آپ نے فرمایا "اِنّ العین تدمع والقلب یحزن ولا نقول الا ما یرضی ربُّنا وانا بفراقك یا ابراهیم لمحزونون" (بیشک آنکھ اشکبار ہے اور دل رنجیدہ ہے اور ہم بس وہی بات کہتے ہیں جس سے ہمارا رب راضی ہو اور اے ابراہیم بلاشبہ ہم تمہاری جُدائی سے غمگین ہیں) معلوم ہوا کہ طبعی رنج ہو تب بھی اللہ تعالیٰ کی قضاء وقدر پر دل سے راضی رہے کوئی کلمہ ایسا نہ کہے جو خداوند قدّوس کی ناراضگی کا سبب بنے۔

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت اقدس حکیم الاُمّت قدّس سرہٗ کی یادگار تھے کہنے کو تو ڈاکٹر تھے اور کسی مدرسہ کے فارغ التحصیل بھی نہ تھے لیکن عمر کے آخری پندرہ بیس سال ایسے گزرے کہ عوام وخواص کا رجوع آپ کی طرف بہت زیادہ رہا خصوصاً مفتی اعظم حضرت مولانا محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد تو کراچی میں آپ کی شخصیت مرکز الصالحین بن گئی تھی۔ آخری دس سال میں متعدد علماء آپ کی طرف رجوع ہوئے جن میں بعض بڑے درجہ کے محدّث بھی ہیں نیز بعض مشہور مصنّفین نے بھی آپ کی طرف رجوع کیا۔ متعدد علماء کو آپ نے خلافت واجازت سے بھی نوازا۔

جو لوگ تصوّف وسلوک سے راضی نہیں وہ کسی صاحب نسبت سے قریب ہی نہیں ہوتے تاکہ اس لائن کے فیوض وبرکات سے بہرہ ور ہوں۔ "النّاس أعداء لما جهلوا" تصوّف وسلوک کے فوائد سے بے خبر ہیں اس لئے اس کی مخالفت کرتے ہیں۔ علّامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ مشہور مصنف تھے شہرت میں حضرت حکیم الاُمّت قدّس سرہ کے لگ بھگ مقام رکھتے تھے انہوں نے محسوس کیا کہ مجھے کسی مصلح کی ضرورت ہے۔ حضرت حکیم الاُمّت تھانوی قدّس سرہ سے اصلاحی تعلق قائم کیا تو اُن کے متعلّقین میں سے ایک بڑا حلقہ معترض ہوا بعض نے تو یہاں تک کہدیا کہ اتنے بڑے علّامہ نے ایک مُلّا کے سامنے گھٹنے ٹیک دیئے حضرت علّامہ نے جواب دیا کہ علم محض سے کام نہیں چلتا علم کے ساتھ قلبِ مُنیب کی بھی ضرورت ہے اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ یہ لوگ ایک

طرف تو علامہ کہتے ہیں اور دوسری طرف معترض ہو رہے ہیں، اس سے تو اور عبرت لینی چاہیئے کہ جب اتنے بڑے علامہ کو اصلاحِ نفس کے لئے کسی مرشد و مصلح کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت ہے تو کم علم کو کیونکر اُسکی ضرورت نہو گی حضرت حجۃ الاسلام مولانا محمدؒ قاسم صاحب نانوتوی اور حضرت فقیہ الامت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہما دہلی میں اُستاد کی خدمت میں سبق پڑھنے کے لئے حاضر تھے حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ پہونچ گئے تو حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ اب سبق کل کو ہوگا کیونکہ حاجی صاحب آگئے مولانا گنگوہیؒ کی زبان سے نکل گیا کہ اچھے حاجی صاحب آئے ہمارا سبق بھی گیا، اس پر حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہاں ہاں ایسا مت کہو! یہ بزرگ ہیں بعد میں دُونوں حضرات حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوئے اور خلافت سے سرفراز ہوئے۔ بیعت ہونے کے بعد مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ پھر تو ہم مر مٹے اور یہ بھی فرمایا کہ ہمیں کیا معلوم تھا کہ یہ ہی حاجی صاحب ہمیں مونڈیں گے حضرت حاجی صاحب فارغ التحصیل عالم نہیں تھے لیکن ایسے ایسے اکابر اُن سے بیعت ہوئے جو علم کے پہاڑ تھے پھر حاجی صاحب ہی کے ہو رہے اور اسی کو مونڈنے سے تعبیر فرمایا، حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے دریافت کیا کہ کیا حضرت حاجی صاحب مولوی نہ تھے؟ فرمایا مولوی گر تھے! اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ میں علوم ہی کی وجہ سے حضرت حاجی صاحبؒ کا معتقد ہوا ہوں۔ آخر کوئی تو وجہ تھی کہ ان حضرات نے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ میں ہاتھ دیا اور مُرید ہونے کی ضرورت محسوس کی، بات وہ ہی ہے کہ علم کے ساتھ قلبِ مُنیب بھی ہونا چاہیئے جو لوگ اس ضرورت کو محسوس نہیں کرتے وہ علم کے غرور میں صاحبِ نسبت حضرات سے دُور بھاگتے ہیں اور محروم رہتے ہیں یہ تو ماضی قریب کی باتیں ہیں ماضی بعید میں حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ حضرت شمس تبریز کے مُرید ہوئے اور پھر ان ہی کے ہو رہے حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ بھی یہ ہی واقعہ پیش آیا بہت بڑے عالم تھے صاحب جاہ تھے بڑا مرتبہ تھا لیکن انہوں نے ضرورت محسوس کی اور اپنے باطن کو انابت الیٰ اللہ سے خالی پایا نفس کا مراقبہ و محاسبہ کیا اپنے مرشد کی طرف رجوع ہوئے اور اصلاح باطن کی طرف ایسے متوجہ ہوئے کہ نہ صرف اپنا بھلا کیا بلکہ قیامت تک کے لئے علماء کو بیدار کر دیا منجیات و مہلکات سے

آگاہ کیا اور رہتی دُنیا تک کے لئے احیاء العلوم دُنیا میں چھوڑ گئے۔

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت بھی اُنہی نفوسِ قدسیہ میں سے تھی جو اصطلاحی عالم نہ تھے لیکن معارف کے اعتبار سے سینہ معمور تھا حضرات علماءِ کرام اور محدّثین عظام انکی خدمت میں حاضر ہوکر غذاءِ رُوح پاتے تھے ان کی خدمت میں تربیتِ نفس اور اصلاحِ باطن کے لئے حاضر ہوتے تھے اور فیض پاتے تھے۔ مجلس کے ختم پر جُو دعا ہوتی تھی اُسکے انداز اور الفاظ سے محسوس ہوتا تھا کہ یہ کلمات صرف زبان ہی سے نہیں بلکہ دل سے نکل رہے ہیں دُعاء تو سب ہی کرتے ہیں مگر عموماً غفلت کے ساتھ ہوتی ہے جو لوگ صاحبِ نسبت ہوتے ہیں انکی دعاء سُننے سے ایک خاص تاثر پیدا ہوتا ہے جو غافلوں کی دُعاء سے نہیں ہوتا۔ جو حضرات صاحبِ نسبت ہیں جن کو تعلق مع اللہ کی دولت حاصل ہے وہ کچھ نصیحت کرتے ہیں تو دل میں اُترتی چلی جاتی ہے اور جن کو یہ دولت نصیب نہیں ان کے پاس صرف علم ہی علم ہے وہ بڑی بڑی تقریریں کرتے ہیں لوگ اُن کی تقریریں کانوں کی عیاشی کے لئے سُن لیتے ہیں دل پر کسی کے کچھ بھی اثر نہیں ہوتا یہ تجرباتی باتیں ہیں تجربہ بڑی دلیل ہے اور شاھد عدل ہے۔

مدارس میں اسکی بہت زیادہ ضرورت ہے کہ اساتذہ اور تلامذہ میں ذکر و فکر کی شان پیدا ہو تزکیۂ باطن، تربیتِ نفس، کثرتِ ذکر، مراقبہ و محاسبہ ہر فرد کے اندر ہونا چاہیئے ان کاموں کے لئے مرشد و مُربّی کی ضرورت ہوتی ہے۔ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے متعدد خلفاء چھوڑے ہیں جن میں علماءِ کرام بھی ہیں اور حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے منتسبین میں بہت سے حضرات پاکستان میں موجود ہیں اور حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہٗ کے خلفاء بھی ہیں طلبہ کرام ان سے رجوع فرمائیں علم بھی حاصل کریں اور عملی زندگی بھی سُدھاریں ظاہر و باطن دونوں آراستہ ہوں، قرآن و حدیث کا علم تو آجکل مستشرقین کے پاس بھی ہے اسلامیات پر کتابیں بھی لکھتے ہیں سب کچھ پڑھتے ہیں لیکن گمراہ ہیں ایمان و یقین۔ علم و عمل ظاہر و باطن کی اصلاح، خدمتِ دین، فکرِ آخرت سبھی چیزوں کی ضرورت ہے۔ وباللہ التوفیق

محمّد عاشق إلٰهی بلندشہری
عفا اللہ عنہ وعافاہ
المدینۃ المنورۃ ۲۸ رجب ۱۴۰۶ھ

• مولانا راحت علی ہاشمی صاحب

یکساں ظاہر و باطن

بظاہر یہ بات بڑی عجیب سی معلوم ہوتی ہے کہ ایک اصلاح حال طالب، اپنے شیخ طریقت کی خدمت میں، اپنے پیشۂ وکالت ترک کر دینے کی اطلاع دے اور جواباً اسے اپنے شیخ کی طرف سے انسانوں کی اصلاح اخلاق اور انکی رہبری و رہنمائی کا "منصب" تفویض ہو جائے۔

لیکن ہمارے حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کے ساتھ یہی معاملہ پیش آیا۔ انکا اصلاحی تعلق حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ سے تھا، اور اس تعلق کے نتیجہ میں وہ اثرات اور کمالات رونما ہونے لگے تھے جو ایک صالح و مصلح شخصیت کا خاصہ ہوا کرتے ہیں۔ چنانچہ یہ تعلق ابھی تقریباً دس سال کی مدت ہی طے کر پایا تھا کہ شیخ کی طرف سے آپ کو مجاز صحبت کا لقب مرحمت ہوا۔

عام طور پر لوگوں میں تصوف کے متعلق عجیب و غریب تصورات رائج ہو چکے تھے اور بعض غیر ضروری چیزوں کو تصوف کا جزو لاینفک سمجھا جانے لگا تھا۔ اسی میں سے ایک خیال یہ تھا کہ سلوک و تصوف میں قدم رکھنے کے لئے بیعت کے مروجہ صورت اختیار کرنا یعنی باقاعدہ ہاتھ میں ہاتھ دیکر بیعت ہونا لازمی ہے۔ اس کے بغیر نہ تو تصوف کی راہ میں کوئی چل سکتا ہے نہ اس خاص صورت کے عمل میں لائے بغیر اعمال و اخلاق میں درستگی ہونا ممکن ہے۔

حضرت تھانوی قدس سرہٗ کی ذات سے اللہ جل شانہٗ نے بالخصوص تصوّف وسلوک کی حقیقت نکھارنے کا جو کام لیا وہ اپنی مثال آپ ہے، تصوف میں مقصود کو غیر مقصود سے ممتاز کر دینے کے لئے آپ نے اس راستہ پر چلنے والوں کے واسطے بہت سے اصلاحی اقدامات کیئے۔ چنانچہ ان میں سے ایک یہ تھا کہ، جو بھی طالبِ اصلاح، آپ سے تعلق قائم کرنا چاہتا، آپ سب سے پہلے اس کو اس اصلاحی تعلق کے مقصد پر لاتے اور اسکے ذہن میں اس تعلق اصلاح کا صحیح مفہوم اور صحیح طریقہ اتار دیتے۔

چنانچہ سب سے پہلے طالبین کو آپ انکے اصل کام میں لگادیتے اور "صورت بیعت" کو کچھ دیر کے لئے مؤخر فرما دیتے۔ تاکہ طالب اصلاح اس صورت کی حیثیت بھی سمجھ لے اور صورت بیعت کی جو "حقیقت" ہے یعنی "اپنے اخلاق واعمال کی اصلاح کی فکر" اس میں مصروف بھی ہو جائے۔

اس طریقہ کار میں کبھی ایسی نوبت بھی آگئی کہ طالب اصلاح، مکمل طور پر تربیت پا گیا اور اب دوسروں کی اصلاح کر دینے کے قابل ہو گیا۔ تو آپ نے اسے "اجازت بیعت" سے نواز دیا اور پھر اسکی درخواست پر معلوم ہوا کہ ابھی تو وہ خود بھی مروجہ طریقہ پر "بیعت" نہیں ہوا۔

چونکہ عوامی طبقوں میں بزرگوں سے تعلق اور بیعت کا تصور بس یہی رہ گیا تھا کہ "ہاتھ میں ہاتھ دیدیا" اور پھر چھٹی، نہ اپنے اعمال میں سنت کے اتباع کی کوئی فکر نہ اپنے اخلاق کو درست کرنے کا کوئی اہتمام، حضرت تھانوی نے، اس فاسد رجحان کے ازالہ کے لئے ایک تدبیر تو یہ فرمائی کہ "صورت بیعت" میں جلدی نہ فرماتے، اور دوسری تدبیر یہ فرمائی کہ اپنے متعلقین میں سے ایسے حضرات کو، جن کی صحبت میں بیٹھنے اُٹھنے سے کسی شخص کو دین کا اہتمام پیدا ہونے لگے اور انکی ذات سے دوسروں میں اصلاح کا ذوق وشوق پیدا ہو سکتا ہو، اپنی طرف سے "اجازت" عطا فرما دی کہ یہ حضرات بیعت لئے بغیر لوگوں کو تلقین کیا کریں۔ اور انکا لقب "مجاز صحبت" تجویز فرمایا جس میں ایک طرف تو اسکی احتیاط فرمائی کہ جن حضرات میں ابھی وہ خاص حالت ظاہر نہیں ہوئی جس کو وہ اپنی نظر میں معیار سمجھتے ہوں، تو انہیں بیعت کی اجازت نہیں دی۔ دوسری طرف ان میں جتنی کچھ صلاحیت "افادۂ عوام" کی پیدا ہو چکی تھی اس کو کام میں لانے کا بھی اہتمام فرمایا کہ انہیں

بیعت لئے بغیر ہوئے لوگوں کی اصلاح کرنے پر مامور فرمادیا اور اس طریقۂ کار سے اس غلط تصور کی بیخ کنی بھی فرمائی کہ سلوک و تصوف میں قدم رکھنے کے لئے "بیعت" ہونا شرط ہے۔ اور پھر اللہ تعالیٰ نے ان "مجازین صحبت" حضرات سے بھی لوگوں کی اصلاح و درستگی اور دینی ترقیات کا وہ کام لیا جو کسی طرح بھی معروف مشائخ کے طریقوں سے کم نہیں تھا بلکہ خاص اس غلط تصور کی اصلاح کا سبب ہونے کی وجہ سے اس سے کسی درجہ میں فائق تھا۔ اس لئے کہ شرعی امور میں ہر چیز کو اپنے درجہ پر رکھنا ضروری ہے اور اس میں افراط و تفریط مضر ہے۔ اور پھر کسی بھی شرعی کام کو اس کی حیثیت سے زائد، حیثیت میں سمجھنا "بدعات" کی حدود سے ملا دیتا ہے۔ اس لئے یہ طریقہ کار، اس بدعتِ فکری کو مٹانے کا بھی ذریعہ بنا جو "بیعت" کے سلسلہ میں پیدا ہو چکی تھی۔ تو اس لحاظ سے یہ زیادہ نافع بنا۔ البتہ بعض دوسری وجوہات سے مجازین بیعت کا منصب فائق تھا۔

بہرکیف! ہمارے حضرت والا بھی انہی حضرات میں سے تھے۔ جنہیں مجاز صحبت بنایا گیا۔ پھر جب کچھ عرصہ بعد حضرت ڈاکٹر صاحبؒ نے شیخ کی خدمت میں عرضِ حال کیا کہ:

> "میں نے وکالت کا پیشہ ترک کر کے اب "ہومیو پیتھک طریقۂ علاج سے لوگوں کی خدمت کا عزم کیا ہے۔"

تو جواب میں شیخ کی طرف سے یہ نوید ملتی ہے کہ:

تم نے لوگوں کی جسمانی صحت اور ظاہری بیماریوں سے انکی حفاظت کی خدمت شروع کر دی ہے، ہم تمہیں انکی باطنی درستگی، روحانی اصلاح اور تربیتِ اخلاق جیسے عظیم کام کرتے رہنے کے لئے اجازت دیتے ہیں کہ اب انہیں باقاعدہ بیعت کر کے تلقین کیا کرو۔

اس سلسلے میں حضرت تھانویؒ کے الفاظ یہ تھے:

> "میں نے "سابقۃ التابعۃ" میں مجازینِ صحبت کے ذکر کے ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ مجھے ان صاحبوں کے متعلق بعض حالات کا انتظار ہے اگر وہ حالات رونما ہو گئے تو انکو مجازین بیعت میں داخل کر دوں گا، اور یہ حالات ہر ایک میں جدا جدا ہیں۔
>
> آپ کے لئے ترکِ وکالت کا انتظار تھا، جو بحمداللہ، واقع ہو گیا اس لئے آپ کو مجازینِ بیعت میں داخل کر کے توکلاً علی اللہ۔ اجازت دیتا ہوں کہ آپ بیعت طالبین کو،

کیا کریں۔"

اس تحریر سے اس شبہ کا بھی ازالہ ہو جاتا ہے کہ "جو حضرات ابھی خود شیخؒ ہی کی نظر میں بیعت لینے کی قابلیت تک نہ پہنچے ہوں انکو "افادۂ خلق" کی خدمت سپرد کر دینا کس حد تک مناسب ہے ؟

اس لئے کہ شیخ کی باریک بین نگاہ میں، بعض باتیں احتیاط کا تقاضا کرتی تھیں جس کی وجہ سے فرق رکھا گیا تھا، چنانچہ ہمارے حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کے واقعہ سے اسکا اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کیا چیزیں ہو سکتی تھیں جن کی بنا پر فرق رکھا گیا کہ صرف وکالت جو کہ بالکلیہ ناجائز کام نہیں تھا، لیکن جس شخص کو مسندِ طریقت پر جلوہ افروز ہونا ہو اسکی شخصیت کے شایانِ شان نہیں سمجھا جا رہا تھا، ترک کر دینے پر مجازِ صحبت سے مجازِ بیعت بنا دیا گیا۔

معلوم ہوتا ہے کہ ان مجازینِ صحبت حضرات میں اسی قسم کی کچھ باتیں حضرت والا کی احتیاط پسندی کی وجہ سے انتظار کا باعث تھیں۔ گو یہ بات ہر شخص کی نسبت سے الگ الگ شکل کی ہو تاہم نوعیت ایک ہی طرح کی ہو گی۔

بہر کیف! حضرت حکیم الامتؒ کی طرف سے ملنے والی یہ بشارت، حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کے لئے سند تھی اس بات کی کہ آپ ظاہر و باطن دونوں کی مسیحائی کریں گے جسمانی علاج کے ساتھ روحانی علاج بھی آپ کے مطب سے ہو گا۔

چنانچہ دنیا نے دیکھا کہ حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کا مطب، علاجِ جسمانی اور تربیتِ روحانی کا مرکز تھا۔ ایسے لوگ بھی وہاں آتے تھے جو عرصہ سے مختلف بیماریوں کا شکار ہوں اور حضرت والاؒ کی تجویز کردہ دوا سے صحت یاب ہوتے۔

اللہ تعالیٰ نے حسنِ نیت کی برکت سے ہاتھ میں شفا بھی رکھی تھی، مریضوں کا تانتا بندھا رہتا تھا۔ اور حضرت والاؒ اپنے مقررہ وقت میں پورے انہماک کے ساتھ ہر مریض کا حال سنکر اسکے مناسب دوا تجویز فرماتے رہتے تھے۔

حضرت حکیم الامتؒ کی تعلیمات کا اثر یہ بھی ہوتا تھا کہ اپنے فرائضِ منصبی سے بھرپور تعلق اور اس کا حق ادا کرنے کی فکر پیدا ہو جاتی تھی حضرت تھانویؒ اسکی تاکید فرمایا کرتے تھے۔

جو بھی کام تمہارے سپرد ہے اس کا حق ادا کرو۔

عام طور پر یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ تصوف و سلوک میں قدم رکھنے والے، یا عام دینداری اختیار کرنے والے، کچھ نماز روزے اور نفلی عبادتوں کی طرف تو بہت توجہ دینے لگتے ہیں جو اپنی جگہ تو بہت خوب ہے لیکن باہمی معاملات میں، جو فرائض اور ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں ان سے لاپرواہی برتتے ہیں۔

جس کا نتیجہ بعض اوقات یہ بھی ہوتا ہے کہ اپنی ملازمت، تجارت یا جو کچھ بھی ذریعہ معاش، اختیار کر رکھا ہو، اسکے حقوق کی طرف سے غافل ہو جاتے ہیں۔ اور طرفہ تماشہ یہ کہ اپنی اس غفلت و سستی کو کچھ معیوب بھی نہیں سمجھتے نہ اسے خلاف شرع سمجھتے ہیں بلکہ بعض آدمی تو اسے "شان زہد" سے تعبیر کر لیتے ہیں۔ حالانکہ زہد دنیا سے دل نہ لگانے کا نام ہے دنیاوی ذمہ داریوں سے منہ چھپانے کا نام نہیں۔ ؎

چیست دنیا؟ از خدا غافل بدن
نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

یہی وجہ ہے کہ حضرت حکیم الامتؒ کے متوسلین میں اس کا خاص اہتمام رہتا تھا کہ اپنے فرائضِ منصبی سے بے توجہی جیسے جرم سے بچا جائے اور تا بمقدور کسی قسم کی کوتاہی اس میں نہ ہو۔

ان تعلیمات ہی کی برکت تھی کہ حضرت سے تعلق رکھنے والا ہر شخص ان دنیاوی ذمہ داریوں کو حقوق العباد کی اہم کڑی اور اسکی تکمیل کو فرض و عبادت سمجھکر انجام دیتا تھا کہ ؎

چو دل باخدا ایست خلوت نشینی

اس طریقہ تربیت سے بھی حضرت تھانویؒ کا مقصود اس غلط فہمی کو زائل کرنا تھا جو عام طور پر پھیل گئی تھی کہ تصوف میں قدم رکھنے کے بعد دنیاوی معاملات سے "بے خبری" لازمۂ سلوک ہے۔

اور جن قدسی صفات کا حضرت حکیم الامتؒ سے خصوصیت کا تعلق تھا، ان میں تو یہ اہتمام اور بھی زیادہ نمایاں محسوس ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ جب ہمارے حضرت ڈاکٹر صاحبؒ نے وکالت

کو خیر باد کہکر "ہومیو پیتھک" کا مشغلہ اختیار کیا تو اس میں اس قدر توجہ اور کامل انہماک روبکار رہا کہ ایک ماہر فن اور حاذق طبیب کی حیثیت سے مانے گئے۔

اس مشغلہ کا آغاز جن حالات میں ہوا وہ حضرت ہی کی ایک تحریر میں دیکھئے:

"چونکہ میرے خاندان کے اکثر افراد کو "ہومیو پیتھک" سے دلچسپی تھی اور شغل بھی یہی تھا اس لئے مجھے بھی اس طریقہ علاج کی طرف کچھ نہ کچھ توجہ ضرور رہی اور حصولِ فن کے لئے کچھ مناسبت بھی رہی، اور کچھ مواقع بھی ملتے رہے اس کے متعلق میں نے حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کو مطلع بھی کر دیا تھا، خداداد بات یہ ہے کہ ۱۹۳۵ء کے آخر میں کچھ ایسے اتفاقات اور حالات رونما ہوئے کہ مجھ کو سلسلۂ وکالت کے قائم رکھنے میں شدید تردد پیدا ہو گیا۔ بالآخر، حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کا کچھ صریح ایماء پا کر اور اپنے ایک عزیز ہومیو پیتھک ڈاکٹر کی ترغیب اور تحریک اور معاونت حاصل ہونے پر، میں نے ستمبر ۱۹۳۵ء میں قطعی فیصلے کے ساتھ وکالت کو ختم کر دیا اور جنوری ۱۹۳۶ء سے توکلاً علی اللہ یعنی باضابطہ اور مستقلاً ہومیو پیتھک پریکٹس شروع کر دی۔"

ان حالات میں اگر کوئی شخص محض ضابطے کی حد تک کامیاب معالج ثابت ہو جائے تو وہ بھی کچھ کم بات نہیں، لیکن ہمارے حضرت ڈاکٹر صاحبؒ نے جب باضابطہ طور پر اس مشغلہ کو اپنا فریضۂ منصبی تجویز کر لیا تو پھر پوری دیانت اور امانت سے اس کا حق ادا کرنا شروع فرمایا۔

جس کا ایک نتیجہ تو یہ نکلا کہ آپ کی حذاقت اور مہارتِ فن سے ہزاروں انسانوں نے صحت جسمانی جیسی نعمت پائی اور اپنی تکالیف و درد والم سے نجات حاصل کی۔

دوسری طرف اس ذوق فرض شناسی نے ایک ایسا علمی کام کرا دیا جو آئندہ کے لئے بھی ایک زندۂ جاوید یادگار ہے۔

یعنی اس فن پر حضرت والاؒ نے اپنے تجربات، اور مستقل و مسلسل مطالعہ جات کی روشنی میں چند مفصل و مستند کتابیں تصنیف فرمادی، جس کی قدر و قیمت کا اندازہ اس فن کے شناسا اور اس شغل سے وابستہ حضرات بخوبی لگا سکیں گے چنانچہ ان کتب کی اشاعت کا بیڑا

بھی اس فن کے ماہر اور طریقۂ علاج کے تعارف و اشاعت میں سرگرم بابائے ہومیو پیتھک جناب ڈاکٹر عبدالحمید صاحبؒ کے قائم کردہ ایک ادارے ..... نے اُٹھایا۔ خدا کرے کہ یہ ذخیرہ جلد از جلد قابلِ انتفاع صورت میں منصۂ شہود پر جلوہ گر ہو جائے۔

اس جسمانی مسیحائی کے ذیل میں دو واقعات ذکر کر دینا بے جا نہ ہوگا، جن کا تعلق حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کے شیخؒ سے اور شیخ کی تربیت سے ہے۔

پہلا واقعہ خود حضرت ڈاکٹر صاحبؒ ہی کی زبانی سنیئے:

„میری قسمت کی یہ بھی معراجِ سعادت ہے کہ مرض الموت کے آخری ایام میں حضرت والا قدس سرہٗ العزیز نے، از خود مجھ سے ہومیو پیتھک علاج کی خواہش ظاہر فرمائی، اور تین دن ہومیو پیتھک علاج جاری رہا۔ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے علاج شروع ہونے پر، پہلے ہی مجھ سے یہ فرمایا „کہ تم اطمینان سے علاج کرو، انجام مجھے معلوم ہے"۔ تین دن کے بعد، حضرتؒ کے ایک سابق مزاج داں طبیب تشریف لے آئے اور حضرتؒ کے ایماء سے، انہوں نے علاج اپنے ہاتھ میں لے لیا، لیکن حضرت کا کمال اور دل نوازی دیکھئے کہ ایک پرچہ تحریر فرما کر مجھے دیا، جس میں لکھا تھا کہ: "چونکہ حکیم صاحب، میرے پرانے طبیب ہیں اور دوا پرہیز کا صحیح اندازہ رکھتے ہیں۔ اس لئے میں نے ان کے اصرار پر، ان کا علاج شروع کر دیا ہے۔ آپ اپنے طور پر کچھ اور خیال نہ فرمادیں۔ فقط"

دوسرا واقعہ اسی سلسلہ میں یہ ہے کہ ڈاکٹری کی پریکٹس شروع کرنے کے بعد ایک بار حضرت ڈاکٹر صاحبؒ نے حضرت تھانویؒ کی خدمت میں تحریر کیا کہ:

„مطب میں دوا، علاج کی غرض سے یہاں کی کچھ عورتیں بھی آجاتی ہیں۔ میں ڈرتا ہوں کہ یہ چیزیں میرے لئے فتنہ اور وبال نہ بن جائے۔"

حضرت والاؒ نے تحریر فرمایا کہ:

„دل اور نگاہ کی حفاظت کیجئے میں بھی دعا کرتا ہوں انشاء اللہ کچھ ضرر نہ ہوگا۔"

ان دو واقعات سے بہت سے درسِ عبرت ملتے ہیں جن کی تفصیل، طوالت کے خوف سے ترک کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

بہرکیف! حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کو اپنے اس ذریعۂ معاش سے خدمتِ شیخ کی سعادت بھی ملی اور اس فریضۂ منصبی کی ادائیگی کے لئے ایک بیش بہا ہدایت بھی۔

حضرت ڈاکٹر صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ "میں نے ایک عرصہ دراز تک اپنی نگاہوں کی اتنی حفاظت کی، کہ مرد و عورت میرے لئے یکساں ہوگئے۔ اور حضرت والا کا فیضانِ دعا کہ میرا دل اس معاملہ میں بالکل پتھر ہوگیا"

ع محبت نے کچھ ایسا کیفِ "جذبات نہاں"، بدلا
مذاقِ زندگی بدلا، مزاجِ جسم و جاں بدلا

یہ دل تو اب کسی اور طرف جا اٹکا تھا۔

ع ہے میرے لئے کیفِ دل و ذوقِ نظر، اور
میرے دل و جاں میں ہے محبت کا اثر، اور

غرضیکہ مسیحائی کا سلسلہ، اسی انہماک، توجہ اور کامل احتیاط و تقویٰ کے ساتھ جاری و ساری تھا اور خدا تعالیٰ کی مخلوق فیضیاب ہو رہی تھی۔

خدمتِ خلق کو نفلی عبادتوں میں سب سے اہم عبادت سمجھا گیا ہے۔ اور دکھی انسانیت کو سکھ پہنچانا خدمتِ خلق کا بھی نہایت ضروری اور مفید شعبہ ہے۔ جس میں ہمارے حضرت ڈاکٹر صاحبؒ مصروف تھے۔

ایک خدمت تو یہ ظاہری اور جسمانی معالجہ کی ہو رہی تھی۔ اور دوسری خدمت بھی علاج ہی کی شکل میں تھی لیکن وہ علاج جسم کا نہیں بلکہ روح کا، باطن کی اصلاح و تزکیہ کا تھا۔

روحانی معالجہ، اور تزکیۂ نفس کی جو خدمت کرتا ہے دراصل وہ بھی انسانیت کی ایک اہم ضرورت پوری کرتا ہے۔

ہمارے زمانہ میں بعض لوگ بناوٹی اور بدنام کنندہ قسم کے چند اشخاص کو دیکھ کر محققین صوفیائے کرام سے بھی بدگمان ہو جاتے ہیں اور انکی خدمات سے بھی انکار کر بیٹھتے ہیں حالانکہ اگر

ٹھنڈے دل سے سوچا جائے تو ان پاکیزہ طبیعت انسانوں نے ، معاشرہ کی بہت سی ضروریات کی کفالت ہے اور بحیثیت مجموعی معاشرہ میں ایک انقلاب برپا کرنے کا کام کرتے رہے ہیں۔

آج کے دور میں جبکہ میڈیکل سائنس عروج پر ہے۔ "نفسیاتی کلینک" کے نام سے ، بعض حضرات ، ایسے لوگوں کی علاج گاہ قائم کر رہے ہیں جو طبی طور پر لا علاج ، یا طویل عرصہ سے علاج کرانے کے باوجود صحت سے محروم ہیں۔ یا انکی دماغی صحت مخدوش و فکر انگیز ہے۔

ان "نفسیاتی کلینک" کے طریقہ علاج ، اور اس سے حاصل ہونے والے فوائد کو اگر ہم دیکھیں تو وہ کچھ اسی قسم کے نظر آئیں گے ، جیسے ان تباہ حال ، آشفتہ سر اور پراگندہ طبیعت لوگوں کو ، اللہ والوں ، اور صوفیائے کرام کی خدمت میں حاضری دینے سے حاصل ہوتے رہے ہیں۔

مثلاً ایک مریض اس قسم کا ہے کہ وہ ہر وقت کسی نہ کسی اُلجھن میں گرفتار ہے اور مختلف پریشانیوں میں مبتلا ہو کر ذہنی طور سے بالکل ابتر ہو چکا ہے۔ اب اگر خوش قسمتی سے اسے کسی اللہ والے کی خدمت میں حاضری کا موقع مل جاتا ہے ، وہ انکی تسلی بخش باتیں سُنتا ہے۔ ان کی نصیحتوں پر کان دھرتا ہے ، صبر و ضبط کا سبق لیتا ہے۔ انکی بابرکت مجلس سے سکون و طمانیت کا بیش بہا خزانہ لے کر اُٹھتا ہے تو یقیناً یہ اس ذہنی خلفشار سے نکل جائے گا ، اور اس کو اپنے مصائب اور پریشانیوں میں ، حواس باختہ اور افتاں خیزاں ہونے کی ضرورت نہیں رہے گی۔ یہ سکون و اطمینان جو اسے مفت میں حاصل ہو گیا۔ کیا یہ خدمت انسانی میں شامل نہیں ہے ؟ اس قسم کے مریضوں کی آمد و رفت ، ان صوفیاء کرام کے پاس آج سے نہیں ہمیشہ سے رہی ہے۔

لوگ انکی خدمت میں پہنچکر ، تھوڑی دیر کے لئے ہر غم و فکر سے نجات حاصل کر لیتے ہیں ، بپھرے ہوئے جذبات اور تلاطم زدہ خیالات کو ، ذرا دیر کے لئے سکون میسر آجاتا ہے۔ پریشانیوں مصیبتوں اور ذہنی و دماغی الجھنوں کا مداوا ہوتا ہے۔ پھر لطف یہ کہ اس مداوا میں نہ کچھ اخراجات کا بوجھ پڑا ، نہ اسکو کسی زہریلے سکن اور نشہ آور چیز کا سہارا لینا پڑا۔ اور سچ پوچھئے تو اگر یہ آنے والا اس دربار گہربار سے کچھ وقت وابستہ رہ گیا تو آخرت کی نعمتوں سے بہرہ یاب ہونے کی اُمید بھی پختہ ہو گئی ، اگر ان صوفیائے کرام اور اصلاح و تربیت کرنے والے افراد کا وجود نہ ہوتا تو ایک طرف معاشرہ ،

اپنی ان مذکورہ حالتوں میں چین وسکون کا وہ گوہر نایاب نہ حاصل کر سکتا دوسری طرف، خدا تعالیٰ کی نافرمانی اور اسکی حکم عدولی کا جو سیلاب ہے، اس میں کبھی کوئی بند باندھنے والا نہ ملتا

یہ اہل اللہ اور اہل تزکیہ ہی کی جماعت ہے جس نے کفر وشرک کے اندھیروں میں اللہ کے نام کی صدائیں بلند کیں اور بلا خوف وخطر اپنے مولیٰ کی بندگی اور اسکی اطاعت کی طرف دعوت دی۔

ان وفا شعار، ایثار پیشہ قدسی صفات کی خدمات ہرگز ایسی نہ تھیں کہ انکو نظر انداز کر کے اس جماعت کو نشانۂ تنقید بنایا جاتا۔ ان حضرات نے انسانیت کو اپنے مالک کے ساتھ جوڑنے میں، اور باہمی طور پر ایک دوسرے کے ساتھ شرافت ومحبت کا برتاؤ کرانے میں، جو کردار ادا کیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے، چند جاہل ونادان افراد کے بہروپ بھر لینے کی وجہ سے اس پوری کی پوری جماعت اور ان کے صحیح جانشینوں کی حیثیت اور شخصیت کو مجروح کرنا ہرگز درست نہیں۔

ہمارے حضرت ڈاکٹر صاحبؒ نے بھی خدمتِ خلق کا دوسرا ذریعہ، اصلاح باطنی اور علاج روحانی کو بنایا اور اسکے ذریعہ آپ نے ہزاروں افراد کی دل جوئی اور ہمت افزائی فرمائی۔

آشفتہ خیال اور پریشان حال لوگ حضرتؒ کے پاس آتے، کچھ دیر بیٹھتے اپنی دل کی بھڑاس نکالتے، بے جھجک ہو کر اپنا کچا چٹھا سناتے، اور پھر ان سب کمزوریوں، ان سب کوتاہیوں پر، "مرہم علاوفی" رکھ دیا جاتا۔

خدا تعالیٰ سے تعلق استوار کرنے کا نسخہ تجویز کر دیا، فوری طور تسلی وتشفی کے انجکشن دیئے جاتے، روتے ہوئے آنے والے، ہنستے، مسکراتے اُٹھ کر جاتے ؎

کیسا ہی خراب وخستہ ہو کیسا ہی شکستہ خاطر ہو
میخانے میں داخل ہوتے ہی تسکین دلائی جاتی ہے

اس معالجۂ روحانی میں جو خصوصی مقام، ہمارے حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا اس کی اصل وجہ تو خدا تعالیٰ کا فضل وکرم اور اجتبار خاص ہے۔ وہ جس سے جو کام لینا پسند فرماتے ہیں اس سے لے لیتے ہیں۔

البتہ ظاہری اسباب میں اس معالجۂ روحانی میں آسان اور تیر بہدف تدبیروں کی وجہ، دو چیزیں محسوس ہوتی ہیں۔

پہلی چیز تو یہی ہے کہ حضرت والا کی تربیت ہی اس انداز سے کی گئی کہ معمولی معمولی طریقوں سے بڑے عظیم الشان کام انجام پاتے رہیں۔ اور غیر محسوس طریقے پر روحانیت کے مراحل طے ہوتے رہیں۔ چنانچہ اس سلسلہ میں حضرت ڈاکٹر صاحبؒ ہی کی زبانی یہ بیان سنئے! اور پھر اندازہ فرمائیے کہ واقعۃً آپ کے شیخؒ نے جو اپنے وقت کے مانے ہوئے معالجِ روحانی تھے، آپ کی طبیعت اور آپ کے فطری جوہر کو محسوس کرتے ہوئے ایسے نسخے استعمال کرا دیئے جو نہ زیادہ شاق تھے نہ ہی اس میں کوئی زیادہ وقت صرف ہوتا تھا۔

حضرت ڈاکٹر صاحبؒ اپنے شیخ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:-

> „ دورانِ علاج، ایک دن تنہائی میں، مجھ کو بلا کر فرمایا کہ بھائی، مجھ سے پرہیزی غذائیں نہیں کھاتے بنتیں۔
>
> میں نے عرض کیا کہ حضرت! چونکہ اسہال کبدی میں، حضرت کے ضعف اور مرض کے لحاظ سے، ہلکی اور زود ہضم غذائیں ہی تجویز کی جا سکتی ہیں......
>
> فرمایا جی ہاں! ساری مشق اور احتیاط، پرہیز ہمارے ہی لئے ہے، ہم نے تو تم سے کوئی پرہیز کرایا نہیں، صرف معمولی نوک پلک درست کر کے، کہاں سے کہاں پہنچا دیا!"

غور فرمائیے، شیخ تھانویؒ کے آخری دو فقرے بہت بلیغ اور بڑے معنیٰ خیز ہیں اور حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کی اس حیاتِ ناسوتی کا آغاز و انجام گرفت میں لے کر کہا جا سکتا ہے کہ حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کی پوری عرفانی زندگی، ان دو فقروں کا مصداق، اور اسی کی دل پسند تعبیر ہے۔

حضرت حکیم الامتؒ کے اس انداز گفتگو سے، انکی اس شفقت و محبت کا بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے جو انہیں اپنے مرید با اختصاص یعنی حضرت ڈاکٹر صاحبؒ سے رہی۔

اور یہی جملے آپ کی اس عرفانی کیفیت اور روحانی علاج کی سند بھی پیش کر رہے ہیں جس کا مشاہدہ بعد میں، اہلِ قلب و نظر نے بھی کیا۔

اور انہی دو جملوں کی بلاغت، ان تمام تر اصلاحی طریقوں کو، اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے جو حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کے سلسلہ میں ان کے مربی نے، اپنی خداداد بصیرت و کمالِ حذاقت سے تجویز کئے، اور جنکی بدولت وہ بآسانی سلوک و تصوف کے مراحل طے کرتے چلے گئے، اور کہیں سے کہیں پہنچ گئے۔

کیسی دلچسپ حقیقت ہے کہ ایک، علی گڈھ کالج کا گریجویٹ، جس کی دینداری کے بارے میں عام طور پر اتنا ہی تصور کیا جا سکتا تھا کہ وہ نماز روزہ کا پابند ہو جائے گا، اور دینی کاموں میں کچھ نہ کچھ حصہ لے لے گا۔ اور عام زندگی اس کی، اسی طرزِ فکر اور طور طریقوں میں ڈھلی ہوئی ہوگی، جو ایک "علیگ" کا امتیازی وصف ہوتا ہے۔ ایسا شخص کبھی "علما" کی تربیت کا کام بھی کرے گا اور ایک وقت ایسا آئے گا کہ ایک بڑی اسلامی سلطنت کے مشہور و معروف دینی ادارے کی صدارت کا فریضہ انجام دے گا۔ اس کا تو کبھی واہمہ بھی نہ ہوا ہوگا۔ لیکن ؏

قلندر ہر چہ گوید، دیدہ گوید،

مجددِ ملت حضرت تھانوی کا یہ ارشاد "کہاں سے کہاں" اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ، صادق آیا اور حضرت ڈاکٹر صاحبؒ، کے مقامِ روحانی کے سامنے، بڑے بڑے مشائخ طریقت نے سرِ نیاز خم کئے اور بہت سے علماءِ دین نے اپنی روحانی تربیت کے لئے حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کا دامنِ فیض تھاما، اور بحمداللہ وہ اس بادۂ عرفان سے سرشار ہوئے جس کی سبیل حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کے ہاں لگی ہوئی تھی۔ غرض کہ یہ فیضانِ عام اور دنیاوی و دینی مقام، اسی ایک جملہ "کہاں سے کہاں" ہی کی تعبیر ہے۔

پھر لطف یہ کہ اس بلندیٔ مراتب اور شریعت و طریقت کی جامعیت، قلب و روح کی جولانی تک رسائی کچھ بہت شدید مشقتوں اور طویل عرفی مجاہدوں سے نہیں بلکہ بقول شیخ "معمولی نوک پلک سنوارنے" سے حاصل ہو گئی تھی۔

اسی کا نتیجہ تھا کہ خود ان کا اندازِ تربیت، و طریقۂ اصلاح، اپنے متوسلین کے لئے یہی رہا،

اور وہ انہیں بھی معمولی نوک پلک درست کر کے "کہیں سے کہیں" پہنچاتے رہے۔

حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کے اصلاح و تربیت کے طریقوں میں، سہولت و اختصار کی دوسری وجہ یہ تھی کہ آپ نے علاج جسمانی کا مشغلہ اپنایا تھا، اور وہ بھی "ہومیو پیتھک" کا، جس کے نتیجہ میں دو باتیں پیدا ہو گئی تھیں۔

ایک تو یہ کہ روحانی اصلاح و تربیت بھی درحقیقت ایک طرح کا علاج معالجہ ہی ہے، اور اس میں مہارت و بصیرت پیدا ہونے کا ایک سبب، ان وجوہات و علامات کا پہچاننا ہے جنکی بدولت امراض پیدا ہوتے ہیں۔ اور پھر، ہر مریض کے حسبِ حال، مناسب دوا اور متوازن غذا تجویز کرنا۔

مگر چونکہ یہ معاملہ "روح" کا ہوتا ہے جو جسمانیت کے تقاضوں سے، الگ اپنے کچھ تقاضے رکھتی ہے۔ اور اس کی تقویت و اصلاح کے لئے عالمِ قدس، کا رابطہ ناگزیر ہے اس لئے علاج معالجے کی باریکیوں کے علاوہ اس میں، معالج کی اپنی قوت روحانیہ اور اپنی قوت عملیہ کا بھی بڑا دخل ہوتا ہے۔ جب کہ عام جسمانی معالجے میں، معالج کی ذاتی صحت و قوت کا علاج سے کوئی تعلق نہیں ہوتا تاہم اتنی بات ضرور ہے کہ جسمانی بیماریوں اور روحانی بیماریوں میں "بیماری" اور مرض ہونا قدرِ مشترک ہے۔ اسی طرح انکے ازالہ کے لئے خواہ تدابیر علیحدہ نوعیت کی ہوں مگر تشخیص مرض اور تجویز دوا، ان دونوں میں قدرِ مشترک ہے۔

روحانی اصلاح بھی، جسمانی اصلاح ہی کی طرح ضروری ہے، اور اس میں بھی ان کیفیات و حالات کا سامنا ہوتا ہے جو جسمانی بیماریوں میں پیش آسکتی ہیں۔ اس لئے معالج جسمانی کو اپنے تجربات سے، نفس کی اصلاح کرنے میں جو تعاون میسر آتا ہے وہ کسی دوسرے شخص کو اتنی آسانی سے حاصل نہیں ہوتا۔

اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ جو شیخ و مربی، ڈاکٹر یا حکیم نہ ہو، وہ شیخ و پیر بنانے کے قابل نہیں، نہیں ہرگز نہیں۔ بلکہ کہنا صرف یہ ہے کہ جسمانی علاج معالجے کی مشق، معالجۂ روحانی کے لئے بھی مفید ثابت ہوتی ہے، اور صاحب دل، شیخ اس چیز کو، انسانوں کے مزاج و حالات کے سمجھنے میں، بطور ذریعہ استعمال کر سکتا ہے، انکے ذہنی آتار چڑھاؤ، اور دلی حالات کو جانچنے

کے لئے ان کے روحانی امراض کی تشخیص کے لئے اپنے فن کو بروئے کار لا سکتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت ڈاکٹر صاحبؒ میں بھی "تشخیصِ مرض" کی بے پناہ صلاحیت تھی اور وہ اپنے فن کو دونوں قسم کے امراض کی تعیین کرنے میں بروئے کار لاتے تھے۔

تشخیص امراض کے بعد، دوسری چیز "تجویز دوا" ہے اس میں بھی کامل مہارت یہ ہے کہ مختصر مؤثر دوا، تجویز کی جائے۔ ایسی دوا جس کو مریض بخوشی استعمال کر سکے اور اس کا اثر کھلی آنکھوں نظر آجاتا ہو، معالج کے فن تجویز میں مہارت کی سند ہوا کرتا ہے۔

فن طب کے وابستگان اور اب عام آدمی بھی، اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ ہومیوپیتھک دوا، استعمال میں آسان، اور اثر میں کامل ہوا کرتی ہے، اگر ٹھیک ٹھیک تشخیص کے بعد، ان ہی حالات کے لئے متعین کردہ دوا۔ معالج تجویز کرے تو وہ تیر بہدف ثابت ہوتی ہیں۔

اسی طریقہ علاج کو اپنانے سے دوسرا اثر حضرت ڈاکٹر صاحب میں یہ بھی تھا کہ آپ معالجۂ روحانی میں بھی، بڑی مختصر مختصر، دوائیں تجویز کر دیتے تھے، جو درحقیقت شریعت و طریقت کا عطر اور "روح" ہوا کرتی تھیں۔ جو آپ کی صحیح تشخیص کی بدولت، ایسی نشانے پر بیٹھتی تھیں کہ خود مریض بھی دنگ رہ جائے۔

بہر حال، خود اپنی اصلاح میں "معمولی نوک پلک کی درستگی" کار فرما ہونا، اور معالجۂ جسمانی کا شغل اختیار کرنا، یہ دو چیزیں ایسی تھیں، جنہوں نے حضرت ڈاکٹر صاحبؒ میں، تربیت کر دینے کی وہ خاص شان پیدا کر دی تھی، جو اپنے اندر ایک انفرادیت رکھتی تھی اور جو اس زمانہ کے حال کے لئے نہایت موزوں اور موجودہ دور کی حواس باختہ طبیعتوں کے عین موافق تھی۔

جس طرح ہومیوپیتھک دوائیں، دیکھنے میں بے رنگ، مقدار میں قلیل اور ذائقے میں شیریں ہوتی ہیں۔ حضرت ڈاکٹر صاحبؒ نے، روحانی امراض میں بھی اسی طرح کی دوائیں تجویز فرمائی تھیں، جو بظاہر ہلکی پھلکی اور مجاہدات کے عام تخیل کے مقابلے میں کم اور استعمال کرنے میں دل خوش کن، اور پر تاثیر تھیں۔

اس بات کی تائید کے لئے حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کا "طریقۂ اصلاح" پیش کیا جا سکتا ہے۔ جو انکی مختلف تحریروں اور متفرق ارشادات سے بھی معلوم ہو جاتا ہے اور ذیل کے چند واقعات سے

بھی اس کا کچھ اندازہ ہو سکتا ہے۔

یہاں پہلے اس بات کو تازہ کر لیجیے کہ تصوف و سلوک، اصلاح و تربیت یا اس کے لئے بیعت ہونا اور کسی ایک اللہ والے سے اپنے حالات بتا بتا کر، اپنی عملی کیفیت اور حالت کو بہتری کی طرف بدلنا، اور اپنے کاموں کو شریعت کے مطابق بنا لینا، ان سب باتوں کا حاصل کیا ہے؟ ان امور کی انجام دہی کا مقصد کیا ہے؟

ظاہر ہے کہ اس کا جواب یہی دیا جائے گا کہ، اپنے ظاہری اعمال کو شریعت کے مطابق بنانا اور اپنے دل کی حالت کو، اخلاص و محبت سے آراستہ کرنا، خدا تعالیٰ کی مخلوق کے تمام حقوق بجالانا، اور ظاہر و باطن کی اس تعمیر کا اصل مقصد صرف یہ ہے کہ انسان کو اپنے مالک حقیقی سے، اطاعت کا تعلق ہو جائے اور مالک حقیقی، اس بندہ کی سعی کو مشکور فرما کر اس بندے سے خوش ہو جائے اور اس کو اس بندہ سے رضامندی کا تعلق ہو جائے۔

گویا خدا تعالیٰ کی "یاد" دل میں بس جانا، اور اسی کی "اطاعت" میں منہمک رہنا ہی مقصد ہے ان تمام ظاہری و باطنی فرائض و واجبات کا۔

اور اسی مقصد تک پہنچنے کے لئے، نفس کو اطاعت کا عادی بنانے کے لئے، بطور مشق کچھ مجاہدات، اور ترک لذات بھی کرایا جاتا ہے، اور اسی "یاد" کے دل میں بسانے کے لئے اس کے نام کی رٹ لگوائی جاتی ہے۔

اور خدا تعالیٰ ہی کی محبوبیت پانے کے لئے، اسکے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور اور انکی مشابہت پیدا کرنے کی فکر رہتی ہے۔

اور پھر یاد محبوب بھی اسکی محبت و عظمت کے گن گانے کے لئے، اور اپنی پستی و عاجزی کا اعتراف کرتے رہنے کے لئے ہے۔

علماء محققین اور صوفیاء و صالحین بھی اس بات پر متفق ہیں کہ انسانی کمالات میں سب سے بڑا درجۂ کمال "عبدیت" ہے۔

اپنی حقیقت اپنی نگاہوں میں مستحضر ہو جائے اور اپنے مالک کی عظمت، دل میں پختہ ہو جائے، یہی مقام، مقصود ہے۔ اور یہی انسانیت کی معراج ہے۔

اندازہ کیجئے کہ خدا تعالیٰ سے تعلق محبت، اور اپنی عبدیت پیش نظر رہنے کا مقام، جو کہ سب سے اونچا مقام ہے، کس قدر کاوش سے اور کس قدر فنائیت سے حاصل ہوتا ہوگا اور اس کے حصول کے لئے کیا کچھ نہ کیا جاتا ہوگا۔

اور سچی بات یہی ہے کہ اسی مقام فنائیت تک پہنچنے کے لئے، اور عبدیت کو حاصل کرنے کے لئے گذشتہ دور کے سالکین نے بڑے پاپڑ بیلے ہیں، بڑی محنتیں کی ہیں، بڑے مجاہدات کئے ہیں کہ انکا تصور بھی ہمارے دور کے انسان کے لئے بار گراں ہے۔

لیکن ہمارے حضرت ڈاکٹر صاحبؒ نے اسی مقام تک پہنچانے کے لئے، اس دور کے ضعیف اور کمزور طبیعتوں کے مالک، لوگوں کے لئے، شریعت وسنت کی تعلیمات سے ایک عطر اور "روح" کشید کر کے، صلائے علام دیدی اور یہ عطرِ عبادت، دعا" ہے۔ جس کو حدیث شریف میں بھی عبادت کا مغز اور جوہر بتایا گیا ہے۔

حضرت ڈاکٹر صاحبؒ سالکین اور عام مسلمین کے لئے "دعا" کرنے کو بہترین نسخہ قرار دیتے تھے، اور اس نسخہ کو ہمہ وقت استعمال کرتے رہنے کی تلقین و تاکید فرماتے تھے،

حضرت ڈاکٹر صاحب نے اصلاح و تربیت کے لئے "دعا" کو خاص اہمیت دی تھی اور متوسلین کے سامنے اسکی اہمیت بار بار جتاتے تھے۔

اور پھر دعا کرنے میں جن کیفیات کا لحاظ ضروری ہے۔ اسکی وضاحت کرتے تھے۔

فرمایا کرتے تھے کہ اپنی ہر ضرورت میں، اللہ تعالیٰ سے رجوع کرو، ان سے مانگو اور دل کھول کر ان سے عرض معروض کرو، لگ لپٹ کر مانگو۔ بالکل اس طرح ضد کرو، جیسے ایک معصوم بچہ، اپنی ماں سے، لجاجت، خوشامد اور عاجزی کے ساتھ ضد کیا کرتا ہے۔

اگر تم گناہوں پر شرمندہ ہو اور انہیں چھوڑ دینا چاہتے ہو، مگر تم سے چھوٹتے نہیں تو یہ بات بھی اللہ میاں سے کہو:

کسی وقت تنہائی میں بیٹھ کر، خدا سے کہئے:

" یا اللہ! میں حقیقۃً اس سے بچنا چاہتا ہوں، مگر یہ معاشرہ مجھ کو مجبور کر دیتا ہے، یا اللہ! آپ میری مدد فرمائیے۔" ایاک نعبد، وایاک نستعین"

کبھی رو رو کر خدا کے سامنے اپنی عاجزی ظاہر کرو، یقیناً راہ ملے گی، مگر طلبِ صادق پیدا کرو۔

" ایک اور کام کی بات ہے "

اوراد و وظائف جو آپ کرتے ہیں وہ بے وزن ہیں۔ آپکا دل صاف نہیں، اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت نہیں، یہ وظائف، ضابطہ کے طور پر آپ کر رہے ہیں، یوں خدا اپنی رحمت سے قبول فرما لے، لیکن یہ بے روح ہیں۔

اب اس میں جان کہاں سے آئے، یہ بھی اللہ میاں ہی سے کہو،

یا اللہ! ہماری عبادات بے روح ہیں، اور ہم اس میں روح بھی پیدا نہیں کر سکتے لیکن آپ ہر چیز پر قادر ہیں، اسمیں روح پیدا فرما دیجئے۔"

اللہ پاک اگر مؤاخذہ کریں، کہ یہ سود اور رشوت، کیوں نہیں چھوٹتی، اور آپ جواب دیں کہ، یا اللہ! ہم اکیلے کیا کریں۔ سارا معاشرہ گندہ ہو گیا اسمیں کہاں سے حلال و طیب چیزیں مل سکتی ہیں۔

اللہ پاک اس پر یہ فرمائیں کہ تم نے یہ بات کبھی ہم سے کہی تھی، اور ہم سے مدد مانگی تھی؟ تو کیا جواب دو گے، ؟

اس لئے جو بات میں عرض کر رہا ہوں عمل میں لانے کے لئے، اس پر توجہ کیجئے بڑے کام کی بات ہے مجرب ہے اور نہایت سہل بھی۔

اللہ پاک سے کہو،

یا اللہ! آپ نے ہی فرمایا تھا کہ مصیبت میں ہم سے مدد مانگو۔

یا اللہ! ہم میں ایمان کی قوت نہیں، مدافعت کی قوت نہیں، استقلال اور ہمت نہیں ہم سے یہ سب جو تقاضائے ایمانی ہے، ہو بھی نہیں سکتا،

آپ ہر چیز پر قادر ہیں، یا اللہ! ہم آپ ہی سے مانگ رہے ہیں ہم مغلوب ہو کر رہ گئے ہیں، ہر جگہ مجبور ہیں فسق و فجور ہم پر عائد کر دیا گیا ہے، دفتروں میں، اگر رشوت نہ لیں، تو ہماری نوکری برقرار نہیں رہتی دفتروں میں اگر رشوت نہ دیں تو ہمارا کام کسی طرح

ہوتا ہی نہیں، اور یہ سب آپ خود بھی جانتے ہیں اور اب رہنا بھی ہمیں اسی ماحول میں ہے اور آپ ہی اس کا سوال ہم سے حشر میں کریں گے۔ اور اس کی سزا بھی ہم کو ملے گی اور وہ سزا ہم برداشت نہیں کر سکتے۔

آخرت تو کیا، دنیا میں بھی اس بدعملی کا جو عذاب آئیگا وہ بھی ہم سے برداشت نہ ہو سکے گا، اور پھر موت کے وقت کی سختی اور عذابِ قبر، عذاب برزخ، ہم کبھی اس کے متحمل نہ ہو سکیں گے۔

اور ہم اپنی اس حالت کے بدلنے پر بھی قادر نہیں بلکہ کل پھر اسی حالت میں چلنا پڑے گا، اب ہمارے اختیار سے باہر ہے۔ یا اللہ! ہم سے کچھ نہیں بنتا، ہم آپ سے فریاد لے کر آئے ہیں۔ ہماری مدد کیجیے۔"

یا اللہ! نفس ان تمام لذّات کا طالب ہے جو حرام ہیں، اور ناجائز ہیں اور شیطان ان کی تدبیریں بتلاتا ہے اور میں ان دونوں کی کوشش اور جاذبیت سے مغلوب ہو جاتا ہوں۔

نفس مجھے لذّت کیلئے اُبھارتا ہے اور شیطان تدبیریں بتلا کر مجھے گمراہ کر دیتا ہے، اور میں نہ دنیا کی تباہی چاہتا ہوں نہ آخرت کا نقصان۔

اور میرا کوئی ٹھکانا بھی نہیں سوائے تیرے۔ میں تو عاجز ہو گیا ہوں، انجام سے ڈرتا ہوں، اس لئے اپنے کام تیرے سپرد کرتا ہوں اور تجھے کارساز سمجھتا ہوں۔ اور اس پر بھی مجھے یقین ہے کہ تیری مدد کے بغیر کچھ نہ ہوگا...

اور میں کچھ کر بھی نہیں سکتا۔ اور کسی ایک جگہ نہیں ہر جگہ مجھے یہی مرحلہ درپیش ہے، اور یہ کھلی نافرمانیاں ہیں جو جہنّم میں لیجانیوالی ہیں، مگر میں جہنّم میں جانے کے لئے بھی تیار نہیں، اس لئے اپنے آپ کو تیرے سپرد کرتا ہوں۔ اور۔ یا اللہ! تیرا وعدہ ہے کہ جو تجھ پر بھروسہ کرے تو اس کی غیب سے مدد کرتا ہے تو یا اللہ! میری بھی مدد فرمائیے — "ایاك نعبد و ایاك نستعین"، میں تو تیری ہی بندگی کرتا ہوں اور تجھی سے مدد کا طلبگار ہوں۔

یہ ہے اللہ کے دربار میں اپنی عاجزی، اور اللہ سے مدد کی درخواست اور مراقبہ اپنے اعمال کا،

اپنی خامیاں، ماحول کی خرابیاں، بے جان عبادتیں، یہ ساری چیزیں، قادر مطلق کے سامنے پیش کر دو۔

اور ندامت و عاجزی سے کہو:

یا اللہ! یہ لعنت زدہ معاشرہ، جس میں، میں اور میرے اہل و عیال اور دیگر متعلقین، بلکہ عالم میں جہاں جہاں بھی مسلمان ہیں، سب اس میں ملوّث ہو گئے ہیں، اور اسی بناء پر مسلمان دنیا میں خوار و رسوا ہو رہے ہیں۔

یا اللہ! ہم کو اس سے نجات دلوائیے، اُمّتِ محمّدیہ پر رحم فرمائیے، دشمنانِ دین کو مغلوب کیجئے اور ہماری توبہ و استغفار قبول کیجئے۔

یا اللہ! یہ غفلت زدہ قوم آپ سے رجوع بھی نہ کر سکے تو آپ کے چند مخلص بندے تمام امّت کے لئے دعائیں کر رہے ہیں، آپ ان کی دعائیں قبول فرمائیے ہم نادانوں پر رحم فرمائیے، ہماری بداعمالیوں پر نہ دنیا میں سزا دیجئے اور نہ آخرت میں۔

ہمارے اخلاق، ہمارے معاملات، شریعت کے مطابق کر دیجئے، ہم کو فہم دین عطا فرمائیے دنیا میں حیاتِ طیّبہ عطا کیجئے۔

یا اللہ! ایمان کامل کے ساتھ ہم سب کی عاقبت بخیر فرمائیے۔

یا اللہ! ہم تمام عذابوں سے پناہ مانگتے ہیں۔ دنیا و آخرت کی ہر مصیبت سے ہولِ محشر سے اور ہر مؤاخذہ سے ہمکو بچا لیجئے۔ یا اللہ اپنے نیک بندوں کی نسبت سے، جن سے آپ نے ہمارا تعلق قائم فرمایا ہے ہماری دعائیں قبول فرمائیے اپنے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت نصیب فرمائیے۔

اسی دعا ہی کے سلسلہ میں یہ اقتباس بھی دیکھئے:

میں نے عرض کیا، روزانہ صبح کے بعد بیٹھ جاؤ اور اس طرح کی دُعا مانگو۔

اپنے گناہوں سے، صغائر سے، کبائر سے، بدحواسیوں سے، دشواریوں سے، بیماریوں سے، جو ندامت اور الجھن ہے وہ

سب پیش کرو اللہ میاں کے سامنے، دیکھو! چند دنوں میں انشاء اللہ کایا پلٹ جائیگی۔

میں آپ کو بشارت دیتا ہوں اور یقین کے ساتھ، قوت ایمانیہ کے ساتھ کہتا ہوں کہ اگر بارگاہِ الٰہی میں عجز و نیاز کے ساتھ اقرار جرم کیا اور اپنے گناہوں کو ترک کرنے کا ارادہ کیا تو انشاء اللہ، اس کی مدد ہوگی، ضرور ہوگی۔

" آنکھ بند ہوتے ہی انشاء اللہ سیدھے جنت میں جاؤ گے" یہ میں اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا، اپنی طرف سے کیا کہتا، یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسا وعدہ کیا ہے۔

حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کی مجالس میں اکثر اوقات دعا ایسی تفصیل کے ساتھ اور اس کیفیت ساتھ ہوتی تھی کہ اللہ تعالیٰ سے ایک عجیب تعلق پیدا ہوتا ہوا محسوس ہوتا تھا۔ وہ مجالس اکثر شائع ہوگئی ہیں۔ اُن کے مطالعے سے بخوبی وہ طریقہ کار اور وہ الفاظ اور ہمارے اوپر پیش آنیوالے حالات کی ترجمانی، سامنے آئیگی جو ہم کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ عرض معروض کرنیکا سلیقہ سکھادے۔

حضرت ڈاکٹر صاحبؒ نے اس "مغز عبادت" کا کیف اور اس کا حقیقی رنگ اپنے مخاطبین کے سامنے کردیا تھا۔

جس کا نتیجہ یہ نکلتا تھا کہ دعا مانگنے والا، حق تعالیٰ سے سرگوشیوں میں باتیں کرنیکا عادی ہوجاتا تھا، ہر وقت دل ہی دل میں، عرض معروض جاری ہوجاتی تھی۔ اور رفتہ رفتہ وہ آدمی "ایاک نعبد وایاک نستعین" کی تعبیر و تفسیر بن جاتا تھا، اپنی عبدیت اور خدا تعالیٰ سے ہر معاملہ میں استعانت کا تصور اس کی رگ رگ میں سما جاتا تھا۔ اور پھر اسی ایک عمل سے وہ، غفلت سے ہوش کی طرف، معصیت سے، طاعت کیطرف، بیگانگی سے محبت کی طرف کھنچا چلا آتا تھا۔

یہ "دعا" تو گویا ایک درجہ میں دوا تھی، اس کے ساتھ ہی اس نسخہ کیمیاء میں چند پرہیز بھی کرائے جاتے تھے، وہ بھی بعض ایسی ہی باتیں تھیں جنکا چھوڑ دینا کچھ زیادہ مشکل نہ تھا، لیکن ان کی حیثیت بڑی خطرناک تھی۔ اور ان کی موجودگی میں بڑی سے بڑی دوا بھی کارگر ہوتی نظر نہ آتی تھی۔

ہمارے موجودہ حالات میں یہ چیز کثرت سے پیدا ہوئی ہے کہ ایک طرف تو ہمارے سامنے معاشرتی زندگی میں، مختلف قسم کی لطف انگیز چیزیں ہیں، اور نفس کی مرغوب اشیاء ہیں، نت نئے فیشن ہیں۔ بے پردگی اور بے حیائی کے مناظر ہیں، راگ رنگ کی محفلیں اور بے تکلف، بے محابا مرد و زن کا میل جول ہے، ہر ہر چیز میں اسلامی وضع اور دینی احکام کو چھوڑ کر مغربی تہذیب کے تقاضے پورے کرنیکی فکر دامنگیر رہتی ہے۔

؎ ہم مشرق کے مسکینوں کا دل مغرب میں جا اٹکا ہے

پھر کچھ لوگ تو اس نقالی کے شوقین ہیں اور کچھ دوسروں کی دیکھا دیکھی یا ان کا ساتھ دینے کے لئے ان تمام غیر شرعی۔ غیر شریفانہ طریقوں کو اپنائے ہوئے ہیں اور دوسری طرف شریعت کے، ایمان کے تقاضے ہیں۔

بہر حال یہ ناگفتنی حالت تو ہے ہی لیکن اس بدعملی کے ردعمل میں جو نحوست ہم پر طاری ہوئی وہ بڑی خطرناک ہے۔

کہ اب ہم اپنی حالت کو ناقابلِ تبدیل سمجھ کر، یا موجودہ طریقوں کی دل فریبیوں سے دھوکہ کھاکر، اسلامی احکام کا مذاق اڑانے لگے۔ یا انکا انکار کرنے پر اتر آئے۔ بجائے اپنی غلطیوں کا اعتراف کرنے کے۔ ان احکام ہی کو غلط کہنے لگے۔

یہ بات بہت نقصان دہ تھی۔ اس سے ہم گنہ گاروں کی فہرست سے نکل کر باغیوں اور انکار کر دینے والوں کی فہرست میں آتے جا رہے تھے۔

بلاشبہ یہ انکار و بغاوت، جسکو "ذہنی ارتداد" سے تعبیر کر دینا بے جا نہوگا۔ اس دور کا عظیم اور مہلک ترین فتنہ ہے۔

اور ستم بالائے ستم یہ کہ اس چیز کو کبھی ہم نے محسوس بھی نہ کیا تھا کہ اپنے بُرے عمل کی یہ تاویل سازی۔ یا دینی وضع قطع کا مذاق، ارتداد اور بغاوت کی علامت ہے۔

لیکن حضرت ڈاکٹر صاحبؒ نے اس کا بخوبی ادراک کیا کہ یہ چیز مسلمانوں کے لئے سمِّ قاتل ہے اور وہ اس کو معمولی سمجھ رہے ہیں مگر درحقیقت یہ معمولی بات نہیں ہے اس کے اثرات بہت غلط ہوں گے اور یہ اندازِ فکر ہمارے تمام اچھے اعمال کو بھی غارت

کر دے گا۔ اس انداز فکر کی ہولناکی اور اسکی سمیّت کا اندازہ کرنے کے ساتھ ساتھ انہوں نے یہ بھی بھانپ لیا کہ اس انداز فکر کا محرک کیا ہے ؟

وہ محرک دو چیزیں ہیں۔

① ایک تو یہ کہ ہم اس بدعملی اور تہذیبی انقلاب کے عادی ہو گئے ہیں۔ اور اسمیں ایک طرح کا لطف آنے لگا ہے اب نفس اس لطف اور مزے کو چھوڑ دینے کے لئے تیار نہیں۔

ادھر جب ہمارے سامنے تقاضائے ایمانی آتے ہیں تو، ہمیں اپنا مزہ کرکرا ہوتا نظر آتا ہے، جسکے ردعمل میں، ہم شریعت کے ساتھ استہزاء کرتے اور اس کے واجبات و فرائض کا اس دور میں ناممکن ہونا ثابت کرتے ہیں۔

② دوسری بات یہ ہے کہ ہم اپنی سیاسی اور اقتصادی بدحالی کی بدولت دنیاوی ترقی یافتہ قوموں سے ایسے مرعوب ہو چکے ہیں کہ ہر بات میں ان کی نقل اپنے لئے سرمایۂ افتخار سمجھتے ہیں گویا ہمارے دل انکی عظمت سے لبریز ہو رہے ہیں اور خدا تعالیٰ کی عظمت، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت سے ہمارے دل خالی ہو چکے ہیں۔

جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہم خدا تعالیٰ کی نافرمانی کو زیادہ اہمیت نہیں دیتے اور شعائر اسلامی کو ترک کر دینے میں کوئی قباحت نہیں محسوس کرتے اور برملا کہہ اُٹھتے ہیں کہ اب اسکی ضرورت نہیں ہے کہ ہم داڑھی رکھیں، ہماری عورتیں پردہ کریں۔ اور حیاء و غیرت کے فرسودہ تقاضوں کو نبھائیں۔ وغیرہ وغیرہ۔

حضرت ڈاکٹر صاحبؒ انہی محرکات پر نظر فرما کر ارشاد فرماتے تھے کہ اگر تم سے گناہ نہیں چھوڑے جاتے اپنی تہذیب و تمدن کا موجودہ انقلاب نہیں روکا جاتا تو خدا کیلئے اپنی غلطی کا "اقرار" تو کرتے رہو، کئے جاؤ یہی جو تم کر رہے ہو، مگر اس کو بُرا تو سمجھتے رہو

اور جنکی عظمت کا دم بھرتے ہو، جنکی نقّالی کے لئے مرے جاتے ہو، ذرا انہیں بھی دیکھو کہ وہ خود اپنی گندی اور انسانیت سوز طرزِ معاشرت سے اکتا چکے ہیں اور اب اسلام ہی کی طرف آرہے ہیں۔ خدارا ہوش سے کام لو، کہیں ایسا نہ ہو وہ تمہاری جگہ لے لیں اور معاذ اللہ تم انکی جگہ ہو جاؤ۔ اسی سلسلہ میں حضرت ڈاکٹر صاحبؒ نے یہ واقعہ بیان فرمایا:

ایک دفعہ ہمارے حضرت علیہ الرحمہ نے وعظ میں فرمایا کہ:

صاحبو! میرے سامنے ایک بڑا خطرناک منظر ہے۔ جس کے تصور سے دل لرزتا ہے وہ منظر یہ ہے کہ دوسری قومیں اور دوسرے مذاہب کے لوگ اپنے معاشرے، بداخلاقی، اور ناپاک زندگی سے عاجز آگئے ہیں وہ جب سکونِ قلب اور پاکیزہ زندگی کی تلاش کرتے ہیں تو ان کو صرف اسلام ہی میں مقصودِ حیات، نظر آتا ہے اس لئے اسلام کی تعلیمات اور اسلام کے ضابطوں کی طرف متوجہ ہو رہے ہیں اور ان کی قدر کر رہے ہیں، ان کے اندر، تلاشِ حق، تلاشِ عافیت اور پاکیزگی، معاشرہ کی درستگی کی طلب پیدا ہوئی ہے اور انکو اپنے مقاصد کے حصول کے لئے اسلام ہی سب سے زیادہ صحیح نظر آتا ہے۔

تو دوسری قومیں، جو زندیق ہیں، ملحد ہیں، کافر ہیں، مشرک ہیں وہ اسلام کی قدر کرتے جارہے ہیں اور اسلام کیطرف مائل ہوتے جاتے ہیں۔ اگر وہ لوگ اسیطرح آگے بڑھتے رہے اسلام کی قدر کرتے رہے تو دین اسلام کے قریب ہو جائیں گے۔

اور برعکس اسکے مسلمانوں کو میں دیکھتا ہوں کہ وہ ایمان واسلام کی ناقدری کر رہے ہیں، شعائرِ اسلام کو ترک کرتے جارہے ہیں اور یہود ونصاریٰ کی تہذیب و تمدّن اور طرزِ معاشرت کو اختیار کرتے جارہے ہیں، جس پر اللہ کی پھٹکار دنیا میں بھی ہے اور آخرت میں بھی۔

حضرت والا فرماتے ہیں کہ:

مستقبل کا بڑا خطرناک اور عبرتناک منظر میرے سامنے یہ ہے کہ خدانخواستہ، کہیں

ایسا نہ ہو اور کہیں ایسا وقت نہ آجائے کہ وہ کفار تو اِدھر بڑھتے جائیں اور تم اُدھر گھٹتے جاؤ پھر سرحد پر پہونچ کر وہ اِدھر (اسلام) میں داخل ہو جائیں اور تم اُدھر (کفر) میں داخل ہو جاؤ، العیاذ باللہ! حق تعالی محفوظ رکھیں۔

اور فرمایا: میں اسی لئے ان واقعات سے متاثر ہو کر بار بار دہراتا ہوں کہ خدا کیلئے اپنے ایمان کی قدر کرو۔ اپنے اسلام کی قدر کرو اور اسی کے ضابطے اور حدود میں رہکر عافیت حاصل کرو، اسی میں دنیا اور آخرت کی فلاح ہے۔

بھائی! اللہ سے پناہ مانگا کرو کہ ایسا وقت ہمارے آپ کے سامنے نہ آئے اور ایسی بات نہ ہو کہ ہمارا انجام عبرت ناک ہو اور دوسری قومیں ہم پر ہنسیں۔

ایک اور موقع پر غیرت دلاتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔

"کسی قدر عبرتناک واقعہ ہے کہ ایسے ناعاقبت اندیش اور نام نہاد مسلمان اپنے دین کی خوبیوں اور صلاح و فلاح کی ناقدری کرتے ہوئے کفار و مشرکین کی ظاہری عیش و عشرت کے ساز و سامان کی طرف مائل ہوتے ہیں۔

لیکن ذرا ان کی اندرونی زندگی کا بھی تو جائزہ لیجئے کہ امریکہ اور انگلینڈ والوں کی، زندگی کیسی ہے؟

جو ان کے اندرونی حالات سے واقف ہیں اور ان کے تہذیب و تمدن کو دیکھ رہے ہیں ان کا کہنا ہے کہ:-

ان کی زندگی میں نہ حیا ہے نہ غیرت، نہ شرافت ہے نہ انسانیت، ناپاک جانوروں سے بدتر، قابلِ نفرت زندگی ہے۔ یہ ساری قوم علانیہ شراب خوری، زناکاری بدمعاشی، بے حیائی اور مدہوشی میں مبتلا ہے، جسکی انجام کار کے لحاظ سے بربادی، اور تباہی کے سوا دوسری صورت نہیں۔ عبرت کی نظر سے دیکھئے! یہی قومیں، دنیا میں امن و امان کی دشمن بنی ہوئی ہیں، ان کے تمام ذرائع، وسائل، قوتیں اور ایجادات بنی نوع انسان کے لئے ہر جگہ مہلک ثابت ہو رہی ہے۔

کیا ہم ایسوں کی تقلید کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں؟ ان کی اس ناپاک زندگی سے

عبرت حاصل کرنی چاہیئے اور شکر ادا کرنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو ایمان عطا فرما کر شرفِ انسانیت پر قائم رہنے کیلئے چُن لیا۔۔۔۔۔

اسی طرح اس انکار و بغاوت کے دوسرے محرک کا علاج فرماتے ہوئے تلقین کرتے کہ:

تم سے رائج الوقت گناہ نہیں چھوڑے جاتے، ایک دم سے نہ چھوڑ سکو نہ چھوڑو لیکن کسی ایک وقت تنہائی میں اللہ میاں کے سامنے بیٹھ جاؤ اور کہو!

یا اللہ میں ان برائیوں میں مبتلا ہوں، چھوڑنا چاہتا ہوں مگر عادت سے مجبور ہو کر، یا معاشرہ سے مغلوب ہو کر چھوڑ نہیں پا رہا۔

یا اللہ میں جانتا ہوں کہ یہ عمل خراب ہے، آپ کی ناراضی اور میری بربادی کا سبب ہے۔ لیکن یا اللہ! میں آپ سے ہی درخواست کرتا ہوں کہ مجھے میرے اس عمل کی جزائے بد سے بچا لیجئے۔ میں نہ اسکی سزا کا متحمل ہوں نہ اسکی دنیاوی نحوست کا۔

یا اللہ مجھے ہمت دیدیجئے تاکہ میں یہ گناہ چھوڑ سکوں۔ میرا ایمان قوی اور مضبوط فرما دیجئے۔ اور مجھے دنیا و آخرت کی تباہیوں اور رسوائیوں سے بچا لیجئے۔۔۔۔۔

فرماتے کہ:

اس طرح عرض معروض کرلو، خود کو باغی نہ کہلواؤ، مجرم رہو مگر اقراری مجرم رہو، اور اپنا معاملہ ہر روز خود ہی پیش کرتے رہو، انشاء اللہ کچھ ہی عرصہ میں قوتِ ایمانیہ عود کر آئے گی اور خود بخود وہ باتیں چھوٹتی چلی جائیں گی جنکا چھوڑنا تمہیں ابھی دشوار معلوم ہو رہا ہے۔

بہرکیف، حضرت ڈاکٹر صاحبؒ، لوگوں کو انکار و بغاوت سے باز رہنے کی تاکید فرماتے۔

دوسرا پرہیز، یہ کراتے کہ دیکھو خبردار، اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کو مؤثرِ حقیقی نہ سمجھو، اپنے ایمان کو درست رکھو، عقیدۂ توحید میں گڑبڑ مت کرو، چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

ہمارا کونسا کام ایسا ہے جو شریعت و سنّت کے مطابق ہو، شادی بیاہ،

خرید و فروخت، رہن سہن، لباس پوشاک غرضیکہ ہر چیز میں ہمارا طرزِ عمل خدا تعالیٰ کے نافرمانوں جیسا ہے۔

" ذرا آج کل کی نکاح و شادی کی تقریبات پر نظر کر لیجئے، کیا ہو رہا ہے؟ بڑے بڑے قیمتی اور خوشنما رنگا رنگ، دعوت نامے چھپ رہے ہیں، اسکے آخر میں دیکھئے کون مدعو کر رہا ہے " بیگم و فلاں صاحب"، بیگم صاحبہ کا نام پہلے آتا ہے اور شوہر صاحب کا نام بعد میں آتا ہے وہی فرنگی تہذیب والی ذہنیت یہ کورانہ تقلید اسلامی نقطۂ نظر سے بڑی بے غیرتی کی بات ہے۔

پھر کارڈ میں لکھتے ہیں " نکاحِ مسنونہ"، " ولیمۂ مسنونہ"، ماشاء اللہ، کیا خوب نکاح مسنونہ، اور ولیمہ مسنونہ ہے۔ ذرا شادی ہال میں جا کر دیکھو کیا ہو رہا ہے۔ دلہن، دولہا کے فوٹو لئے جا رہے ہیں، عورتوں، مردوں کا اختلاط، بلا تکلف وڈیو لیا جا رہا ہے۔ طرح طرح کے گناہِ کبیرہ، اسراف، جو آجکل شادی ہالوں میں ہو رہے ہیں ان کی زندگی میں بار بار یاد تازہ کریں گے، کھڑے ہو کر کھانا کھایا جا رہا ہے۔

قاضی صاحب، خطبہ پڑھ رہے ہیں سامنے فوٹو لیئے جا رہے ہیں وڈیو بن رہا ہے گانے بجانے کی آوازیں بھی آ رہی ہیں، دلہا صاحب ہیں کہ سہرے میں ڈھکے ہوئے ہیں جو خالص مشرکانہ، ہندوؤں کی رسم ہے جو تشبہ بالکفار کا شائبہ لئے ہوئے ہے، دلہا صاحب کو تحفہ میں سونے کی انگوٹھی دی جاتی ہے جس کو مرد کے لئے پہننا حرام ہے۔

دولہن صاحبہ کے میک اپ میں " نیل پالش"، کا استعمال لازمی ہے جس کے لگانے کے بعد نہ وضوء ہوتا ہے نہ غسل، شادی ہال کو ہر طرح کی روشنیوں سے سجایا جاتا ہے جو شرعی اعتبار سے اسراف و تبذیر ہونیکی وجہ سے شیطان لعین کی برادری میں داخل کرا دینے کا ذریعہ بن رہا ہے۔

شرکاء تقریب کو نہ نماز کا خیال ہے نہ جماعت کی فکر، یہ ہے اس ولیمہ مسنونہ یا عقدِ مسنونہ کی ہیئت کذائی، جو نہ معلوم کتنے گناہ کبیرہ، اسراف، حرام و ناجائز امور کا مجموعہ ہے۔ استغفر اللہ۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

اب اس کے خمیازہ پر نظر کیجئے۔ شادی ختم ہوگئی، اندازہ سے زیادہ خرچ ہوگیا، قرض کا بوجھ الگ رہا اور ابھی مہینہ بھر بھی نہیں گذرا کہ شوہر اور بیوی میں مزاجی اختلاف شروع ہوگیا، زندگی میں تلخی پیدا ہونے لگی دونوں فریق کالج کی آزادانہ فضاؤں کے تعلیم یافتہ، تربیت یافتہ ہر ایک کو اپنی فوقیت کا احساس، آپس میں نہ باہمی اعانت کا احساس نہ محبت نہ رواداری، اگر دین سے بیگانگی ہوئی تو نہ طہارت نہ عبادت، ایسا اختلاف بڑھتے بڑھتے شدت اختیار کرلیتا ہے اور طلاق و خلع کی نوبت آجاتی ہے......

ماں باپ کو اگر انکی پریشانی کا احساس ہوا تو اس کے تدارک کے لئے عملیات اور تعویذ، گنڈوں کے پھیر میں پڑ جاتے ہیں۔

کہتے ہیں، کسی کے حسد کا نتیجہ ہے، کسی نے جادو کر دیا ہے، کسی نے سفلی عمل کر دیا ہے، مگر اس کا احساس نہیں کہ خود کتنے گناہوں اور خلافِ شرع باتوں کا ارتکاب کر چکے ہیں، جس کا یہ وبال ہے۔

یہ ایسا وبال ہے جو گھر گھر رائج ہو رہا ہے۔ اب تم نے جب اپنے لئے ناجائز کو جائز، حرام کو حلال کر لیا، تو اس کا وبال ضرور بھگتو گے۔

"کہتے پھرو، سفل عمل ہے، فلاں نے یہ کر دیا، فلاں نے وہ کر دیا"

حضرت ڈاکٹر صاحبؒ اس بات پر تنبیہ فرماتے تھے کہ اپنے اعمال کے نتیجہ میں جب کوئی پریشانی اور ناگواری پیش آتی ہے تو بجائے اس کے کہ اپنے گناہوں پر نادم ہوں، معافی کے خواستگار ہوں۔ اپنی حرکتوں نالائقیوں پر نظر کریں، اس تمام تر ناگواری کو کسی اور انسان کے سر ڈال کر اپنے حال کو بدلنے اور ان گناہوں کو ترک کر دینے کے قریب بھی نہیں پھٹکتے۔

چنانچہ ایک موقعہ پر ارشاد فرماتے ہیں:

"ذرا اپنے گرد و پیش کے ماحول میں اپنے ایمان کا جائزہ لیجئے۔ جو بے دینی کی باتیں معاشرہ کے اندر دین کے پیرایہ میں پیدا ہو رہی ہیں۔

مثلاً جہاں کوئی دشواری اور پریشانی روزگار میں یا کسی دوسرے معاملہ میں پیش

آئی۔ تو تعویذ، گنڈے، عملیات یا وظیفہ کی طرف دوڑ ہوتی ہے۔

کہ یہ پریشانی تو سفلی عمل کی وجہ سے ہے، یہ سحر معلوم ہوتا ہے، کسی نے جادو کر دیا ہے جو روزگار گرتا جا رہا ہے، نقصان ہوتا جا رہا ہے، کوئی کہتا ہے کہ لڑکیاں بیٹھی ہوئی ہیں رشتے نہیں آتے، جو رشتہ آتا ہے چھوٹ جاتا ہے، کسی نے دشمنی میں کچھ کروا دیا ہے۔

"حالانکہ اپنے اعمال کا یہ حال ہے کہ مرد ہوں یا عورتیں، طرح طرح کے گناہ کبیرہ میں مبتلا ہیں، ٹیلی ویژن بھی چل رہا ہے، گانے بجانے کی ریڈیو پر تفریحات بھی ہو رہی ہیں۔

محرم و نامحرم کا کوئی سوال ہی نہیں، شرعی پردہ اور غیرت و حیاء چھوڑ رکھی ہے، دنیا بھر کی بدتمیزیاں، دنیا بھر کی بے ایمانیاں اور خلافِ شرع باتیں اختیار کر رکھی ہیں۔ مکان تصویروں سے سجے ہوئے ہیں، کھانے پینے، رہنے سہنے، وضع قطع، لباس اور پوشاک شکل و صورت سب غیر شرعی، جو دیکھنے میں تو بہت دلکش و دلفریب اور لذیذ، مگر حقیقت میں سب گندے، سب ناپاک، اسلام کے خلاف اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے خلاف۔

اور اس پر سہارا ڈھونڈتے ہیں تعویذ گنڈوں کا، عملیات کا، وظیفوں کا، نہ گناہوں کے چھوڑنے کا خیال نہ توبہ اور استغفار کی فکر، نہ رجوع الی اللہ، نہ اپنے اعمال پر ندامت و شرمندگی، نہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کا خیال۔

یہ سب عقیدے کی خرابی ہے، ایمان کی کمزوری ہے، تعویذ گنڈوں اور وظیفوں کو مؤثر سمجھ لیا گیا ہے، گویا اللہ تعالیٰ سے تو کچھ مطلب نہیں، تعویذ گنڈے سب کام بنا دیں گے۔"

تعویذ گنڈوں کے سلسلہ میں ہمارا یہ تاثر و تصور درحقیقت عقیدہ توحید کے منافی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے یہ شرک و کفر کے دائرہ میں لیجانے کا سبب بن سکتا ہے دیکھنے میں یہ کتنی عام اور معمولی سی بات لگتی ہے، مگر امت کے اس حکیم و نبض شناسِ قوم نے اس دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا اور مرض کی ہولناکی اور ہلاکت خیزی کی خبر دی۔

جہاں تک تعویذات کا تعلق ہے شریعت میں اسکی اجازت بطور ایک تدبیر کے دیگئی ہے جیسے بیماری کی حالت میں دوا، کھانیکی اجازت بلکہ حکم دیا گیا ہے اسی طرح ایک نافع تدبیر خیال کرتے ہوئے اس کی بھی اجازت دیدی گئی، اور اسی لئے اہلِ حق علماء وصوفیاء، قرآن وحدیث کی آیات اور دُعائیں بطور تعویذ کے لکھ کر دیتے رہے ہیں۔ لیکن موجودہ حالات میں، اپنی حالت سے بے فکری اور تعویذات پر مکمل بھروسہ کر لینے کی جو فضاء پیدا ہو چلی ہے اس کے لئے ضرورت تھی کہ اصل حقیقت کو کھولا جائے اور اس طرزِ عمل کے منفی اثرات کی روک تھام کی جائے کیونکہ تعویذ کو اپنی ذاتی حیثیت سے فائدہ پہنچانیوالا یا کسی غلط تعویذ کو، بذاتِ خود نقصان پہنچانیوالا سمجھ لینا بالکل غلط ہے۔

دنیا میں رہتے بستے انسانوں میں نفع ونقصان ایکدوسرے کے سبب سے پہنچتا رہتا ہے لیکن اصل نافع وضار خود ذاتِ اقدس ہے، جہاں نفع اس نے کسی کو ذریعہ بنا کر پہنچایا وہیں نقصان کا بھی کوئی سبب بن گیا۔ اب نقصان وناگواری پیش آجانے کی صورت میں ہم اپنے مالک حقیقی کیطرف رجوع کرنے کے بجائے کسی انسان کے بارے میں یہ رائے قائم کرلیں کہ چونکہ اسنے سفلی عمل کرادیا ہے اس لئے نقصان مقدر بن چکا ہے یہ ایسا احمقانہ خیال ہے جو ایک بے عقل جانور بھی نہیں کرتا۔

کسی جانور کو آپ پتھر ماردیں تو وہ بھی اتنی تمیز رکھتا ہے کہ بجائے پتھر سے لڑنے کے پتھر پھینکنے والے کیطرف رُخ کرتا ہے لیکن ہم اپنے ایمانی ضعف کی وجہ سے اس حالت کو پہنچ گئے ہیں کہ ایک جانور سے بھی گئے گذرے ہوتے جارہے ہیں۔

حضرت ڈاکٹر صاحبؒ اس خطرناک تصور اور اس زہریلے خیال سے پرہیز کراتے تھے گویا مسلمانوں کو عقیدہ توحید میں پختگی اور رسوخ کی تعلیم دیتے تھے۔

دیکھیے یہ پرہیز کس قدر ضروری تھا اور اس کے نتائج کس قدر دُور رس ہیں۔ عقیدہ توحید تو مسلمان کی پہچان، اور اس کی عملی زندگی کی جان ہے اسمیں کمی ونقصان کیصورت میں اس کا سارا ڈھانچہ ہی بے رنگ ہو جاتا ہے۔ حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کی نبض شناسی کی ایک مثال اور لیجیے۔ ایک اور خطرناک مرض کی نشاندہی فرماتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے:۔

آجکل نفسانی شعبدہ بازیوں کا بازار بہت گرم ہے، جسمیں زیادہ تر شیطانی

تصرفات شامل ہیں، نظربندی، قوت متخیلہ کی اثراندازی، عملیات، مسمیریزم، یا غیبی آوازوں کا سُنائی دے جانا، غیبی صورتوں کا متشکل ہونا، روشنی اور رنگ نظر آنا، یا ماضی کے واقعات کا بیان کرنا، یا مستقبل کے لئے پیشین گوئیاں کرنا۔ یہ سب مختلف قسم کی مشقوں اور ذہانت وقیاسات کا کرشمہ ہے۔"

"اس زمانہ میں اکثر نادان، کیفیت نفسانیہ کو کیفیات روحانی سے تعبیر کرتے ہیں، ان کو نہ روح کی حقیقت معلوم نہ نفس کی، بس کسی قوت باطنی کا ظہور ہوا اسے روحانی کہدیا۔

"آجکل مغربی ممالک میں یہ وبا عام طور پر پھیلی ہوئی ہے وہ لوگ اپنی مادہ پرستی سے بیزار ہو رہے ہیں، اور اپنی عقل وفہم سے، نفسانیت اور مادیت کے بُرے اثرات سے نجات پانے کے لئے ترکِ لذاتِ نفسانی وشہوانی کو سکونِ قلب اور حصولِ مقاصد زندگی کیلئے ضروری سمجھا اس لئے انہوں نے نفس کشی کے سلسلہ میں ہندو جوگیوں اور سنیاسیوں کے طریقے اختیار کرنا شروع کر دیئے۔"

اسی نفس کشی کے مجاہدوں اور قوتِ متخیّلہ کی مشقوں میں، جو باطنی ترقی کے نام سے امریکہ اور دوسرے مغربی ممالک میں رواج پذیر ہو رہی ہے، شیطان اپنی پوری قوت کے ساتھ، نفسِ انسانی پر متصرف ہوتا ہے اور طرح طرح کے شعبدوں میں مبتلا کر دینا ہے یہ نادان انسان یہ سمجھنے لگتا ہے کہ اسکو مقصود حاصل ہے۔

حالانکہ بات صرف اتنی ہے کہ جب کوئی شخص (خواہ مؤمن ہو یا غیر مؤمن) نفس کی قوتوں اور صلاحیتوں کو، مخصوص مجاہدوں اور مشقوں سے روبکار لاتا ہے تو اس سے بھی حیرت انگیز مشاہدات رونما ہوتے ہیں اور دیکھنے میں وہ کرامتیں، تصرفات اور کشفیات معلوم ہوتی ہیں مگر یہ سب باتیں نفسانی اور ظلمانی ہوتی ہیں کیونکہ جو کچھ اس کے توہمات میں اس کو حاصل ہے وہ اس کی زندگی میں کسی کام کا نہیں نہ تہذیب وتمدن میں، نہ معاشرت ومعیشت میں، نہ سیاست وعدالت میں۔

چونکہ مسلمانوں کے یہاں بھی صوفیاء کرام تربیت واصلاح کے لئے کچھ ریاضتیں کرایا کرتے تھے اس سے یہ شبہہ پیش آسکتا تھا کہ موجودہ دور کی یہ روحانی مشقیں اور صوفیوں

کی ریاضتیں ایک ہی چیز ہیں۔ اس لئے اس شبہہ کا بھی ازالہ ضروری تھا

چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں کہ :

اسلامی نظریات اس نفس کشی کے بارے میں بالکل مختلف ہیں، مسلمان صوفیاء کرام جو نفس کو قابو میں لانے کے لئے ریاضتیں اور مجاہدے کراتے رہتے ہیں ان کی غایت و مصرف کچھ اور ہی ہوتا ہے، ان کا مقصد جذبات انسانی کو فنا کرنا نہیں ہوتا بلکہ ان جذبات کو دائرہ شریعت میں پابند کرنا ہوتا ہے اس مجاہدہ کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ ایک مؤمن اپنے نفس کے شریف جذبات کو، عالم تعلقات میں اس طرح استعمال کرنے لگتا ہے جس کے نتیجہ میں خوشگواری و ہمدردی اور محبت و عافیت حاصل ہوتی ہے، اور وہ نفس کو ان ناپاک جذبات کے پورا کرنے سے روکتا ہے جو باہمی تعلقات میں ذلت و بے حیائی اور پراگندگی کا سبب ہوتے ہیں۔

اسی لئے محققین صوفیاء کرام نے مجاہدات کو کبھی مقصود نہیں بنایا۔ اس لئے محض مجاہدہ اور مشق کو روحانی ترقی سمجھ لینا خام خیالی ہے۔

"خوب سمجھ لیجئے، روحانی کیفیات کا تعلق مطلقاً قوت ایمانیہ سے ہے جہاں ایمان نہیں وہاں روحانیت نہیں،، روحانیت حاصل ہوتی ہے احکامِ الٰہی یعنی شریعت کے مطابق اعمالِ صالحہ کرنے سے،

چنانچہ ایمان لائے بغیر کسی قسم کی مشق سے اگر کچھ کیفیات پیدا ہو جائیں تو وہ ہرگز روحانی و ایمانی کمال نہیں کہلایا جاسکتا۔ چونکہ کمال تو یہ ان کیلئے بھی نہیں سمجھا جاتا جو مسلمان ہوں۔ عابد و زاہد ہوں۔ اگرچہ عرفِ عام میں لوگ ایسی خرق عادت باتوں پر معتقد جلدی ہو جاتے ہیں مگر یہ وہی لوگ ہوتے ہیں جو شریعت و طریقت کے مقاصد سے ناواقف ہوں اور حقیقت سے بے خبر ہوں۔

چنانچہ اہل ایمان کو اسی قسم کے حالات پیش آجانے پر غلط فہمی سے بچانے کے لئے ارشاد فرماتے ہیں :

"اسی طرح بعض لوگوں کو اچھے اچھے خواب نظر آتے ہیں، بڑی بڑی بشارتیں ہوتی

ہیں ، خانہ کعبہ اور روضۂ نبوی (علی صاحبہا الصلوۃ والسلام) اور اللہ تعالیٰ کی تجلیات نظر آتی ہیں ، یہ سب قوتِ متخیّلہ کے تصرّف کا کرشمہ ہوتا ہے ۔

یہ بات اتفاقاً انہی لوگوں کو پیش آتی ہے جن کے دل و دماغ ہر قسم کے افکار و مشاغل سے فارغ ہوں اور کسی قسم کی دنیاوی دلچسپیوں میں ، یا افکار و پریشانیوں میں انہماک نہ ہو ۔ بہرکیف ان کی حقیقت صرف یہ ہے کہ ذوق و شوق اور یکسوئی اور ارتکازِ خیال کے ثمرات ہیں جو خود بخود عارضی طور پر مشاہدہ میں آجاتے ہیں ۔ شریعت و طریقت میں ان کی کوئی اہمیت نہیں ۔ نہ یہ دلیلِ مقبولیت ہیں ۔

صرف مامور بہ اعمال ہی اللہ تعالیٰ کے قرب کا سبب ہوتے ہیں خواہ ان کی بجاآوری میں ایسی تجلیات نظر آئیں یا نہ آئیں ۔

آپ حضرات اس بات کو خوب سمجھ لیں ، کہ ہزار کیفیتیں طاری ہوں ، ہزار انوار نظر آئیں ہزار انکشافات ہوں ، یہ سب ثمراتِ عمل ہیں اور عارضی و نفسانی کیفیات ہیں چونکہ نیک اعمال کے ثمرات ہیں اس لئے محمود ہیں ۔ مگر یہ بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ بعض اوقات یہ سب شیطانی تصرف سے بھی ہوتا ہے ، شیطان بھی اس میں دھوکہ دیتا ہے اسلئے ان تجلیات ، کیفیات اور مکاشفات کو مکمل طور پر معتبر نہ سمجھنا چاہیئے ، قابلِ اعتبار تو آپ کے قدم ہیں اگر وہ صراطِ مستقیم پر ہیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشِ قدم کے مطابق ہیں تو شیطان کا اس میں کوئی دخل نہیں ۔

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کا معتبر ذریعہ اعمالِ شریعت اور اتباعِ سنت کی پابندی ہے اور ان کی توفیق علامتِ تقرب ہے اور ان پر مداومت کا حاصل ہونا دلیل مقبولیت ہے ۔

اس مسیحائے ظاہر و باطن کی نبض شناسی نے اور جن چیزوں کا پرہیز ہمارے لئے ضروری قرار دیا اسکی مزید تفصیل ان مواعظ و مجالس میں دیکھی جا سکتی ہے جو آج بھی ، ہزاروں کی تعداد میں شائع ہو کر افادۂ خلق کا سبب بن رہی ہیں ، البتہ ، دوا اور پرہیز کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مریضِ روحانی کے لئے اس مشفق مسیحائے باطن کی طرف سے

جو غذا تجویز کیجاتی تھی اس کی بھی مختصراً نشان دہی کیجائے۔

اس لئے کہ بیمار کو جہاں دوا کی ضرورت ہے وہیں کچھ غذا کی بھی حاجت ہے۔ طبیب کی حذاقت و مہارت کا ثبوت اس سے بھی ملتا ہے کہ وہ دورانِ مرض دوا اور غذا میں کیا توازن قائم کرتا ہے۔

اگر وہ ایسی غذائیں تجویز کر دے جو ایک درجہ میں خود دوا ہوں تو یقیناً اس تدبیر سے اصل دوا کی تاثیر بھی زائد ہو جاتی ہے اور مرض کا مستقل ازالہ ہو کر آئندہ کیلئے بھی اس سے مدافعت کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے۔

حضرت ڈاکٹر صاحبؒ نے جو غذائے روحانی کا چارٹ ترتیب دیا تھا وہ کچھ یوں تھا کہ چند اعمال تو ظاہری کیئے جائیں جو قوتِ بدن میں معین ہوں اور چند اعمال قلبی ہوں کہ جنکے ادا کرنے میں کچھ بھی مشقت اور بوجھ نہ ہو چنانچہ، وہ متعلقین کو تاکید فرماتے ہیں:

میں آپ کو اس حقیقت کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ اگر ہم اپنے ایمان اور اسلام کو محفوظ رکھنا چاہتے ہیں اور دنیا و آخرت کے خسران سے بچنا چاہتے ہیں تو جو طریقہ، اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کاملہ سے ہمارے دین کی حفاظت کے لئے بتایا ہے اور اسے ہمارے لئے ایک قوی و مستحکم قلعہ بنایا ہے اسکو عمل میں لاؤ، اور وہ ہے "نماز"

اَلصَّلوٰۃُ عِمَادُ الدِّیْنِ، نماز دین کا ستون ہے، نماز ہی ایسی چیز ہے جسمیں اللہ تعالیٰ نے ایسی قوت رکھی ہے جس سے تقاضائے ایمانی پیدا ہوتے ہیں اور شرفِ انسانیت کا شعور پیدا ہوتا ہے، مگر ہم لوگوں نے اسے روزمرّہ کا ایک معمولی عمل سمجھ لیا ہے اور اسکی کوئی قدر اور اہمیت ہماری نظر میں نہیں ہے اور یہ ہماری بڑی محرومی ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ وصال کیوقت آخری وصیت جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کے لئے فرمائی وہ یہ تھی،

"الصّلوٰۃ الصّلوٰۃ وما ملکت ایمانکم"

یعنی نماز کی پابندی کرو اور اپنے ماتحتوں کا خیال رکھو، یہ بات دو مرتبہ ارشاد فرمائی اس سے نماز کی اہمیت کا اندازہ لگائیے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم آخری وقت

میں نماز ہی کی تاکید فرمارہے ہیں، معلوم ہوا کہ ہمارا ایمان "صلوٰۃ" ہی کی پابندی سے محفوظ ہے، اسکی بڑی قدر کرو۔

اکثر لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ صبح کی نماز نہیں بن پڑتی، تو بھائی! اسمیں قصور کس کا ہے۔ جب تم رات کے بارہ بجے تک اپنی تفریحات ولغویات میں مشغول رہو گے تو پھر صبح کیسے آنکھ کھُلے گی، یہ سب نفس کی شرارت ہے کیونکہ تمہارے دل میں نماز کی کوئی اہمیت نہیں ہے اسلئے نفس ترکِ نماز کے لئے نامعقول عذر اور بہانے کرتا رہتا ہے۔

یاد رکھو! نماز ترک کرنا کوئی معمولی بات نہیں ہے، یہ اللہ جل شانہٗ کی حکم عدولی ہے دنیا میں بھی اس کا وبال بھگتنا پڑتا ہے اور آخرت میں بھی اسکی بڑی سنگین سزا ہے" اپنے وقت کا انضباط کرلو، انشاء اللہ، اس سے بڑی برکت ہوتی ہے اور سب ضروری کام آسانی سے ہو جاتے ہیں اور نمازیں وقت کی پابندی کے ساتھ ادا ہوتی رہتی ہیں اور دل میں سکون رہتا ہے۔

ہمارے حضرت والا فرماتے ہیں کہ "جو لوگ صبح کی نماز کے لئے نہیں اٹھتے بڑے ناقدر دان ہیں، یہ وقت ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کے نزول کا، اس وقت اللہ تعالیٰ عالمِ کائنات میں ایک نئی روح پیدا فرماتے ہیں ایک نئی تازگی آتی ہے،.... اس وقت تم غافل پڑے سو رہے ہو تمہارے دل ودماغ سب بے حس ہیں یہ بڑی ناقدری کی بات ہے، پھر کہتے ہیں کہ صحت خراب ہے، یہ بیماری ہے وہ بیماری ہے۔

بہرکیف میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ نماز کی پابندی کرو، نماز بڑی عبادت اور بڑی نعمت ہے، یہ ہماری ظاہری و باطنی صحت کا راز ہے، خواہ تمہاری سمجھ میں آئے یا نہ آئے نماز پڑھنے کی عادت ڈالو"!

اسیطرح رمضان المبارک کی تیاری میں اور اس کے استقبال میں بہت احتیاط واہتمام کی ترغیب دیتے تھے، اس سلسلہ میں بھی ایک اقتباس ملاحظہ ہو۔

میری ان تمام گذارشات کا مقصد سمجھ لیجئے، اب خدا کے لئے پاک صاف ہو جائیے تہیہ کرلو کہ تیس دن تک گناہ نہ کریں گے نہ آنکھوں سے نہ کانوں سے نہ زبان سے، غور نہیں

بھی تہیہ کرلیں کہ حجاب اور پردے کے ساتھ رہیں گی نامحرموں سے اختلاط نہیں کریں گی ، حدود کے اندر رہیں گی بغیر کسی خاص ضرورت شدیدہ کے باہر نہیں نکلیں گی، تیس دن اہتمام کرلو، تیس دن کوئی بڑی مدت نہیں . اس کے بعد پھر دیکھو کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ظہور کن کن عنوانات سے ہوتا ہے "

اسیطرح اپنے عام روزمرہ کے معمولات کو سنّت کے مطابق ادا کرتے رہنے کی عادت بنالینے کی تاکید فرماتے ،

اور تلاوت قرآن کریم اور کچھ نہ کچھ مسنون تسبیحات کی پابندی کیلئے ارشاد فرماتے ۔

ظاہری اعمال جو انسانی روح کے لئے بطور غذا کے حق تعالیٰ کی طرف سے ہیں، انمیں حضرت ڈاکٹر صاحبؒ " فرائض ،، کی صحیح بجاآوری پر زیادہ زور دیتے ، اور دیگر عادات وخصائل میں اتباع سنت کو فوقیت دیتے ، جسمیں ظاہری طور پر کسی کام کا بوجھ تو نہ پڑتا مگر وہ عادت ایک عبادت بنجاتی ، مثلاً کھانا پینا ایک عام ضرورت کی چیز ہے ، حضرت ڈاکٹر صاحبؒ اس کو بطریقِ مسنون ، انجام دینے کی تاکید فرماتے ، ظاہر ہے کہ کھانے پینے میں جو بھی طریقہ اختیار کرلیا جائے وقت تو صرف ہوگا ہی مگر سنّت طریقے سے اس کام کو کرلینے سے اسی وقت میں ایک طاعت اور ایک بہت اونچا مقام محبوبیت بھی حاصل ہو جائیگا ۔ اسی طرح دوسرے کاموں میں بھی اسی اتباعِ سنّت کو پیش نظر رکھنے کی تلقین فرماتے تھے ۔

اس کے ساتھ ساتھ کچھ اعمال باطنہ بھی تجویز فرماتے ، جو روح کی ترقی وہمت کیلئے تیر بہدف ہیں ۔ اور ایک گناہوں میں مبتلا مریض کے لئے دوا کی تاثیر رکھتے ہیں ۔ اور لطف یہ ہے کہ ان کی بجاآوری کے لئے بھی نہ کسی خاص مشقت کی ضرورت ہے نہ کسی شرط کی پابندی ہے نہ ہی کسی اور قسم کا معاشرتی یا سماجی دباؤ اس میں آڑے آتا ہے ۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان اعمالِ باطنی کی مختصر تفصیل بھی حضرت والا ہی کے الفاظ میں ہدیۂ قارئین کیجائے ۔

" ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ یہ چار اعمال باطنہ جو میں بیان کرنیوالا ہوں ، ان کا تعلق بلاواسطہ

محض اپنے خالق کے ساتھ ہے، اور یہ انسانی فطرت اور سلیم طبیعت کا لازمہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے انکی بجا آوری کا مطالبہ بھی ہے، یہ چار بے حد قیمتی باتیں، چار بیش بہاء محاسن ہیں،

(۱) ادائے شکر۔ (۲) صبر۔ (۳) توبہ واستغفار۔ (۴) استعاذہ، یعنی پناہ مانگنا، یہی چار چیزیں ہیں جن کے متعلق بزرگانِ دین نے فرمایا ہے کہ یہ "عبدیت" کے مرتبے ہیں "بندگی" کے زینے ہیں، جس کسی کو کوئی درجہ و مقام ملا ہے وہ انہی کے وسیلہ سے ملا ہے، تمام عارفین و کاملین انہی چار باتوں پر عمل کر کے مدارجِ عالیہ اور مقاماتِ رفیعہ پر پہنچے ہیں۔ ہماری آپ کی نظریں محدود ہیں انعاماتِ الٰہیہ تک نہیں پہنچتی، مگر ان عارفین کی نظر تو وسیع ہوتی ہے۔ یہی حالات و واقعاتِ زندگی جن سے ہم اور آپ گذرتے ہیں ان کے ساتھ بھی ہیں، انہی حوادث سے وہ بھی گذرتے ہیں لیکن وہ اپنی قوتِ ایمانی کیوجہ سے اپنے اپنے موقع پر، توبہ استغفار، صبر و شکر کر لیتے ہیں، پناہ مانگ لیتے ہیں۔ اور اس کے صلہ میں ایسی بے پایاں نعمت، اتنی بے بہا دولت، عبدیت و بندگی کا ایک اعلیٰ مقام عطا ہوتا ہے جو فرشتوں کو بھی میسّر نہیں۔

چنانچہ ہر اس نعمت پر جو آپ سے، ہم سے وابستہ ہے، ادائے شکر کی عادت ڈالیئے اور اس کا التزام کیجئے کہ صبح جاگنے پر، اور رات میں سونے سے قبل اپنی ذات و ماحول پر سرسری نظر ڈال کر، اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ دین و دنیا کی نعمتوں کا استحضار کر کے اجمالی شکر ادا کیا کریں۔ خصوصًا ایمانِ حاصل اور عافیتِ حاصل پر دل سے شکر ادا کریں، اس کے علاوہ جس نعمت کا بھی استحضار ہو جائے، اس پر دل ہی دل میں چپکے سے شکر ادا کر لیجئے۔

اس طرح مشق کرنے سے انسان "شکر" کا ایسا عادی ہو جاتا ہے کہ ہر اچھی چیز پر دل ہی دل میں شکر ادا کرتا رہتا ہے کسی دوسرے کو پتہ بھی نہیں چلتا اور ایک عظیم الشان عبادت انجام پاتی رہتی ہے۔ اس سے درجات میں جو ترقی ہوتی ہے اس کا آپ اندازہ بھی نہیں کر سکتے۔

دوسری بات ہے صبر، یہ عمل باطنی بہت اہم اور اشد ہے اور عالمِ تعلقات میں بہت مجاہدہ طلب ہے، زندگی میں روزانہ، دن رات نجانے کتنی باتیں ایسی ہوتی رہتی ہیں جو ہمیں ناگوار اور نفس پر شاق ہوتی ہیں، ایسے موقع پر کثرت سے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

پڑھا جائے۔ اس سے عقلاً سکون، اور طبعاً برداشت کی قوت پیدا ہوتی ہے۔

یہ وہ عمل ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے خود اپنی معیت کا وعدہ فرمایا ہے، اس عمل سے زندگی میں استقامت وضبط وتحمل کا وقار پیدا ہوتا ہے۔ صبر کرنیوالے میں کبھی کسی سے اپنے نفس کے لئے غصّہ اور انتقام کے جذبات پیدا نہیں ہوتے۔

تیسری چیز "توبہ،، ہے۔ یہ بھی فطرت سلیمہ کا ایک تقاضا ہے کہ جب ہم سے کوئی خطاء لغزش یا گناہ کا صدور ہوتا ہے تو دل میں ایک خلش، ندامت سی ضرور پیدا ہوتی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ، عذر خواہی اور تدارک کا جذبہ بھی عود کرتا ہے۔ چنانچہ جس وقت بھی تنبہ ہو جائے فوراً دل ہی دل میں نہایت ندامت اور شرمندگی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کیطرف رجوع ہو جائے اور کہے "استغفر اللہ،، یا اللہ میں بہت نادم ہوں مجھے معاف فرما دیجئے اور آئندہ اس غلطی سے محفوظ رکھیئے۔

یہ وہ عمل ہے کہ بندہ مورد بنتا ہے اللہ تعالیٰ کی مغفرتِ کاملہ اور رحمتِ واسعہ کا، اس توبہ سے ندامتِ قلبی کے ساتھ احساس عبدیت پیدا ہوتا ہے ایمان کی حفاظت ہوتی ہے اور دولتِ تقویٰ نصیب ہوتی ہے۔ ایسے شخص سے جو استغفار کا عادی ہو عمداً گناہ سرزد نہیں ہوتے اور مخلوق خدا کو اذیت نہیں پہنچتی۔

چوتھا عمل استعاذہ یعنی پناہ طلبی ہے۔ یہ زندگی حادثات سانحات کی زندگی ہے اور اسمیں ہر وقت، نفس وشیطان سے سابقہ ہے۔ اس لئے ہمیشہ ان سب سے پناہ مانگتے رہنا چاہیئے۔

معاملات اور تعلقاتِ زندگی میں اکثر وبیشتر ایسے حالات بھی ہوتے ہیں جن کے متعلق مستقبل میں کچھ خدشات ہوں اور ان کے تدارک کے لئے کوئی تدبیر نہ سمجھ میں آئے اور نہ اپنے اختیار میں ہو تو ایسے وقت میں فطرۃً اپنے پروردگار سے پناہ مانگنے میں دل کو بڑی تقویت ہوتی ہے اس کے لئے یہ الفاظ بھی کہے جا سکتے ہیں "لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ لَا مَلْجَاءَ وَلَا مَنْجَاءَ مِنَ اللهِ إِلَّا إِلَيْهِ"

یہ "پناہ طلبی" وہ عمل ہے جس سے بندہ، اللہ تعالیٰ کی عظمت اور شانِ ربوبیت ورحمانیت

کا مشاہدہ کرتا ہے اور اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے طمانینت عطا ہوتی ہے، اور توکل و تفویض کی دولت نصیب ہوتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ چار ایسے اعمال جلیلہ ہیں کہ جب ان میں سے کسی کا بھی، کسی وقت بھی، کوئی محرک پیدا ہوتا ہے، آنِ واحد میں رجوع الی اللہ کی توفیق ہو جاتی ہے، جو ایک لازوال نعمتِ الٰہیہ ہے۔

ایک اور خوبی انمیں یہ ہے کہ اور اعمال میں، وقت و مقام کی قید بھی ہوا کرتی ہے، انہیں کسی وقت ملتوی بھی کیا جا سکتا ہے، یا ان کی ادائیگی میں کوتاہی، بے پرواہی اور سستی ہو جانا بھی ممکن ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان میں خلوص نہ ہو، عجب و ریاء کی شمولیت ہو جائے لیکن ان مذکورہ چار اعمال باطنی میں ایسی کوئی بات نہیں۔

پھر دوسرے اعمال تو لوگوں کی نظر میں بھی آ جایا کرتے ہیں مگر یہ اعمال ایسے ہیں کہ جنکی کسی دوسرے کو خبر نہیں ہوتی ؎

اے خیال دوست اے بیگانہ ساز ماسوا
اس بھری دنیا میں مجھ کو تو نے تنہا کر دیا

ان جذبات کا تعلق تو براہِ راست اس ذاتِ گرامی سے ہے جو علیم بذات الصدور اور لطیف و خبیر ہے، ہم ہیں اور ہمارے اللہ میاں ہیں درمیان میں کوئی واسطہ نہیں، لا الہ الا اللہ! تعلق مع اللہ کا یہ کتنا بڑا مقام ہے۔"

اس مختصر سے جائزے سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کا طریقۂ علاج روحانی، کس قدر مؤثر اور سہل تھا، اور وہ اپنے متعلقین اور عام مسلمانوں کے لیے کس دل سوزی اور خیر خواہی سے تشخیص امراض اور تجویز ادویہ کرتے تھے۔

لیکن اس بات کو بھی حضرت ڈاکٹر صاحبؒ بارہا بیان فرمایا کرتے تھے کہ روحانی امراض کا ازالہ ضروری ہے اور تعلق مع اللہ اور رجوع الی اللہ بہت ضروری باتیں ہیں، بغیر اس کے مسلمان کامل مسلمان نہیں، مگر اس تعلق کے بعد، روحانی قوتوں کے حاصل ہو جانے کے بعد اصل کام شروع ہوتا ہے کہ اب اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے حقوق بھی ادا کیے جائیں

اور عبادات کے شعبہ میں جو احکام فرض کئے گئے تھے ان کی بجا آوری سے جو طاقت روحانی میسر آئی ہے اسکی مدد سے اب بقیہ دینی شعبوں کے احکام ادا کرنے کی فکر کرنی چاہیے۔

یہ نہ ہو کہ چند اعمال ظاہرہ و باطنہ کے کر لینے کے بعد اپنے آپ کو فارغ سمجھ لیا اور جیسے چاہا لوگوں سے برتاؤ شروع کر دیا، بلکہ ہر ہر معاملہ میں، خواہ اس کا تعلق لین دین، خرید و فروخت سے ہو، یا عام اخلاقی قدروں سے، یا باہمی تعلقات سے، یا ظاہری صورت و شکل سے، ہر چیز میں اس حاصل شدہ روحانی توانائی کی بنیاد پر نفس و شیطان کے وساوس سے ٹکر لیکر، ادائے حکم الٰہی کو لازمی سمجھا جائے ورنہ یہ ساری روحانی طاقت بے فائدہ رہیگی۔ اور ان تمام حقوق کی ادائیگی میں سہولت کے لئے مناسب یہ ہے کہ سب سے پہلے اپنا ایک مستحکم نظام الاوقات بنالیا جائے اسکی مدد سے انشاء اللہ تعالیٰ حقوق اللہ حقوق النفس اور حقوق العباد بسہولت ادا ہوتے رہیں گے۔

مذکورہ بالا مضمون کو بھی حضرت ڈاکٹر صاحبؒ نے جا بجا اپنی مجالس میں بیان فرماتے رہا کرتے تھے، جو مطبوعہ مواعظ و مجالس میں موجود ہے جس کا مطالعہ مزید وضاحت کا ذریعہ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کے درجاتِ قرب و رضا میں پیہم ترقیات عطا فرمادیں اور سب مسلمانوں کو ان باتوں سے بھرپور استفادے کی توفیق بخشیں جو انہوں نے حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کی زبان سے کہلوائیں اور ہم سب کو اتباعِ سنت کی کامل توفیق مرحمت فرمائیں، جیسے یہ حضرات اپنی پوری زندگی اتباعِ سنت میں ڈھالے ہوئے تھے، اور اسکی دعوت و ترغیب دیا کرتے تھے، یہی حال اللہ تعالیٰ ہم سب مُسلمانوں کا بنادیں۔ اور سب کا خاتمہ بالخیر فرما کر اپنے پیارے بندوں کے ساتھ محشور فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد لِلّٰہ ربّ العَالمین۔

> وقت۔ زندگی کا بڑا قیمتی سرمایہ ہے اس لئے اس کی بڑی قدر کرنا چاہئے اس کے لئے ضروری ہے کہ صبح و شام تک کی زندگی میں جس قدر مشاغل ہیں ان کے لئے نظام الاوقات مرتب کیا جائے تاکہ ہر کام مناسب وقت پر آسانی سے ہو جائے۔ (از افاداتِ عارفیہ)

• جناب جہان زیب صاحب
کیالہ، ایبٹ آباد

چند یادیں چند آنسو

۱۳ر جولائی ۱۹۸۴ء

نماز جمعہ کے بعد حضرت عارف باللہ ڈاکٹر محمد عبد الحئی صاحب کی پاکیزہ محفل میں بیٹھنے کا شرف ملا۔ بزرگ ہر جمعہ کے دن نمازِ عصر کے بعد اپنی رہائش گاہ (بمقام ناظم آباد) پر سالکین سے خطاب کرتے ہیں۔ آج کی محفل میں آپ نے موجودہ ماحول کی ابتری کی وضاحت کی۔ اور اس سے بچنے کی تدبیر بتائی۔ آپ نے اس امر پر زور دیا کہ سالکین بلکہ تمام مسلمین کو چاہیئے کہ وہ اتباعِ سنت کو اپنا شعار بنائیں۔ اور اپنے ظاہر اور باطن دونوں کو اسلام کے تقاضوں میں ڈھالیں۔ انہوں نے دونوں ادامر کی تشریح کرتے ہوئے بتایا کہ ظاہری احکام جن کو عرفاً شریعت کہا جاتا ہے مثلاً نماز، روزے، حج و زکوٰۃ کا فرض ہونا اور شراب، سود اور بدکاری وغیرہ کا حرام ہونا۔ اور باطنی احکام جن کو تصوف کا نام دیا گیا ہے۔ مثلاً صبر، شکر، توکل، اخلاص کا فرض ہونا اور حسد، بخل، ریا، تکبر وغیرہ کا حرام ہونا۔ دراصل ایک دوسرے کے لئے لازم اور ملزوم ہیں۔ تصوّف کے بغیر شریعت کی عمارت شکستہ ہے اور بغیر شریعت کے تصوف تصوف ہی نہیں، بلکہ محض شرارت اور فتنہ گری ہے۔

حضرت نے انتہائی شیریں کلامی کا مظاہرہ کرتے ہوئے۔ مغرب تک بزم سالکین میں بڑے قیمتی

الفاظ کے موتی تقسیم کئے۔ جنکو احاطۂ تحریر میں لانا مجھ جیسے نا اہل کے بس کی بات نہیں۔ بہر حال ان کی تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ ہم خلوص کے ساتھ سنتِ نبویؐ پر کاربند ہونے میں سو فیصد کامیابی کا یقین رکھیں اور سنتِ اقدس سے سُوتر بھر ہٹ کر چلنے میں بھی ناکامیوں کو اپنا مقدر جانیں۔ حضرت نے اپنے مُرشد حضرت تھانویؒ کی کتاب "تربیت السالک" کو زیرِ مطالعہ رکھنے پر زور دیا۔ اور فرمایا کہ میں نے اس کتاب سے بڑا فائدہ حاصل کیا ہے۔" انہوں نے یہ بھی بتایا کہ زندگی بہت مختصر ہے، مگر ہے بڑی قیمتی، لہٰذا اس سے کچھ حاصل کرو، اس سے فائدہ اٹھاؤ۔

واپس آتے ہوئے میں نے حضرت کے ذاتی کتب خانہ سے تین کتابیں لیں، جن کے نام احکام میت، معمولات یومیہ اور A WARING TO THE MUSLIMS ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ مجھے اور میرے متعلقین کو ان کتابوں سے مستفیض کرے، آمین، یہ تینوں کتابیں حضرتؒ کی اپنی لکھی ہوئی ہیں۔ انکے علاوہ بھی آپ نے بہت سی قابلِ قدر تصانیف کا خزانہ چھوڑ رکھا ہے۔ ایک مسلمان ان کتابوں کو زیرِ مطالعہ رکھ کر بامِ معرفت کو چھو سکتا ہے۔

حضرتؒ کی محفل میں آنے سے پہلے حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب کے زیرِ امامت نمازِ جمعہ ادا کرنے کا شرف حاصل کیا۔ آج اُنکے خطاب کا موضوع قرآنِ کریم کی وہ آیتِ مبارکہ تھی جس کا مطلب ہے "اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ، جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہونگے۔"

اس آیتِ مبارکہ کی تشریح میں مولانا نے بڑے پیارے انداز میں تبلیغ دین کے مقاصد اور اہمیت کی وضاحت کی۔ انہوں نے بتایا کہ دینِ اسلام ہمارے پاس ایک مقدس امانت ہے جس کو تمام روئے زمین پر مقیم لوگوں تک پہنچانا ہمارا کام ہے اور اس کام کی ابتدا ہم نے اپنے گھر سے کرنی ہے۔

۲۰/ جولائی ۱۹۸۴ء

جمعہ مبارک گزرا ہے معمول کے مطابق نمازِ جمعہ جامع مسجد نعمان میں ادا کی۔ حضرت جسٹس محمد تقی عثمانی صاحب نے پچھلے جمعہ کو جس آیت کی تفسیر بیان کی تھی۔ اس کا حوالہ دیتے ہوئے اپنے بیان کا اگلا حصہ مکمل کیا۔ آیت مذکورہ کا ترجمہ ہے: "اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو دوزخ کی آگ

سے بچاؤ، جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے"۔ تو اسی آیت کے جواب میں کچھ لوگ یہ کہتے ہیں :

"کہ ہم اپنے آپ کو تو حتی الامکان بچانے کی کوشش کرتے ہیں، اولاد کو بھی سمجھاتے ہیں، مگر وہ مانتے نہیں ان پر ہمارا بس نہیں چلتا، انہیں سوسائٹی نے خراب کر دیا ہے۔ بے لگام ہو چکے ہیں، انہیں دین و مذہب سے کوئی رغبت نہیں"۔

اولاد کی اس بے راہ روی اور والدین کی مذکورہ بالا پریشانیوں کے پیش نظر مولانا نے فرمایا کہ اپنے آپ کو ٹھیک کرو، اولاد خود بخود ٹھیک ہو جائے گی۔ اگر آپ کے اقوال و افعال میں پاکیزگی قوتِ ایمانی اور اخلاص ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ اسکا اثر آپ کی اولاد گھر والوں پر نہ پڑے۔ دراصل سوسائٹی کسی بیرونی طاقت کا نام نہیں بلکہ ہم خود سوسائٹی ہیں۔ پس اگر ہم ٹھیک ہوں گے تو سوسائٹی ٹھیک ہوگی۔ جبکہ ہماری بدکاریاں بُری سوسائٹی کو جنم دیں گی۔ اور ہمارے بچے ہماری ہی فراہم کردہ سوسائٹی سے اثر لیں گے"۔ یہاں پر مولانا نے اس حدیث شریف کا حوالہ دیا جس کا مطلب ہے۔ "ہر بچہ اپنی فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ پھر اسکے والدین اُسے اپنی راہ پر لگا دیتے ہیں"۔ اس سے ثابت ہوا کہ ہر بچے کے عقائد اور کردار پر والدین کا اثر براہِ راست پڑتا ہے۔ آپ نے اپنے کردار کی مہر لگا کر، اپنے اعمال کی چھاپ لگا کر بچے کو اچھا یا برا بنا لیا ہے اور اب گلہ کس بات پر کر رہے ہو۔ بچہ تو فطرت پر پیدا ہوتا ہے اور فطرت دینِ اسلام ہے۔ مثال کے طور پر اسلام کے احکام میں ایک حکم یہ بھی ہے کہ صبح صادق کے وقت (نمازِ فجر کے لیے) اُٹھو۔ ایسے وقت میں جب مسلمانوں کو اُٹھنے کا حکم ہے۔ آپ چھوٹے چھوٹے بچوں کو دیکھیں وہ جاگے ہوئے ہوں گے۔ ایسا کیوں ہے؟ اسکی فطرت نے اسے فطری وقت پر جگا دیا۔ "یہی انسان کی فطرت ہے اور یہی دینِ اسلام ہے"۔ یہاں مولانا نے چند اور مثالیں دیتے ہوئے فرمایا: "کیا وجہ ہے جو بچہ بچپن میں بغیر جگائے ٹھیک وقت پر جاگ جاتا ہے وہی بڑا ہو کر جھنجھوڑنے سے نہیں جاگتا؟ دراصل یہ بچہ ایک سفید تختی تھی، آج اس پر جو تحریر نظر آتی ہے وہ آپ کے اپنے ہاتھ کی لکھائی ہے۔ خواہ آپ نے اس تختی کو بے ہوشی کے عالم میں لکھا یا ہوش و حواس کو قائم رکھتے ہوئے۔ لیکن یہ تحریر آپ ہی کی ہے۔ آپ نے جس رنگ میں بچہ کو رنگا ہے وہی رنگ آپ کو دکھائی دے گا۔ بچہ جو کچھ لیتا ہے گھر کے ماحول سے لیتا ہے، والدین کے کردار سے لیتا ہے، لہٰذا گھر کے سربراہ ہونے کی حیثیت سے، والدین ہونے کی حیثیت سے یا معاشرے کے بالغ کردار ہونے کی حیثیت سے آپ اپنا جائزہ لیتے رہا کریں۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ آپ اپنے برے کردار سے معاشرے میں برائی پھیلانے کے

مرتکب ہو رہے ہو۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ والدین ہو کر بچوں کی صحیح تربیت نہ کر کے اپنے گھر کو جہنم بنانے میں لگے ہو۔ اگر آپ گھر، خاندان، محلے، شہر، ملک یا معاشرے کے اہم رکن ہیں تو آپ کو اور بھی محتاط ہونا پڑے گا۔ کیونکہ ایسے حالات میں آپ کا ہر عمل غیر محسوس طور پر دوسروں میں راسخ ہوتا چلا جائے گا۔

صحبتِ شیخ :

اللہ کریم کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے پچھلے جمعہ کی طرح آج بھی حضرت شیخ عارف باللہ ڈاکٹر محمد عبدالحیٔ مدظلہ صاحب کی بزمِ ایمان میں بیٹھنے کا شرف عطا کیا۔ آج کل اس دور میں اولیاء اللہ اور ان کی پاکیزہ مجالس عنقا ہو چکی ہیں۔ جو لوگ باقی ہیں آٹے میں نمک برابر بھی نہیں مگر ہیں اتنے قیمتی کہ اس دورِ پرفتن میں اللہ کی رحمتوں کا برابر نزول انہیں چند ایک ہستیوں کی وجہ سے ہے، جنہوں نے اپنے آپ کو مع اپنی تمام صلاحیتوں اور کاوشوں کے خدا کے سپرد کر دیا ہے۔

ویسے تو بہت سے لوگ پیر اور گدی نشین بن کر لہو لگا کر شہیدوں میں شامل ہونے کی رسم ادا کر رہے ہیں۔ عُرس مناتے ہیں، میلے ٹھیلے منعقد کرتے ہیں، تبرے مارتے ہیں اور شیرینی شکرانے جمع کرتے ہیں۔ لیکن ان کی زندگی اور بہروپ کا مقصد "بابر بعیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست" کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ ایسوں کے فتنے سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

حضرت مولانا ڈاکٹر محمد عبدالحیٔ مدظلہ حضرت تھانویؒ کے خلیفہ ہیں۔ اس مہان ہستی کے خلیفہ ہیں۔ جو بڑی دور سے اہل اللہ کی خوشبو سونگھ لیا کرتے تھے، اور جو حضرت امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے تربیت یافتہ تھے۔ انہوں نے عارفی مدظلہ کے اندر کچھ دیکھ کر ہی خرقہ خلافت عنایت کیا ہوگا۔ حضرت عارف باللہ ظاہری طور پر روایتی پیروں جیسے نہیں ہیں نہ سبز چُغا انکی پہچان ہے اور نہ گلے کی مالا، اور نہ ہی روایتی کلاہ اور سرخ رومال ان کا نشان ہے۔ غرض کہ حضرت ایکٹر ولی اللہ نہیں بلکہ حقیقی ولی ہیں۔ حقیقی ولی اللہ جو عوام کے سمندر میں عام ہی دکھائی دیتا ہے۔ اسکی پہچان کرنا ہر ایک نتھو خیرے کی جان کا روگ نہیں، اسے تو صرف وہ خرد دیکھ سکتا ہے جس نے دیدۂ دل وا کر رکھی ہو، اور جس کے پاس یہ آئینہ ہو: "تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِم مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ" یعنی "اے مخاطب! تو انکو دیکھے گا کہ کبھی رکوع کر رہے ہیں، کبھی سجدہ کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ کی رضامندی

اور اسکے فضل کی جستجو میں لگے۔ اُن کے آثار بوجہ تاثیرِ سجدہ انکے چہروں پر نمایاں ہیں۔"

کتنے دلکش انداز میں قرآن کریم نے ان لوگوں کی تصویر کھینچی ہے جو سنن نبویؐ اور شمائلِ صحابہؓ کی سچی تصویر بنے ہوئے ہیں۔ میں مبالغہ آرائی سے کام نہیں لے رہا ہوں جس کی مرضی ہے حضرت کے گھر میں جاکر دیکھ لے۔ آپ کے خادموں پر نظر پڑتے ہی اصحاب صفہؓ کا خیال آئے گا۔ وہی نقشہ ہوگا جو اوپر کی آیت میں قرآنِ کریم نے دکھایا ہے۔ میرے خیال میں حضرت کی سب سے بڑی کرامت تعمیرِ سیرتِ تقی عثمانی ہے۔

۲۳ر جولائی ۱۹۸۴ء "دیکھا اک خواب تو یہ سلسلے ہوئے" (انوکھا تعارف)

دارالعلوم کراچی کے شب و روز کی رونق دیکھنا تو دور کی بات ہے۔ گذشتہ ۲۳ر دن سے کراچی میں رہ کر اس عظیم جامعۃ العلوم کی ایک جھلک دیکھنا بھی نصیب نہ ہوئی۔ حالانکہ ایک بار (اس عرصہ میں) قریب سے گزر کر کورنگی کریک بھی گیا ہوں۔ خیر ایسا بھی ہوتا ہے۔ کبھی کبھی قریب تر رہ کر بھی مجبوریاں چاہتوں کی منزل پہ قدم نہیں رکھنے دیتیں۔ بہر حال مجھے اس مجبوری پہ دکھ اس لئے نہیں کہ دارالعلوم خود چل کر میرے پاس آجاتا تھا۔ یعنی ہر جمعۃ المبارک کو حضرت مولانا محمد تقی عثمانی اور حضرت ڈاکٹر صاحب کے درشن مل جاتے تھے۔ جو اس عظیم درسگاہ کے دل و جان ہیں۔

چار پانچ برس پہلے جب میں پہلی بار کراچی آیا تھا تو میں بالکل اجڈ اور دیہاتی تھا۔ لیکن تلاشِ حق کا جزبہ میرے من میں موجود تھا۔ مجھے پہلی بار مولانا محمد شفیع صاحب (خطیب جامع مسجد پی۔ اے۔ الف کورنگی کریک) نے دارالعلوم اور اہلیانِ دارالعلوم سے متعارف کرایا تھا۔ بلکہ کہنا تو یوں چاہیئے کہ انہوں نے صرف "معارف القرآن" سے متعارف کیا تھا۔ باقی سلسلے خود "معارف القرآن" نے جوڑے۔ وہ اس طرح کہ:۔

ایک دن محمد شفیع صاحبؒ نے مجھے حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ کی تفسیر معارف القرآن پڑھنے کے لئے دی۔ میں نے اس کا مطالعہ شروع کیا۔ پہلی جلد تھی اس کے ساتھ دیباچہ بھی لکھا ہوا تھا۔ میں نے دیباچہ ہی سے بسم اللہ کی۔ دیباچے کا اندازِ تحریر کچھ ایسا تھا کہ میں انگشت بدنداں ہوئے بنا نہ رہ سکا۔ کیونکہ میرے حواس حیرت انگیز طور پر اُس طرزِ تخاطب سے آشنا تھے۔ بوجہ تجسس میں نے

ورق اُلٹے اور آخر میں دیباچے کے مصنف کا نام پڑھا "محمد تقی عثمانی" لکھا ہوا تھا۔ میں نے یہ نام کبھی نہیں سنا تھا، اور نہ ہی اس سے پہلے کوئی دینی کتاب پڑھی تھی۔ کہ گمان کرتا کہ شاید پہلے انکی تصانیف نظروں سے گزری ہوں۔ پھر یہ کیا طرہ تھا؟ میں نے اس رنگ کی تحریر کہاں پڑھی تھی؟ یہ طرزِ تخاطب کہاں سُنا تھا؟ میری سمجھ میں کچھ نہ آیا تو میں نے نگاہِ تجسس سے دیباچے کی اگلی سطور کو پڑھنا شروع کیا۔

جوں جوں میں پڑھتا جاتا تھا۔ من میں کچھ دیپ سے روشن ہوتے جاتے تھے۔ جو مجھے انجانی منزلوں کی طرف رستے سلجھاتے تھے۔ حتیٰ کہ (محسوسات کے عالم میں) آہستہ آہستہ اس خاموش تحریر کا صوتی پیکر جاگنے لگا۔ پہلے یہ آواز بہت دھیمی تھی جیسے میرے دل کے گوشِ نہاں ہی سُن رہے تھے۔ مگر تھوڑی ہی دیر بعد اِن (بولتے حروف) کی آواز بلند ہوتے ہوتے دیواروں سے ٹکرانے لگی۔ میری حیرت میں مزید اضافہ ہوگیا۔ میں نے آنکھیں بند کرلیں اور پڑھے ہوئے کچھ جملوں کے مخصوص اندازِ تخاطب پر غور کرنے لگا۔ اچانک میرے سینے میں ایک چراغ سا روشن ہوگیا، اور میں اپنے آپ کو جامع مسجد نعمان (لسبیلہ چوک) کی پرنور صفوں میں بیٹھا ہوا محسوس کرنے لگا، اور وہ آواز (یعنی دیباچے کا طرزِ تخاطب) مجھے اسی مسجد کے لاؤڈ سپیکرز سے نکلی ہوئی محسوس ہونے لگی۔ اور ساتھ ہی ساتھ خطیب صاحب کا جاذبِ نظر چہرہ بھی میری آنکھوں میں پھرنے لگا۔ جن کی اقتدا میں اکثر میں نمازِ جمعہ ادا کیا کرتا تھا۔

جب ان خاموش دھندلکے پیکروں سے آواز کے حسین پیکر بن گئے اور سارا منظر قلب و ذہن پر چھا گیا تو میں نے سوچا، ہو نہ ہو وہی جاذبِ نظر شخصیت، وہی مجذوب صورت انسان محمد تقی عثمانی ہے...... جب میں اپنے گمان کو یقین میں تبدیل کرنے کے لئے دوبارہ محمد شفیع ہزاروی صاحب (جامع مسجد کورنگی کریک) کے پاس گیا تو میری خوشی کی انتہا نہ رہی کیونکہ انہوں نے تصدیق کر دیا تھا کہ ہاں جامع مسجد نعمان میں جمعہ پڑھانے والے شخص ہی محمد تقی عثمانی ہیں۔

محمد تقی صاحب نے معارف القرآن کا تعارف دیباچے کی صورت میں کرانا چاہا تو خود قرآن نے اُنکا تعارف کرادیا۔ وہی شخص محمد تقی عثمانی نکلا جس کو میں نے متعدد بار دیکھا تھا لیکن یہ جانے بنا کہ کون ہے؟ ہاں اتنا ضرور تھا کہ جامع مسجد نعمان میں جمعہ پڑھانے والے انجانے شخص کو میرا دل کوئی عام سا شخص نہیں مانتا تھا۔ میرے قلب و نظر اسے کوئی ایسی ہی شخصیت تصور کرتے تھے، جیسی وہ نکلی۔ یہی وجہ تھی کہ اُن دنوں میں کورنگی کریک سے اتنی دور (لسبیلہ ہاؤس) جاکر نمازِ جمعہ ادا کیا کرتا تھا۔ بعد میں تو رہائش

بھی رکھ لی۔

محمد تقی صاحب کی پہچان نے میرے دل میں دارالعلوم کی محبت کو دو بالا کر دیا مجھے ڈوب جانے کے معنی آ گئے، میرے قلب پر جاذب، جذب اور مجذوب کے اسرار کھلے۔ عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبدالحئی مدظلہ صاحب سے کڑی مل گئی، میں سلوک سے آشنا ہوا۔ میں نے "زخمہ بر تار رگِ جاں" کی کیفیات کو محسوس کیا۔ اللہ ہو اور دل کی دھڑکنوں میں رشتہ پایا۔

محمد تقی عثمانی ہی کی پہچان نے مجھے "البلاغ" جیسا مجلہ عنایت کیا جس میں بلند پایہ صحافت ہے اور جو علوم اسلامیہ کے بوقلموں گلدستوں کا امین ہے۔ محمد تقی عثمانی کی خطابت نے میرے دل کے اس ارمان کو پورا کر دیا جو سید عطاء اللہ شاہ بخاری کو سننے کے لئے تھا۔

مگر کاش کہ میں گھریلو مجبوریوں کی بنا پر زیادہ عرصہ انکی محفل خوباں میں نہیں ٹھہر سکتا۔ پرسوں ۲۵ر جولائی کو یہاں سے رخصت ہو جاؤں گا۔ گاڑی کینٹ اسٹیشن کو چھوڑ کر آگے بڑھے گی۔ کے ایریا کورنگی پر دھوئیں کے بادل چھائے ہوں گے۔ دارالعلوم کراچی اسی دھوئیں میں چھپ کر آہستہ آہستہ مجھ سے دور ہوتا جائے گا۔

۱۵ر فروری ۱۹۸۵ء

آج جمعہ گزر رہا ہے میں نارتھ ناظم آباد میں رہائش پذیر ہوں۔ میرے مرشد حضرت مولانا ڈاکٹر محمد عبدالحئی صاحب بھی اسی علاقے میں رہائش پذیر ہیں۔ یعنی چند قدموں کے فاصلوں پر موجود ہیں۔ مگر میں کتنا بدنصیب ہوں کہ آج تقریباً فارغ ہونے کے باوجود انکے دیدار سے محروم رہا ہوں پچھلے جمعہ کو حضرت کے ہاں گیا تھا۔ کتنا سکون ملا تھا انکو دیکھ کر میری تھکی ماندی آتما کو کس قدر قرار آ گیا تھا۔ سارے غم بھول گئے تھے۔ لیکن حضرت کی گرتی ہوئی صحت لاغرپن اور بیماری نے میرے دل کو ایک دھچکا سا دیا۔ یوں لگتا ہے جیسے یہ آفتاب عنقریب ہمیں لامحدود اندھیروں میں چھوڑ کر پشت کوہ میں ڈوب جائے گا۔

۱۸ر مئی ۱۹۸۶ء

اور پھر اسکے بعد واقعی کبھی ملاقات نہ ہو سکی۔ صرف چند یادیں اور چند آنسو ہی رہ گئے۔ وسلام:

• جناب نجم الثاقب صاحب

ہمارے حضرت والا

اے عارفی آخر یہ ہوا کیا ہے دل کو
سونی سی نظر آتی ہے دنیا کئی دن سے

میں نہ تو حضرت عارف باللہ ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحبؒ کے احباب خاص میں سے ہوں اور نہ ہی اہلِ قلم سے مگر حضرتِ والاؒ سے تقریبًا ۵½ سال سے اصلاح و تربیت کا تعلق ضرور تھا۔ شاید یہی تعلق سبب ہے اس کا کہ کچھ لکھنے کو جی چاہ رہا ہے۔

بچپن سے مجھے یاد ہے کہ ہمارے گھر کا ایک لازمی جز بہشتی زیور رہی ہے۔ بفضلہٖ تعالیٰ ہمارا گھرانا دین دار تھا۔ ہمارے نانا مرحوم بھی بہشتی زیور کو مطالعہ میں رکھتے تھے اور اکثر دارالعلوم کراچی سے فتاویٰ کے لئے رجوع کرتے تھے۔ لازمی نتیجہ تھا کہ میں حضرت حکیم الامتؒ اور حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ سے نہ صرف مانوس تھا بلکہ ان حضرات سے ایک تعلق سا تھا۔ ہمارے گھرانے بالخصوص نانا مرحوم کی دینداری نے مجھے دینی مطالعہ کی طرف مائل کر دیا تھا۔ چنانچہ نوجوانی ہی میں بہشتی زیور کا مطالعہ کیا.... بہشتی زیور نے ایک غیر محسوس سا تعلق حضرت حکیم الامتؒ سے جوڑ دیا تھا۔ امریکہ سے تعلیم سے فارغ ہو کر جب میں پاکستان واپس آیا تو بفضلہٖ تعالیٰ کچھ ہی عرصہ بعد دینی مطالعہ کا سلسلہ پھر شروع ہو گیا۔ حضرت

مفتی صاحبؒ کی کئی کتب مطالعہ میں آئیں۔ جیسے جیسے دینی مزاج عود کرتا گیا مطالعہ کا شوق بڑھتا گیا۔ شروع میں فقہ سے متعلق کتب کی طرف طبیعت مائل تھی لیکن آہستہ آہستہ تصوف کی طرف بھی میلان ہونے لگا۔ ایک دن البلاغ کے ایک شمارے میں حضرت اخلاق احمد عثمانی صاحب خلیفہ مجاز حضرت قاری محمد طیب صاحب کی کتاب شمع باطن کے بارے میں آیا کہ فلاں پتہ سے مفت دستیاب ہے۔ میں نے بھی لکھ دیا۔ حضرت نے کتاب کے ساتھ ایک خط بھی لکھا جس میں کسی شیخ کامل سے تعلق پیدا کرنے کی ترغیب کی۔ اس اثناء میں مجھے معلوم ہو چکا تھا کہ حضرت حکیم الامتؒ کے ایک بزرگ خلیفہ حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحبؒ کراچی میں ہیں۔ میں نے حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحبؒ کو ایک خط لکھا جس کے جواب میں حضرت والاؒ نے مجالس میں آنے کی ہدایت کی۔ پھر چند ہی ماہ بعد خط لکھنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔

پچھلے ۵؍ سال میں مجالس میں شرکت بہت متاثر ثابت ہوئی۔ حضرت نے نہ کبھی کوئی خاص مجاہدہ کرایا نہ ریاضت۔ حضرت کے یہاں تو رحمتِ الٰہی کے عنوانات تھے گو عذابِ الٰہی کی طرف بھی گاہے گاہے توجہ دلاتے رہتے تھے۔ وہاں توبہ، استغفار، استعاذہ، صبر و شکر کی طرف توجہ دلائی جاتی تھی۔ اہلیہ کے مندرجہ ذیل خطوط اس پر دال ہیں۔

حال: اپنے اعمال پر نظر کرتی ہوں تو کوئی عمل بھی اس لائق نظر نہیں آتا کہ رحمتِ حق کے نازل ہونے کا سبب بنے۔

جواب: کیا بے سبب اللہ تعالیٰ اپنے بندے پر رحم نہیں فرماتے۔

حال: اپنی بد حالی، بے عملی، گناہوں کا احساس رہتا ہے۔ حضرت سے تعلق کی برکت سے دینی حالت میں تغیر محسوس کرتی ہوں۔

جواب: زیادہ گناہ گاری کا خیال نہ کرنا چاہیئے۔ توبہ سے سب گناہ معاف ہوتے ہیں۔

حال: جب ارتکابِ گناہ کے بعد استغفار کرتی ہوں تو لگتا ہے کہ یہ وہ استغفار نہیں جس پر گناہ کی معافی کا وعدہ ہے۔

جواب: اس کا کیا ثبوت؟ پھر کیسا استغفار ہوتا ہے؟ وہم نہ کرو یہی استغفار کافی ہے۔

حال: ارتکابِ گناہ کے وقت ہی گناہ کا احساس ہوتا ہے اور پھر بھی ارتکاب ہو جاتا ہے۔ اس لئے بعد میں استغفار پڑھنے میں رکاوٹ و جھجک محسوس ہوتی ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ یہ جھوٹی توبہ ہے۔

جواب: اس کا خیال نہ کرو۔ ندامت کے ساتھ توبہ کرنا صحیح توبہ ہے۔

تسبیحات کے معاملے میں بھی حضرت کا ارشاد قابلِ توجہ ہے۔ فرماتے تھے تسبیحات حصولِ مقصود کے لئے محض معین و معاون ہیں، اصل مقصد رضائے الٰہی ہے۔ اصل تو اوامر و نواہی ہیں۔ اطاعت کرو اور معصیت سے بچو۔ حقوق العباد پر بہت زور دیتے تھے۔ ایک دن میں نے عرض کیا کہ حضرت صبح سے شام دفتر ہوتا ہے پھر اگر نمازوں کے بعد تسبیحات میں مشغول ہو جاؤں تو بیوی کو شکایت ہوتی ہے کہ سارا دن دفتر کی نذر ہو جاتا ہے اور باقی وقت تسبیحات میں چلا جاتا ہے۔ حضرتؒ نے یہ سُن کر تقریباً ۱۰ منٹ اس پر گفتگو کی۔ فرمایا (جس کا مفہوم ہے) کہ بیوی بچوں کے حقوق واجب ہیں اور تسبیحات نفل۔ اصل تو حقوق کی ادائیگی ہے۔ تسبیحات چلتے پھرتے پڑھ لیا کرو۔ بیوی بچوں کے حقوق کی ادائیگی ضروری ہے۔

حضرت والاؒ سنت کا مجسمہ تھے۔ میں نے حضرت کو بارہا ہنستے دیکھا ہے۔ دانت بھی شاید ہی کبھی نظر آئے ہوں۔ ایک دن حضرتؒ مجلس سے قبل ڈرائنگ روم میں صوفے پر تشریف فرما تھے اور باقی حضرات فرش پر بیٹھے تھے۔ حضرت باتیں کر رہے تھے کہ اتنے میں ایک صاحب جو بظاہر حضرت کے دوستوں میں سے تھے داخل ہوئے۔ یہ صاحب حج کر کے آئے تھے اور واپسی کے بعد غالباً پہلی ملاقات تھی۔ حضرتِ والاؒ انہیں دیکھتے ہی کھڑے ہو گئے اور بڑی محبت سے گلے لگایا۔ یہ صاحب فرش پر دوسرے لوگوں کے ساتھ بیٹھنے لگے تو حضرتؒ نے فرمایا نہیں آپ اوپر صوفے پر بیٹھیں۔ انہوں نے معذرت کی تو حضرتؒ نے اصرار کیا مگر انہوں نے دوبارہ معذرت کی۔ اس پر حضرتِ والاؒ یہ کہتے ہوئے صوفے سے اُٹھنے لگے کہ "پھر میں بھی فرش پر ہی بیٹھوں گا"، اس پر لوگوں نے ان صاحب سے کہا کہ اُوپر بیٹھیں۔ جب یہ صاحب فرش سے اُٹھ کر صوفے پر بیٹھے تب حضرت بھی صوفے پر تشریف فرما ہوئے۔ ایک حاجی کا کتنا اکرام کیا۔ یہ حضرت ہی کا خاصہ تھا۔

حضرت خطوط کے جواب کا بہت اہتمام فرماتے تھے۔ روزانہ کئی خطوط آتے تھے۔ اس کے باوجود جمعہ کو دیئے ہوئے خط کا جواب اتوار کو پہنچ جاتا تھا۔ اس ضعف و بیماری کے عالم میں بھی جو کہ آخری زمانہ میں ہو گیا تھا خطوط کے جواب اسی مستعدی سے دیتے رہے۔ یہاں تک کہ میں نے ایک بار خط لکھا۔ حضرت کو لاہور جانا تھا۔ خط ساتھ لے گئے اور لاہور ہی سے جواب ارسال فرمایا۔ ایک بار میں لفافہ میں

خط رکھنا بھول گیا۔ پھر بھی حضرتؒ نے جواب دیا اور لکھا کہ "لفافہ میں خط نہیں تھا بہر حال تمہارے جملہ مقاصد کے لئے دعا کرتا ہوں اللہ تعالیٰ عافیت و صحت سے رکھے"۔ اس سے حضرتؒ کی شفقت کا اندازہ کیجئے۔ ایک بار میری اہلیہ نے پریشان کن حالات حضرتؒ کو لکھے۔ حضرتؒ نے مندرجات کا جواب دینے کے بعد لکھا "جب کوئی پریشانی ہو بس مجھے لکھ دیا کرو"۔ کس قدر شفقت جھلکتی ہے اس جواب میں۔ حضرت والاؒ نے ایک خط میں فرمایا "بہتر ہے کہ بچوں کو شروع میں بغدادی قاعدہ پڑھاؤ پھر قرآن شریف پڑھاؤ۔ اس کے بعد حسبِ ضرورت عربی یا اسکول کی تعلیم میں لگاؤ"۔ کاش کہ ہم جناب والا رحمۃ اللہ علیہ کی اس وصیت پر عمل کرنے والے ہو جائیں تو اولاد کی تربیت پر کیا عمدہ اثر پڑے گا۔ خاص طور پر اس زمانے میں جب کہ بے دینی عام ہے یہ وصیت نہایت اہمیت کی مالک ہے۔

جب بھی کوئی محفل ہوتی ہے، دو آدمی جمع ہو جاتے ہیں جی چاہتا ہے کوئی حضرتؒ کا ذکر نکال دے۔ حضرتؒ ہی کی باتیں ہوں۔ حضرت والاؒ اکثر فرمایا کرتے تھے "مجھ سے سُن لو پھر سُنانے والا نہ ملے گا"۔ اس وقت یہ باتیں سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ مگر اب جبکہ حضرت والاؒ ہمارے درمیان میں نہیں ہیں اسکی قدر معلوم ہوتی ہے۔ نظر دوڑاتا ہوں تو خلا ہی خلا نظر آتا ہے۔ کان حضرت کی باتوں کو اور آنکھیں حضرتؒ کے دیدار کو ترس گئی ہیں۔ حضرتؒ ہی کا شعر ہے ؎

بے محابا جب تصور میں کوئی آجائے ہے ✱ پھر نہ تڑپا جائے ہے دل سے نہ سنبھلا جائے ہے

حضرتِ والاؒ کے اشعار پر ختم کرتا ہوں ؎

محفلِ سوز و گداز غم کو گرمائے گا کون
اہلِ دل کو اپنے دردِ دل سے تڑپائے گا کون
موجزن ہے کس کے دل میں آتشِ سیالِ غم
مستیٔ خونِ جگر آنکھوں سے برسائے گا کون
کس پہ طاری ہے جنونِ شوق کی وارفتگی
ہوں زباں پر والہانہ رازِ دل لائے گا کون
عارفیؔ میرا ہی دل ہے محرم ناز و نیاز
بعد میرے رازِ حسن و عشق سمجھائے گا کون

• محمد زبیر اشرف عثمانی
درجہ تخصص دار العلوم کراچی ۱۴

باتیں ان کی یاد رہیں گی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

عارف باللہ حضرت ڈاکٹر محمد عبد الحئ صاحب عارفی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی علم و عمل کا مہر عالم تاب اور بلا امتیاز عوام و خواص کا مرجع و ماب تھی۔

آپ ایثار و قربانی کے پیکر اور اخلاق عظیم کے مظہر تھے، جامعیتِ زہد و تقویٰ آپ کی زندگی کا طرۂ امتیاز تھا، حضرتؒ ہر ایک کے ساتھ بے پناہ شفقت فرماتے تھے یوں تو حضرت کی ذاتِ گرامی کے بارے میں لکھنا بڑے بڑے علماء و صلحاء اور اہل قلم حضرات ہی کا کام ہے مجھ جیسا ناکارہ اس قابل کہاں کہ حضرتؒ کی شخصیت کے بارے میں کچھ لکھے، لیکن حضرتؒ کا تعلق جو بچوں سے ہوتا تھا اور جو مجھ سے رہا اس کو سپرد قلم کرتا ہوں۔

یہ آج سے چودہ برس قبل کی بات ہے جب حضرتؒ کی مجلس جمعرات کے دن شام کو نارتھ ناظم آباد میں حضرتؒ کے مکان پر ہوا کرتی تھی اس وقت میری عمر پانچ چھ برس کے لگ بھگ ہوگی، میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہٗ اور میرے چچا حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہٗ ہر جمعرات کو حضرت کی مجلس میں تشریف لیجاتے اور والد صاحب مجھے بھی اپنے ساتھ حضرتؒ کے یہاں لیجاتے۔

میں چونکہ بچپن کے ابتدائی دور سے گذر رہا تھا اس عمر میں ہر جگہ گھومنے کا شوق تو ہوتا ہی ہے اس لیۓ اس خیال سے کہ گھومنے پھرنے کا ایک موقع ہاتھ آیا خوشی میں مجلس میں چلا جاتا وہاں جاکر بھی مختلف چیزوں کو چھیڑتے رہنا اور آخر میں تھک ہار کر وہیں قریب میں بیٹھ جانا معمول تھا حضرتؒ میرا سر اپنی ٹانگ پر رکھ کر مجھے لٹا لیتے اور کبھی اسی حالت میں نیند کی آغوش میں جا پہنچتا۔

جمعرات کو یہ خصوصی مجلس ہوتی تھی اسوقت اسمیں حاضرین دو چار حضرات ہی ہوتے تھے یہی خصوصی مجلس بعد میں پیر کو ہونے لگی، غرض اس طرح ہر جمعرات کو حاضری رہتی، کچھ عمر میں بھی اضافہ ہوا لیکن باتیں اب بھی سمجھ سے ماوراء تھیں مگر مجلس میں حاضری بھی برابر جاری رہی نہ معلوم حضرتؒ کی شخصیت میں کیسی جاذبیت اور کشش تھی کہ ازخود مجلس میں آنے کو دل چاہنے لگتا ۔ اس کے بعد احقر پرائمری اسکول سے فارغ ہوا اور درسِ نظامی کی تعلیم حاصل کرنا شروع کردی، جب بھی حضرتؒ کی مجلس میں حاضری ہوتی تو والد صاحب سے تعلیم کے بارے میں دریافت فرماتے ۔

پھر جب ہم سنِ شعور کو پہنچے اور درسِ نظامی کی تعلیم کو بھی ایک دو سال ہوگئے تو اب باتیں بھی اچھی طرح سمجھ میں آنے لگیں، حضرتؒ کی شخصیت میں جاذبیت اور کشش ہی تھی جو مجھے کھینچ لاتی ، اب شخصیت میں کشش کے ساتھ باتوں میں بھی کشش محسوس ہونے لگی، تو اب بات ہی کچھ اور ہوگئی تھی، پہلے گھومنے کے شوق میں آتے تھے اور حضرتؒ بہت زیادہ محبت اور شفقت فرماتے تھے صرف اس لیۓ ہی آنا ہوتا تھا، لیکن اب حضرتؒ کی زیارت کے شوق کے ساتھ ساتھ مجلس میں باتیں سُننے کا بھی شوق ہوگیا تھا تو اب اور زیادہ پابندی کیساتھ حاضری شروع ہوگئی اگر کبھی ایک دو مجلس میں حاضری نہ ہوتی تو حضرت والد صاحب مدظلہٗ سے فرماتے کہ " بھئی تم زبیر کو ضرور لایا کرو ،،

ایک مرتبہ مجلس کے بعد نماز مغرب پڑھ کر سب ان کے اردگرد بیٹھے ہوۓ تھے اور حضرتؒ ارشادات فرما رہے تھے اصل مجلس عصر سے مغرب تک جاری رہتی مگر مغرب کے بعد بھی لوگ حضرتؒ کے اردگرد بیٹھ جاتے اور حضرتؒ ارشادات فرماتے بعض اوقات مشورہ طلب

امور میں کسی سے مشورہ ہوتا غرض ایک طرح کی نجی مجلس ہوتی جسمیں حضرتؒ کے خاص مریدین شرکت کرتے اسی طرح کی ایک مجلس بعد مغرب جاری تھی ہم بھی حضرتؒ کے قریب جاکر بیٹھ گئے کچھ دیر کے بعد حضرتؒ نے میری طرف دیکھا اور فرمایا۔

"کہ بھئی تم تو بور ہوتے ہوگے یہ کہکر حضرتؒ نے اپنا ہاتھ میرے سینہ پر رکھا اور فرمایا کہ بھئی تم ضرور آیا کرو یہ سب باتیں یہاں ٹیپ ہو رہی ہیں اور پھر میرا سینہ تھپتھپایا اور فرمایا کہ انشاء اللہ ایک دن یہ ٹیپ ضرور چلے گا یہ سینہ ٹیپ ریکارڈ ہے"

اور جو بھی بچّہ حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہوتا اس سے بھی اتنی ہی شفقت فرماتے اس کو دُعائیں دیتے اور ان کے سرپرست سے فرماتے کہ "بھئی ان بچّوں کو ابھی سے لایا کرو اس وقت اگرچہ یہ باتیں نہیں سمجھ رہے ہیں لیکن یہ باتیں بچّوں کے سینہ میں ٹیپ ہو رہی ہیں اور انشاء اللہ ان بچّوں کا ٹیپ بھی ضرور چلے گا۔

غرض اس طرح کی اور بہت سی شفقتیں فرماتے رہتے جسمیں ہمّت افزائی دلجوئی وغیرہ بھی ہوتیں تھا اور جب مجلس سے جاتے تو بچّوں کے سروں پر ہاتھ پھیرتے اور دعائیں فرماتے۔

ایک مرتبہ میں حضرتؒ کی مجلس میں حاضر نہ ہوسکا اگلی مجلس میں جب حاضر ہوا تو والد صاحب سے فرمانے لگے "بھئی ہمارا پوتا بھی آیا؟" والد صاحب نے عرض کیا کہ آیا ہے پیچھے بیٹھ گیا آپؒ نے فرمایا،،

"کہ بھئی ہماری مجلس کا کوٹہ اس وقت تک پورا نہیں ہوتا جب تک ہمارا پوتا نہیں آتا،،

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا یہ انداز شفقت ہر کسی کے ساتھ ہی ہوتا، جس بچّہ سے بھی پوچھا جائے جو کہ حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہوتے وہ یہی کہتا کہ حضرتؒ کو مجھ سے سب سے زیادہ محبّت تھی، میرے بارے میں فلاں فلاں بات کہی اور اسی تصوّر سے خوش ہوتا رہتا دراصل حضرتؒ کا انداز ہی کچھ اتنا مشفقانہ ہوتا کہ ایک مرتبہ حاضری کے بعد خود آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کو دل چاہنے لگتا اور ہر بچّہ کے ساتھ اسی کے مطلب کی باتیں کرتے۔

"کھیل"

ایک دفعہ حضرتؒ کی خدمت میں ایک بچہ آیا ان کے بڑے بھائیؒ نے کہا کہ حضرت یہ بچہ کھیل کا بہت شوقین ہے اور ہر طرح کے کھیل کود میں ماہر ہے حضرتؒ اس بچہ کے ساتھ کھیل کی باتیں کرتے رہے اور اس بچہ کو اپنے کھیل کے واقعات خوب سُنائے اور کئی کھیلوں کے متعلق بتایا کہ میں بھی یہ کھیل کھیلتا رہا یہ کھیل اس طرح کھیلا جاتا ہے اور فلاں کھیل اس طرح ہوتا ہے، پھر اسی بچہ سے پوچھنے لگے "بھئی جس کھیل کا تمہیں شوق ہے ہمیں بھی بتاؤ کہ کس طرح کھیلا جاتا ہے وہ بچہ کھیل کی تفصیلات اس قدر خوش ہو کر بتا رہا تھا کہ اس کے چہرے سے خوشی پھوٹی پڑ رہی تھی اور حضرتؒ ہمہ تن گوش ہو کر سُنتے رہے، اس طرح کے اور بہت سے واقعات ہوتے رہتے جس سے حضرت کا بچوں سے بے پناہ پیار اور محبت کا اندازہ ہوتا رہتا

"امتحان میں کامیابی کا وظیفہ"

ایک مرتبہ امتحانات ہونیوالے تھے احقر نے عرض کیا کہ حضرت امتحان قریب ہیں دُعا کی درخواست ہے حضرتؒ نے فرمایا کہ "دُعاء میں کرتا ہوں دواء تم کرو"، اور فرمایا، ایک وظیفہ بتاتا ہوں جو مجرّب ہے اس پر عمل کروگے تو انشاء اللہ کامیابی ہوگی اور پھر حضرتؒ نے امتحان کے ایّام میں پڑھنے کے لئے ایک وظیفہ بتایا جس کا بہت فائدہ ہوا۔

اس وظیفہ کو امتحان سے چند دن قبل شروع کیا جائے وہ وظیفہ یہ ہے "بعد نماز عشاء گیارہ مرتبہ درود شریف پڑھیں اور اس کے بعد دوسو مرتبہ "یَاعَلِیْمُ"، پڑھ لیں پھر گیارہ مرتبہ درود شریف آخر میں پڑھ لیں اور دُعا مانگ لیں"۔

اللہ اکبر:- کیسی رعائتیں تھیں ہر شخص خواہ وہ بڑا ہو یا چھوٹا اس کے غم و خوشی میں اس طرح شریک ہوتے، جیسے اُن کا اپنا غم و خوشی ہو اپنی بات عرض کر کے اور حضرتؒ کا جواب سُنکر ایسا سکون ملتا تھا کہ دل میں ٹھنڈک پڑ جاتی تھی، خواہ وہ بچہ کی بچکانہ بات ہو یا کسی بڑے شخص کی کوئی الجھن ہر شخص پر سکون ہو جاتا۔

جس دن دارالعلوم کراچی میں ختمِ بخاری شریف تھا حضرتؒ باوجود بیماری اور ضعف کے دارالعلوم تشریف لائے لیکن دارالعلوم تشریف لاتے ہی تکلیف میں اضافہ ہوا اور حضرتؒ ہمارے مکان میں تشریف لے گئے وہاں جاکر آرام فرماتے رہے لیکن تکلیف کی شدّت میں اضافہ ہی ہوتا رہا بالآخر یہ فیصلہ فرمایا کہ حضرتؒ ختمِ بخاری میں شرکت کے لئے مسجد تشریف نہ لیجا سکیں گے اور اپنے گھر واپس جانے کا ارادہ کیا .

احقر بھی اسی سال دارالعلوم سے بفضلہٖ تعالیٰ فراغت حاصل کر رہا تھا اور دورۂ حدیث ہی میں تھا، حضرتؒ نے احقر کو اپنے سامنے ختمِ بخاری کے لئے دارالعلوم کی جامع مسجد بھیجدیا، جہاں ختمِ بخاری ہو رہا تھا اور فرمایا کہ میں تکلیف کی بناء پر مسجد میں نہ جاسکوں گا یہیں بیٹھے تمام طلباء کے لئے دعاء کرتا ہوں .

ہمارے چشمِ تصوّر میں بھی یہ بات نہ ہوگی کہ حضرت سے یہ ہماری آخری ملاقات ہے اور یہ ملاقات الوداعی ہے، اور اس کے بعد اس عظیم ترین ہستی کی ہم زیارت نہ کرسکیں گے لیکن مشیّتِ ایزدی میں کسے دخل ہے، آج ہمارے درمیان ہمارے حضرت موجود نہیں، سب کچھ بدلا بدلا سا لگتا ہے ایک نہ پُر ہونیوالا خلاء نظر آتا ہے اب جب بھی خاص طور پر جبکہ مجلس کا دن آتا ہے تو دل و دماغ یادوں کے دریچہ میں گم ہو جاتا ہے، وہی شگفتہ چہرہ وہ مکرانے کا انداز، ہر ایک سے اس کے مرتبہ کے لحاظ سے برتاؤ، وہ شفقتیں، اور وہ محبتیں یادوں کے سلسلہ وار ختم نہ ہونیوالی کڑی ہے اب صرف حضرتؒ کی یادیں ہیں لیکن ہمارے حضرتؒ موجود نہیں، باتیں ہیں لیکن بتانیوالا وہ نہیں

لیکن ان سب چیزوں کے باوجود حضرتؒ کی زندگی ہمارے لئے مشعلِ راہ ہے حضرتؒ کے ارشادات وافادات کو اگر ہم اپنی زندگی میں عملی جامہ پہنائیں تو زندگیوں میں انقلاب آسکتا ہے .

؎ آتی رہیگی تیرے انفاس کی خوشبو
گلشن تیری یادوں کا مہکتا ہی رہیگا

اللہ تعالیٰ ہمیں حضرتؒ کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور حضرتؒ کے درجات میں اضافہ فرمائے آمین .

مُحَمَّد زُبَیر اَشرف عثمانی

درجۂ تخصص دارالعلوم کراچی ۱۴

حضرت عارفی کے کچھ سبق آموز واقعات

احقر کے دادا محترم مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بعد جب حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب دار العلوم کراچی کے صدر منتخب ہوئے تو اس وقت احقر کی عمر دس ۱۰ سال کی تھی اور حضرت کی مجلس پیر اور جمعہ کو ہوا کرتی تھی اس میں دار العلوم سے بھی کچھ حضرات جایا کرتے تھے اسی وقت سے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی تھی کہ حضرت کی مجلس میں ہم بھی شریک ہوں لیکن یہ خواہش احقر کے بچپنے اور کھیل کود سے مغلوب ہوگئی۔ کچھ ہی عرصہ کے بعد احقر کا اپنے والدِ محترم جناب محمد فخر عالم صدیقی صاحب کے ساتھ حضرت کی مجلس میں جانا ہوا وہاں اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت کی زیارت اور ملاقات سے نوازا اور حضرت نے احقر کے ساتھ غیر معمولی شفقت فرمائی۔ جب ہی سے احقر کا دل منجانب اللہ حضرت کی جانب متوجہ ہوگیا الحمد للہ۔ اور اللہ کا شکر ہے کہ اب سے تین سال پہلے سے حضرت کی مجلس دوشنبہ میں اکثر پابندی ہونے لگی۔ اور حضرت کی وفات سے ایک سال قبل تو الحمد للہ مکمل پابندی ہونے لگی۔ اور اللہ جل شانہ کا شکر ہے کہ اپنی کم عمری کے باوجود اس ناچیز نے حضرت سے بہت کچھ استفادہ کیا الحمد للہ۔ لہٰذا کچھ حضرات کے واقعات جو خود ان سے سُنے ہوئے ہیں یا پھر حضرت کی مجلس میں آنے والوں سے سُنے ہیں پیشِ خدمت ہیں۔ اس ناچیز کی دعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ حضرت کی کامل مغفرت فرمائے اور ہم سب تشنگانِ دین و شریعت کو ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں آمین۔ حضرات قارئین سے بھی درخواست ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اس ناچیز اور مجھ کو اپنی رضامندی عطا فرماوے اور جس دین کا ہم ہر وقت نام لیوا ہیں اس کا سچا خادم بنادے (آمین)

صحبتِ شیخ کی ایک حکیمانہ مثال

حضرت ایک مرتبہ اپنے ملنے والوں میں سے کسی کی دوکان پر تشریف لے گئے تھے اور ان صاحب کی عطر کی دوکان تھی تھوڑی دیر حضرت وہاں تشریف فرما رہے پھر ان سے ملاقات سے فارغ ہونے کے بعد واپس تشریف لے جا رہے تھے کہ راستہ میں ایک دوسرے صاحب مل گئے انھوں نے حضرت سے عرض کیا کہ حضرت آج آپ نے عطر بہت اچھا لگایا ہے حضرت نے فرمایا کہ بھائی میں نے تو عطر نہیں لگایا ہاں البتہ عطر کی دکان میں تھوڑی دیر بیٹھا ہوں۔ حضرت اکثر یہ واقعہ صحبتِ شیخ کے فوائد بتاتے ہوئے بطور مثال ذکر کیا کرتے تھے اور فرماتے اپنے شیخ کی صحبت میں بیٹھنا اگرچہ تھوڑی دیر کے لئے ہو اس کے اثرات ضرور پڑتے ہیں جس طرح کہ عطر کی دوکان میں تھوڑی دیر بھی بیٹھنے والے پر عطر کے اثرات پڑتے ہیں۔ اور حضرت یہ واقعہ سناتے ہوئے مذکورہ اشعار بڑے ہی والہانہ انداز میں پڑھا کرتے تھے۔ ؎

گلے خوشبوئے در حمام روزے رسید از دست محبوبے بدستم
بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری کہ از بوئے دل آویز تو مستم
بگفتا من گلے ناچیز بودم ولیکن مدتے با گل نشستم
جمال ہمنشیں در من اثر کرد، وگرنہ من ہمان خاکم کہ ہستم

محبت اور اتباعِ شیخ

حضرت سیدی و مرشدی نے ایک بار مجلس کے دوران فرمایا کہ ایک مرتبہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ تشریف لے جا رہے تھے پیچھے پیچھے میں جا رہا تھا حضرت کے قدم جہاں جہاں پڑتے تھے انہی نشانات پر میں بھی قدم رکھتا جاتا تھا اور دل دل میں یہ دعا کرتا جاتا تھا کہ یا اللہ مجھے حضرت کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیے۔

ایک واقعہ طالب علمی کے دور کا

حضرت سیدی و مرشدی و مولائی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانۂ طالبعلمی کا ایک واقعہ خود حضرت سے حضرت ہی کی مجلس میں بارہا سُنا کہ فرماتے تھے کہ جب میں انگریزی تعلیم حاصل کر رہا تھا تو ایک دفعہ دورانِ درس کالج کے ایک ہندو لیکچرار نے کہا کہ دیکھو مسلمان کہتے ہیں کہ جب ہم اپنے خدا کو پکارتے ہیں تو وہ سنتا ہے بھلا کون سن سکتا ہے کیا کسی نے خدا کی آواز سنی ہے؟ تو اس پر حضرت عارفی سیدی و مرشدی نے ہندو لیکچرار سے فرمایا کہ ہاں جب میں اپنے خدا کو پکارتا ہوں تو وہ مجھے جواب دیتا ہے اور اس کا جواب میں سُنتا ہوں آپ بھی مسلمان ہو کر پکاریں تو آپ کو بھی جواب ملے گا۔ اس پر وہ خاموش ہو گیا۔

مراقبہ بوقتِ صبح

حضرت عارفی سیدی و مرشدی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ اہلِ مجلس سے فرمایا کہ جب میں سو کر اُٹھتا ہوں تو بدن بہت چور چور ہوتا ہے کیونکہ رات کو سوتے سوتے بارہ ساڑھے بارہ بج جاتے ہیں۔ مگر الحمد للہ جیسے ہی میری آنکھ کھلی بس فوراً اُٹھ کر بیٹھ جاتا ہوں گو ہمت نہیں ہوتی اور اپنے نفس سے مخاطب ہو کر کہتا ہوں کہ اے نفس! بتاؤ کہ اب تم جواں ہو جاؤ گے یا بڑھاپا آئے گا۔ عمر کس طرف جا رہی ہے قبر کی طرف یا جوانی کی طرف، دنیا کی لذتیں حاصل کرنا ہے یا آخرت کی طرف جانا ہے، بس یہ مراقبہ کرتے ہی الحمد للہ ہمت ہو جاتی ہے، تمام اپنے معمولات اور دن بھر کے تمام کام بآسانی پورے ہو جاتے ہیں۔

مبارک ساعات

حضرت نے خود فرمایا کہ دورانِ مجلس میں نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ حضرت کی باتیں سنتا ہوں اور بہت کوشش کرتا ہوں یاد رکھنے کی مگر باوجود کوشش کے یاد نہیں رہتی کتابیں پڑھتا ہوں تو یاد نہیں رہتیں۔ بھول جاتا ہوں، تو حضرت (تھانوی) نے بے ساختہ فرمایا کہ کس فکر میں پڑے ہو؟ خود صاحبِ ملفوظ کیوں نہ بنو؟ میں نے عرض کیا کہ حضرت دل سے دعا فرما دیجئے۔

حضرت کے گھر میں تقریبِ ولیمہ

حضرت عارفی سیدی و مرشدی رحمۃ اللہ علیہ اپنے ہاں آنے والوں میں ہر ایک سے بہت ہی تواضع کا معاملہ فرماتے تھے۔ محبت کا اندازہ تو وہی کر سکتا ہے جن سے محبت کا تعلق ہوتا ہے۔ حضرت کے فرزند کی شادی کے موقع پر دعوت نامہ غریب اور امیر دونوں کو برابر دیا گیا اس میں علماء، غیر علماء، عزیز، غیر عزیز سب ہی شامل تھے کھانے کے وقت فرشی دستر خوان بچھا دیا گیا کھانے کے دوران حضرت ہر ایک مہمان کے پاس خود ہی تشریف لے جاتے تھے اور فرماتے تھے کہ مجھے آپ کے آنے سے بہت خوشی ہوئی آنے والا مہمان کیسا ہی امیر و غریب ہو ہر ایک کی دلجوئی فرماتے تھے اور جب نماز کا وقت ہوا تو فوراً وہیں پر جماعت کے ساتھ نماز ہوئی۔ بعد میں حضرت نے فرمایا کہ یہ جو غریب لوگ آجاتے ہیں ان کو یہ محسوس نہ ہونا چاہئے کہ ہم کو کسی نے پوچھا ہی نہیں۔ غریب پروری اور ان کو ایک جیسا سمجھنا حضرت کی خصوصی تعلیم تھی۔ خلاصہ یہ کہ حضرتؒ کی نظر میں کسی کی مالداری اور کسی کی ناداری کی کوئی اہمیت نہیں تھی اور ساتھ ساتھ یہ کہ عام طور پر تقریبات میں نماز باجماعت کا تو کجا نماز ہی کا خیال نہیں رہتا لیکن حضرت کی تقریبات میں نماز باجماعت کا خیال خاص طور پر ملحوظ رکھا جاتا تھا۔

حضرت کا ایک واقعہ

فرمایا کہ تقسیم پاکستان سے پہلے ہندوستان میں ہندو مسلم فساد ہو رہا تھا، ڈاکٹری کی وجہ سے وہاں کے ہندو مجھے بہت مانتے تھے اور کافی قدر کرتے تھے۔ ایک دن میں مطب میں بیٹھا ہوا

تھا اور قریب ہی میرا مکان تھا ایک ہندو برہمن جو اکثر مجھ سے علاج کراتا تھا وہ آیا اور کہنے لگا کہ ایک مریض کو دیکھنا ہے آپ میرے ساتھ تشریف لے چلیئے میں نے کہا کہ نہ سواری ہے اور نہ حالات صحیح ہیں تو میں کیسے جاؤں۔ اس نے کہا کہ ہم سواری کا انتظام کرتے ہیں اور آپ کو واپس بھی پہنچادیں گے اس پر میں جانے کیلئے تیار ہوگیا۔ جاکر مریض کو دیکھا اور مریض کے لئے دوا تجویز کردی انہی کاموں میں رات زیادہ ہوگئی، جگہ دور تھی اور وہاں تمام ہندوؤں کی آبادی تھی اس ہندو نے کہا کہ اب آپ صبح کو جایئے گا۔ خیر میں بدرجۂ مجبوری اس پر راضی ہوگیا اور اس نے چارپائی بچھادی اور رات کو سونے کے جملہ انتظامات کردیئے۔ میں چارپائی پر لیٹا ہوا تھا کہ اچانک اس ہندو برہمن کو شرارت سوجھی اس نے کہا کہ ڈاکٹر صاحب آپ کا آج تو جانا مشکل ہے یہ سب لوگ کہتے ہیں کہ موقعہ اچھا ہے آپ کو ختم کردیں بس یہ سن کر مجھے ایسا جوش آیا اور میں لیٹے لیٹے اٹھ کر بیٹھ گیا میں نے کہا کہ یہ آپ نے کیا کہا۔ کیا میں بے بس ہوں، کیا میں تنہا ہوں اور میں نے آستین چڑھا کر کہا کہ یاد رکھو کہ میں تنہا نہیں ہوں اور حضرتؒ نے یہ الفاظ دو تین مرتبہ فرمائے اور بڑے جوش میں کہے کہ میں مسلمان ہوں میں جب تک دس بیس کو نہ ماروں اسوقت تک نہ مروں گا۔ یہ نہ سمجھنا کہ میں تنہا ہوں، میں تنہا نہیں ہوں۔ جب میں نے اس طرح اس سے کہا تو وہ معافی مانگنے لگا۔ اور برہمن نے کہا کہ میں تو آپ سے مذاق کر رہا تھا۔ آپ فکر نہ کریں یہاں آنے والا پہلے ہم کو مارے گا پھر کسی اور کو اور آپ کو تو کوئی آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتا۔

حضرت عارفی کی موجودہ معاشرہ پر ایک نظر

حضرت عارفی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بار مجلس میں فرمایا کہ انڈیا ہندوستان میں یہ طریقہ عام تھا کہ عورتوں کو اگر کہیں جانا ہوتا تو گھر پر ڈولی منگالی جاتی اور کمہار ڈولی دروازہ پر لگا دیتے اور اس پر پردہ ڈالتے اور عورتیں برقع پہن کر اس میں سوار ہو جاتیں اور جس جگہ جانا ہوتا وہاں چلی جاتیں ایک گھر کا مرد بھی ان کے ساتھ ہو جاتا کمہار محلہ ہی کے ہوا کرتے تھے ان کی اجرت کم سے کم دو پیسہ زیادہ سے زیادہ دو آنہ ہوا کرتی تھی، اس سے زیادہ نہ ہوتی تھی لیکن جب پاکستان بنا اور لوگ یہاں منتقل ہوگئے تو شروع شروع کراچی میں ہم نے دیکھا کہ مستورات برقع میں منہ ڈھانپ کر اور ساتھ ان کے گھر کا کوئی محرم بھی ہوا کرتا تھا، بازاروں میں آنے لگی ہیں۔ یہ دیکھ کر ہم نے کہا افسوس ہے کہ اب عورتیں بازاروں میں پھرنے لگی ہیں پھر کچھ عرصہ گزرا کہ عورتیں صرف منہ کھول کر برقع میں باہر آنے لگی ہیں اس وقت ہم نے کہا کہ افسوس ہے کہ اب مستورات منہ کھول کر بازاروں میں سودا خریدنے کے لئے آنے لگی ہیں اور یہ بھی کہا کہ اے بھائی کیوں خدا کے قہر کو دعوت دیتے ہو

پھر کچھ عرصہ گزرا کہ مستورات زیادہ تعداد میں بازاروں میں نظر آنے لگیں تو لوگوں نے افسوس کیا اور کہا کہ بھائی خدا کے قہر کو دعوت نہ دو، گناہ ہے۔ پھر کچھ عرصہ گزرا کہ عورتیں کارخانوں میں مزدوری کے لئے جانے لگیں۔ یہ دیکھ کر ہم نے کچھ عورتوں سے کہا کہ بھائی خدا کے لئے ایسا نہ کرو اور اللہ تعالیٰ کے عذاب کو دعوت نہ دو، یہ ناجائز ہے، گھر میں ہی بیٹھ کر مزدوری کر لیا کرو۔ پھر عرصہ گزرا کہ بغیر برقعے کے عورتیں بازار میں آنے لگیں مگر دوپٹہ سر پر ہوتا تھا اور لباس ڈھیلا ہوتا تھا اور چادر اوڑھی ہوئی تھی۔ یہ منظر دیکھ کر ہم کو ناقابلِ برداشت صدمہ پہنچا اور ہم کہنے لگے کہ غضب ہے اب تو بہت ہی آزادی ہو گئی ہے، اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگنی چاہیئے۔ پھر عرصہ گزرا کہ دیکھتے ہی دیکھتے کیا سے کیا ہو گیا۔ اگر معاملہ یہاں تک بھی رہتا تو کچھ ٹھیک تھا کہ پھر بھی خدا کا خوف تو دلوں میں موجود ہے۔ اور یہ اس وقت کی بات ہے جس وقت انگریزی تعلیم نہ ہوئی تھی لیکن غضب ہے کہ جیسی ہی تعلیم گاہیں کھلیں اور شروع شروع میں جب اسکول کھلے تو لڑکیاں زیادہ اسکولوں میں نہ جاتی تھیں مگر کچھ عرصہ کے بعد لڑکیاں اسکول میں کثرت سے تعلیم حاصل کرنے کے لئے جانے لگیں اور مخلوط تعلیم کا آغاز ہوا تو آغاز سے لیکر اب تک کھلی آنکھوں سے مشاہدہ ہو رہا ہے کہ حیا، شرم، غیرت، عصمت سب ہی خطرہ میں پڑ گئے ہیں اور نہ صرف بد دینی پھیل رہی ہے بلکہ العیاذ باللہ دین سے نفرت لوگوں میں پیدا ہونے لگی ہے اسی مجلس میں حضرت عارفی نے فرمایا کہ ایک بات بہت غور کرنے کے قابل ہے وہ یہ کہ آج سے پچاس سال پہلے جو ہماری نسل پیدا ہوئی تھی اسمیں کیسی کیسی گراں قدر ہستیاں پیدا ہوئی تھیں اور اب ایسی ہستیاں کیوں نہیں پیدا ہو رہی ہیں۔ پچاس سال پہلے کیسے کیسے لوگ اللہ تبارک و تعالیٰ نے پیدا کئے جن کی مثال بھی آج تک نہیں ملتی۔ وہ بڑے قابل لوگ تھے ان میں بڑے بڑے ادیب، شاعر، باعزت باوقار، فقیہ، محدث، صوفیاء، اہل دل شامل ہیں۔ فقیہ بھی ایسے کہ آج تک ان کی مثال نہیں ملتی اور عالم باعمل ایسے کہ ان کی کوئی نظیر نہیں ملتی، بزرگ، صوفیاء ایسے کہ آج اگر ہم چراغ لے کر ڈھونڈیں تو ملنا مشکل ہے۔ کیا آپ نے کبھی سوچا کہ کیا وجہ ہے جو آج کل ایسے لوگ پیدا نہیں ہو رہے۔ وجہ یہ ہے کہ شروع دور میں عورتیں گھروں میں رہا کرتی تھیں۔ بے پردہ اور اس طرح بے حیائی سے مٹر گشت نہ کرتی تھیں۔ اس دور میں بوڑھا ہو یا جوان، عورت ہو یا مرد، سب کی طبیعتوں میں سلامتی تھی، ماں باپ کا ادب تھا، اپنے بزرگوں اور اپنے مشائخ کا احترام تھا۔ لیکن افسوس کہ آج کے دور میں اس انگریزی تعلیم نے اس معاشرہ کو تباہ و برباد کر دیا، عورتوں اور مردوں میں محرم اور نامحرم کا امتیاز نہ رہا۔ اب دینداروں کا مذاق اڑایا جاتا ہے، ڈاڑھی والے کو بے وقوف کہا جاتا ہے ان پر آج یہ مسٹر کلاس طبقہ انگلیاں اٹھا رہا ہے۔ خلاصہ یہ کہ اس دور میں طرح طرح کی بد اعمالیاں

جنم لے چکی ہیں اور ہم لوگ ہیں کہ اس کا احساس تک ہمیں نہیں ہوتا خدا کے لئے اپنے آپ کو اس تاریک گڑھے سے نکالو اور کچھ آخرت کی بھی تیاری کرو۔ آنکھ بند ہونے کی دیر ہے، جب آنکھ بند ہو جائے گی تو اس وقت معلوم ہوگا یہی لوگ آج اس دین سے بدظن ہیں وہاں ان کا حال سڑکوں پر پھرنے والے ننگ دھڑنگ فقیروں سے کہیں زیادہ بدتر ہوگا۔ یا اللہ ہم سب کو اس شرمناک دور کے بھیانک اعمال سے بچائیے! آمین

حضرت عارفی رحمۃ اللہ علیہ کا حضرت تھانوی رحؒ سے تعلق بیعت

حضرت والا رحمۃ اللہ سے میرا تعلقِ بیعت حضرت کی وفات تک سترہ سال رہا۔ اس عرصہ میں میں نے التزاماً اپنے حالات کا عریضہ ہر ہفتہ ارسال خدمت کیا ہے۔ اس التزام میں الحمد للہ کبھی ناغہ نہیں ہوا۔ اس کے علاوہ الحمد للہ میری بڑی خوش نصیبی اور سعادتِ کبریٰ ہے کہ اکثر حضرت والا کی تقریریں اور وعظ بالمشافہ سُنے ہیں اور مجلس ملفوظات میں بقدر اپنی فرصت اور گنجائش وقت کے اکثر شریک رہا ہوں اور حضرت کے ساتھ مختلف تقریبات میں بھی شرکت کا اتفاق ہوا ہے حضرت کے ساتھ سفر کیا ہے اور حضرت کے دولت کدہ پر مہمان خصوصی رہنے کی بھی سعادت نصیب ہوئی ہے اور حضرت کے خوانِ کرم پر تنہا بھی کھانے کی سرفرازی حاصل ہوئی ہے اور دعوتیں بڑی پُر مسرتیں بھی نصیب ہوئی ہیں اور احقر نے حضرت کی خدمت میں جو ہدایا پیش کئے ہیں ان کو شرفِ قبول عطا ہوا ہے اور حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی شفقتِ بزرگانہ اور محبتِ مربیانہ سے اس ذرۂ ناچیز کو اپنے عطایا تبرکات سے بھی سرفراز فرمایا ہے۔ مجلسوں میں بھی حضرت کی توجہات خصوصی کا اکثر مورد فیض باطنی اور روحانی ہوا ہوں۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

اس زمانے میں جب کہ دلوں میں خلوص نہیں ہے اور معاملات میں صفائی نہیں ہے کسی کی مالی امانت رکھنا بھی بعض وقت پریشانیٔ خاطر کا باعث ہو جاتا ہے، اس لئے رسمی تعلق والوں کی امانت کبھی نہ رکھنا چاہیے اور جو امانت رکھی بھی جائے تو امانت رکھانے والے کی تحریری یادداشت مع تاریخ کے ضرور لے لینا چاہیے۔ (از افاداتِ عارفی)

• حضرت مولانا محمد تقی عثمانی

افاداتِ حضرتِ عارفی

حضرتؒ والا کی مجالس میں الحمد للہ، سترہ سال سے زائد حاضری کی سعادت نصیب رہی جس پر اللہ تعالیٰ کا جتنا شکر ادا کیا جائے کم ہے، اس دوران بارہا خیال آیا کہ حضرتؒ کے ارشادات و افادات قلم بند کروں۔ لیکن مجلس میں کبھی احقر اس پر قادر نہ ہو سکا، حضرتؒ کے سامنے ہوتے ہوئے کاغذ اور قلم کی طرف متوجہ رہنا ہمیشہ بار محسوس ہوا، اس لئے قلم بند نہ کر سکا۔ حضرتؒ کے آخری ایامِ حیات میں خیال آیا کہ حضرتؒ سے سُنی ہوئی خاص خاص باتیں اپنی یادداشت سے قلم بند کر لوں، چنانچہ یہ سلسلہ شروع کر دیا، حضرتؒ کو بھی اسکی اطلاع دیدی حضرتؒ نے اس پر مسرت کا اظہار فرمایا، اور دُعائیں بھی دیں اور احقر کی اس درخواست کو بھی قبول فرمایا کہ اسپر نظر ثانی حضرتؒ ہی فرمائیں، لیکن ؏

فصلِ گل سیر نہ دیدیم و بہار آخر شد

ابھی حضرتؒ کو دکھانے کا موقع نہیں آیا تھا کہ حضرتؒ ہم سے رخصت ہو گئے اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔

ان افادات میں مرکزی مفہوم حضرتؒ ہی کا ہے۔ لیکن احقر نے انہیں اپنی یادداشت سے جمع کیا اور ترتیب دیا ہے، لہٰذا اگر جمع و ترتیب یا اندازِ بیان میں

کوئی قصور ہے تو اسکی ذمہ داری احقر پر ہے۔ اور اشاعت کا منشا یہ بھی ہے کہ اہلِ نظر حضرات اسمیں کوئی خامی دیکھیں تو احقر کو متنبہ فرمادیں۔ بہرصورت! یہ باتیں بڑی قیمتی ہیں، جن سے انشاء اللہ دین پر چلنے کی ہمت اور اس کا شوق و جذبہ پیدا ہوگا۔

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دین پر عمل کرنے کا آسان طریقہ

فرمایا کہ آجکل لوگ بکثرت یہ کہتے ہیں کہ اس دور میں دین پر عمل کرنا بہت مشکل ہوگیا ہے، ہم چاروں طرف سے ایسے معاشرے میں گھرے ہوئے ہیں جو شر و فساد سے معمور ہے، جسمیں ہر طرف بے دینی، بے حیائی، بے غیرتی پھیلی ہوئی ہے، گھریلو زندگی سے لیکر دفتروں اور بازاروں تک، اور تعلیم گاہوں سے لیکر حکومت کے ایوانوں تک ہر جگہ شر کے محرّکات اپنی پوری فتنہ سامانیوں کے ساتھ انسانوں کو گمراہ کرنے میں مشغول ہیں ایسے میں اگر کوئی دین کے صحیح راستے پر چلنا بھی چاہے تو قدم قدم پر اس کے لئے مشکلات ہیں لہذا دین پر ٹھیک ٹھیک عمل ہو تو کیسے ہو؟

اس سوال کا نظری جواب تو یہ ہے کہ وہ خالقِ کائنات جنہوں نے ہمیں اس دین کا پابند بنایا ہے۔ وہی اس تمام معاشرے کے بھی خالق ہیں۔ وہ خالقِ خیر بھی ہیں، اور خالقِ شر بھی، دنیا میں کوئی پتہ ان کے حکم اور مشیت کے بغیر نہیں ہلتا، نہ کوئی ذرہ انکے حکم اور مشیت کے بغیر حرکت کرتا ہے، تو کیا (معاذ اللہ) انہیں یہ معلوم نہیں تھا کہ ایک زمانہ ایسا بھی آنے والا ہے جب میری ہی مشیّت سے معاشرہ اتنا خراب ہو جائیگا؟ یقیناً معلوم تھا، پھر کیا انہوں نے ہمیں اپنے دین کا یہ دیکھے بغیر مکلّف بنا دیا کہ اس پر عمل کرنے میں میرے بندوں کو کتنی مشکلات ہونگی؟ وہ تو اپنے بندوں پر اتنے مہربان ہیں کہ عالمِ کائنات میں کوئی بھی انسانوں کے حق

میں اتنا رحیم وکریم نہیں ہو سکتا۔ انہوں نے تو واضح لفظوں میں ارشاد فرما دیا کہ:

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا

اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی وسعت سے زیادہ مکلف نہیں کرتا

اور فرما دیا ہے کہ:

مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ

اللہ نے تم پر دین کے معاملے میں کوئی تنگی نہیں رکھی۔

اور فرما دیا ہے کہ:

يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ

اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی کا معاملہ کرنا چاہتا ہے، تنگی کا معاملہ نہیں کرنا چاہتا۔

اور اللہ کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ جن کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں ہے۔ واشگاف لفظوں میں فرما دیا کہ:

اِنَّ الدِّيْنَ يُسْرٌ

بلاشبہ دین آسان ہے

کلام اللہ اور کلامِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ ارشادات (معاذ اللہ) کیا محض بہلانے کیلئے ہیں؟ یقیناً نہیں، یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے صادق و مصدوق پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات ہیں، زمین و آسمان اپنی جگہ سے ٹل سکتے ہیں، مگر ان ارشادات کی حقانیت میں فرق نہیں آسکتا۔ ان ارشادات کے باوجود کوئی شخص دین کو ناقابلِ عمل حد تک مشکل سمجھے تو اللہ بچائے، اُس سے قرآن وسنت کے ان واضح ارشادات کی تکذیب لازم آتی ہے، جو بحدِ کفر پہنچ سکتی ہے، اللہ تعالیٰ اس سے ہر مسلمان کو محفوظ رکھیں۔ آمین۔

کلام اللہ اور کلامِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ ارشادات تو ہرگز غلط نہیں ہو سکتے کیونکہ یہ اس ذات کے ارشادات ہیں جسکے علمِ محیط سے کائنات کا کوئی ذرہ پوشیدہ نہیں ہے، قیامت تک پیش آنے والے تمام حالات وواقعات اس کے علم میں ہیں، اور کلام اللہ

اور کلامِ رسولؐ کسی خاص خطّے یا کسی خاص زمانے کیلئے نہیں بلکہ ہر دور اور ہر زمانے کیلئے آئے ہیں، لہٰذا ان کی رُو سے اگر قرونِ اولیٰ میں دین آسان تھا اور اسمیں کوئی تنگی نہیں تھی، تو اس آخری دور میں بھی آسان ہے، اور اسمیں بھی تنگی نہیں ہے۔ ہاں اگر ہمیں بظاہر نظر دین کے کسی حکم میں کوئی مشکل نظر آرہی ہے تو یقیناً وہ ہماری نگاہ کا دھوکہ اور فہم کا قصور ہے، ورنہ دین فی نفسہٖ آسان ہے۔

زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ دین تو اپنی ذات میں پہلے بھی آسان تھا، اور آج بھی آسان ہے کیونکہ وہ دینِ فطرت ہے، اور فطرت کے مطابق عمل کرنے میں انسان کو فی نفسہٖ دشواری نہیں ہوتی، لیکن نفس، شیطان اور ماحول کے بیرونی اثرات کی بناء پر بعض اوقات یہ فطرت مسخ ہوجاتی ہے یا اسمیں کمزوری آجاتی ہے۔ اُس کی بناء پر دینِ فطرت کی طرف لوٹنا مشکل معلوم ہونے لگتا ہے، اس کے معنیٰ یہ نہیں کہ دینِ فطرت مشکل تھا، بلکہ اسکا مطلب یہ ہے کہ ہم نے نفس، شیطان اور ماحول سے متاثر ہوکر اپنی صلاحیتیں خراب کرلی ہیں جس سے ہمیں یہ کام مشکل معلوم ہونے لگا ہے۔

اس کی مثال یوں سمجھئے کہ اگر ایک شخص مہینوں بستر پر پڑا رہے، اور چلنا پھرنا موقوف کردے تو رفتہ رفتہ اس کے چلنے کی صلاحیت ختم ہو جائیگی۔ اب اگر وہ اُٹھ کر چلنے کی کوشش کریگا تو اُسے چلنا بہت مشکل معلوم ہوگا۔ کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ چلنا فی نفسہٖ مشکل تھا؟ ظاہر ہے کہ نہیں، چلنا تو پہلے بھی آسان تھا، اب بھی آسان ہے، لیکن اس شخص نے اپنی صلاحیتیں اس طرح ضائع کردیں کہ اسے اتنا آسان کام بھی مشکل معلوم ہونے لگا۔

بس اسی طرح دین تو آسان ہی ہے، لیکن نفسانی اور شیطانی اثرات اور ماحول کے آگے سپر ڈال کر ہم نے اپنی صلاحیتیں ایسی ضائع کردیں کہ اس دینِ فطرت پر عمل کرنا بھی مشکل معلوم ہونے لگا۔ لہٰذا دین کے مشکل ہونے کی غلط فہمی تو رفع ہو جانی چاہیئے۔

البتّہ پھر سوال ہوسکتا ہے کہ ہم نے اپنی صلاحیتیں خراب کرکے ہی سہی، دین پر عمل کو خود مشکل بنا لیا ہے، تو اب اس مشکل کو آسان کرنے کی کیا تدبیر ہے؟

اُس کا جواب یہ ہے، اور وہی اصل سوال کا عملی جواب بھی ہے، کہ خود اپنی پیدا کردہ اس مشکل کا حل بھی اسی دینِ فطرت میں موجود ہے، اور وہ حل نہایت آسان ہے، اور اس

حل کو تلاش کرنے کے لئے کہیں بہت دور جانے کی ضرورت نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ نے وہ حل اپنے کلام کے بالکل شروع ہی میں بیان فرمادیا ہے، اور وہ حل ہے:

إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ
اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ

ہم آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں، اور آپ
ہی سے مدد چاہتے ہیں، ہمیں صراطِ مستقیم
کی ہدایت فرمادیجئے۔

مطلب یہ ہے کہ اگر اپنی نفسانی خواہشات، شیطانی اثرات اور ماحول کے محرّکات سے مغلوب ہو تو اس غلبے سے نجات پانے کے لئے اسی مالکِ بے نیاز سے کیوں رجوع نہیں کرتے جو ان تمام نفسانی خواہشات، تمام شیطانی اثرات اور سارے ماحول کے خالق ہیں، جو تمہارے اور تمہاری صلاحیتوں کے بھی خالق ہیں، اور جن کی قدرتِ کاملہ کے آگے ممکن اور ناممکن کے الفاظ بے معنیٰ ہیں۔ اگر اپنے آپ کو ماحول سے، معاشرے سے اور خود اپنے نفس سے مغلوب محسوس کرتے ہو تو انہی سے کہو کہ یا اللہ! آپ کا دین دینِ فطرت ہے، دنیا و آخرت کی تمام تر سعادتیں اسی میں ہیں، لیکن میں اپنی صلاحیتوں کو خود برباد کرچکا ہوں، نفس مجھے اس طرح ورغلاتا ہے۔ شیطان اس طرح بہکاتا ہے، ماحول کے اثرات اس طرح مجھ پر مسلط ہیں، لیکن آپ ان تمام چیزوں کے خالق ہیں۔ آپ اپنے فضل و کرم سے اس غلبے کو ختم فرمادیجئے، میرے اندر ان محرّکات سے جو مرعوبیت ہے، اسکو دور فرماکر ہمّت اور حوصلہ پیدا فرمادیجئے، مجھ میں صلاحیت نہیں ہے تو صلاحیت کے خالق بھی تو آپ ہیں، صلاحیت عطا فرمادیجئے، ہمّت نہیں ہے تو ہمّت دینے والے بھی آپ ہیں۔ ہمّت عطا فرمادیجئے، آپ کی قدرتِ کاملہ کے آگے یہ سارے شیطانی اثرات ہیچ در ہیچ ہیں، مجھ سے ان کے تسلّط کو زائل فرمادیجئے، اور اپنے محبوب نبی رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام، آپؐ کی تعلیمات اور سنّتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمادیجئے۔

اپنا یہ سارا ماجرا دنیا بھر کو سناتے پھرنے کے بجائے انہی کو سناؤ جو اس ساری

کائنات کے خالق ہیں، اور جو ایک لمحے میں سب کچھ بدل دینے پر قادر ہیں۔

اگر ایک دم سے دین کے تمام احکام پر عمل کرنے کی ہمت نہیں پاتے تو اپنی اس عاجزی اور درماندگی کو انہی کے دربار میں کیوں پیش نہیں کرتے؟ روزانہ تھوڑی دیر یکسُو ہو کر بیٹھو، اپنے حالات کا یہ سارا کچا چٹھا اللہ تعالیٰ کو سُناؤ، اور دل سے مانگو کہ یا اللہ! ان حالات کو تبدیل کر دیجئے، چالیس دن تک یہ کام کر کے دیکھو، کیا سے کیا ہوتا ہے؟

بتاؤ کہ کیا اس کام میں بھی کوئی دشواری ہے؟ اسمیں بھی کوئی مشکل ہے؟ یہ وہ آسان ترین تدبیر ہے جس سے زیادہ آسان کوئی اور تدبیر نہیں ہو سکتی، اگر اس تدبیر پر بھی کوئی عمل نہ کرے تو پھر اُسے دین پر عمل کرنے کی مشکلات کا عذر کرنے کا کیا حق پہنچتا ہے؟

ذرا تصور کرو کہ میدانِ حشر قائم ہے، لوگوں کے اعمال نامے کُھلے ہوئے ہیں، جزا و سزا کا مرحلہ درپیش ہے، تم سے سوال ہوتا ہے کہ تم نے دنیا میں فلاں فلاں اوامر و نواہی کے مطابق کیوں عمل نہیں کیا؟ تم جواب دیتے ہو کہ یا اللہ! میں جس زمانے اور جس ماحول میں پیدا ہوا تھا، وہ شر اور فساد سے بھرا ہوا تھا، اسمیں آپکے دین پر چلنے میں قدم قدم پر رکاوٹیں تھیں، گھر کے ایک ایک فرد سے لیکر ملک اور معاشرے تک، سب مجھے بھٹکانے پر لگے ہوئے تھے، شر و فساد کے اتنے سارے محرّکات کے مقابلے میں میں تنہا تھا، میرے اندر ان کی مدافعت کی طاقت نہ تھی، اس لئے میں مغلوب ہو گیا۔ تم سمجھتے ہو کہ تمہارا یہ جواب کافی ہو گیا، لیکن کیا اس کے جواب میں یہ سوال نہیں ہو سکتا کہ اگر تم ان سارے محرّکات کے آگے مغلوب تھے تو تم نے ہم سے کیوں مدد نہیں مانگی؟ کیا تم یہ سمجھتے تھے کہ تمہاری طرح معاذ اللہ ہماری قدرت کاملہ بھی ان شیطانی طاقتوں کے اثرات کو تم سے ختم نہیں کر سکے گی، ہم نے اپنے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے تم تک اپنا کلام پہنچایا تھا، یہ کلام جگہ جگہ ان ارشادات سے بھرا ہوا ہے کہ "انّ اللہ علی کل شیٔ قدیر" (بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے) "انّ اللہ بکل شیٔ محیط" (بیشک اللہ ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے)

یہ اعلانات آخر کس لیے تھے؟ اسی لئے تو تھے کہ تم ان کا واسطہ دے کر اپنی مشکلات ہمارے سامنے پیش کرو، ہم نے تو اپنے کلام کے آغاز ہی میں تمہیں یہ گُر سکھا دیا تھا کہ جب کبھی تمہیں مغلوبیت محسوس ہو، جب کبھی اپنے آپ کو بے آسرا پاؤ تو فوراً ہمارے پاس آجاؤ، ہم سے رجوع کرو۔ ہم نے تو رجوع کرنے کا طریقہ بھی تمہیں بتا دیا تھا۔ تمہاری اپنی طرف سے الفاظ تک بنا کر تمہیں سکھا دیئے تھے کہ:

اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ
اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ

تم نے اس بے پایاں رحمت کی کیا قدر کی؟ کتنی مرتبہ سچے دل سے ہماری طرف رجوع کیا؟ کب ہم سے کہا کہ تم واقعی نفس و شیطان کے غلبے سے نجات پانا چاہتے ہو؟ اگر نہیں کہا تو بتاؤ تمہارے پاس کیا عذر ہے؟

سوچیے کہ اگر میدانِ حشر میں ہم سے یہ سوال ہو تو اس کا ہمارے پاس کیا جواب ہو سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ کا شکر کرو کہ ابھی سوال و جواب کا یہ مرحلہ پیش نہیں آیا، ابھی مہلت ملی ہوئی ہے، اور ہاتھ پاؤں، آنکھ، کان، ناک، زبان کام کر رہے ہیں لیکن ؏

تم آج ہوا سمجھو، جو روزِ جزا ہوگا

اس وقت کو غنیمت جانو، اور روزِ جزا کے اس سوال کو مستحضر کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہو جاؤ، روزانہ تھوڑا سا وقت، دس منٹ، پندرہ منٹ دوسرے کام دھندوں سے ذہن کو فارغ کر کے بیٹھ جاؤ۔ اور اس میں اپنی ساری مشکلات اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کرو، دل سے مستحضر کر کے کہو: "یا ارحم الراحمین، یا مالک یوم الدین، ایاک نعبد و ایاک نستعین۔ اھدنا الصراط المستقیم، اور پھر جو کچھ دشواریاں عملی زندگی میں پیش آتی ہیں۔ وہ سب اللہ تعالیٰ کے حضور بیان کرو، اور انہی کی قدرت کاملہ اور رحمتِ واسعہ کا واسطہ دے کر دعا مانگو کہ یا اللہ! ان تمام مشکلات کو آسان فرما دیجیے، یہ کام کچھ دن پابندی سے کرو، پھر دیکھو، کیا مشکل باقی رہتی ہے؟

یہ نسخہ تو بہت ہی آسان ہے۔ لیکن ع

دشوار تو یہی ہے کہ دشوار بھی نہیں

عام طور سے لوگ اسے آسان سمجھ کر ٹلاتے رہتے ہیں، سوچتے ہیں کہ گُر تو بہت اچھا معلوم ہوگیا ہے، کل سے اس پر عمل کریں گے، کل کو پھر یہی سوچتے ہیں کہ آئندہ کل سے کریں گے۔ یہاں تک کہ عملاً یہ "کل" کبھی نہیں آتی۔ لہٰذا علاج یہ ہے کہ جب یہ گرانقدر نسخہ ہاتھ آگیا تو اسے کل تک مت ٹلاؤ، خدا جانے کل تک زندگی ہے کہ نہیں؟ زندگی ہے تو موقع ہے کہ نہیں؟ موقع ہے تو وہ جذبہ ہے کہ نہیں۔ جو اس وقت محسوس ہو رہا ہے؟ اس لئے ٹلانے کے بجائے آج ہی شروع کردو، اور پابندی سے شروع کردو، انشاء اللہ ضرور نفع ہوگا

دعائے یونس علیہ السلام اور ظلماتِ دہر

فرمایا کہ قرآنِ کریم میں حضرت یونس علیہ السلام کا واقعہ مذکور ہے کہ جب مچھلی انہیں نگل گئی تو انہوں نے مچھلی کے پیٹ کی تاریکیوں میں اللہ تعالیٰ کو پکارا،

فَنَادٰی فِی الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ
سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ۝

"پس انہوں نے ظلمتوں کے درمیان پکارا کہ آپ کے سوا کوئی معبود نہیں، بلاشبہ میں ظلم کرنے والوں میں سے تھا۔"

باری تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان کی اس پکار کا نتیجہ یہ ہوا کہ:

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَ نَجَّیْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ

پس ہم نے انکی پکار سُنی اور انکو گھٹن سے نجات دیدی۔

یہ واقعہ بیان کرنے کے فوراً بعد باری تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

وَكَذٰلِكَ نُنْجِی الْمُؤْمِنِیْنَ

اور اسی طرح ہم مومنوں کو نجات دیتے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یونس علیہ السلام کا یہ واقعہ بیان کرتے کرتے یہ کیا

فرمادیا کہ "ہم مومنوں کو اس طرح نجات دیتے ہیں" ؟ کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ دوسرے مومن بھی مچھلی کے پیٹ میں جائیں گے، اور وہیں کی تاریکیوں میں ہمیں پکاریں گے تو ہم انہیں نجات عطا فرمائیں گے، ظاہر بات ہے کہ مچھلی کے پیٹ میں چلا جانا تو ایک انفرادی واقعہ تھا جو خرقِ عادت کے طور پر پیش آیا تھا، تمام مومنوں کے ساتھ تو بعینہٖ یہی واقعہ پیش نہیں آسکتا۔

دوسری طرف یہ بھی اپنی جگہ ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ قرآنِ کریم قیامت تک آنیوالے تمام انسانوں کیلئے ذریعۂ ہدایت ہے، اور اسمیں جتنے واقعات بیان ہوئے ہیں، وہ محض قصہ گوئی یا تاریخ بتانے کے لئے بیان نہیں ہوئے۔ بلکہ اس لئے بیان ہوئے ہیں کہ قیامت تک ان سے فائدہ اُٹھایا جائے۔ بالخصوص جبکہ قرآنِ کریم خود واقعہ بیان کرنے کے بعد تمام مومنوں سے یہ فرمارہا ہو کہ ایسا ہی واقعہ تمہارے ساتھ بھی پیش آسکتا ہے۔

اب "ایسا ہی واقعہ پیش آنے" کا مطلب یہ تو ہو نہیں سکتا کہ سب مومنین مچھلی کے پیٹ میں جائیں۔ لہٰذا مطلب یہ ہے کہ ہر مومن کو اپنی زندگی میں طرح طرح کی ظلمتوں سے واسطہ پیش آسکتا ہے۔ نفسانی خواہشات کی ظلمتیں، شیطانی وساوس کی ظلمتیں، حالات اور ماحول کی ظلمتیں غرض بے شمار قسم کی ظلمتیں ہیں جو مومن کو اپنی زندگی میں پیش آسکتی ہیں۔ قرآن کریم کے اس ارشاد سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ان بے شمار ظلمتوں میں سے جو ظلمت بھی تمہارے سامنے آئے، تم حضرت یونس علیہ السلام کی سنّت پر عمل کر کے ہمیں پکارو "لَا اِلٰہَ اِلَّا انت سبحٰنک اِنی کنت من الظّالمین"، اس پکار کے نتیجے میں تمہیں بھی اسی طرح ظلمتوں سے نجات ملیگی جس طرح حضرت یونس علیہ السلام کو ملی تھی۔

اگر ہم اپنے چاروں طرف نظر دوڑائیں تو طرح طرح کی ظلمتوں میں گھرے ہوئے ہیں، فسق وفجور اور بداعمالیوں کا بازار گرم ہے۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اور ان کے احکام وتعلیمات سے غفلت بڑھتی جارہی ہے، بے حیائی، بے غیرتی اور بد اخلاقی کا سیلاب چڑھا ہوا ہے، پوری ڈھٹائی اور سینہ زوری کے ساتھ گناہوں اور معصیتوں کا ارتکاب ہو رہا ہے، نوبت گناہ اور معصیت سے گذر کر (معاذ اللہ) ارتداد والحاد اور قرآن وسنّت کے احکام سے کھلی بغاوت تک پہنچ رہی ہے۔

ان میں سے ہر چیز ایک خوفناک ظلمت ہے، طاغوت کی قوتیں ان ظلمتوں کو ہمارے درمیان فروغ دے رہی ہیں اور انسانوں کو دھکیل دھکیل کر ان ظلمتوں کی طرف لے جا رہی ہیں، جیسا کہ خود قرآن کریم کا ارشاد ہے :۔

اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْا اَوْلِیَاءُ ھُمُ الطَّاغُوْتُ
یُخْرِجُوْنَھُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَی الظُّلُمٰتِ ٥

جو لوگ کفر کرتے ہیں، ان کے سرپرست شیطان ہیں
جو انہیں روشنی سے ظلمتوں کی طرف لیجاتے ہیں۔

ہم ان خونی ظلمتوں کے درمیان بُری طرح گھرے ہوئے ہیں۔ اور انہی ظلمتوں کا ایک اثر یہ بھی ہے کہ ان کے غلبے سے متاثر ہوکر مایوس ہونے لگتے ہیں کہ ان تاریکیوں کا مقابلہ ہمارے بس کی بات نہیں، چنانچہ اس مایوسی کے نتیجے میں ان ظلمتوں سے مانوس ہونے لگتے ہیں، ان کے تاریکی ہونے کا احساس کم ہونے لگتا ہے، لیکن ان حالات میں صحیح راہِ عمل خود قرآنِ کریم نے بتا دی ہے۔ اور وہ یہ کہ ایسے حالات میں وہی کام کرو جو حضرت یونس علیہ السلام نے کیا تھا وہ مچھلی کے پیٹ کی تاریکیوں میں گھر گئے تھے، وہاں سے انہوں نے اللہ تعالیٰ کو پکارا تھا۔ تم اس وسیع و عریض دنیا کی لامتناہی تاریکیوں میں گھرے ہوئے ہو، تم بھی ایسے میں اللہ ہی کو پکارو لا إلٰہ إلّا انت سبحٰنك اِنّی کنت مِن الظّالمین۔ اللہ تعالیٰ ہی ان تمام ظلمتوں کے خالق ہیں، اور وہی تمہارے پروردگار ہیں، انہی سے کہو کہ یہ ظلمتیں ہم سے برداشت نہیں ہوتیں، ہم ان تاریکیوں سے مغلوب ہوئے جا رہے ہیں، ہمیں اپنی پناہ میں لیکر ان کے شر سے بچا لیجیے۔ ہم خود اپنی جانوں پر ظلم کرکے ان ظلمتوں میں گرفتار ہوئے ہیں اگر آپ نے ہمیں ان سے نہ نکالا تو ہم تباہ ہو جائیں گے، آپ اپنی قدرتِ کاملہ اور رحمتِ واسعہ سے کام لیکر ہمیں ان اندھیروں سے نکال لیجیے۔

جب تم حضرت یونس علیہ السلام کی طرح اپنی بیچارگی، بے وسیلگی، عاجزی، درماندگی اور ندامتِ قلب کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو پکاروگے تو یقیناً تمہاری پکار سُنی جائیگی، اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی نگہبانی میں لے لیں گے، انہوں نے تو خود فرمایا ہے کہ :

اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ آمَنُوْا یُخْرِجُھُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ

اللہ نگہبان ہے ان کا جو اس پر ایمان لائے ہیں، وہ ان کو تاریکیوں
سے نور کی طرف نکالتا ہے۔

جب وہ نگہبان بن جائیں گے تو پھر کیسی ظلمت؟ اور کیسی تاریکی؟ پھر دیکھو کہ زندگی میں کیسا نور ہی نور پیدا ہوتا ہے؟ بس یہ سبق ہے جو اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے مل رہا ہے کہ

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَنَجَّیْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ
وَكَذٰلِكَ نُنْجِی الْمُؤْمِنِیْنَ

لہٰذا زمانہ کتنا خراب ہو جائے، حالات کتنے بگڑ جائیں، تاریکیاں کتنی مسلط ہو جائیں قرآنِ کریم کی بتائی ہوئی یہ تدبیر قیامت تک کے لئے ہے، ہر انسان کے لئے ہے، ہر ماحول کے لئے ہے اور اس کے ذریعہ ہم برے سے برے حالات میں تسکین حاصل کر سکتے ہیں، ایک مومن کے لئے تسلّی اور تسکین کا اس سے بڑا سامان کیا ہو سکتا ہے کہ باری تعالیٰ خود وعدہ فرمائیں کہ جب اور جس حال میں ہمیں پکارو گے ہم تمہیں ظلمتوں سے نجات بخشیں گے، اور تمہیں نُور کی طرف لے جائیں گے۔

کلمۂ طیّبہ اور بداعمالیوں کا سیلاب

فرمایا کہ اردو کے مشہور شاعر مرزا غالبؔ کا ایک شعر ہے ؎

کون ہوتا ہے حریفِ مئے مرد افگنِ عشق
ہے مکرّر لبِ ساقی پہ صلا میرے بعد

اس شعر کا صحیح مطلب اُس وقت تک سمجھ میں نہیں آسکتا جبتک اس کا پہلا مصرعہ دو مرتبہ مختلف لہجوں سے نہ پڑھا جائے۔ ساقی کے لبوں پر اس صدا کے مکرّر آنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ پہلا مصرع دو مرتبہ دو مختلف لہجوں سے پڑھتا ہے۔ پہلی مرتبہ یہ مصرع ایک سوال ہے، اور دوسری مرتبہ ذرا لہجہ بدل کر پڑھا جائے تو یہی مصرعہ اس سوال کا جواب ہے، پہلی مرتبہ وہ جب یہ کہتا ہے کہ:

کون ہوتا ہے حریف مئے مرد افگنِ عشق ؟

تو یہ ایک سوال اور استفہام ہے ، ایک چیلنج ہے ، ایک دعوت ہے کہ کوئی ہو تو سامنے آئے لیکن جب اس سوال کے جواب میں کوئی آگے نہیں بڑھتا تو وہ یہی مصرع لہجہ بدل کر دہراتا ہے کہ ؏

کون ہوتا ہے حریفِ مئے مرد افگنِ عشق !

اس مرتبہ یہ استفہام انکاری ہے ، اور اس کا مقصد سوال کرنا نہیں ۔ بلکہ یہ بتانا ہے کہ اب کوئی شخص ایسا موجود نہیں ہے جو " حریف مئے مرد افگنِ عشق " بن سکے ۔ یہاں " کون ہوتا ہے " اسی معنی میں ہے جس معنی میں ہم اکثر بولتے ہیں کہ " اپنی جان کون قربان کرتا ہے ! " مطلب یہ کہ کوئی قربان نہیں کرتا ۔ غرض یہ کہ پہلی مرتبہ پڑھنے میں یہ مصرع ایک سوال ہے ، اور دوسری مرتبہ میں اسی سوال کا جواب بھی ہے ۔ اور شاعر کا کہنا ہے کہ میرے بعد ساقی کے لبوں پر بار بار یہی فقرہ آتا ہے ، کبھی سوال کی صورت میں اور کبھی استفہامِ انکاری اور جواب کی صورت میں ۔

میں عرض کرتا ہوں کہ اسی طرح جب دنیا میں پھیلے ہوئے فتنے فساد ، بداعمالیوں ، گمراہیوں ، بے حیائی ، بے شرمی ، عریانی ، فحاشی اور معاشرتی بگاڑ کا تصور آئے تو کلمۂ طیبہ لا إله إلا الله بار بار مختلف معنوں کے تصور کے ساتھ پڑھنا چاہیے ۔

آپ جب تصور کریں کہ دنیا میں بداعمالیوں کا سیلاب آیا ہوا ہے ، معاشرہ خراب ہو چکا ہے ، اخلاق و اعمال تباہ ہو رہے ہیں ، دشمنوں کی ریشہ دوانیوں سے پورا معاشرہ متأثر اور زوال پذیر ہے ، دفتروں میں بدنظمی اور رشوت ستانی کا بازار گرم ہے ، بازار دھوکے فریب سے بھرے ہوئے ہیں ، گھروں اور خاندانوں میں لڑائیاں ہو رہی ہیں ، اولاد ماں باپ سے باغی ہو رہی ہے ، غرض چاروں طرف بگاڑ ہی بگاڑ پھیلا ہوا ہے تو دل میں سوال کیجیے کہ یہ سب کچھ کس کی مشیت سے ہو رہا ہے ؟ اب جواباً کہیے کہ :

لا إله إلا الله

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں

یعنی اس عالمِ کائنات میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی متصرف نہیں ۔ یہاں کوئی کام ان کی مشیت کے بغیر نہیں ہوتا ۔ کسی کی مجال نہیں ہے کہ وہ اُن کی مشیت کے بغیر کچھ کر سکے ، لہٰذا جو کچھ

ہو رہا ہے اُنہی کی مشیت سے ہو رہا ہے، اس مرتبہ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰه کے ساتھ یہ تصور کیجئے کہ اس بگاڑ کے اسباب اور حکمتیں خواہ کچھ ہوں۔ لیکن تمام واقعاتِ عالم میں متصرف تنہا وہی ہیں ان کے سوا کوئی متصرف نہیں۔

اب دوسرا سوال ذہن میں قائم کیجئے کہ اِس بگاڑ کو دور کون کریگا؟ اس کے شر سے ہمیں کون بچائے گا؟ اسکی فتنہ سامانیوں سے ہماری حفاظت کون کرے گا؟ اس سوال کے جواب میں دوبارہ کہیئے کہ:

لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰه

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں

یعنی اس بگاڑ سے ہمیں بچانے والا بھی سوائے اللہ کے اور کوئی نہیں ہے۔ بچنے کا اگر کوئی راستہ ہے تو وہ بھی انہی کی پناہ میں ہے۔ لہٰذا اگر اس فساد کو اجتماعی طور پر دُور کرنا چاہتے ہو تو اجتماعی طور پر انہی کی پناہ مانگو، اور اگر اس کے اثرات سے انفرادی طور پر محفوظ رہنا چاہتے ہو تب بھی انہی سے پناہ طلب کرو، انہی کو پکارو کہ یا اللہ! اس شر و فساد کے سیلاب سے مجھے بچا لیجئے، میرے گھر والوں کو بچا لیجئے، میرے عزیز و اقارب اور دوستوں کو بچا لیجئے، میرے شہر، میرے ملک، میرے وطن اور تمام مسلمانوں کو بچا لیجئے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگو گے تو انشاء اللہ ضرور پناہ ملیگی۔

آتشِ نمرود اور گناہوں کی آگ

فرمایا کہ ایک دن میں سوچ رہا تھا کہ دنیا میں جو بداعمالیاں، نافرمانیاں، معصیتیں اور گناہ جیسے ہو رہے ہیں، اگر حقیقت بیں نگاہوں سے دیکھا جائے تو ان میں سے ہر عمل ایک آگ ہے، قرآن و حدیث میں بھی بعض گناہوں کو آگ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ مثلاً جو لوگ یتیموں کا مال ناحق کھاتے ہیں۔ ان کے بارے میں قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ وہ آگ کھا رہے ہیں، حدیث میں جھوٹی گواہی پیش کر کے دوسرے کے مال پر قبضہ جمانے والے کو وعید سُنائی گئی ہے کہ جو مال اس ناجائز طریقے سے حاصل کیا گیا ہو وہ آگ کا ایک ٹکڑا ہے۔ ان ارشادات

کا یہ مطلب تو ہے ہی کہ یہ اعمال آخرت میں آتشِ جہنّم کے مستوجب ہونگے۔ لیکن بعض حضرات نے اس کا مطلب یہ بھی بتایا ہے کہ یہ سارے گناہ دنیا میں بھی اپنی صورتِ مثالیہ کے اعتبار سے آگ ہیں۔

یہ تو اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ دنیا میں ہمیں یہ آگ محسوس نہیں ہوتی، جبتک آخرت کی منزل نہیں آتی۔ اللہ تعالیٰ اس دنیا کا کاروبار باقی رکھنا چاہتے ہیں، اس لئے اس آگ کا احساس ہم سے ختم کر دیا گیا ہے۔ اگر دنیوی زندگی کا سوئچ بند کر دیا جائے تو بداعمالیوں کی یہ آگ جو دنیا کی رگ و پے میں سرایت کئے ہوئے ہیں، پوری دنیا کو ایک شعلہ بنا کر بھسم کر ڈالے۔ لیکن جبتک کاروبارِ زندگی چل رہا ہے، یہ آگ محسوس اور مشاہَد نہیں ہوتی، مگر معنوی طور پر موجود ہے۔

غرض میں سوچ رہا تھا کہ جب ہم اس آگ سے بیچوں بیچ بیٹھے ہیں تو یہ کیسے ممکن ہے کہ اس آگ کے اثرات ہم تک نہ پہنچیں، اور ہم اسکی تپش اور سوزش سے بالکل محفوظ رہیں؟ جواب میں ذہن فوراً حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعے کی طرف منتقل ہوا کہ اُن کے لئے تو ایک محسوس اور مشاہَد مادّی آگ سُلگائی گئی تھی، اور انہیں باقاعدہ اسمیں ڈال دیا گیا تھا، لیکن چونکہ اُن کی لَو اللہ تعالیٰ سے لگی ہوئی تھی، وہ اللہ تعالیٰ کی پناہ میں تھے، اس لئے آتشِ نمرود کا دہکتا ہوا الاؤ ان کا کچھ نہ بگاڑ سکا، آگ کے خالق نے حکم دیدیا کہ:

یَا نَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلَامًا عَلٰٓی اِبْرَاھِیْمَ

اے آگ! ٹھنڈی ہو کر ابراہیم کے لئے سلامتی کا سبب بن جا

نتیجہ یہ کہ یہ دہکتا ہوا الاؤ اُن کے لئے گلزار بن گیا، اور وہ اس آگ کے عین درمیان بھی اسکی تپش سے محفوظ رہے۔

ہم بھی بحمد اللہ ملّتِ ابراہیمی میں داخل ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان کی اقتدا کا حکم دیا ہے، لہٰذا اگر ہمارے چاروں طرف بداعمالیوں کی آتشِ نمرود سُلگی ہوئی ہے تو گھبرانے کی کیا بات ہے؟ اس معنوی آگ کے خالق بھی وہی ہیں جو آتشِ نمرود کے خالق تھے، انکی قدرتِ کاملہ میں بھی کوئی فرق نہیں آیا، اپنی طرف رجوع کرنے والے بندوں کے ساتھ اُن کی رحمتِ کاملہ کا معاملہ بھی وہی ہے، پھر ہم اس آگ کے درمیان بیٹھ کر انہی کو پکاریں اور انکی پناہ طلب

کریں تو یہ معنوی آگ ہمارے لئے بھی بے ضرر بن سکتی ہے۔ اور یہ جو ہمیں حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے آگ میں ڈالے جانے کا واقعہ اس اہتمام سے سُنایا جا رہا ہے، کیا بعید ہے کہ اس کا ایک منشا یہ بھی ہو کہ ہم اپنے ماحول اور اپنے حالات کی آگ میں اس سے ہدایت حاصل کریں، اور اللہ تعالیٰ ہی طرف رجوع کریں۔

اس تصوّر سے بحمد اللہ بڑی تسکین اور تسلّی ہوئی۔

اللہ کے دین کیلئے انتخاب

فرمایا کہ قرآن کریم میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَللّٰہُ یَجْتَبِیْٓ اِلَیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَیَھْدِیْٓ اِلَیْہِ مَنْ یُّنِیْبُ

اس آیت کا ترجمہ عام طور سے یہ کیا جاتا ہے کہ:

" اللہ تعالیٰ چُن کر اپنی طرف بُلا لیتا ہے جسکو چاہتا ہے اور اپنی طرف ہدایت بخشتا ہے اس کو جو اسکی طرف رجوع کرتا ہے،،

اس آیت کا دوسرا حصّہ تو بالکل واضح ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے اور اس سے ہدایت مانگتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو ہدایت عطا فرما دیتے ہیں۔ البتہ پہلے حصّے کے مذکورہ بالا ترجمے کے مطابق آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ از خود جس کو چاہتے ہیں، اپنے لئے اور اپنے دین کے لئے چُن لیتے ہیں۔

لیکن اس پہلے حصّے کا ایک ترجمہ یہ بھی ہو سکتا ہے:۔

" اللہ تعالیٰ چُن کر اپنی طرف بُلا لیتا ہے اُس کو جو چاہتا ہے (کہ اُسے چُن لیا جائے)،،

عربی قواعد کے رُو سے اگر " یشاء،، کی ضمیر کو اللہ تعالیٰ کی طرف راجع کیا جائے تو پہلے معنیٰ ہوں گے۔ اور " من،، کی طرف راجع کیا جائے تو دوسرے معنیٰ۔

اور دونوں معنیٰ واقعے کے مطابق ہیں۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ از خود اپنے کسی بندے کو اپنے لئے اور اپنے دین کے لئے منتخب فرما لیتے ہیں، اور اُس سے

اپنے دین کا کام لیتے ہیں۔ اس طرح دین کیلئے منتخب ہو جانا تو غیر اختیاری ہے، اسمیں بندے کے اپنے اختیار کو کوئی دخل نہیں، جیسے انبیاء علیہم السلام کو اسی طرح دین کیلئے چُن لیا جاتا ہے اور بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ سے رجوع کر کے چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُسے اپنے دین کے لئے چُن لیں۔ وہ اپنی اس خواہش کا اظہار دُعا کی صورت میں اللہ تعالیٰ سے کرتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اسکی دُعا قبول فرماتے ہیں، اور اس کو بھی اپنے دین کے لئے منتخب فرمالیتے ہیں اور آیت کے دوسرے حصّے میں صرف اسی صورت کا بیان ہے کہ جو اللہ تعالیٰ سے رجوع کرتا ہے اُسے ھدایت دیجاتی ہے۔

بہر صورت! اس آیتِ کریمہ میں یہ وعدہ فرمایا گیا ہے کہ جب تم اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرو گے، اور دل سے چاہو گے کہ تمہیں ھدایت ملے، اور اللہ کے دین پر عمل کی توفیق ہو تو اللہ تعالیٰ ضرور ہدایت فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کے اس وعدے میں تخلف ممکن نہیں۔

لہٰذا اگر دین پر عمل کی توفیق نہیں ہو رہی تو اسکی وجہ صرف یہ ہے کہ تم نے دل سے چاہا ہی نہیں، اور اپنی یہ سچی خواہش لیکر کبھی اللہ تعالیٰ سے رجوع ہی نہیں کیا، جس دن صدق دل سے اس کام کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرلوگے، ہدایت مل جائیگی۔

واضح رہے کہ محض سرسری طور پر آرزو کے اظہار کا نام خواہش اور چاہنا نہیں۔ بلکہ "چاھنے" اور "اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے" کا مطلب یہ ہے کہ اپنے قلب وذہن کو پوری طرح آمادہ کر کے اللہ تعالیٰ سے اس طرح ھدایت مانگو جس طرح بیماری کی حالت میں صحت مانگتے ہو، مفلسی کی حالت میں خوشحالی مانگتے ہو، کہ یہ بات ذہن میں طے ہوتی ہے کہ ہماری موجودہ حالت بیماری یا مفلسی کی حالت ہے، اور اس سے ہم نہ خوش ہیں، نہ مطمئن، دوسری طرف جس صحت یا خوشحالی کی دعا کرتے ہیں، اُسے موجودہ حالت سے اچھا سمجھتے ہیں، اور قلب و ذہن کے پورے اشتیاق کے ساتھ اسکی دعا کرتے ہیں۔

اسی طرح پہلے ذہن میں پہلے یہ بات طے ہونی چاہیئے کہ ہماری موجودہ حالت دینی اعتبار سے قابلِ اطمینان نہیں ہے۔ اور دین پر عمل کرنے والی زندگی کی طرف اشتیاق ہونا چاہیئے، اس طرح جب اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرو گے، اور اس سے ہدایت اور توفیق

مانگوگے، اور مانگتے رہوگے، تو ممکن نہیں ہے کہ ہدایت اور توفیق نصیب نہ ہو۔

آندھیاں اور خاکساری

فرمایا کہ ایک مرتبہ ہندوستان میں میں اپنے وطن سے کسی کام کے سلسلے میں ایک دیہات میں گیا۔ راستہ کچا تھا، اور وہاں جانے آنے کے لئے تانگے چلا کرتے تھے۔ اپنے کام سے فارغ ہو کر میں تانگے میں واپس آرہا تھا، راستے میں ایک طویل و عریض صحرا پڑتا تھا۔ تانگے والے نے چلتے چلتے اچانک ایک جگہ تانگہ روک دیا، اور ہم سے کہا کہ تانگے سے اتر جائیں، ہم نے وجہ پوچھی تو اس نے بتایا کہ اس علاقے میں بڑی خوفناک آندھی چلا کرتی ہے جس سے بڑی تباہی مچتی ہے بڑی بڑی وزنی چیزوں کو اُڑالیجاتی ہے، اور آثار سے محسوس ہو رہا ہے کہ وہ آندھی آنیوالی ہے۔

آندھی کی ابتدا ہوئی تو ہم نے ایک قریبی درخت کی آڑ میں پناہ لینی چاہی تو تانگے والے نے چیخ کر کہا کہ درخت کی آڑ میں ہرگز نہ رہیئے، ہم نے وجہ پوچھی تو اس نے کہا کہ اس آندھی میں بڑے بڑے درخت گر جاتے ہیں۔ اس لئے ایسے میں درخت کی پناہ لینا بہت خطرناک ہے۔ ہم نے پوچھا کہ "پھر کیا کرنا چاہیئے؟" تو تانگے والے نے جواب دیا کہ "بس اس آندھی سے بچاؤ کی ایک ہی شکل ہے۔ اور وہ یہ کہ زمین پر اوندھے ہو کر لیٹ جائیے، ہم نے اس کے کہنے پر عمل کیا اور نیچے لیٹ گئے۔ آندھی آئی اور بہت زور سے آئی، جھاڑیوں اور ٹیلوں تک کو اُڑالیگئی۔ لیکن یہ سارا طوفان ہمارے اُوپر سے گذر گیا، اور بحمد اللہ ہمارا بال بیکا نہیں ہوا۔ تھوڑی دیر میں آندھی ختم ہو گئی تو دیکھا کہ سطح پر سکون ہی سکون ہے ہم نے زمین سے اُٹھ کر اپنی راہ لی۔

یہ واقعہ تو ہونے کو ہو گیا، لیکن ہم نے اس سے بڑا سبق لیا۔ ہمیں اس واقعے سے سبق یہ ملا کہ وقت کی آندھیوں کا علاج اونچے اونچے سہارے ڈھونڈنے میں نہیں، بلکہ خاکساری اور بندگی کے فرشِ پر جبینِ نیاز ٹیک دینے میں ہے، ہمارے اردگرد اب بھی نہ جانے کتنی خوفناک آندھیاں چل رہی ہیں، جو ہمارے دین و دانش کی ساری متاع اُڑالیجانے کی فکر میں ہیں۔ ان آندھیوں سے بچنے کا ایک ہی راستہ ہے، اور وہ یہ کہ انسان عاجزی، فروتنی۔ خاکساری اور بیچارگی لیکر اللہ تعالیٰ کے حضور سربسجود ہو جائے، انہی سے کہے کہ یا اللہ، میں ان آندھیوں کا مقابلہ نہیں کر سکونگا

اپنے فضل و کرم سے آپ ہی مدد فرمائیے۔ اور ان کے شر سے مجھے بچا لیجئے، اگر یہ کر لیا تو انشاء اللہ ساری آندھیاں اوپر ہی اوپر سے گذر جائیں گی، اور تمہارا کچھ بھی نہ بگاڑ سکیں گی تم آندھیوں پر غالب رہو گے، آندھیاں تم پر غالب نہ آ سکیں گی ؎

تصور عرش پر ہے، وقفِ سجدہ ہے جبیں میری
مرا پھر پوچھنا کیا؟ آسماں میرا، زمیں میری

شیطان اور اس کا تریاق

فرمایا کہ انسان خطاؤں کا پُتلا ہے۔ بشر کی خاصیت ہی یہ ہے کہ اسمیں نیکی کے ساتھ ساتھ غلطیوں، خطاؤں اور گناہوں کی صلاحیت بھی ودیعت کی گئی ہے، قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ:

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰاهَا فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰاهَا

"قسم ہے نفس کی اور اُس کی جس نے اسے قاعدے میں بنایا،
اور اسکے دل میں گناہ اور تقویٰ دونوں کی باتیں ڈال دیں۔"

اس سے معلوم ہوا کہ بشر کو قاعدے کے مطابق ٹھیک ٹھیک بنانے ہی کا ایک حصّہ یہ ہے کہ اسمیں گناہ اور تقویٰ دونوں کی صلاحیتیں رکھدی گئی ہیں، اگر اس میں صرف نیکی کی صلاحیت رکھی جاتی۔ گناہ کی نہ رکھی جاتی تو وہ بشر نہ ہوتا، فرشتہ بن جاتا۔

دوسری طرف ان دونوں قسم کی صلاحیتوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے الگ الگ محرکات بھی پیدا فرمائے۔ نیکی کے محرکات انسان کو عبادت و طاعت، فرمانبرداری اور خیر کے کاموں پر ابھارتے ہیں، اور بدی کے محرکات بدی اور گناہوں کی طرف مائل کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ حکیمِ مطلق ہیں، اور ان کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں، لہٰذا جس طرح نیکی کی صلاحیتوں اور ان کے پیدا کرنے میں حکمت ہے، اسی طرح گناہ کی صلاحیتوں اور ان کے محرکات کی تخلیق بھی عین حکمت پر مبنی ہے۔ دونوں میں سے کوئی حکمت سے خالی نہیں۔

بدی کی صلاحیتوں اور اس کے محرکات کو اس لئے پیدا کیا گیا ہے کہ ان کے بغیر انسان کو "تقویٰ" کا مقامِ بلند حاصل نہیں ہو سکتا۔ جس شخص میں گناہ کی صلاحیت ہی نہ ہو، اگر وہ گناہ نہ کرے تو اسمیں اس کا کیا کمال ہے؟ جو شخص بھوک پیاس کی ضروریات سے

مبرّا ہو۔ اُس کا روزہ بے معنیٰ ہے، جس شخص میں جنسی خواہش کی صلاحیت ہی نہ ہو، اس کے لئے عفّت و عصمت نہ کوئی کمال ہے، نہ وہ اس کے فضائل کا مستحق ہو سکتا ہے۔ بدی کے ان محرکات کا فائدہ یہ ہے کہ جب انسان ہمّت سے کام لیکر ان محرکات پر قابو پاتا ہے۔ اور نیکی کے محرکات کو ان پر غالب کرتا ہے تو اسکی زندگی میں تقویٰ کی شمع روشن ہوتی ہے، اُسے تقویٰ کے فضائل اور اس کے انوار و برکات حاصل ہوتے ہیں، اسی کو مولانا رُوم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

شہوتِ دنیا مثالِ گلخن است
کہ ازو حمّامِ تقویٰ روشن است

پھر بدی کے محرکات کی تخلیق کی حکمت یہیں پر ختم نہیں ہو جاتی بلکہ اس سے بھی آگے انکی ایک اور حکمت ہے جسکی طرف ذہن کم جاتا ہے۔ اور وہ یہ کہ انسان بعض اوقات کوشش کے باوجود بدی اور گناہ کے محرکات کو مغلوب کرنے میں کامیاب نہیں ہوتا، اور اس سے بشری تقاضے کی بنا پر کسی غلطی یا گناہ کا صدور ہو جاتا ہے۔ تو اگر دل میں ایمان ہے، اور گناہ کو گناہ سمجھتا ہے تو اُسے ندامتِ قلب، شکستگی اور عاجزی کے ساتھ توبہ و استغفار کی توفیق ہوتی ہے۔ جس کے نتیجے میں اسکے مقامِ عبدیت میں ترقی ہوتی ہے؛ اور انجامِ کار وہ بندگی کا ایک اور زینہ چڑھ جاتا ہے، بس شرط یہ ہے کہ گناہ کے ساتھ سرکشی اور سینہ زوری نہ ہو، بلکہ گناہ کے گناہ ہونے کا احساس ہو، اور اس پر ندامت موجود ہو۔

نتیجہ یہ ہے کہ ایسے بندے کو اگر گناہ سے بچنے کی توفیق ہوتی ہے تو اسے تقویٰ کا مقام حاصل ہوتا ہے؛ اور اسکے درجات بلند ہوتے ہیں، اور اگر بشری تقاضے سے کوئی غلطی سرزد ہو جائے تو چونکہ وہ ندامت کے ساتھ توبہ و استغفار کرتا ہے تو اس کے ذریعے اسکی عبدیت کے مقام میں ترقی ہوتی ہے، لہٰذا دونوں صورتوں میں اس کا فائدہ ہے، اور گناہوں کی صلاحیت اور ان کے محرکات کی تخلیق اس کے لئے دونوں صورتوں میں بڑی حکمت پر مبنی ہے۔

بہرکیف! اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر "فجور" اور "تقویٰ" دونوں کی صلاحیتیں عین حکمت سے پیدا فرمائی ہیں۔ فجور کے محرکات میں سب سے بڑا محرک شیطان ہے۔ جسکی تخلیق حضرت آدم علیہ السلام سے بھی پہلے ہو گئی تھی، یہ زہر اس لئے پیدا کیا گیا تھا کہ

انسان اس سے بچنے کا اہتمام کرکے "تقویٰ" کا مقام حاصل کرے، لیکن اللہ تعالیٰ کی رحمتِ کاملہ سے یہ بعید تھا کہ وہ زہر پیدا فرمائیں، اور اس کا تریاق نہ بتائیں، اور اس تریاق کا عملی تجربہ نہ کرائیں۔

چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام کو دنیا میں بھیج کر انہیں خلافتِ ارضی کا منصب عطا کرنے سے پہلے جنّت ہی میں اس زہر اور اس کے تریاق کا عملی تجربہ بھی کرایا گیا، شیطان نے آپ کو بہکایا، اس سے آپ نادم اور پریشان ہوئے تو آپ کو استغفار کے وہ کلمات سکھائے گئے جو اس زہر کا تریاق تھے۔

قرآنِ کریم کا ارشاد ہے:۔

فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ

پس آدم (علیہ السلام) نے اپنے پروردگار سے کچھ
کلمات سیکھے، پس اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف فرمادیا۔

یہ کلمات کیا تھے؟ قرآن کریم میں دوسری جگہ بتائے گئے ہیں:

قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا
وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ

ان دونوں (آدم و حوا علیہما السلام) نے کہا کہ اے
ہمارے پروردگار! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا، اور
اگر آپ نے ہماری مغفرت نہ کی اور ہم پر رحم نہ فرمایا
تو ہم خسارہ پانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔

یہ تھا اس زہر کا تریاق، اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمتِ بالغہ اور رحمتِ کاملہ سے حضرت آدم علیہ السلام کو دنیا میں بھیجنے سے پہلے ہی نظری اور عملی دونوں طرح یہ بتا دیا کہ تمہارے ساتھ یہ زہر بھی دنیا میں بھیجا جا رہا ہے، یہ تمہیں قدم قدم پر ڈسنے کی کوشش کریگا۔ اوّل تو رجوع الی اللہ اور ہماری عطا کی ہوئی ہمّت سے اس سے بچنے کی کوشش کرو، لیکن اگر کبھی یہ شیطان تمہیں ڈس ہی لے تو فوراً استغفار اور توبہ کا تریاق استعمال کرلو، اس سے نہ صرف یہ کہ

لہٰذا اس کمزور مکر سے ڈرنے اور گھبرانے کی ضرورت نہیں، ہاں اس سے بچنے کے لئے صحیح تدبیر کی ضرورت ہے، اور یہ تدبیر بھی ہمیں قرآن وسنّت ہی نے بتادی ہے۔

سب سے پہلے تو یہ بات سمجھ لینی چاہیئے کہ شیطان کو شیطان بنانے والی چیز اُس کا تکبّر، اُسکی رعونت اور اُس کی سرکشی ہے، لہٰذا اس کا مقابلہ اللہ تعالیٰ کے حضور عاجزی، شکستگی، فرومائیگی اور خود سپردگی ہی سے کیا جاسکتا ہے، جس کا دوسرا نام "عبدیت" ہے، اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی بندگی اور عبدیت اختیار کر لیگا، جس کے معنیٰ یہ ہیں کہ اپنی "انانیت" کو مٹا کر ہمیشہ اپنے آپ کو اللہ کا بندہ سمجھے گا، اور اپنی ہر مشکل میں انہی کو پکاریگا، اُس پر شیطان کا کوئی جادو نہیں چل سکتا، خود اللہ تعالیٰ نے شیطان سے فرمادیا تھا کہ:۔

إِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْهِمْ سُلْطَانٌ

بلاشبہ میرے "بندوں" پر تجھے کوئی اختیار حاصل نہیں۔

لہٰذا جو شخص واقعی اللہ تعالیٰ کا بندہ بن جائیگا، وہ شیطان کی حدودِ اختیار سے باہر ہے، شیطان خود بھی اس حقیقت کو جانتا ہے، چنانچہ اپنی بہکانے پھسلانے کی طاقت کے حوالے سے اُس نے بڑی ڈینگیں ماریں، اور کہا کہ میں ان سب کو بہکا کر گمراہ کروں گا، لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہدیا کہ:۔

إِلَّا عِبَادَکَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِیْنَ

مگر ان میں سے جو تیرے خالص کئے ہوئے
بندے ہیں، (انہیں نہ بہکا سکونگا)

معلوم ہوا کہ شیطان کے شر سے محفوظ رہنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ انسان مقامِ عبدیت کو اختیار کرلے، اللہ تعالیٰ کے حضور اپنا سرِ نیاز خم کر کے اُس کے ساتھ عبدیت کے رشتے کو مضبوط بنائے، اسی کی طرف رجوع اور انابت کی عادت ڈالے، تو شیطان اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔

ہمارے حضرت حکیم الامّت قدس سرہٗ نے اس سلسلے میں بڑی لطیف بات ارشاد فرمائی، فرمایا کہ شیطان جب اپنے بہکانے کی طاقت کی بنیاد پر اپنے عزائم کا اظہار

کر رہا تھا کہ :-

لآتینھم من بین ایدیھم و من خلفھم
وعن ایمانھم وعن شمائلھم

میں ان (انسانوں) کے پاس ان کے سامنے سے آؤں گا۔
ان کے پیچھے سے آؤں گا، ان کے دائیں سے آؤں گا، اور اُن
کے بائیں سے آؤں گا۔

تو اس نے چار سمتیں تو بیان کر دیں۔ لیکن دو سمتوں کا نام نہیں لیا، یعنی اوپر کی اور نیچے کی، معلوم ہوا کہ ان دو سمتوں سے آنے کی اُسے قدرت نہیں دی گئی۔ لہٰذا اگر کوئی شخص نیچے کی سمت یعنی عبدیت اور فنائیت کو اختیار کر لے، اور اپنا تعلّق اُوپر کی سمت یعنی اللہ تعالیٰ سے جوڑ لے تو شیطان اس پر کبھی حملہ آور نہیں ہو سکتا ؎

تصور عرش پر ہے، وقفِ سجدہ ہے جبیں میری
مرا پھر پوچھنا کیا ہے؟ آسماں میرا، زمیں میری

خلاصہ یہ کہ شیطان کو غیر محدود اختیارات کا مالک سمجھنا بالکل غلط ہے، وہ تو آزمائش کا ایک برائے نام ذریعہ ہے، جس پر قابو پانے کا طریقہ بھی ہمیں بتا دیا گیا ہے کہ مقامِ عبدیت پر آ جاؤ۔ اور یہ مقامِ عبدیت حاصل کرنے کا راستہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کی کثرت ہو، اپنے ہر معاملے میں اسی سے دعا کرنے کی عادت ڈالی جائے، ہر چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی انہی سے مانگی جائے، اور جب کبھی شیطانی اثرات کا ذرا بھی احساس ہو تو فوراً اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کی جائے۔ چنانچہ قرآن کریم کا ارشاد ہے :-

وَاِمَّا یَنْزَغَنَّکَ مِنَ الشَّیْطَانِ نَزْغٌ
فَاسْتَعِذْ بِاللّٰہِ۔

پس اگر تمہیں شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ
محسوس ہو تو اللہ کی پناہ طلب کرو۔

جب وہ خود فرما رہے ہیں کہ ہم سے پناہ طلب کرو، تو گیا وہ طلب کرنے والے کو

شیطان کے سامنے بے یارو مددگار چھوڑ دیں گے؟ ناممکن ہے، محالات میں سے ہے کہ پناہ مانگنے والے کو پناہ نہ دی جائے۔ دی جائیگی۔ اور ضرور دی جائیگی اسمیں تخلّف ممکن نہیں۔

لہٰذا جس شیطان کا حال یہ ہے کہ اسکی ساری طاقت و توانائی، اور اس کی ساری فتنہ فتنہ سامانیاں استعاذے کی ایک پھونک سے اڑ جاتی ہیں تو اندازہ کر لیجیے کہ وہ کس قدر کمزور ہے؟ یہ تو اُس کی طاقت اور حدودِ اختیار کا حال ہوا۔ دوسری طرف اگر بالفرض وہ کسی کو بہکانے میں کامیاب ہو جائے، تو اس کے پیدا کئے ہوئے اثرات اتنے کمزور ہیں کہ وہ ایک توبہ و استغفار سے اس طرح ختم ہو جاتے ہیں کہ جیسے کبھی تھے ہی نہیں۔

مرنا اور جینا اللہ کیلئے

فرمایا کہ قرآن کریم کا ارشاد ہے:۔

قُلْ اِنَّ صَلاَتِیْ وَنُسُکِیْ وَ مَحْیَایَ
وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

آپ کہدیجئے کہ میری نماز، میری عبادت، میرا جینا
اور میرا مرنا اللہ کیلئے ہے جو پروردگار ہے تمام جہانوں کا۔

اللہ تعالیٰ نے یہ بات کہنے کا حکم نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کو دیا ہے، اور آپ کے واسطے سے تمام مسلمانوں کو۔ ظاہر ہے کہ ان الفاظ کو زبان سے ادا کرنے کا جو حکم دیا ہے وہ فضول اور بے فائدہ نہیں ہو سکتا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ کو یہ منظور معلوم ہوتا ہے کہ جو بندہ یہ بات کہیگا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسکی مدد کی جائیگی۔

لہٰذا یہ بات سمجھ میں آئی کہ ہر روز صبح کو بیدار ہونے کے بعد انسان سچّے دل سے یہ کہہ لے کہ "انّ صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ ربّ العالمین" اور دل میں یہ پختہ عزم کر لے کہ دن میں جو کوئی کام کروں گا، اللہ کے لئے کروں گا، اور اس کا مقصد اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل اور اسکی خوشنودی کا حصول ہوگا، اور یہ عزم کر لینا اس لئے مشکل نہیں کہ اس سے زندگی کے کسی ضروری کام میں رکاوٹ پیدا نہیں

ہوتی۔ جن کاموں کو دنیا کے کام کہا جاتا ہے، مثلاً کھانا پینا، روزی کمانا، بیوی بچوں سے ہنسنا بولنا، رشتہ داروں اور دوستوں سے ملاقات کرنا، یہ سارے کام اللہ کے لیے ہو سکتے ہیں، بس شرط یہ ہے کہ یہ کام غفلت کی حالت میں محض نفسانی خواہش کی تکمیل کے لیے انجام نہ دیئے جائیں۔ بلکہ انہیں انجام دیتے وقت نیت یہ ہو کہ یہ تمام حقوق ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ہی ہمارے ذمے عائد فرمائے ہیں۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر عمل کر کے دکھایا ہے، لہٰذا ہم یہ کام اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت کی اتباع میں انجام دے رہے ہیں بس یہ نیت کر لی تو یہ سارے کام اللہ کے لیے ہو گئے۔

الحمد للہ، مدّتِ دراز تک میں نے اپنے شیخ رح کے فیض سے اس بات کی مشق کی ہے کہ ہر کام اطاعتِ خداوندی اور اتباعِ سنّت کی نیت سے کیا جائے، اور مشق کا طریقہ یہ اختیار کیا کہ اچھا کھانا سامنے آیا، بھوک لگی ہوئی ہے، کھانے کو دل چاہ رہا ہے، لیکن ایک لمحے کے لیے رُک گیا کیا ہم یہ کھانا محض نفس کی خواہش پوری کرنے کے لیے نہیں کھائیں گے۔ پھر دوسرے ہی لمحے تصوّر کیا کہ اللہ تعالیٰ نے نفس کا بھی ہم پر حق رکھا ہے کہ اسکی ضروریات پوری کریں، اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت بھی یہ ہے کہ آپؐ کے سامنے کوئی نعمت آتی تو شکر ادا فرماتے، اور اسکی قدر فرماتے تھے۔ لہٰذا اب اطاعتِ خداوندی اور اتباعِ سنّت کی نیت سے کھائیں گے۔

اسی طرح گھر میں داخل ہوئے، گھر میں بچہ ہنستا کھیلتا نظر آیا، اچھا معلوم ہوا، اور بیساختہ دل چاہا کہ کچھ دیر اس کو گود میں لے کر اس سے دل بہلائیں، لیکن ایک لمحے کے لیے رُک گیا کہ محض نفس کی خواہش کی بناء پر بچے سے نہیں کھیلیں گے، پھر دوسرے ہی لمحے تصوّر کیا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت یہ تھی کہ آپؐ بچوں سے پیار فرماتے تھے، انہیں گود میں اُٹھا لیا کرتے تھے، اس تصوّر کے بعد اس سنّت کی اتباع کی نیت سے بچے کو گود میں اُٹھائیں گے۔

اسی طرح عزیز رشتہ دار یا دوست احباب سامنے آئے، دل چاہا کہ ان کے ساتھ کچھ وقت خوش طبعی میں گذارا جائے، مگر ایک لمحے کے لیے رُک گیا کہ یہ کام محض نفسانی

خواہش پوری کرنے کے لئے نہیں کرینگے۔ پھر وہی تصوّر کیا کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم عزیزوں رشتہ داروں کے حقوق ادا فرماتے تھے، ان سے بشاشت کے ساتھ ملتے تھے، اس تصوّر کے بعد اتبّاعِ سنّت کی نیت سے ان سے ملیں گے۔

غرض دنیا کا کوئی جائز کام، یہاں تک کہ تفریح اور خوش طبعی بھی، ایسا نہیں ہے کہ جسمیں اطاعتِ خداوندی اور اتباعِ سنّت کی نیّت نہ کی جا سکتی ہو، بس یہ نیّت کرلی تو وہی کام جو بظاہر دنیوی کام تھا، اللہ کے لئے ہو گیا۔

اور اس نیّت کا ایک لازمی اثر اور فائدہ یہ ہو گا کہ انسان جب اس کام کو اتبّاعِ سنّت کی نیّت سے انجام دینے کا سچّا ارادہ کرلیتا ہے تو یہ نیّت اُسے حدود کے باہر جانے سے بچائیگی، اور کسی مرحلے پر وہ حدود سے باھر نکلنے لگے گا تو دل میں یہ خلش پیدا ہوگی کہ میں نے تو یہ کام اللہ کے لئے اور اللہ کے رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم کی اتباع کے لئے شروع کیا تھا، لہٰذا سنّت کی حدود سے باہر نہ نکلنا چاہیئے۔

جب یہ ثابت ہو گیا کہ انسان اپنی زندگی کا ہر ضروری، بلکہ جائز کام بھی اللہ تعالیٰ کیلئے کرسکتا ہے تو صبح کو کام شروع کرنے سے پہلے یہ نیّت اور عزم کرلیجئے کہ میں جو کام کرونگا اللہ کے لئے کروں گا، اس عزم کو بار بار ذھن میں دھرا لیجئے، اور پھر دُعا کیجئے کہ یا اللہ! میں نے اپنی طرف سے تو یہ عزم کرلیا ہے، لیکن میں کیا؟ اور میرا عزم وارادہ کیا؟ میں انتہائی کمزور ہوں، میرے عزائم اور ارادے ضعیف ہیں، میرا ان پر از خود ثابت قدم رہنا میرے بس سے باہر ہے، آپ اپنے فضل وکرم سے مجھے اس پر ثابت قدم رہنے کی توفیق عطا فرمادیجئے۔

بس یہ عزم اور یہ دُعا کرکے اپنے کام میں لگ جائیے، اور ہر کام کے وقت اس پر حتی الوسع عمل کرنے کی کوشش کیجئے۔ جب سارا دن گذرنے کے بعد رات کو سونے کے لئے بستر پر جانے لگیں تو دن بھر کے اعمال کا مختصر جائزہ لیجئے کہ صُبح جو عزم کیا تھا اس پر کس حد تک قائم رہ سکے؟ اگر کہیں غلطی نظر آئے تو اس پر توبہ اور استغفار کیجئے کہ یا اللہ! عزم تو کیا تھا، لیکن میں اپنی کمزوری کی بناء پر فلاں فلاں معاملات میں اس پر ثابت قدم نہ رہ سکا، فلاں غلطی ہوگئی، فلاں قصور یا فلاں گناہ سرزد ہوگیا، یا اللہ اپنی رحمت سے اسے معاف

فرمادیجئے، میں توبہ واستغفار کرتا ہوں، اللّٰھمّ انّی استغفرک واتوب الیک۔ انشاءاللہ وہ غلطی معاف ہوجائیگی۔

اب ایک نازک اور لطیف بات سُنئے۔ کسی کے دل میں یہ خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ میں نے تو اللہ تعالیٰ ہی کے حکم کی تعمیل میں ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی الخ کہا تھا اپنی طرف سے عزم بھی کر لیا تھا، اور پھر اللہ تعالیٰ ہی سے مدد بھی مانگ لی تھی کہ یا اللہ! آپ ہی مجھے اس عزم پر ثابت قدم رکھئے۔ اس طرح میں نے اپنا آپ اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دیا تھا، پھر مجھ سے یہ غلطیاں کیوں سرزد ہوئیں؟ اللہ تعالیٰ نے مجھے ان سے کیوں نہیں بچایا؟

یہ بڑا نازک سوال ہے۔ اور اس کا جواب بھی بڑا نازک ہے، اور وہ یہ کہ جب انسان اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دے اور حتی المقدور ہمّت کو بھی کام میں لائے، اور ہمّت کر کے گناہوں سے بچنے کی کوشش بھی کرتا رہے، اس کے باوجود کبھی کوئی غلطی سرزد ہو جائے جس پر ندامت اور توبہ واستغفار کی بھی توفیق ہو جائے تو وہ بھی مشیتِ خداوندی سے ہوئی ہے۔ اس پر مایوس ہونے کے بجائے یہ سوچنا چاہیئے کہ جب میں نے اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دیا تھا تو یہ بات ناممکن تھی کہ اللہ تعالیٰ اسکے بعد مجھے بے یار و مددگار چھوڑ دیں، تو جو کچھ ہو گیا، وہ بھی حکمت سے خالی نہیں۔ غلطی کا صدور بھی مشیّت ہی سے ہوا، اور جب اس پر استغفار ندامت اور شکستگی کی توفیق ہو گئی تو اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس سارے مجموعے کے ذریعہ ندامت، عاجزی، شکستگی، درماندگی اور عبدیّت کی نعمتیں عطا فرمائیں جو انسان کو مورد بناتی ہیں اللہ تعالیٰ کی توّابیت کا، اس کی غفّاریت کا، اسکی رحمانیت کا، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے تمہیں تمہارے عزم اور دعا کے بعد بے یار و مددگار نہیں چھوڑا، بلکہ تمہاری مدد فرمائی، اگر مدد نہ ہوتی تو اس ندامت اور توبہ واستغفار کی توفیق نہ ہوتی۔ جب یہ توفیق عطا فرما دی گئی تو سمجھو کہ ”لِلّٰہ ربّ العالمین،، تک پہنچنے کے لئے ایک دوسرا راستہ اختیار فرمایا گیا ہے۔ تمہارے ارادوں کو توڑا گیا ہے تاکہ تمہیں اپنی عاجزی کا احساس ہو، تمہاری حقیقت تم پر واضح کی گئی ہے، تاکہ تمہارے دل میں ندامت، شکستگی اور عبدیّت پیدا ہو، اور یہ شکستگی ہی اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔

نہ بچا بچا کے تو رکھ اسے کہ یہ آئنہ ہے وہ آئنہ
جو شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہِ آئنہ ساز میں

اس شکستگی کے بعد انسان اپنے مقاماتِ قرب میں اور ترقّی کر جاتا ہے، لہٰذا یہ شکستگی بلا وجہ پیدا نہیں کی گئی ؎

یہ کہہ کے کاسہ ساز نے پیالہ پٹک دیا
اب اور کچھ بنائیں گے اس کو بگاڑ کے

"صادِقِیْن" کے ساتھی بن جاؤ

فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ۔

یا ایھا الذین آمنوا اتقوا اللہ و کونوا مع الصادقین
اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اور صادقین (سچّے لوگوں)
کے ساتھی بن جاؤ۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کا حکم دیا ہے، اور اس کے حاصل کرنے کا آسان طریقہ بتایا ہے، اور وہ یہ کہ جو لوگ "صادِقِیْن" ہیں، اور صحیح تقویٰ کا مقام حاصل کر چکے ہیں ان کی صحبت اختیار کر لو۔ اس سے اشارہ اس طرف فرما دیا کہ "تقویٰ" عادۃً محض نظری طور پر کتابیں پڑھنے پڑھانے سے حاصل نہیں ہوتا، بلکہ اس کیلئے "صادقین" کی صحبت اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔

اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص "آگ" کی تعریف اور اس کے بارے میں تمام علمی اور تاریخی معلومات مختلف کتابوں سے جمع کر کے اُس پر ایک مقالہ لکھ دے تو اس سے آگ کے بارے میں نظری طور پر معلومات تو حاصل ہو جائیں گی، لیکن کیا اس سے آگ کی کوئی تپش محسوس ہو گی؟ ہرگز نہیں۔ اگر تپش حاصل کرنی ہے تو اس کا واحد طریقہ یہ ہے کہ آگ کے پاس بیٹھ جاؤ۔

اسی طرح "تقویٰ" کی تپش محض کتابیں پڑھ کر حاصل نہیں ہو سکتی، اسکا بھی واحد طریقہ یہ ہے کہ کسی متّقی کے پاس بیٹھنے لگو، رفتہ رفتہ اس کے دل کا سوز تمہاری طرف منتقل

ہونے لگے گا۔

یہی وجہ ہے کہ تاریخ میں جتنے بزرگانِ دین ہوئے ہیں، انہوں نے ہمیشہ علمِ ظاہری کی تحصیل کے بعد کسی اللہ والے کی صحبت اختیار کر کے اس سے اپنی اصلاح کرائی ہے، بلکہ بارہا ایسا بھی ہوا ہے کہ بڑے بڑے علماء علم و فضل کے اعلیٰ مقام تک پہنچنے کے باوجود ایسے لوگوں کے پاس دینی اصلاح کے لئے گئے ہیں جو اصطلاحی طور پر باقاعدہ عالم بھی نہیں تھے۔

دارالعلوم دیوبند کے بانی حضرت مولانا محمّد قاسم صاحب نانوتویؒ، قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ اور حکیم الامّت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہم میں سے ہر ایک اپنی اپنی جگہ علم و فضل کا آفتاب و ماہتاب تھا۔ لیکن علمِ ظاہری کی تحصیل کے بعد ان تینوں نے حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکّی قدس سرہٗ کی طرف رجوع کر کے ان سے فیض حاصل کیا۔

کسی شخص نے غالباً حضرت نانوتوی قدس سرہٗ سے پوچھا تھا کہ حضرت! آپ کو اللہ تعالیٰ نے جو علوم عطا فرمائے ہیں، وہ بڑے رفیع الشان ہیں، پھر آپ کو حضرت حاجی صاحبؒ کے پاس جانے کی کیا ضرورت تھی؟ حضرت نانوتوی قدس سرہٗ نے جواب دیا کہ ہماری مثال اس شخص کی سی تھی، جسے دنیا بھر کی تمام مٹھائیوں کے نام، ان کی تاریخ اور ان کے بنانے کا طریقہ تو معلوم ہو، لیکن اس نے کبھی ان میں سے کوئی مٹھائی کھائی نہ ہو، اور حضرت حاجی صاحبؒ کی مثال اس شخص کی سی ہے، جسے تاریخ وغیرہ تو چاہے معلوم نہ ہو، لیکن اس نے وہ ساری مٹھائیاں خود کھائی ہوں، ہم حضرتؒ کے پاس گئے تو انہوں نے مٹھائیوں کے بارے میں نظری معلومات دینے کے بجائے ایک ایک کر کے ہمارے منہ میں رکھ دیں۔ اور ان کے حقیقی علم یعنی ان کے ذائقے سے ہمیں روشناس کیا۔ اب خود سوچ لیجئے کہ انکی خدمت میں جانا مفید ہوا یا نہیں؟ اور اگر نہ جاتے تو کیا حالت رہتی؟

غرض تجربہ یہی ہے کہ تنہا حروف و نقوش کا کتابی علم انسان کی اصلاح کے لئے کافی نہیں ہوتا، جبتک کسی مصلح کے ساتھ رابطہ قائم نہ ہو، اور اس سے ہر معاملے میں رہنمائی حاصل نہ کی جائے۔

علمِ ظاہر کا حاصل یہ ہے کہ اس سے ذہانت و فطانت معلومات کی وسعت اور استعداد حاصل ہوتی ہے، لیکن علمِ باطن کا حاصل یہ ہے کہ اس سے اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت پیدا ہوتی ہے، اور یہی محبّت ہے جو دین کے راستے کو آسان بنا کر بے غل و غش قطع کرادیتی ہے۔ ورنہ نِرا علم جس کے ساتھ تربیتِ باطن نہ ہو، بسا اوقات پندار عجب اور تکبّر جیسے امراض پیدا کر دیتا ہے جو اور بہت سے رذائل کی بنیاد ہیں اور یہ سب رہزنِ طریق ہیں جو منزل تک پہنچنے میں قدم قدم پر رکاوٹ بنتے ہیں۔

اس کے علاوہ علمِ ظاہر سے یہ تو معلوم ہو جاتا ہے کہ فلاں کام اچھا ہے اور فلاں کام بُرا، لیکن جبتک وہ علم محبت کے ساتھ ممزوج نہ ہو، اچھے کاموں پر عمل کرنے اور بُرے کاموں سے رُکنے کی ہمت پیدا نہیں ہوتی، یہ محبّت ہی ہے جو بڑے بڑے پُرمشقت کاموں کو آسان بنا دیتی ہے۔

دیکھئے، جاڑے کی تاریک رات میں لحاف بستر چھوڑ کر اُٹھنا اور ٹھنڈے پانی سے غلاظت کے کپڑے دھونا نفس کو کتنا گراں معلوم ہوتا ہے، لیکن ایک ماں اپنے بچّے کی خاطر یہ سارے کام خوشی خوشی انجام دے لیتی ہے، اسلئے کہ اس کے دل میں بچّے کی محبّت پیوست ہے۔

اگر اسکے دل میں محبت نہ ہوتی، صرف اتنا معلوم ہوتا کہ یہ کام قابلِ تعریف ہے، تو وہ اتنی آسانی سے یہ کام انجام نہ دے سکتی۔

معلوم ہوا کہ کسی کام کی ہمّت پیدا کرنے کیلئے بہترین راستہ محبّت ہے، اسی لئے کہنے والے نے کہا ہے کہ ؎

صنما رہِ قلندر سزد ار بمن نمائی
کہ دراز و دور دیدم رہ و رسمِ پارسائی

اس شعر میں "رہِ قلندر" سے مراد محبّت ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ محبّت کے بغیر "پارسائی" کا راستہ پُرمشقت اور دور دراز کا راستہ معلوم ہوتا ہے، مجھے "محبّت" عطا فرما دیجئے، تاکہ اس کے ذریعے یہ راستہ آسان ہو جائے۔

اور یہ محبت تجربۃً اہلِ محبت کی صحبت اور رہنمائی کے بغیر حاصل نہیں ہوتی، جب انسان اپنے آپ کو کسی مصلح کے حوالے کر دیتا ہے، تو وہ رفتہ رفتہ اُس کے دل میں محبت کی آبیاری کر کے اس کے لئے قطعِ راہ کو اتنا آسان بنا دیتا ہے کہ بسا اوقات پتہ بھی نہیں چلتا کہ وہ کہاں سے کہاں پہنچ گیا؟ اور خطرناک سے خطرناک مراحل نہایت آسانی سے طے ہو جاتے ہیں۔

ایک مرتبہ ہم کچھ رفقاء کے ہمراہ ایک پہاڑی علاقے میں پیدل جا رہے تھے، ایک واقف کار کو رہنما بنایا ہوا تھا، ایک پہاڑ پر چلتے چلتے اچانک ایک ایسی خطرناک جگہ آئی کہ وہاں پہاڑ ختم ہو گیا تھا، اور اسکے کنارے سے نیچے بہت گہری کھائی نظر آ رہی تھی، پھر دو قدم کے فاصلے سے پھر پہاڑ شروع ہو گیا تھا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا پہاڑ بیچ میں سے پھٹا ہوا ہے، اور اس شگاف میں نہایت گہری کھائی ہے کہ چلنے والے کو ذرا غفلت ہو تو وہ اس کھائی میں گر پڑے۔ اُس وقت تو ہم اس شگاف کو پھلانگ گئے، لیکن جب واپسی اُسی راستے سے ہونے لگی تو شام کا جھٹپٹا ہو چکا تھا، اور یہ خطرہ لگا ہوا تھا کہ کہیں اندھیرے میں پاؤں کھائی میں نہ پڑ جائیں، ہم نے پہلے سے رفقار کو ہوشیار کر دیا، اور رہنما سے بھی کہا کہ اس جگہ سے محتاط ہو کر چلنا چاہیئے لیکن رہنما بڑے اطمینان سے ہمیں لیکر چلتا رہا، بالآخر ایک جگہ پہنچ کر ہم نے اس سے پوچھا کہ وہ جگہ کب آئیگی؟ رہنما نے مسکراتے ہوئے جواب دیا کہ وہ جگہ تو گذر بھی گئی — ہم اس رہنما کی مہارت پر بہت متعجب ہوئے کہ اس نے ہمیں اس خطرناک جگہ سے اس طرح گذار دیا کہ پتہ بھی نہیں چل سکا۔

ہم نے اس سے یہ سبق لیا کہ شیخِ کامل کی مثال ایسے ہی رہنما کی ہے جو سلوک کی خطرناک گھاٹیوں سے سالک کو اس طرح نکال لیجاتا ہے کہ اُسے پتہ بھی نہیں چلتا۔

ہمّت کی ضرورت اور اسکے فوائد

فرمایا کہ دین پر عمل کرنے کی کلید "ہمّت" ہے، ہمارے حضرت والا (حضرت حکیم الامّت مولانا تھانوی قدس سرہٗ) فرماتے تھے کہ:-

"وہ ذرا سی بات جو حاصل ہے تصوّف کا، یہ ہے کہ جب کبھی کسی طاعت کی

ادائیگی میں سُستی ہو تو اس سُستی کا مقابلہ کر کے اس طاعت کو کرے، اور جب کبھی کسی گناہ کا تقاضا ہو۔ اُس تقاضے کا مقابلہ کر کے اُس سے رُکے۔ اسی سے تعلق مع اللہ پیدا ہوتا ہے، اسی سے محفوظ رہتا ہے، اور اسی سے ترقی کرتا ہے"

اس "سُستی" اور "گناہوں کے تقاضے" کا مقابلہ کرنے کیلئے ہمّت کی ضرورت ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے انسان کی ہمّت میں اتنی طاقت رکھی ہے کہ وہ بڑے سے بڑے مشکل کام کو ہمّت کے ذریعے انجام دے لیتا ہے، شروع شروع میں ایک کام انسان کو بہت دشوار، بلکہ بعض اوقات ناممکن معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اگر انسان اپنی ہمّت کو کام میں لائے تو وہی کام آسان ہو جاتا ہے۔

ہمّت پیدا کرنے کے لئے بزرگوں کی صحبت سے کچھ گُر معلوم ہو جاتے ہیں جو ہمّت میں قوّت پیدا کرتے ہیں۔

مثلاً رات کو گہری نیند سے بیدار ہونا اور آرام دہ بستر کو خیرباد کہنا نفس کو بہت گراں معلوم ہوتا ہے، جب نیند کا غلبہ ہو، نیند کی لذّت سے جسم سرشار ہو، آرام دہ بستر میسّر ہو، اُس وقت ایک نفلی عبادت کیلئے اس سارے راحت و آرام کو قربان کرنا بہت شاق نظر آتا ہے لیکن انسان اُس وقت تصور کرے کہ اگر اسی حالت میں میرے پاس یہ پیغام پہنچے کہ سربرا مملکت، یا میرا کوئی بڑا افسر دروازے پر موجود ہے، اور اُس کا پیغام یہ ہے کہ اگر چاہو تو اِس وقت ہم سے مل کر ایک خطیر انعام حاصل کر لو۔ ــــــ یا میرا کوئی بہت ہی محبوب دوست یا عزیز اچانک اس وقت دروازے پر آ کر دستک دینے لگے تو کیا پھر بھی اس کی ملاقات پر نیند کی اس لذّت کو ترجیح دوں گا؟

اگر ایک فانی اور بے بس انسان کی ملاقات یا اس سے ایک بے حقیقت انعام ملنے کی توقع پر میں اس نیند کو قربان کر سکتا ہوں تو وہ مالک الملک والملکوت جس کے قبضہ قدرت میں نفع و ضرر کی ساری کنجیاں ہیں، جب وہ دعوت دے رہے ہیں کہ "ہے کوئی مغفرت مانگنے والا جسکی میں مغفرت کروں"؟ "ہے کوئی رزق مانگنے والا جسے میں رزق دوں" "ہے کوئی مبتلائے مصیبت جسکی مصیبت میں رفع کروں"؟ کیا یہ مسلسل اور پیہم پکار ایسی نہیں کہ ہے کہ اس پر نیند کی یہ معمولی لذّت قربان کر دی جائے؟

یہ تصور کر کے دیکھو کہ اس سے کس طرح ہمت پیدا ہوتی ہے؟

ہمارے ایک نہایت بے تکلف دوست تھے، وہ ھندوستان کے ایک شہر میں ڈپٹی کمشنر بن گئے۔ کچھ دنوں کے بعد میں اس شہر میں گیا، صُبح سویرے اُن کے مکان پر پہنچا، اور اطلاع کرائی، ان سے جو بے تکلفی تھی، اس کے پیش نظر توقع یہ تھی کہ وہ ہمارا نام سُنتے ہی مسرت کے عالم میں فوراً چلے آئیں گے اور بیساختہ آکر لپٹ جائیں گے، لیکن خلافِ توقع اطلاع کرانے کے بعد ہم دیر تک انتظار کرتے رہے، اور وہ باہر نہیں آئے۔ تھوڑی دیر کے بعد ہمارے دل میں یہ بدگمانی پیدا ہونے لگی کہ شاید ڈپٹی کمشنر بننے کے بعد ان کے دماغ میں کچھ بڑائی آگئی ہے جو ابتک باہر نہیں نکلے۔ اگر واقعی ایسا ہے تو یہ صاحب ملنے کے لائق نہیں رہے۔ لیکن ابھی کچھ ہی دیر گذری تھی کہ اچانک وہ ہنستے مسکراتے سامنے سے آئے، اور اسی والہانہ انداز میں ہم سے لپٹ گئے ہم نے اتنی دیر ہونے کی بنار پر ان سے کہا کہ "اب ہم تم سے نہیں ملینگے، اتنی دیر کیوں لگائی؟" انہوں نے ہم سے کہا کہ ذرا سا بیٹھو تو سہی۔ ہم نے کہا "ہم نہیں بیٹھیں گے جب تک تم ہمیں دیر کی وجہ نہ بتاؤ۔"

اس پر انہوں نے کہا کہ جب تمہارے آنے کی اطلاع ملی تو میں اُس وقت قرآنِ کریم کی تلاوت کر رہا تھا، دل تو بیساختہ یہ چاہا کہ فوراً تم سے آکر ملوں لیکن پھر میں نے سوچا کہ سارے دن میں یہ چند لمحات حضوری کے ملتے ہیں، اس وقت اس نعمتِ حضوری کو چھوڑ کر جانا خلافِ ادب بھی ہے، اور دوسرے یہ لمحات نکل گئے تو تو سارے دن کی دوادوش میں پھر شاید یہ میسّر نہ آسکیں، اس لئے میں خواہش کو دبا کر بیٹھا رہا، اور تلاوت پوری کر کے باہر نکلا۔

ہمیں ان کی یہ بات بیحد پسند آئی، واقعۃً جو لمحات رجوع الی اللہ کے نصیب ہو جائیں بہت بڑی دولت ہیں ؎

بہ صدہا سال ایں نکتہ محقق شد بہ خاقانی
کہ یکدم با خدا بودن بہ از ملکِ سُلیمانی

اور ؎

اوقات ہماں بود کہ با یار بسر کرد
باقی ہمہ بے حاصلی و بے خبری بود

لہٰذا ایسے لمحات کے حصول ، اور حاصل ہو جائیں تو ان کی قدر دانی کا یہی انداز ہونا چاہیئے کہ ان کے مقابلے پر کتنی بڑے سے بڑی دنیاوی نعمت مل جائے، ہمت کر کے ان لمحاتِ حضوری کو ترجیح دینی چاہیئے۔

شروع شروع میں ہمت کا استعمال کر کے نفسانی خواہشات کو کچلنے میں مشقت معلوم ہوتی ہیں، لیکن جب انسان ایک مرتبہ یہ عزم کر لے کہ ؎

آرزوئیں خون ہوں ، یا حسرتیں برباد ہوں
اب تو اس دل کو بنانا ہے ترے قابل مجھے

تو اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہ صرف مدد ہوتی ہے، بلکہ آرزوئیں خون کرنے میں ایک عجیب حلاوت محسوس ہونے لگتی ہیں۔

بزرگوں کی محبّت کا فائدہ

فرمایا کہ اللہ والوں کی محبت بھی بڑی نعمت ہے۔ اسکی قدر کرنی چاہیئے، حدیث میں ہے کہ:۔

المرء مع من أحبّ

انسان اُن لوگوں کے ساتھ ہو گا جن سے وہ محبت کرتا تھا

اللہ والوں سے محبت کے نتیجے میں انشاء اللہ دنیا میں کسی نہ کسی وقت اصلاحِ حال اور آخرت میں نجات کی توقع ہوتی ہے، لہٰذا جس حال میں بھی ہو، انسان کو چاہیئے کہ اللہ والوں سے اپنے آپ کو لگا لپٹا رکھے۔

فرمایا کہ میں اسکی مثال یہ دیا کرتا ہوں کہ ایک شاندار ریل گاڑی جسمیں کوئی وزیر کبیر سفر کر رہا تھا، کراچی سے لاہور جا رہی تھی، وزیر کے سفر کی وجہ سے اسمیں شاندار ائیر کنڈیشنڈ سیلون لگا ہوا تھا۔ نہایت صاف ستھرا، آرام دہ، پُر تکلّف، ساتھ ہی اعلیٰ درجے کا باورچی خانہ لگا ہوا جسمیں عمدہ کھانے پک رہے تھے، اور اسکی خوشبو اُٹھ رہی تھی، جب گاڑی کی روانگی کا وقت آیا تو اسٹیشن ماسٹر نے ایک پُرانا زنگ آلود بوسیدہ ڈبہ گاڑی کے پیچھے لگا دیا کہ یہ بھی لاہور چلا جائے گا۔ تاکہ وہاں کے ورکشاپ میں اس کی مرمّت ہو سکے۔ اب جب گاڑی چلی تو اس پُرانے ڈبے

کی چول چول ہلتی ہے، اسمیں سے طرح طرح کی سمع خراش آوازیں نکلتی ہیں، اور اس کی خاک دھول اڑتی ہے تو کوئی شخص اسکی ہنسی اڑاتا ہے کہ تو اس بوسیدگی اور کہنگی کے ساتھ ان اعلیٰ درجے کی بوگیوں کے ساتھ کہاں لگ گیا؟ اس کے جواب میں وہ ڈبہ کہتا ہے کہ خبردار! میری ہنسی مت اُڑانا، میں بیشک بوسیدہ، شکستہ، درماندہ اور زنگ آلود ہی، لیکن یہ دیکھو کہ میرا رشتہ کن عالیشان بوگیوں کے ساتھ جڑا ہوا ہے، میرا کنڈا اُن کے کنڈے میں پھنسا ہوا ہے، جس لائن پر وہ جا رہے ہیں اسی لائن پر میں بھی جا رہا ہوں، جس وقت وہ لاہور پہنچیں گے انشاء اللہ میں اسی وقت میں بھی لاہور پہنچوں گا، میں چاہے کسی حال میں ہوں، لڑھکتا کھسکتا انہی کے ساتھ جاؤں گا۔ اور وہاں پہنچکر انشاء اللہ میری مرمت ہو کر اصلاح بھی ہو جائیگی، بس شرط یہ ہے کہ میرا کُنڈا اُن کے کنڈے میں لگا رہے۔

بس یہی حال ہمارا سمجھ لو، کہ جب تک اللہ والوں کے ساتھ رشتہ قائم ہے اور قدم صراطِ مستقیم کی لائن پر ہیں، انشاء اللہ کسی نہ کسی صورت اپنی بوسیدگی کے باوجود منزل تک پہنچ جائیں گے، بس شرط یہ ہے کہ اپنے کُنڈے کو اللہ والوں کے ساتھ وابستہ رکھیں، لہٰذا اس کُنڈے کی حفاظت کی بہت ضرورت ہے۔

فضائلِ اعمال کا اہتمام

فرمایا کہ قرآن و حدیث میں جن مستحب اعمال کی فضیلت وارد ہوئی ہے۔ اُن پر عمل کرنے کا خاص اہتمام کرنا چاہیئے، عام طور سے جب "مستحب" کی یہ تعریف جب سامنے آتی ہے کہ اس کے کرنے پر ثواب ملتا ہے، اور نہ کرنے سے کوئی گناہ نہیں ہوتا، تو بعض لوگ یہ سوچنے لگتے ہیں کہ جب اُنکے نہ کرنے پر کوئی گناہ نہیں تو انکے زیادہ اہتمام کی ضرورت نہیں۔

خاص طور پر اہلِ علم بکثرت اس خیال کی بناء پر مستحبات سے محروم رہتے ہیں۔ حالانکہ مستحبات کی ایسی ناقدری بہت بُری بات ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ فرائض و واجبات تو انسان کے ذمے لازم ہیں، انہیں تو ہر حال میں انجام دینا ہی ہے، وہ باری تعالیٰ کی الوہیت کا حق ہیں، لیکن مستحبات باری تعالیٰ کے ساتھ محبت کا حق ہیں۔

جس ذات نے ہمیں پیدا کیا، ہم پر انواع و اقسام کی نعمتوں کی بارش برسائی، اور ہر آن برسا رہے

ہیں، ان کے ساتھ تعلق محض ضابطے کا نہیں ہونا چاہئے کہ بس جتنے حقوقِ واجبہ ہیں، انسان انہیں پر اکتفا کرتا رہے، بلکہ رابطے اور محبت کا بھی کچھ تقاضا ہے، اور مستحبات اسی رابطے اور محبت کا تقاضا ہیں۔

دیکھئے! ایک بیٹے کے ذمّے اپنے ماں باپ کے کچھ لازمی حقوق ہیں، مثلاً یہ کہ وہ جو حکم دیں، انکی اطاعت کرے، اگر وہ کسبِ معاش سے عاجز ہیں تو ان کی معاشی ضروریات پوری کرے۔ لیکن یہ سارے حقوق ضابطے کے حقوق ہیں، اب اگر کوئی بیٹا اپنے والدین کی معاشی ضروریات پوری کر دیتا ہے، اور اگر کبھی وہ کسی کام کو خود کہدیں، تو اسے بھی انجام دیدیتا ہے، لیکن ان ضابطے کے حقوق کے بعد ان سے کوئی سروکار نہیں رکھتا، نہ اُن سے بات چیت زیادہ کرتا ہے۔ نہ انہیں دوسری طرح خوش کرنے کی کوشش کرتا ہے تو ایسا بیٹا خواہ قانونی اعتبار سے ماخوذ نہ ہو، لیکن کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ اُسے اپنے والدین سے محبت یا تعلّق ہے۔

محبت اور تعلّق کا تقاضا تو یہ تھا کہ ہر وقت انہیں خوش کرنے اور خوش رکھنے کی فکر میں لگا رہے، اور خود سوچ سوچ کر ایسے کام کرے جس سے انہیں راحت پہنچے۔ اور مسرت حاصل ہو۔

اسی طرح اگر کوئی شخص صرف فرائض وواجبات تو ادا کرے، لیکن مستحبات اور فضائل کی چنداں فکر نہ کرے تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کا تعلق محض ضابطے کا تعلّق رہ جاتا ہے، محبت اور رابطے کا تقاضا یہ ہے کہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر ایسے کام تلاش کرے جس سے اللہ تعالیٰ خوش ہوں، اور یہ کام مستحبات ہی میں ملتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ حضرات صحابہ کرامؓ ہر وقت اس فکر میں رہتے تھے کہ کوئی فضیلت والا مستحب عمل معلوم ہو جائے تو اس پر عمل کریں

بہت سے علماء وطلبہ بھی اس معاملے میں بڑی بھول میں ہیں، وہ فضائلِ اعمال کی آیات واحادیث اس لئے پڑھتے ہیں کہ انہیں وعظ وتقریر میں لوگوں کے سامنے بیان کر دیں، یا ان پر کوئی مقالہ لکھدیں، لیکن ان پر خود عمل کر کے انکی فضیلت حاصل کرنے کا شوق اور جذبہ دل میں پیدا نہیں ہوتا۔

ایسے لوگوں سے اگر کہا جائے کہ "تحیۃ المسجد" پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ تو وہ فوراً اس کی فضیلت والی احادیث سُنا دیں گے۔ اور اس کے شرعی احکام بیان کر دیں گے۔ لیکن اگر پوچھو کہ کیا کبھی خود بھی "تحیۃ المسجد" پڑھی؟ تو جواب نفی میں ہوگا، اور اگر کوئی متوجہ بھی کرے تو یہ کہہ کر فارغ ہو جائیں گے کہ یہ عمل تو مستحب ہے۔ کوئی فرض و واجب نہیں، حالانکہ کسی عمل کے مستحب ہونے کا علم اس عمل کی ترغیب کا سبب ہونا چاہیئے، نہ کہ اس سے اعراض اور کنارہ کشی اختیار کرنیکا۔

فضائلِ اعمال کا نُور

فرمایا کہ ہر فضیلت والے عمل میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نُور ہوتا ہے جو ہمیں نظر نہیں آتا، لیکن اس کے اثرات زندگی پر پڑتے ہیں، اگر انسان کو ان انوار و برکات کا صحیح ادراک ہو جائے تو وہ ان اعمال کو کبھی ترک نہ کرے، اسی لئے حدیث میں آتا ہے کہ اگر تمہیں معلوم ہو جائے کہ صفِ اول میں نماز پڑھنے کی کیا فضیلت ہے؟ اور اسکے بعد تمہیں گھٹنوں کے بل چل کر بھی آنا پڑے تو تم گھٹنوں کے بل چل کر آؤ۔ اور اگر یہ معلوم ہو جائے کہ اذان دینے کی کیا فضیلت ہے؟ تو اذان دینے والے کے تعیین کے لئے قرعہ اندازی کرنی پڑے۔

ہماری نظر چونکہ مادی وسائل و اسباب میں الجھی رہتی ہے، اس لئے ہم ان انوار و برکات کا ادراک نہیں کر پاتے۔ جن حضرات کو اللہ تعالیٰ نورِ بصیرت عطا فرماتے ہیں، وہ ان انوار و برکات کا کسی قدر احساس رکھتے ہیں، لیکن دنیا میں مکمل ادراک کسی کو نہیں ہوتا۔ لیکن جب اس مادی دنیا کے حجابات اٹھیں گے، تو ان کا ادراک ہوگا۔

اس پر ایک اشکال ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان انوار و برکات کا ادراک کیوں نہ عطا فرما دیا کہ ہم سب ان اعمال کی قدر کرتے؟

اسکا ایک جواب تو خیر یہ ہے کہ یہ دنیا آزمائش کی جگہ ہے، اور اس صورت میں آزمائش کیسے ہوتی؟ لیکن اسکی تحمّل ہی نہیں کر سکتے تھے، اسلیئے ان کا مکمل ادراک نہ ہونا بھی دنیا کے لحاظ سے رحمت و حکمت پر مبنی ہے۔

ایک دن مسجدِ حرام میں بیٹھا تھا، کعبۃ اللہ کا دلآویز منظر سامنے تھا، میں سوچ رہا تھا کہ

یا اللہ! یہ آپ کا بیتِ حرام ہے، اس پر ہر آن کتنے انوار کی بارش ہوتی ہے، آپ کی کیسی کیسی رحمتیں اس پر نازل ہوتی ہیں، لیکن ہمیں وہ انوار و تجلّیات نظر نہیں آتے، اگر ان کی کوئی جھلک ہمیں بھی نظر آجائے تو اچھا ہو۔

ابھی میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ فوراً قلب پر یہ آیتِ قرآنی وارد ہوئی کہ۔

رَبَّنَا اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا

اس کا ترجمہ عموماً یوں کیا جاتا ہے کہ اے ہمارے پروردگار! ہمارے لئے ہمارے نُور کو مکمل فرما دیجئے، اور ہماری مغفرت فرمائیے"۔

لیکن ذہن اس طرف منتقل ہوا کہ "واغفر لنا" کے لغوی اعتبار سے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ "ہمارے لئے اسکو چھپا دیجئے"، کیونکہ "غَفرٌ" کے معنی عربی میں چھپانے کے بھی آتے ہیں۔ اس صورت میں آیت کا ترجمہ یہ ہوگا کہ اے ہمارے پروردگار! ہمارے لئے ہمارے نور کو مکمل فرما دیجئے، اور اسکو ہمارے لئے چھپا دیجئے"۔

یہ میں آیت کی کوئی تفسیر نہیں کر رہا ہوں، بلکہ ایک ذوقی بات عرض کر رہا ہوں کہ اُس وقت ذہن اسی طرف منتقل ہوا کہ اس آیت کا ایک ذوقی مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندے نور کی تکمیل کی دعا تو کرتے ہیں، لیکن چونکہ جانتے ہیں کہ اس دنیا میں اگر نور کی تکمیل کا مشاہدہ اور ادراک ہو جائے تو ہم اس کا تحمّل نہیں کر سکیں گے، اس لئے وہ ساتھ ہی یہ دعا بھی کرتے ہیں کہ اس نور کو ہمارے ہی فائدہ کے لئے ہم سے چھپا بھی دیجئے۔

اس تصوّر سے بڑی تسکین حاصل ہوئی۔

اوراد و اشغال کی توانائی

فرمایا کہ اوراد و اشغال کے معمولات جن کی تلقین مشائخ کی طرف سے کی جاتی ہے، وہ ایک روحانی توانائی حاصل کرنے کا ذریعہ ہیں۔ کسی شیخ سے بیعت ہونے یا اس سے تربیت حاصل کرنے کا اصل مقصد تو یہ ہے کہ ان کی رہنمائی میں انسان اپنے باطنی امراض کی اصلاح کرے اور اعمال و اخلاق کی درستی کی فکر کرے، مشائخ اسکو کچھ اوراد و اشغال کی تلقین بھی فرماتے ہیں، اُنکا فائدہ یہ ہے

کہ ان سے ایک روحانی توانائی حاصل ہوتی ہے، اور اس توانائی کے نتیجے میں انسان کے لئے طاعات پر عمل اور معاصی سے اجتناب کی ہمت و قوت پیدا ہوتی ہے۔

ان اوراد و اشغال کے لئے بہتر طریقہ یہ ہے کہ انسان ایک وقت اور جگہ مقرر کر کے روزانہ اسی وقت اور جگہ پر یکسوئی سے ذکر و فکر میں مشغول ہو، اور اسمیں بھی صبح کا وقت سب سے بہتر ہے، کیونکہ اسی وقت میں اللہ تعالیٰ نے بالیدگی اور روئیدگی کی خاص تاثیر رکھی ہے۔ اسی وقت تمام حیوانات بیدار ہوتے ہیں، کلیاں چٹکتی اور پھول کھلتے ہیں، اس لئے اس وقت ذکر اللہ میں مصروف ہونے سے قلب و روح کی بالیدگی کی زیادہ امید ہے، چنانچہ اکثر بزرگوں کا معمول یہی رہا ہے کہ صبح کے وقت اپنے اذکار و اوراد کے معمولات میں مشغول ہوتے ہیں۔

لیکن جو لوگ زیادہ مصروفیات میں پھنسے ہوئے ہوں، اگر انکو اس طرح وقت نکالنا مشکل ہو تو وہ بھی ان اذکار و اوراد سے بالکل محروم نہ رہیں بلکہ جو وقت موقع ملے یہ معمولات پورے کریں۔ خواہ چلتے پھرتے ہی ہوں۔

ان میں سے بعض اذکار و اوراد ایسے ہیں جنہیں پڑھنے کا بزرگوں نے کوئی خاص طریقہ بتایا ہے۔ مثلاً دوازدہ تسبیح میں ذکر بالجہر اور اِلَّا اللہ پر ضرب لگانا۔ یہ طریقہ بزرگوں نے تجربے سے مقرر کیا ہے کہ اس سے فائدہ زیادہ ہوتا ہے، لیکن یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ یہ خاص طریقہ مقصود نہیں، مقصود ذکر ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص اس خاص طریقے پر پڑھنے سے وقت کی کمی کی بنا پر معذور ہو تو وہ اس خیال سے دوازدہ تسبیح کو ترک نہ کرے کہ اس کے مخصوص لہجے یا طریقے سے پڑھنا اس کے لئے مشکل ہے۔ اس کے بجائے وہ لہجے اور طریقے کی پابندی کے بغیر تسبیحات پڑھ لیا کرے، میرا تجربہ ہے کہ اس طرح بیس منٹ میں یہ تسبیحات پوری ہو جاتی ہیں۔

اسی طرح سالک کو چاہیئے کہ وہ اپنی وسعت کے مطابق معمولات مقرر کرے۔ لیکن جو معمول مقرر کرے، اسے ناغہ نہ کرے، اگر مقررہ وقت پر کسی وجہ سے ادا نہیں کر سکا، تو بعد میں جب وقت ملے ادا کر لے، حدیث میں ہے کہ کھانے سے پہلے بسم اللہ پڑھنی چاہیئے، لیکن اگر شروع میں کسی وجہ سے نہیں پڑھ سکا تو کھانے کے دوران جب بھی یاد آجائے، پڑھ لے اور یہ کہے کہ بسم اللہ اوّلہ و آخرہ۔

اسی طرح نوافل و اذکار بھی اگر اپنے وقت سے ٹل جائیں تو یہ نہ سمجھے کہ ان کی قضا نہیں

ہے، لہٰذا دوسرے وقت پڑھنے کی ضرورت نہیں، بلکہ جب موقع ملے، ان کی تلافی کرلے۔

بلکہ میں تو یہاں تک کہتا ہوں کہ اگر سارے دن کسی بھی وقت موقع نہیں ملا تو بھی انہیں بالکل ناغہ نہ کرے۔ بلکہ تعداد کم کرکے جتنا پڑھ سکتا ہو، پڑھ لے، اگر سَو سَو مرتبہ کا معمول ہے اور موقع نہیں ملا تو ۳۳، ۳۳ مرتبہ پڑھ لے، اسکا بھی موقع نہیں ہے تو ۱۱، ۱۱ مرتبہ پڑھ لے، اور اس کا بھی موقع نہیں ہے تو ۳، ۳ مرتبہ پڑھ لے، مگر بالکل ناغہ نہ کرے۔

پھر اذکار و اوراد کا اصل فائدہ اس وقت ہوتا ہے جب انسان انہیں دھیان اور توجہ کے ساتھ پڑھے، شروع شروع میں دل نہیں لگتا، لیکن مشق کرنے سے رفتہ رفتہ دھیان ہونے لگتا ہے۔

دِلکش
دِلنشیں
دِلفریب

حُسین کے پارچہ جات

حسین کے خوبصورت پارچہ جات
نہ صرف آنکھوں کو بھلے لگتے ہیں
بلکہ آپ کی شخصیت کو بھی
نکھارتے ہیں۔ جو ذہن جیت لیں!

مردوں، عورتوں کے ملبوسات کیلئے
موزوں۔ حسین کے پارچہ جات
شہر کی ہر بڑی دکان پر
دستیاب ہیں۔

FABRICS

خوش پوشی کے پیش رو

حُسین ٹیکسٹائل ملز
حُسین انڈسٹریز لمیٹڈ کراچی
کا ایک ڈویژن

افاداتِ عارفی

مطاعنا المکرم ڈاکٹر عبد الحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ
کے ملفوظات
برمکان: ڈاکٹر حفیظ اللہ صاحب مدظلہم العالی
بتاریخ ۲۰ شوال المکرم سنہ ۱۳۸۳ھ

فرمایا کہ میں نے حضرت مولانا حکیم الامت علیہ الرحمۃ کو اپنے قبض اور تشویشات تحریر کیں تھی تو ان کے جواب میں تحریر فرمایا ۔

برصراطِ مستقیم اے دل کسے گمراہ نیست

اھدنا الصراط المستقیم ایک دُعا ہے اس کے بعد الذین انعمت علیہم فرمادیا ۔ کہ جو لوگ منعم علیہم ہیں ان کی راہ پر چلا لھذا جو ایسا مرشد مل جائے اسی کے پیچھے ہوجائے ۔ یہی صراطِ مستقیم ہے ۔

صراطِ مستقیم کی ایک مثال دیا کرتا ہوں کہ ایک جنگل بیابان ہے درندے موذی جانور گڈھے خاردار درخت اندھیرا بجلی کڑک غرض ایک وحشتناک منظر تصور کر دیکن بجلی کوندتی ہے تو ایک سیدھا راستہ نظر آنے لگتا ہے اسپر ہم آئے تو معلوم ہوا کہ ہم سے آگے آگے کوئی دوسرا شخص جا رہا ہے اس سے دریافت کیا کہ تم کون ہو اس شخص نے جواب میں کہا کہ

میں اس راہ کو دیکھے ہوئے ہوں اور اکثر آیا جایا کرتا ہوں خوب واقفکار ہوں تو اب اس کے مل جانے کے بعد دل کا کیا حال ہوگا کتنا غنیمت ہوگا اس کا مل جانا پھر وہ شخص کہتا ہے کہ میرے پاس ٹارچ اور روشنی بھی ہے ہر چیز کو دیکھ بھال کر کے چلوں گا یہی حال مرشد کا ہے۔

فرمایا۔ محبت۔ تواضع کے ساتھ بے تکلف ہو جانے کا نام ہے۔

فرمایا۔ کہ ایک حالت وہ ہے کہ ہم چاہتے ہیں کہ ایسا ہو یعنی گوارا مسرت والی باتیں اور اور حالات، اور ایک وہ حالت ہے کہ ہم نہیں چاہتے لیکن حق تعالیٰ چاہتے ہیں کہ اس کو اس طرح رکھا جائے۔ گویا ایک حالت کو ہم چاہتے ہیں کہ ہٹ جائے اور حق تعالیٰ چاہتے ہیں کہ وہ حالت رہے تو اب تم ہی بتاؤ اچھی حالت کون سی ہوگی جسے ہم چاہیں یا جسے خدا چاہے وہ حالت بہتر ہوگی۔ اسی لئے قبض میں وہ مقامات طے ہو جاتے ہیں کہ بعد میں اور اعمال کرنے سے بھی طے نہیں ہوتے۔

فرمایا۔ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ وعظ میں کبھی فرماتے کہ یہ بات مجھے اب تک معلوم نہیں تھی ابھی ابھی القاء ہوئی ہے پھر فرماتے ہیں یہ تحدیث بالنعمۃ کی وجہ سے کہتا ہوں اس کے بعد وعظ سے ٹھہر کر استغفار فرماتے کہ یہ مقامِ نازک ہے میں تحدیث بالنعمۃ سمجھ رہا ہوں اور ہو سکتا ہے عجب ہو گیا ہو اپنے نفس کی بہت دیکھ بھال رکھتے تھے۔ کبھی فرماتے یہ سب حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا صدقہ ہے۔

فرمایا۔ کہ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ خود فرماتے تھے کہ بیان القرآن کی قدر اس کو ہوگی جو عربی کی تفسیریں دیکھے اس کے بعد اس کا مطالعہ کرے۔ میں نے بڑے بڑے اختلافی مسائل کو دو لفظ بڑھا کر حل کر دیا ہے۔

فرمایا۔ کہ بوادر النوادر یہ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی آخری تصنیف ہے۔ خود حضرت والاؒ نے چیدہ چیدہ مضامین اس میں لکھوائے ہیں۔

فرمایا۔ ایک مرتبہ حضرت منصور حلاجؒ کے متعلق کوئی کتاب تحریر فرمائی تھی تو سرورق کوئی شعر لکھنے کے لئے تلاش تھی خدام نے سوچ کر ایک شعر پیش کیا کہ یہ شعر بہت اچھا ہے جس کا پہلا مصرعہ مجھے یاد ہے ؎

ناحق منصور کہ سرِ دار کرتے ہیں

دوسرا مصرعہ کا مطلب یہ تھا کہ اصل ساز تو وہی ہیں، اس شعر کو سُن کر حضرت والاؒ نے فرمایا کہ یہ شعر اچھا نہیں ہے۔ غلط شعر ہے۔ سب حیران۔ فرمایا اس میں شریعت کی توہین ہوتی ہے ایک مسئلہ بھی شرع کا ناحق نہیں ہے۔ شریعت کوئی کام ناحق کرنیکا حکم نہیں دیتی ہے۔

حضرت والا شریعت کو تصوف پر مقدم فرماتے تھے۔ ایک شخص نے ایک عریضہ لکھا اس میں کچھ اپنے حالات باطنی لکھے اور کچھ مسائل دریافت کئے تو جواب تحریر فرمایا کہ ایک ہی خط میں مسائل شرعیہ اور اصلاح باطنی کی باتیں جمع نہیں کرنی چاہیئے۔ یعنی تحریر میں پہلے مسائل شرعیہ لکھا اتنا اہتمام تھا۔

اسی طرح کتابیں رکھنے میں فرق فرماتے تھے پہلے عربی پھر فارسی پھر اردو کی رکھا کرتے تھے۔ اندر جب کسی سے قرآن شریف رکھنے کو فرماتے تو ضرور یہ فرمادیا کرتے کہ دیکھنا وہ کھونٹی پر کپڑوں کی گٹھری لٹک رہی ہوگی قرآن شریف کو رکھنے سے پہلے اس کو نیچے اتار کر رکھ دینا۔ پھر تپائی پر قرآن شریف رکھنا۔

حضرت والاؒ اپنے معمولات کے بہت پابند تھے اسی لئے تو دس دس پارے روزانہ پڑھتے تھے اتنا اہتمام تھا کہ ایک مرتبہ حضرت شیخ الہندؒ تھانہ بھون تشریف لائے تو جس وقت بیان القرآن لکھنے کا معمول تھا عرض کیا کہ دس منٹ کی اجازت ہو تو میں چلا جاؤں انہوں نے فرمایا ہاں آکر بیان القرآن کوئی پانچ منٹ لکھ کر پھر چلے گئے۔ ناغہ ہونے میں برکت جاتی رہتی ہے چاہے پانچ ہی منٹ کیا مگر اس کو لکھا ضرور ہے۔

فرمایا۔ کبھی کبھی آپ آنکھ بند کرکے لیٹ جاتے تھے۔ خدام سمجھتے شاید تھک گئے ہیں یا غنودگی ہے لیکن حقیقت میں آپ اس وقت بھی سوچا کرتے تھے۔ جب کوئی بات یاد آتی فوراً فرماتے کہ اس آیت کے متعلق یہ بات ذہن میں آئی ہے وہ لکھ لیں۔

فرمایا۔ مولانا عبدالغنی صاحب پھولپوریؒ بھی اپنے معمولات کے بڑے پابند تھے۔ اگر کسی وجہ سے ناغہ ہو جاتے تو سوتے وقت جب تک ان کو پورا نہ فرمالیتے تھے سوتے نہیں تھے۔

فرمایا۔ جب خلوص کیساتھ کوئی جذبہ پیدا ہو تو اس کو اول وقت ہی میں پورا کرلینا چاہیئے کیونکہ اللہ تعالیٰ براہِ راست وہ جذبہ پیدا فرماتے اور وہی دل میں ڈال دیتے ہیں ایسا ارادہ

دفعتہً وارد ہوتا ہے اگر اسکو نہ کیا تو وہ جاتا رہے گا جذبۂ خلوص کی قدر کرنی چاہیئے، وارد کی پہچان یہ ہے کہ وہ مکرر ہوتا ہے بار بار دل تقاضہ کرتا ہے کہ نیک کام میں دیر نہ کرے اور جس کے ساتھ کوئی سلوک کرنا ہو تو اس سے عوض اور بدلے کا بالکل خواہاں نہ ہو نہ امید رکھے نہ چاہے بلکہ یہ خیال کرے کہ جس نے یہ تقاضائے محبت پیدا کیا ہے عوض اس سے ہی لیں گے دینی محبت کا صدیہی ہے ان اجری الّا علی اللہ۔

فرمایا۔ متقی وہ شخص ہے جو نیکی کر کے اللہ تعالیٰ ہی سے عوض کا طالب ہو مخلوق سے بدلہ طلب نہ کرے نیکی کا تعلق مخلوق سے ہے ہی نہیں اور نہ کوئی مخلوق اس کا عوض دے سکتی ہے مخلوق سے توقع خام توقع ہے تم نے محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کیا ہے اور احسان جتلانا تو بہت ہی بُری بات ہے جذبۂ محبت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے اس کا شکر کرے اور مخلوقات سے اجر کو اُٹھا کر رکھدے۔

خدمت کر کے انسان کو خوشی ہوتی ہے عوض چاہنے سے یا ارادہ کرنے سے اسکی مسرت ختم ہو جاتی ہے بزرگوں کی محبت میں یہی خالق و مخلوق کا پردہ اُٹھ جاتا ہے اس لئے اس سے محبت کرنے میں مزہ آتا ہے یہ مذاق رکھے ان صلواتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین اور مخلوق تو کبھی راضی نہ ہوگی راضی اسی کو کرے جو علیم وخبیر ہے۔

فرمایا۔ دین کے پانچ اجزاء ہیں اعتقادات، عبادات، معاملات، معاشرت اور اخلاق اگر غور سے دیکھا جائے تو اصل میں دو جزء ہیں معاملات و معاشرت مخلوق سے معاملہ درست ہونا چاہیئے۔ دیکھئے عقائد کا مصرف بھی مخلوق ہے احسان کا درجہ جیسا عبادت میں ہے اسی طرح معاملات میں معاشرات میں بھی ہے جتنی عقائد کی درستگی ہوگی اتنی ہی عبادات معاملات معاشرات درست ہوں گے اخلاق کا تعلق بھی مخلوق سے ہے اخلاق مخلوق کے ساتھ ہی ظاہر ہوتے ہیں اگر معاملات معاشرات صحیح ہوں تو عقائد و اخلاق سب درست ہو جاتے ہیں اور سب کا خلاصہ یہ ہے کہ اپنے آپ سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے حدیث شریف میں ہے المسلم من سلم المسلمون من لسانہ و یدہ (مشکوٰۃ) کامل مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ و زبان سے دوسرے مسلمان کو تکلیف نہ پہنچے۔

فرمایا۔ جنت میں رہنا لامتناہی ہے کیونکہ جنت کے دخول کا سبب ایمان ہے اور صفتِ ایمان لامتناہی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات بھی لامتناہی ہیں اور لامتناہی صفات پر ایمان لانا بھی لامتناہی ہے اور لامتناہی ایام تک ایمان رکھنے کا ارادہ ہے اسی لیۓ جنت کا دخول بھی لامتناہی ہوگا باقی اعمال تو فانی ہیں اسی لیۓ اعمال پر دخولِ جنت موقوف نہیں ہے ایمان کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ ہے اور اعمال کا تعلق ہماری ساتھ ہے باقی رہے معاصی وہ تو ایک ہی استغفار میں ختم ہو جاتے ہیں ایک مرتبہ آدمی تسلی سے بیٹھ جائے اور بالغ ہونے کے بعد سے جو جو گناہ کئے ہیں جو یاد آجائے سب اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کرتا جائے پھر یہ کہے کہ جو مجھ کو یاد ہے اور جو مجھ کو یاد نہیں ہے سب آپ معاف فرما دیجئے اور اتنی مرتبہ استغفار کرے کہ تھک جائے بس یہ یقین کرے کہ اب میں عاجز ہوگیا ہوں رب قدوس نے بخشدیا ہے اس کے بعد ان معاصی ماضیہ کو کبھی یاد نہ کرے شیطان صفاتِ خداوندی سے ہٹا کر معاصی کے خیال در خیال کی گردان میں لگا دیتا ہے بجائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ رازق رحیم کریم ہونے کی طرف دھیان کرے گناہوں کے خیال میں منہمک کر دیتا ہے دعا میں دھیان اللہ تعالیٰ کی طرف ہونا چاہیئے اور ہو جاتا ہے غیر اللہ یعنی معاصی کی طرف۔ صرف اجمالی طور سے استغفار کر کے اُمید رکھے اور پوری امید رکھے کہ اس نے بخشدیا ہے اسکی نعمتوں کا شکر کرتا رہے شکر و استغفار دونوں متناہی ہیں اعمال و عبادات کی کوتاہی اور اس کے شکر میں کوتاہی اور پوری ادا نہ کرنے پر استغفار کرتا رہے۔

فرمایا۔ دو چیزیں بڑی ضروری ہیں کثرتِ ذکر و صحبتِ اہل اللہ۔ کونوا مع الصادقین جن میں صفتِ صدق پیدا ہوگئی ہے ان کے ساتھ ہو جاؤ صدق اخلاص سے اُوپر ہے، معلوم ہوا کہ خلوص بھی کافی نہیں بلکہ صدق ہی ہونا چاہیئے۔ بدعتی مخلص ہوتا ہے مگر اس میں صدق نہیں ہوتا۔ درود شریف کا لحاظ رکھنا بھی صدق ہے حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ میری تعلیم کی تم نے قدر نہ کی حالاں کہ انہوں نے سب کر کے دکھلا دیا حضرت کی تربیت و تعلیم الہامی ہے تم اس کو چھوڑ کر کہاں جاتے ہو۔

۸۲ سال تک مسلسل دین کی خدمت کی ہے تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد ان کو

کیا معلوم تھا کہ ان کو کتنا کام کرنا ہے ان کی طرح ملفوظات کسی کے لکھے گئے ہیں طبیعت میں اتنی پختگی تھی کہ جو رنگ اول میں تھا وہی اخیر تک رہا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو بہت احساس تھا کہ دین کسی طرح لوگوں کے سینے میں ڈال دوں۔ لیکن لوگوں نے ان کی قدر نہ کی۔

حضرت سید سلیمان ندویؒ ایک مرتبہ رات کو آئے حضرت کو معلوم ہوگیا تو رات ہی کو بلایا اور فرمایا کہ میری تصنیفات میں سے اقتباسات شائع کرنا صبح ملاقات ہوئی تو پھر یہی ارشاد فرمایا اس مذاق کو لوگوں نے سمجھا نہیں حضرت مفتی صاحبؒ نے یہی معمول کر لیا تھا ملفوظات پڑھا کرتے اور سُنا کرتے تھے ایک مرتبہ حضرت مفتی محمد حسن صاحبؒ نے کانپور میں وعظ فرمایا کہ میں تو حضرتؒ کی سُنی سُنائی بات عرض کروں گا۔ علماء کی بد مذاقی دیکھئے کہ حضرتؒ سے تعلق ہوتے ہوئے دوسری دعائیں اور مضامین شائع کر رہے ہیں مگر مفتی صاحبؒ نے اپنا یہی رنگ قائم کیا تھا ان کو مذاقِ تامہ حاصل تھا اصلاح کے آسان نسخے سے شروع کیا لیکن مشاغل کی کثرت کی وجہ سے اس کو پورا نہ کر سکے آپ حضرات اپنی طرف سے کوئی الفاظ نہ بڑھائیں ان ہی کے الفاظ تک محدود رکھیں اپنے ملفوظات و تصنیفات خود حضرتؒ بھی سُنتے تھے تربیۃ السالک پڑھا کریں بڑے کام کی کتاب ہے لیکن عوام نہ پڑھیں دعا کریں اللہ تعالیٰ ہم کو بھی توفیق بخشیں۔

فرمایا۔ صاحبِ حال کو جو شیخ جواب دیتا ہے وہ منجانب اللہ ہوتا ہے۔

فرمایا۔ کہ سلسلے کے بزرگوں کے شجرے میں نام لینے اور ان کو ایصالِ ثواب کرنے سے روحانی فیض ہوتا ہے اور یہ بیعت کا سلسلہ بھی دست بدست اوپر تک پہنچتا ہے حتی کہ ارشاد نبوی ہے ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ۔ ید اللہ فوق ایدیھم جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ حق تعالیٰ ہی سے بیعت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے۔

بیعت ایک معاہدہ ہوتا ہے کہ میں اس پر قائم رہوں گا اور اس سلسلے کے مسلک پر چلوں گا بیعت کے بعد پھر اسی مسلک پر چلنا چاہیئے دوسرے مسلک پر نہ چلنا چاہیئے، اگرچہ سب حق ہیں مگر جس پر چلنے کا وعدہ کیا ہے اس پر بیعت کی ہے اس کو کبھی نہ چھوڑنا ہے

اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک تو اتنا مضبوط ہے اور مستند ہے کہ اس کو چھوڑ کر کہاں جائیں اگر کوئی جائے تو جائے۔ اس خود بینی و خود رائی کا ہم کیا کریں ایک مسلک کو اختیار کر کے اپنی رائے سے چلنا یہ کوئی چیز نہیں بیڈھنگا پن ہے۔ ہمارے حضرت مفتی صاحبؒ فرمایا کرتے "ہمارے حضرتؒ کیا عجیب تھے"، اگر اب بھی حضرتؒ کو سمجھنا ہے تو ان کو ان کی تعلیم و تربیت سے انکو سمجھیں جب ان کی تعلیم و تربیت میں یہ کیفیت ہے تو اندازہ کرو کہ انکی مجلس و وعظ میں کیا اثر ہوگا۔

ایک شخص نے خط لکھا کہ میں نے آپکی کتابیں پڑھی ہیں مجھ پر بہت اثر ہوا اس لئے میں بیعت ہونا چاہتا ہوں جواب لکھا یہاں سامنے آجاؤ ہم آپ کو دیکھیں آپ ہم کو دیکھیں مناسبت کے بعد ہی بیعت ہو سکتی ہے۔

فرمایا۔ اگر سامنے جا کر دیکھو تو بالکل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا نمونہ تھے اور جو کتابوں میں لکھدیا ہے وہ عمل کر کے دکھایا ہے۔

فرمایا۔ ہر دعا میں یہ دعا بھی کرنی چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ سے استقامت فی الدین و اہتمام دین اور مقبول عمل کی توفیق مل جائے۔

فرمایا۔ ایک شخص نے بیعت کی درخواست کی حضرت نے فرمایا کہ ابھی خط و کتابت کرتے رہو۔ کچھ دن کے بعد ان صاحب کا دیہات میں جانا ہوا تو وہاں سے خط لکھا کہ حضرت یہاں باغ و بہار اور سرسبزہ بہت ہے اس پر جواب دیا کہ آپ کو مجھ سے مناسبت نہیں ہے۔ اسلئے بیعت نہیں کروں گا۔

فرمایا۔ شیخ کا مذاق دیر سے معلوم ہوتا ہے۔ اور دیر سے سمجھ میں آتا ہے لیکن شیخ کے رنگ میں رنگ جانا چاہیئے۔

فرمایا۔ ہمارے حضرتؒ کا مذاق یہ تھا کہ ہمہ وقت اپنے نفس کا جائزہ اور محاسبہ فرماتے رہتے تھے کبھی عمر بھر اس سے غافل نہیں رہے کہ کہیں میرا کردار میرا گفتار سنت کے رنگ سے جدا تو نہیں ہے۔ تحدث بالنعمت کے طور پر کسی انعام الٰہی کا ذکر فرما رہے ہیں کہ خدا کا یہ فضل حاصل ہے اور ذرا سی کھٹک ہوتی فوراً استغفار کرتے۔

فرمایا۔ ایک شخص حضرت والاؒ کے وعظ میں شامل ہوا تو وعظ سننے کے بعد فرمایا کہ

ایسا واعظ ہم نے کبھی نہیں دیکھا جس کے ہر ہر لفظ میں اثر ہو۔

ایک مرتبہ حضرت والاؒ نے اثناءِ وعظ میں فرمایا کہ میرا لہجہ کبھی وعظ میں تیز ہو جاتا ہے سو یہ میری مزاج کی حدت کی وجہ ہے ورنہ میں بقسم کہتا ہوں کہ جو کچھ میں کہتا ہوں وہ سب نفس ہی کو کہتا ہوں ما اپنے ہی نفس کو خطاب کرتا ہوں اپنے نفس کا علاج کرتا ہوں لہذا سامعین بطیب خاطر رہیں میں آپکو مخاطب نہیں کرتا۔ اسی لئے مخاطبین کم یا زیادہ آئیں یا نہ آئیں مجھے اس سے کوئی واسطہ نہیں کیوں کہ میں اپنے آپ ہی کو مخاطب بنا کر کہتا ہوں۔

فرمایا۔ تھانہ بھون میں حضرتؒ نے کسی کو دیکھا کہ لوکی پکا کر کھا رہا ہے اس سے پہلے دھیان نہ تھا بس دیکھتے ہی سنت کا خیال آگیا اور ملازم سے کہا کہ آج کے بعد سے جب تک بازار میں لوکی رہے ضرور لے آیا کرو یہ تھا سنت کا جذبہ۔

ایک مرتبہ عہد کیا کہ میں نفس کا ایک ایک لمحہ کا جائزہ لیا کروں گا کہ کتنی باتیں کب کب کی ہیں اور پھر تین دن اسی میں لگے رہے یہ سب کچھ ہمارے لئے بھی کیا کہ ہم کو ایسا کرنا چاہیئے۔

لہذا خوب معلوم کرو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح چلتے تھے بیٹھتے تھے سوتے تھے شمائلِ ترمذی کا اردو ترجمہ چھپ گیا ہے وہ منگا لو اور پڑھو تمام سنتیں معلوم ہوں گی پھر اسی طرح ان پر عمل کرو نشر الطیب میں ایک باب ہے اس کو دیکھو اس میں درود شریف کے صیغے لکھے ہیں وہ بھی پڑھو۔ آخر یہ سب باتیں کب کرو گے۔ یہ تو کرنے ہی کی ہیں تین دن تک خوب مطالعہ کرو پھر اپنا معمول بنا لو۔

پھر تین دن کے بعد حیوٰۃ المسلمین کی روحِ نہم پڑھو۔ بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ ہر جمعہ کو اس کو ایک مرتبہ پڑھ لیا کرو۔

فرمایا۔ شیخ ایسا ہونا چاہیئے جو متبع شریعت و سنت ہو جس کے پاس بیٹھ کر اللہ تعالےٰ کی یاد تازہ ہو دنیا سے نفرت ہو جائے ایسا اگر شیخ مل جائے تو غنیمت جانو اگر ایسا شیخ نہ ملے تو میری تعلیم و تربیت کو غور سے پڑھا کرو یہ بھی کافی ہے۔

فرمایا۔ اپنا جائزہ لیتے رہا کرو ہماری عبادت کیسی ہے۔ ہمارا معاملہ کیسا ہے ہمارا اخلاق کیسا ہے۔ فرمایا اخلاق کا جائزہ لینا ہو تو کراچی کی بس میں سوار ہو جاؤ سب معلوم ہو جائیگا۔

فرمایا۔ اپنی تمام زندگی اتباعِ سنت میں ڈھالو اپنا اخلاق معلوم کرنا ہو تو اپنی بیوی اور پڑوسی سے پوچھو دوست کیا جانے اخلاق کو۔

فرمایا۔ دوسرے سے خدمت لینا حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو ناگوار تھا فرمانے کہ میں خادم ہوں مخدوم نہیں ہوں ملازم کو حقیر مت سمجھو وہ تمہارے معاوضے میں کام کرتا ہے تنخواہ دینا تمہارا احسان نہیں ہے۔ وہ اپنے کام کے پیسے لیتا ہے۔

فرمایا۔ چند باتیں تصوف کی مل گئیں ہیں اور درویش بن گئے اس طرح درویش نہیں بنتے۔ اگر ہلدی کی گانٹھ مل گئی تو بنئے ہی بن بیٹھے۔

فراغِ دل زمانے

ایک مرتبہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کہیں تشریف لے جا رہے تھے کوئی بات ذہن میں آئی فوراً اس کو نوٹ کر لیا اور فرمایا کہ دل کا بوجھ کاغذ پر ڈال لیا ہے دل کو فارغ رکھنا بھی بڑا ضروری ہے ورنہ اعمال میں یکسوئی نہیں ہوتی تب بھی کام اطمینان سے نہیں ہوتا یہ فراغِ قلب ہی کی بات تھی کہ دن بھر چلتے پھرتے دس پارے روزانہ پڑھ لیا کرتے تھے لہٰذا ہم میں تواضع و غریب پروری حقوق کی ادائیگی اگر یہ نہ کریں گے تو کاہے کی مناسبت ہے۔ حضرت والاؒ کی تواضع کا یہ حال تھا کہ کوئی بات ہوتی فوراً اپنے شیخؒ کی طرف منسوب فرما دیتے بات اپنی ہوتی اور منسوب کر دیتے بڑے میاں کی طرف اور حال یہ کہ جس کسی کو جس کام میں لگا دیا وہ اس میں کامیاب ہو گیا۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ ہر طالب کی حیثیت کے مطابق کام لیتے تھے۔

ایک مرتبہ ایک ننھے میاں تھے انہوں نے خط لکھا کہ مجھ سے تعلیم و تربیت و معمولات پورے نہیں ہوتے کیا کروں جواب لکھا کس جھگڑے میں پڑے تم کو مجھ سے محبت ہے۔ مجھ کو تم سے محبت ہے: یہی کافی ہے شکستگی ہی کافی ہے کہ میں عاجز ہوں کرتا ہوں مگر معمول پورا نہیں ہوتا۔

فرمایا۔ امر بالمعروف کا مطلب یہ ہے کہ خیر خواہی کے ساتھ کسی کو بات کہنا ورنہ

اگر عجب خواہی نہ ہو تو کبر ہے اور بعض مرتبہ اللہ اللہ کرنے سے ہو جاتا ہے لہذا ایک شخص کو ت والا نے یہی لکھا تم اپنا ذکر بند کرو مسجدیں جھاڑ دو۔ صفیں بچھاؤ و نمازیوں کی جوتیاں سیدھی کرو۔

فرمایا۔ جتنی عبادات پر نظر کریں گے اتنی ہی خامی پیدا ہوگی۔ معصیت کی تاویل کرنا تو معصیت ہے۔ جس نے اپنے آپ کو لغویت سے بچالیا اس نے بڑا کام کیا۔ غفلت صرف وہی بری ہے جو معصیت کی محرک ہے اور لغویت اس کام کو کہتے ہیں جس سے نہ دنیا کا نفع ہو نہ دین کا نفع ہو۔

فرمایا۔ ہر عمل کی ایک خاصیت ہوتی ہے اور جب وہ خاصیت آدمی میں رونما ہوتی ہے تو عجب و ناز پیدا ہوتا ہے اسلئے اجازت لی جاتی ہے تاکہ ناز نہ ہو کہ یوں سمجھیگا کہ فلاں شخص کی اجازت سے یہ کام کیا تھا یہ ان کی برکت ہے ان کی دعا کا اثر ہے میں تو ان کا ایک خادم ہوں۔

فرمایا۔ یاس اور ناز دونوں سبب ہلاکت ہیں ان دونوں سے حفاظت شیخ کا ہونا ہے۔ خاتمہ بالخیر بڑی نعمت ہے اس کے لئے بھی شیخ کا ہونا بڑا ضرورت کا کام ہے۔ اس لئے کہ خاتمہ کے وقت جو جو وساوس شیطان ڈالے گا وہ سب وساوس وخطرات کا علاج شیخ سے کراچکا ہے اگر ہزار شیطان کہے گا تو خود شیخ کی بات یاد آجائیگی ساری شریعت کا خلاصہ حقوق وحدود ہیں آدمی یہ جان لے کہ شرعی حدود اور حقوق کیا کیا ہیں۔

فرمایا۔ ہم لوگ بھی نوافل پرست ہیں نوافل ادا کرنے سے بزرگی ذہن میں بستی ہے فرائض میں تقدس کا پتہ بھی نہیں ہوتا۔

فرمایا۔ ایک لمحہ کے لئے بھی کسی سے دین کا تحفظ ہو جائے تو غنیمت ہے سارے زمانے کے ہم مکلف نہیں کائناتِ عالم کا کہاں حق ادا ہو سکتا ہے اس کے لئے صرف استغفار ہے ہر کوتاہی کا علاج استغفار ہے۔

فرمایا۔ عبدیت کا اظہار شکرِ نعمت سے ہوتا ہے اور شکر نعمت واجب ہے اور ناگوار حالت میں صبر واجب ہے یہ دونوں مقامِ قرب ہیں۔

مقام کی تعریف فرمائی کسی عمل کی عادت ہو جانے کا نام ہے مثلاً شکر کا اہتمام کیا

کرتے کرتے عادت ہوگئی تو مقامِ شکر حاصل ہوگا۔

فرمایا۔ دعا کرنے کا حکم ہے اس لئے دعا کرتے ہیں آپ نے انجام پر کیوں نگاہ کی تھی کہ آئندہ یہ کام بھی ہو جائے آپ نے تعمیل کر لی دعا مانگ لی اور اس سے ان کی رضا وابسطہ ہو گئی اللہ تعالیٰ کا کہنا مان لیا وہ راضی ہو گئے پس اب دعا کرنے پر شکر کرو اور اسی تعمیل کر لینے سے وہ راضی ہوتے ہیں دعا کرنے میں خدا کی رضا مل گئی اور کیا چاہتے ہو یہ کیا کم ہے کہ اس کی رضا مل گئی یہی زندگی کا حاصل ہے اور اگر جو دعا کی تھی وہ نہ ملی تو صبر کرو یہ سمجھو کہ وہ نہ دینے پر راضی ہے اگر دینے پر راضی ہوتے دیدیتے وہ نہ دینے میں راضی ہیں تو صبر کرو اس طرح بھی اسکو رضا مل گئی تو صبر و شکر دونوں سے اسکی رضا حاصل ہوتی ہے اور اس سے اللہ تعالیٰ کا قرب نصیب ہوتا ہے تو نہ ملنے پر بھی قرب دیدیتے ہیں تو اگر کوئی ہزار عمدہ چیز مانگی ہو مگر قربِ خداوندی سے تو بہتر نہیں ہو سکتی تو انجام کو کیوں دیکھتے ہو قرب مل رہا ہے۔ یہ دونوں طرح حاصل ہو جاتا ہے۔

فرمایا۔ غفلت اس کو کہتے ہیں کہ آدمی اپنے خالق کو بھول جائے اور اپنی ہلاکت کے عمل کرے۔

فرمایا۔ صبر و شکر استغفار سب سے زیادہ قرب کا ذریعہ ہے۔

فرمایا۔ توبہ و استغفار کر لینے کے بعد کبھی بھی نا امید ہونا ہرگز نہیں جب وہ خود حکم دیدیتے ہیں کہ توبہ کرو استغفار کرو تو ضرور معاف فرمائیں گے۔

فرمایا۔ کہ ایک مرتبہ توبہ استغفار کر لینے کے بعد پھر انہی گناہوں کا استحضار کرنا اور بار بار۔ یاد کرنا خود بینی ہے ایک مرتبہ خوب جی بھر کر توبہ کر لو اتنا کرو اتنا کرو کہ ٹھیک ہو جاؤ اور یہ کہو کہ ہم تو اب تھک گئے عاجز ہیں بس عاجزی آگئی قوی امید کرو کہ اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیا ہے۔ اس کے بعد پھر انہی گناہوں کو یاد کرنا بڑی ناقدری ہے۔ استغفار کرنے کیلئے اس نے توفیق دی زبان دی دل میں ڈالا کہلوایا بھی انہوں نے تو معاف کر دیا کیوں نہ فرما دیں گے پھر یہ سمجھنا کہ معاف نہیں کیا یہ نعمت استغفار کی ناقدری ہے ناشکری ہے آپ نے گویا اسکو غفور الرحیم نہ سمجھا۔

حضرت نجم احسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ یہ تو ایسا ہے کہ ہم کسی حاکم کو درخواست دیں اور اس میں یہ لکھیں کہ مجھ کو فلاں ضرورت ہے لیکن آپ سے امید نہیں کہ یہ کام آپ کر بھی دیں گے یا نہ یہ کوئی درخواست ہے اسی طرح یہ بھی ہے کہ امید تو ہے نہیں کہ آپ معاف کر دیں گے لیکن خیر معافی مانگ لیتے ہیں۔ یہ بھی کوئی استغفار ہے اجی یوں سمجھو کہ وہ ضرور معاف کر دیں گے ضرور معاف کر دیں گے اور اگر وہی گناہ معاف نہ کریں گے تو اور کا ہیکو معاف کریں گے آپ ہی بتایئے وہ غفور الرحیم کا ہے کے ہیں انہوں نے گناہ کو کسی کیلئے تو پیدا کیا ہے وہ ہمارے لئے ہی پیدا کیا ہے لہذا گناہ ہم سے ہوگا گناہ بھی تو اس کی مخلوق ہے وہ بے چارا کہاں جائے گا اس کا بھی تو وہی خالق ہے لہذا ہم سے گناہ بھی ہوگا اور وہ بخشدیں گے بھی ضرور۔ اجی جب ہمارے ابا نے کبھی نہیں مارا تو وہ کیوں ماریں گے۔

فرمایا۔ گناہ تو محدود ہیں اور رحمتِ خداوندی غیر محدود ہے تو محدود کا تو اتنا خیال کیا اور لامحدود رحمت پر نظر نہ کی رحمتی وسعت کل شئ۔

لہذا ماضی کے گناہوں کو جو لامحالہ محدود ہیں ان کے لئے ایک استغفار کافی ہے مستقبل میں کوئی گناہ نہیں وہاں صرف رحمت خداوندی اس کے احسانات ہی احسانات ہیں ان پر نظر کرو اور مستقبل بھی لامحدود ہے دخول جنت بھی مستقبل میں ہے لہذا مستقبل کو سوچو اور شکر کرتے رہو جو گناہ صادر ہو جائے استغفار کیا وہ ماضی ہوا ہر وقت گناہ ہو ہر وقت استغفار ہو اور ماضی میں داخل کرے مستقبل میں رحمت خداوندی کے معنے کا استحضار رکھو دل میں اس کے احسانات اور دعا و شکر کرتے رہو۔ وصلّی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمّد و آلہٖ و اصحابہٖ و بارک وسلّم۔

بغیر شدید ضرورت کے قرض لینا اور خصوصًا جب کہ وقت پر ادائیگی کا کوئی یقینی ذریعہ نہ ہو تو بجائے قرض لینے کے کچھ دنوں تنگی و کلفت برداشت کر لینا زیادہ بہتر ہے یا مروتًا قرض دینا جبکہ خود اس کی استطاعت نہ ہو اکثر شدید خفت اور کلفت کا باعث ہوتا ہے اس لئے شروع ہی میں کچھ بے مروتی سے کام لیا جائے، اسی میں مصلحت ہے۔ ازافاداتِ عارفیہ)

• جناب محمد عبداللہ میمن صاحب

جواہراتِ عارفی

اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے احقر کو عارف باللہ حضرت مولانا ڈاکٹر محمد عبدالحی قدس اللہ سرہ کی مجالس میں شرکت کی توفیق عطا فرمائی، اور ان سے فیضیاب ہونے کا موقع عطا فرمایا۔ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ سے سنی ہوئی چند باتیں پیش کر رہا ہوں، جن پر عمل کرنے سے زندگی بدل سکتی ہے۔ اور دنیا و آخرت کی کامیابی اور کامرانی حاصل ہو سکتی ہے، اس لئے کہ یہ جواہرات حضرت عارفی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کا نچوڑ ہے، جو آپ نے اپنے خدام کے سامنے بیان فرمائے،

یہ ملفوظات وہ ہیں جو حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مطب میں ارشاد فرمائے، اس لئے کہ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کا معمول یہ تھا کہ جب آپ مطب میں تشریف لاتے تو آپ کی خدمت میں روحانی مریض اور جسمانی مریض دونوں حاضر ہوتے، کبھی آپ جسمانی مریضوں کی طرف توجہ فرماتے، اور کبھی روحانی مریضوں کی طرف، اور جو لوگ صرف جسمانی امراض کے لئے حاضر ہوتے، ان کو بھی آپ کچھ روحانی غذا دے دیتے۔ اور انکو خالی نہیں جانے دیتے۔

ہمّت اور وقت کی قدر

ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ: اگر ہمت کا سرمایہ کسی کے پاس موجود ہے، تو اس کا جائز استعمال ہونا چاہیئے ناجائز استعمال نہ ہونا چاہیئے، ہمت اچھی چیز ہے، مگر جب حدود کے اندر ہو ؎

ہمت مرداں مدد خدا

یہ تو صحیح ہے، مگر جہاں ہمت کا مصرف صحیح ہو، وہاں ہمت کرو، لیکن ہمت کرنے سے اگر اپنے نفس پر ظلم ہو رہا ہو، تو اپنے نفس پر ظلم کر کے ہمت کرنا جائز نہیں۔

میری کامیابی کا ذریعہ

فرمایا کہ میں اپنی زندگی کا ماحصل یہی سمجھتا ہوں کہ الحمد للہ! میں نے دو چیزوں کی قدر کی ہے. گھڑی اور قلم، انہیں دو چیزوں نے مجھے عزت دی ہے، یہی دونوں چیزیں ذریعہ بنی ہیں میری کامیابی کا، جتنا بھی بن پڑا، میں نے ہمّت سے کام لیا، ہمّت سے میں نے کبھی کوتاہی نہیں کی. اس عمر پر بھی، بخار کی شدت میں کھڑے ہو کر نماز پڑھتا ہوں لوگوں نے اور ڈاکٹروں نے منع کیا کہ نماز کھڑے ہو کر مت پڑھیں، بیٹھ کر پڑھ لیں، میں نے کہا جب میں کھڑا ہو سکتا ہوں تو بیٹھ کر کیوں پڑھوں۔

اپنی ابتدائی عمر کا ایک شعر یاد آیا، بس اللہ تعالیٰ نے یاد دلادیا ؎

کیا اعتبارِ ہستیٔ ناپائیدار ہے
دم کا جب اک تارِ نفس پر مدار ہے

آئی آئی، نہ آئی نہ آئی، میں اسی کو غنیمت سمجھتا ہوں کہ جو وقت مل جائے کر لو اس میں جتنا کرنا ہے. ؎

ابھی تو ان کی آہٹ پر میں آنکھیں کھول دیتا ہوں
وہ کیسا وقت ہوگا. جب نہ ہوگا یہ بھی امکان میں

بھئی! کر لو جو کچھ کرنا ہے۔

رخصت پر عمل

پھر فرمایا کہ: یہ میری زیادتی تھی، آپ لوگ ایسا نہ کریں۔ رخصت پر عمل کریں، میں اس لئے کر لیتا ہوں کہ معلوم نہیں پھر موقع ملے یا نہ ملے، وضو کرنے میں بیماری کا اندیشہ ہو، تیمم کر لو، اور رخصت پر عمل کر لو، سفر میں اور مرض میں اللہ تعالیٰ نے اجازت دی ہے کہ جب تم سفر میں ہو، یا بیمار ہو تو ہمت سے کام نہ لو، بلکہ رخصت پر عمل کرو۔ اور فرائض ادا کر لو، مستحبات چھوڑ دو، اللہ تعالیٰ تمہارے لئے یُسر چاہتے ہیں تو یہ رخصت ہے، اس پر عمل کرو۔

تعلق مع اللہ کا طریقہ

فرمایا کہ دو چیزیں کرنے سے اللہ تعالیٰ کا تعلق پیدا ہوتا ہے، ایک تو اسکی نعمتوں پر شکر ادا کرنے سے، اور دوسرے استغفار کرنے سے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ۝ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ۝ اس لئے یہ دعا پڑھا کرو:۔ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ۔ رات کو سوتے وقت تین چار مرتبہ پڑھ لیا کرو، انشاء اللہ حق ادا ہو جائے گا۔

عطاء الٰہی غیر فانی ہے

فرمایا کہ ہمارے الفاظ فانی ہیں، لیکن الفاظ کے معانی غیر فانی ہیں، جب ہم نے پڑھا:۔ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ تو الفاظ فنا ہو گئے، ختم ہو گئے۔ لیکن ان الفاظ کی تاثیر جو تھی، وہ غیر فانی ہو گئی، وہ ہمارا سرمایہ ہے آخرت تک، اور جنت تک، کیوں؟ اس لئے کہ تاثیر عطاء الٰہی ہے، اور عطاء الٰہی غیر فانی ہے، ہمارا ہر عمل چاہے نماز ہو، روزہ ہو، حج ہو، سب صورۃً فانی ہیں، مگر انکی حقیقت غیر فانی ہے، کیونکہ وہ عطاء الٰہی ہے۔

بھئی! اچھے عمل کرتے رہو، شکر ادا کرتے رہو، توبہ کرتے رہو، عمر بھر یہی کرتے رہو، ایمان کامل

ہو جائے گا۔

اپنی صلاحیّت کے مطابق کام کرو

فرمایا کہ: ایک چیز میں کہا کرتا ہوں "صلاحیت"، ہر شخص کی صلاحیت جدا جدا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت ہے کہ انکی ہر مخلوق منفرد ہے۔ یہ میرا انگوٹھا تمام عالم امکان میں منفرد ہے، اس سے ہماری انفرادیت معلوم ہوتی ہے کہ ہم دوسری مخلوق سے منفرد ہیں، تو صلاحیت درست کرنے کا جو ضابطہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ تھا وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے ہمارے پاس آیا۔ سب سے پہلے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے وہ ضابطہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پورے کا پورا لے لیا۔ اور وہی ضابطہ ہمارے پاس ہے، لیکن ظرف ہر ایک کا الگ الگ ہے۔ انکا ظرف زرین تھا، بلوری اور نورانی تھا، ہمارا ظرف ان صفات سے خالی ہے، لیکن ضابطہ وہی ہے کہ۔ انہوں نے اپنی صلاحست درست کی، ہم اپنی صلاحیت درست کریں، تو الحمد للہ وہی چیز جو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس تھی، وہ ہمارے پاس بھی ہے، ہم اپنی صلاحیتوں کو اسکو مطابق کریں تو عنداللہ مقبول ہو جائیں گے، ہمارے اندر جو صلاحیتیں ہیں، اس میں نقص ہے، مانگو اللہ میاں سے، یا اللہ! ہماری صلاحیتوں کو درست فرما دیجئے، تاکہ ہم بھی آپ کی رحمت اور رضا کے مورد بن جائیں۔ اور ہماری قابلیتوں کو درست فرما دیجئے۔ آمین الٰہ العالمین، بحق سید المرسلین۔ آمین، برحمتک یا ارحم الراحمین۔

* * *

نورس
قومی مشروب
پھلوں سے بنا
پھولوں میں بسا

ضبط و ترتیب :- رشید اشرف سیفی

افتتاحِ بخاری کے موقع پر

حضرت عارفی قدس سرہٗ کا

اساتذہ و طلبہ دارالعلوم سے آخری خطاب

۲۸ شوال ۱۴۰۵ھ (مطابق ۱۷ جولائی ۱۹۸۵ء بروز بدھ) کو دارالعلوم کراچی کے تعلیمی سال کے آغاز اور افتتاح بخاری کے موقع پر جامع مسجد دارالعلوم میں حضرت مولانا ڈاکٹر محمد عبدالحی صاحب عارفی قدس سرہٗ سابق صدر دارالعلوم کراچی نے طلبہ، اساتذہ اور منتظمین سے اہم خطاب فرمایا، جو بیش قیمت نصائح اور دینی مدارس کے لیے بہترین لائحہ عمل پر مشتمل ہے، یہ خطاب ذیل میں پیش خدمت ہے۔

الحمد للہ رب العالمین ○ والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین ○ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ اجمعین ○

الحمد للہ ثم الحمد للہ ہماری زندگی کے لئے آج بڑی مبارک ساعت ہے، یہ بڑی عظیم سعادت ہے کہ ہم آج دارالعلوم کراچی میں صحیح بخاری شریف کا آغاز کر رہے ہیں، یا اللہ! درس حدیث کی یہ مبارک ساعت جو آپ نے ہمیں عطا فرمائی جس میں ہم آپ کے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا اور صحیح بخاری شریف کا آغاز کر رہے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے ایک اعلیٰ مقام عطا فرمایا ہے اور اس کے بڑے بڑے فیوض و برکات قیامت تک کے لئے جاری کر دیئے ہیں، یا اللہ! اس کی برکات کا تمام پڑھنے والوں کو اور پڑھانے والوں کو مورد بنا دیجئے، یا اللہ شرح صدر فرما دیجئے۔ یا اللہ ایسے علوم عطا فرما دیجئے جو سب کے لئے باعث برکت و منفعت بھی ہوں اور باعث سعادت دارین بھی، پھر ان علوم کے مطابق توفیقِ عمل بھی عطا فرما دیجئے۔ یا اللہ! ہم دل سے دعا کرتے ہیں، ہماری دعا قبول فرمائیے۔

یا اللہ! آج دارالعلوم کراچی کی تعلیم کا آغاز ہو رہا ہے، آپ کی ہزاروں برکتوں کے ساتھ، ہزاروں حفاظتوں کے ساتھ، ہزاروں انعامات کے ساتھ آپ ہی اعانت و نصرت فرمائیے، یا اللہ! ہمارے اساتذہ کے ایمان کو بھی اور ہمارے طالب علموں کے ایمان کو بھی زیادہ سے زیادہ اپنے کلام پاک کے اور اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام مبارک کے انوار و تجلیات سے بہرہ ور ہونے کی توفیق کامل عطا فرمائیے، ہر طرح کی خیر و برکت عطا فرمائیے، ہر طرح کے شر و فتنہ سے محفوظ فرمائیے، یا اللہ! خالصۃً اپنی رضا کیلئے توفیقِ اعمال عطا فرمائیے، ایسے اعمال کی توفیق دیجئے جو آپ کے پسندیدہ ہوں جو آپ کے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت کے مطابق ہوں، یا اللہ! اس پر ہر شخص کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیے، یا اللہ! دینی تعلیم کی خیر و برکت ہمیشہ پھیلتی رہے، اس کی تذکیر بھی ہوتی رہے، یا اللہ! یہ سلسلہ ہر طرح کی توفیق کے ساتھ، اعانت کے ساتھ جاری رہے، یا اللہ! اساتذہ کو، طالب علموں کو، منتظمین کو سب کو سعادت عطا فرمائیے، اخلاصِ نیت عطا فرمائیے، یا اللہ! جذبۂ عمل عطا فرمائیے، اپنی رضامندی کی توفیق عطا فرمائیے۔

میرے لئے یہ خوش نصیبی کی بات ہے اور آپ لوگوں کی محبت ہے کہ باوجود ضعف کے آپ لوگوں کے درمیان حاضر ہونے کی توفیق ہوئی اور یہ سعادت حاصل ہوئی، میں آپ لوگوں کے حق میں دُعائیں کرتا ہوں اور اپنے حق میں آپ لوگوں کی دُعائیں چاہتا ہوں، میرے دل میں اس دارالعلوم کی عظمت بھی بہت زیادہ ہے اور محبت بھی، مجھے آپ لوگوں سے ایک دلی لگاؤ ہے، مجھے بڑی مسرت ہے اور مجھے اس بات سے بڑی تقویت ہے کہ آپ سب حضرات میرا خیال رکھتے ہیں مجھ سے حسنِ ظن رکھتے ہیں، اور میں آپ لوگوں کے لئے دُعائے خیر کرتا ہوں اور آپ کی محبت کی قدر کرتا ہوں۔

میں آپ سے کیا بات کروں؟ میں صرف چند باتیں دردِ دل کے ساتھ آپ لوگوں کے سامنے پیش کرتا ہوں، پہلے بھی کئی بار عرض کرچکا ہوں، دُعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ آج بھی مجھے توفیق دے کہ میں اخلاصِ نیت کے ساتھ آپ کے سامنے آپ سب کے فائدے کی باتیں عرض کرسکوں، میں بھی دُعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کے قلوب میں قابلیت اور صلاحیت دے، رشد و ہدایت کی باتیں سُن کر اُن پر عمل کریں۔

دیکھنے میں یہ ایک معمولی بات نظر آتی ہے، اور ایک رسم کی طرح محسوس ہوتی ہے کہ آج دارالعلوم کی تعلیم کا آغاز ہو رہا ہے، تمام خیر و برکات کے ساتھ، تمام نیک توقعات کے ساتھ، مگر درحقیقت یہ معمولی چیز نہیں، دینی درسگاہ معمولی چیز نہیں، یہاں اللہ کے کلام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی تبلیغ ہوتی ہے اشاعت ہوتی ہے، تعلیم ہوتی ہے، یہ ایک بڑا مرکز ہے، بڑا بنیادی مرکز ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی تمام خیر و برکات کا ظہور ہوتا ہے، دین کی بقا اس سے ہے، دین کی حفاظت اس سے ہے، دین کی تبلیغ اس سے ہے، یہ دارالعلوم معمولی چیز نہیں ہے، اس کی قدر کرو یہ ایمانی اور اسلامی شعائر کا ایسا مرکز ہے کہ جس کی مثال کہیں نہیں، دُنیا بھر میں جانے کتنی درسگاہیں ہیں، جانے کتنے فنون ہیں، جانے کتنی رائج الوقت چیزیں ہیں، لیکن یہ دارالعلوم کی قسمت ہے کہ یہاں پر اللہ اور اللہ کے رسول کے دین کی تعلیم دی جاتی ہے، یا اللہ! حضرت امام محمد بن اسمٰعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو مقاماتِ رفیعہ عطا فرما، درجاتِ عالیہ عطا فرما، کہ انہوں نے ہمارے سامنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیثِ صحیحہ کا خزانہ جمع کردیا، یا اللہ! ان کی برکاتِ ایمانیہ سے ان کے فیضِ روحانی سے، پڑھانے والوں کو، پڑھنے والوں کو قیامت تک سبھی کو فیضیاب و سیراب فرما

یا اللہ! اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ جتنی بھی اس کتاب کے اندر برکات ہیں، رحمتیں ہیں، ہمیں سب سے بہرہ ور فرما، طلباء کو بھی اور اساتذہ کو بھی اور تمام حاضرین کو بھی۔

آج بخاری شریف کا افتتاح ہو رہا ہے یہ کتاب بڑی بابرکت کتاب ہے، بڑی خیر و برکت والی کتاب ہے، یہ ایمان و اسلام کی اساس و بنیاد ہے، اس کی ابتدا ایسی حدیث شریف سے فرمائی ہے جو نیت کے بارے میں ہے، اور نیتِ خالص ہماری تمام عمر کا سرمایہ ہے، نیتِ خالص ایک مؤمن کے ایمان کا جوہر ہے، یا اللہ! آپ نے جس بابرکت حدیث سے ابتدا کرائی ہے یا اللہ! اس کی اہمیت سب کو عطا فرمائیے، صلاحیتیں عطا فرمائیے، ہماری نیتوں میں اخلاص عطا فرمائیے، یا اللہ! اس کے اثرات و ثمرات سے محروم نہ فرمائیے۔

دُعا کرو کر یا اللہ! آج جو کام آپ کے نام سے شروع کیا جا رہا ہے اس کو شرفِ قبولیت عطا فرمائیے؛ ہماری صلاحیتیں ہماری استعدادیں سب ناقص ہیں، لیکن ہماری نیت یہ ہے کہ یا اللہ! ہم آپ کے دین کو حاصل کریں گے اور آپ کے دین کی اشاعت کریں گے اور دین کے تقاضوں پر عمل کریں گے، ہم اہتمام سے یہ نیت کرتے ہیں، یا اللہ! اخلاصِ نیت کے برکات و ثمرات ہمیں عطا فرمائیے تاکہ جو کچھ بھی ہم اللہ اور اللہ کے رسول کی باتیں سنیں، ان پر عمل کریں، جو ضابطۂ حیات و ممات ہمارے لئے مقرر کیا گیا ہے اس پر عمل کریں، یا اللہ! اخلاصِ نیت ہم کو عطا فرمائیے، اس کے ثمرات و برکات سے ہمیں مالا مال فرمائیے، یا اللہ! ہماری حفاظت فرمائیے ہماری نیتوں کو درست فرما دیجئے، یا اللہ! جو علم بھی ہم حاصل کریں ہمارا مقصودِ اصلی آپ کی رضا ہو، ہمارا مقصودِ حیات آپ کی رضائے کاملہ ہو۔

آپ ہمارے خالق ہیں، رزاق ہیں سب ہی کچھ ہیں، ہم آپ کے بندے ہیں، آپ کی مخلوق ہیں، ہم کیسے حق ادا کریں؟ کس طرح حق ادا کر سکتے ہیں؟ ہماری کیا مجال؟ یہ آپ کے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا صدقہ اور طفیل ہے کہ وہ ہم کو بتا گئے ہیں، انہوں نے اپنی عملی زندگی سے اپنے ارشادات سے ہم پر واضح کر دیا ہے کہ ایک بندہ کا تعلق اللہ تعالیٰ سے کس طرح ہو سکتا ہے؟ اور وہ تعلق کس طرح صحیح ہو گا؟ یہ احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں تعلق مع اللہ پیدا کرنے کیلئے ہیں، اللہ تعالیٰ کی رحمانیت، ان کی غفاریت ان کے تمام اسمائے حسنیٰ سے ہمارا تعلق جوڑنے اور ان سب سے ہم کو متعارف کرانے کیلئے ہیں، ان کے انوار و تجلیات سے ہمارے قلوب کو معمور کرنے کیلئے ہیں۔

اخلاصِ نیت کا کیا مطلب ہے؟ اس کا مطلب ہے "اِنَّ صَلٰوتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْيَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ" جو کام ہو اس کی رضا کیلئے ہو، ہمارا ایک ایک لمحہ اتباعِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں گذرے، اللہ تعالیٰ سے صحیح تعلق پیدا کرنے کا، ان کی معبودیت اور رزاقیت کا حق ادا کرنے کا واحد مستند و معتبر طریقہ یہی ہے کہ ہم ان کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کریں۔ آپ کے سامنے احادیث آئیں گی جو ہمارے لئے بڑی سبق آموز ہیں، ہماری زندگی کا سرمایہ ہیں، یہ حدیثیں ہم کو بتائیں گی کہ ہم اللہ تعالیٰ سے کس طرح تعلق پیدا کر سکتے ہیں؟ اپنا حق عبدیت کس طرح ادا کر سکتے ہیں؟ اس لئے آج بخاری شریف کی پہلی حدیث شریف "اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ" پڑھتے ہوئے سچے دل سے عہد کرو کہ ہم یہ درس اس نیت سے شروع کر رہے ہیں کہ جو کچھ ان احادیث میں فرمایا جائیگا اپنی زندگی کو اس میں ڈھال لیں گے، اس کو اپنا جزوِ ایمان بنا لیں گے اس کو اپنی روحانی ترقی کا ذریعہ بنا لیں گے، اس نیت سے پہلی حدیث شریف پڑھو، خالص نیت شرط ہے۔

جب پڑھنے پڑھانے کے لئے بیٹھا کرو تو پہلے اللہ تعالیٰ سے رجوع کر لیا کرو، جیسے آج ابتدا میں رب یسّر ولا تعسّر وتمّم بالخیر اور "رب اشرح لی صدری ویسّر لی أمری، واحلل عقدة من لسانی یفقھوا قولی" پڑھ لیا، اسی طرح رجوع الی اللہ کر لیا کرو اور یوں کہا کرو کہ یا اللہ! ہماری صلاحیتوں میں نقائص ہیں، ہماری استعداد ناقص ہے، لیکن ہم آپ کا دین حاصل کر رہے ہیں اس لئے ہمارے نقائص دُور فرما دیجئے، ہمارے حالات درست فرما دیجئے، ہمیں عقلِ سلیم عطا فرمائیے، یا اللہ! دین کے مقتضیات پر عمل کی توفیق عطا فرمائیے اور تقاضائے عمل بھی پیدا فرمائیے اور ہمارے اعمال کو نفس و شیطان کے مکائد سے ہمیشہ بچائے رکھئے، ہر روز پہلے یہ دُعا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کر لیا کرو۔

تم کلام اللہ کیوں پڑھتے ہو؟ جانتے بھی ہو یہ کیا چیز ہے؟ یا صرف اتنا سمجھنا کافی ہے کہ یہ عربی زبان میں ہے، ہم اس کے تراجم پڑھتے ہیں، اس کے مطالب بیان کرتے ہیں، اس کی شان نزول بیان کرتے ہیں، آداب بیان کرتے ہیں، اس لئے پڑھتے ہیں کہ اس کی تفاسیر بیان کریں، کیا اتنا سمجھنا کافی ہے؟ بلاشبہ یہ چیزیں بھی بنیادی ہیں، لیکن صرف اتنا ہی کافی نہیں۔ کلام اللہ تو ایک مکمل ضابطۂ حیات و ممات ہے، دُنیا کیلئے بھی آخرت کیلئے بھی، یہ بتلاتا ہے کہ ایک صاحبِ ایمان کو کس طرح زندگی بسر کرنی چاہیئے؟ اس کے اوپر کون کون سے فرائض و واجبات ہیں؟ اور اس کی کون کون سی ذمہ داریاں ہیں؟ سب کا بیان اس کلام اللہ میں ہے، سب سے پہلے عقائد صحیح ہو جانے چاہئیں، جب تک عقائد صحیح نہ ہوں گے توحید صحیح نہیں ہوگی، آخرت کا یقین نصیب ہوگا پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہونی چاہیئے، جبتک آپ ؐ سے محبت نہ ہوگی، ایمان غیر معتبر اور بالکل ناقص ہوگا، یہ ایمان کی بنیادی چیزیں ہیں یہ چیزیں کیسے معلوم ہوں گی؟ کلام اللہ کے پڑھنے سے، احادیث کے پڑھنے سے، یہ آداب، یہ طریقے، یہ علم کلام اللہ اور کلام رسول ہی سے حاصل ہوں گے، غایتِ حیات ہماری یہی ہے کہ کلام اللہ اور کلامِ رسول ؐ کو اپنا ضابطۂ حیات و ممات بنائیں، انسان اشرف المخلوقات ہے اس کو کس طرح زندگی بسر کرنی چاہیئے؟ عالم تعلقات میں کس طرح رہنا چاہیئے؟ کیا ضابطۂ حیات ہونا چاہیئے جو اس کیلئے دُنیا میں بھی سرمایہ ہو اور آخرت میں بھی؟ یہ سب کلام پاک اور احادیثِ شریفہ ہی سے معلوم ہوگا۔

ایک دُعا ہے، بڑے کام کی "ربنا آتنا فی الدنیا حسنة" اے اللہ! ہم کو وہ حسنات عطا فرمائیے جو آپ کے علم میں ہیں، اور وہ ہمارے لئے ضروری ہیں، ہم حسنات کے محتاج ہیں، یہ حسنات ہمیں کہاں سے معلوم ہوں گے؟ کلام اللہ اور کلام رسول سے! حسنات کا کیا مفہوم ہے؟ وہ تو اللہ تعالیٰ ہی کے علم میں ہے، لیکن اصولی بات یہ ہے کہ ہم ایسی زندگی گذاریں کہ اللہ ہم سے راضی ہو جائے، دُنیا میں رُسوائی سے بچے رہیں اور آخرت میں عذاب سے محفوظ رہیں، اسی لئے ارشاد ہے "ربنا آتنا فی الدنیا حسنة وفی الآخرة حسنة وقنا عذاب النار"۔

کلام اللہ اور احادیثِ نبویہ پڑھنے پڑھانے کی یہی غایت ہے کہ ہم کو ضابطۂ حیات معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کن باتوں سے راضی ہوتے ہیں؟ اور کن باتوں سے ناراض؟ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات میں ہم پر خصوصی رحم فرما کر ہمیں شرفِ بشریت سے نوازا، اور اشرف المخلوقات قرار دے کر ممتاز فرمایا ہے، صرف اسی لئے کہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ ضابطۂ حیات و ضابطۂ ممات کی تفسیر کرتے رہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کو اپنے لئے عملی نمونہ قرار دے کر اس کے مطابق

عمل کرتے رہیں آپ کی حیاتِ طیبہ پر، اعمال صالحہ ہیں انہیں اختیار کرنا چاہیئے ارشاد ہے: "وَاعْمَلُوْا صَالِحًا" اور ارشاد ہے: "اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا" اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں اعمالِ صالحہ کی ترغیب کس لئے دی ہے؟ ہمارے فائدے کیلئے یا ہماری زندگیاں سنوارنے کیلئے، اسلئے ہمیں اعمالِ صالحہ کو اختیار کرنا چاہیئے۔ لیکن کس طرح؟ اتباعِ سنت کے ذریعے!

کلام اللہ اس لئے پڑھایا جاتا ہے تاکہ ہمیں معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک بشر کیلئے، اشرف المخلوقات کیلئے ایسا ضابطۂ حیات بنایا ہے جو اس کیلئے دُنیا میں بھی سرمایہ ہے اور آخرت میں بھی، پھر سنتِ نبویؐ کے ذریعے اس ضابطۂ حیات پر عمل کرنے کا طریقہ بتادیا، اور اس کی حدود بتادیں۔

احادیثِ شریفہ کی جو کتابیں آپ پڑھتے ہیں ان کی غایت کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے جو احکامات ہمیں دیئے ہیں، اور جو ضابطۂ حیات ہمارے لئے مقرر کیا ہے ہم اس کے مطابق اپنی زندگی کو ڈھالیں اور دُنیا میں بھی سرخروئی حاصل کریں، اور آخرت میں بھی، اس طرح اللہ تعالیٰ کی رضا کا، اس کی رحمتوں کا مورد بنیں، ارشاد ہے: "وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ" اگر تم نے اللہ اور اللہ کے رسول کی اطاعت کی تو تم سرخرو ہوگے سب پر غالب ہوگے۔

کچھ پتہ چلا کہ ہماری تعلیم و تعلّم کا مقصود کیا ہے؟ اصل مقصد ہے، ضابطۂ حیات کا معلوم ہونا، وہ کہاں سے معلوم ہوگا؟ کلام پاک سے، کس طرح اس پر عمل کریں؟ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ اور آپ کی احادیثِ مبارکہ سے معلوم ہوگا۔ یہی مقاصد ہیں ہماری تعلیم کے، یہی غایت ہے کلام اللہ اور کلامِ رسولؐ پڑھنے کی،

بہرحال کلام اللہ کی تفاسیر اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی تعلیم و تربیت کی غایت آپ کے علم میں آگئی یعنی ضابطۂ حیات کا معلوم ہونا، اب آپ اپنے اشرف المخلوقات ہونے کا حق بھی ادا کریں، یعنی جو کچھ بھی پڑھیں پڑھائیں اس پر عمل کرتے رہیں، یہ غایت الغایات ہے ہمارے تمام علوم کی، پڑھتے پڑھاتے جاؤ، سمجھتے جاؤ اور عمل کرتے جاؤ، ابھی طالب علمی کے زمانے ہی سے شروع کردو۔

پہلے اساتذہ ایسے ہی پڑھاتے تھے کہ ایک حدیث شریف پڑھائی، فوراً پوچھتے کہ بتاؤ اس کی غایت کیا ہے؟ اس کا مصرف کیا ہے؟ اور پھر اس پر عمل کرنے کا طریقہ بھی بتاتے، اس کی عملی تربیت بھی دیتے، اور اس کی نگرانی بھی کرتے، اس طرح ایک وقت میں اساتذہ طلبہ کو شریعت کے احکام بھی بتادیتے تھے اور طریقت کے طریقے بھی سکھادیتے تھے کہ یہ جو کچھ تم پڑھ رہے ہو اس کا تمہاری زندگی سے کیا واسطہ ہے؟ کس طرح تم اس کو استعمال کروگے؟ کس طرح اس کو اپنے اوپر منطبق کروگے؟ تاکہ تم خیر البشر اشرف المخلوقات کہلانے کے بجا طور پر مستحق ہو سکو اور "لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ" کا صحیح مصداق بن سکو۔

اعمالِ صالحہ کیا ہیں؟ کلام الٰہی کو ضابطۂ حیات بنانا اور اس پر عمل کرنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو اپنانا، یہ میں بار بار اس لئے دُہرا رہا ہوں کہ دل نشین ہو جائے کہ تمام تعلیم و تعلّم کی غایۃ الغایات یہ ہے کہ ہم اللہ اور اللہ کے رسولؐ کے کلام کو پڑھیں اور اپنے اوپر منطبق کریں اور اس طرح زندگی بسر کریں کہ ہمیں یہاں بھی اللہ تعالیٰ کی رضائے کاملہ نصیب ہو اور آخرت میں بھی۔ انسان سے لغزشیں اور کوتاہیاں ضرور ہوتی ہیں، نفس و شیطان ضرور راہ میں حائل ہوتے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ سے رجوع کرو وہ ان تمام خرافات سے نجات عطا فرمادیگا۔

یاد رکھو! جب بھی قرآن و حدیث پڑھنے بیٹھو، یہ دعا کر کے پڑھا کرو کہ یا اللہ! یہ آپ کا کلام ہے، آپ کے نبیؐ کا کلام ہے، ہماری استعداد ناقص ہے یا اللہ! اس کلام کی برکت سے، اس کلام کے انوار و تجلیات سے ہمارے ایمان کو منور فرمائیے، ہمارے اعمال کو منور فرمائیے، اور ہمیں اپنی رضائے کاملہ کا مورد بنائیے، ہر روز یہ دعا کر لیا کرو۔

اس وقت میں نے جو غایت بتائی اس کو اساتذہ اور طلبہ سب پیش نظر رکھیں۔

کلام اللہ اور کلامِ رسولؐ کوئی معمولی چیز نہیں ہیں، کوئی مخلوق ان کا تحمل نہ کر سکتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل اور اپنی قدرت سے ہمارے اندر اس کا تحمل پیدا فرما دیا، ورنہ انسان کے بس کی بات نہیں تھی کہ وہ اس کا تحمل کر سکتا۔ یاد رکھو! ہر چیز کے کچھ آداب ہوا کرتے ہیں، مثلاً نیت کی درستگی ہر عمل صالح کی لازمی شرط ہے، بخاری شریف کی پہلی حدیث میں یہی اشارہ دیا گیا ہے، جب تک تمہاری نیت خالص نہیں ہوگی، تمام اعمال بیکار ہیں، نیت کی درستگی کے ساتھ اگر کوئی عمل صالح کیا تو ضرور اس کا فائدہ پہنچے گا۔ نیت کی درستگی کیلئے ضروری ہے کہ جو کچھ لکھنا ہو خالصۃً للہ ہو، عمل کرنے کیلئے ہو، تمہارے ایمان اور تمہاری روح پر اس تعلیم کا اثر جب ہی ہوگا جب تم یہ نیت کر کے پڑھو گے کہ اس پر عمل کرنا ہے، عمل ہی کیلئے سب کچھ پڑھایا جاتا ہے، ترجمہ کر دینا، تفسیر کر دینا بذاتِ خود مقصود نہیں تفسیر، تشریحات وغیرہ تو ذہن نشین کرانے کیلئے ہیں وہ بھی ضروری ہیں، لیکن مقصود نہیں، غایت الغایات عمل کرنا ہے، جب تک عمل نہیں کرو گے کامیاب نہیں ہو گے۔

اس لئے سب نیت کرو کہ یا اللہ! آج ہم نے ایک مبارک حدیث شریف سے افتتاح کیا ہے، ہماری نیتوں میں خلوص عطا فرمائیے ہمیں تقویت عطا فرمائیے، قابلیت عطا فرمائیے، عمل کی توفیق عطا فرمائیے، دنیا میں ہم سے راضی رہیے "ربنا آتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الآخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار"۔

اس کائنات میں انسان کیلئے سب سے بڑی دولت ایمان ہے، ایمان کیا کرتا ہے؟ ایمان یہ کرتا ہے کہ تمام نفس و شیطان کے طریقوں سے محفوظ رکھتا ہے، فواحشات، منکرات، بے حیائی، بے غیرتی، بے شرمی سب سے محفوظ رکھتا ہے، اللہ اور اللہ کے رسول کا کلام بہت مستحکم ہے، اگر یہ اللہ اور اللہ کے رسولؐ کا کلام آپ کے دلوں میں بیٹھ گیا ہے تو اس کے اندر فواحشات و منکرات کو جگہ نہ دو، خدا کے لئے اپنی زندگی کو فواحشات و منکرات سے بچاؤ، جس طرح بغیر وضو اور بغیر طہارت کے نماز نہیں ہوتی، اسی طرح خوب سمجھ لو کہ جب تک تم گناہوں کو نہیں چھوڑو گے قلب کی صفائی نہیں ہوگی۔ اور جو حضرات عہدِ حاضر کے موجودہ گندے ماحول میں ڈوب گئے ہیں، ان کی زندگی میں کلام اللہ اور کلام رسول کی برکات مرتب نہیں ہوتیں، سب سے پہلے آپ پر واجب ہے کہ قلب کی طہارت کا اہتمام کریں، جس طرح بغیر طہارت کے نماز نہیں پڑھ سکتے اسی طرح بغیر طہارت کے اللہ اور اللہ کے رسول کے کلام کے انوار و تجلیات ہم پر مرتب نہیں ہو سکتے۔ اس میں شک نہیں کہ نفس و شیطان تو سب کے ساتھ لگے ہوئے ہیں، ہمارا ماحول شیطانی ہے، تمام اثرات ہمارے شیطانی ہیں، زمین و آسمان ان اثرات سے بھرے ہوئے ہیں، لیکن اتنا کر لیا کرو کہ جب کبھی کلام اللہ اور کلامِ رسولؐ پڑھنے کا ارادہ ہو تو استغفار کر لیا کرو، اس کی عادت ڈال لو، کہ میں یہ کام آپ کے نام سے شروع کر رہا ہوں میں اپنے قلب و ذہن کی طہارت کا طلبگار ہوں، یا اللہ! آپ سب کے ساتھ ہیں، یہ آپ کا کلام ہے، آپ کے رسول کا کلام ہے، اس کے جو انوار ہیں، تجلیات ہیں،

خواص ہیں، میں ان کو کیسے حاصل کر سکوں گا؟ یا اللہ! میں استغفار کرتا ہوں، توبہ کرتا ہوں، تمام اپنے گناہوں سے جو مجھ سے عمداً یا خطاءً سرزد ہوئے، میری آنکھیں ناپاک ہو چکیں، میری زبان ناپاک ہو چکی، میرے قلب کے اندر وساوس و خطرات آچکے ہیں، سب میں کثافت ہے، میرے قلب کے اندر، میری استعداد میں بھی، میری قابلیت میں بھی، میری صلاحیت میں بھی، میرے ادراکات میں بھی، میرے احساسات میں بھی، ہر چیز میں کثافت ہی کثافت ہے، لیکن میں استغفار کرتا ہوں "أستغفر الله ربي من كل ذنب و أتوب إليه"، رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّحِمِينَ۔ انشاء اللہ سب معاف ہو جائیں گے۔ اور اس استغفار کے بعد جب پاک صاف ہو کر کلام اللہ اور کلامِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہوگے تو انشاء اللہ ان کے انوار و تجلیات سے سیراب ہوگے، کیونکہ استغفار کے ذریعہ طہارتِ قلب کی شرط تم نے پوری کر دی۔

یہ اللہ تعالیٰ کا احسانِ عظیم ہے کہ انہوں نے ہم کو ایمان عطا فرمانے پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ اس کی حفاظت کیلئے بھی ایک بہت بڑی دولت اور بہت بڑی نعمت عطا فرمائی ہے، وہ دولت استغفار ہے، اگر استغفار کروگے کوئی ناپاکی نہیں رہے گی مگر صدق دل سے کرو، اس نیت سے کرو کہ آئندہ کیلئے گناہ بالکل چھوڑ دوگے،

جب بھی کوئی نیک کام کرو، کوئی عبادت کرو، احادیث پڑھو تو پہلے اسی طرح قلب کی طہارت حاصل کر لو کہ یا اللہ! ہمارے اندر جتنی کثافتیں ہیں ہمارے تخیل میں، ہمارے تصور میں، ہماری استعداد میں، جتنی بھی کثافتیں ہیں، ہم سب سے صفائی چاہتے ہیں أستغفر الله أستغفر الله ربي من كل ذنب، رب اغفر وارحم وانت خير الرحمين، یہ دعائیں پڑھ لیا کرو، صدقِ دل سے یہ دعائیں پڑھ لو، تو تم مؤمن ہو گئے، متقی ہو گئے، اب بسم اللہ کر کے پڑھو، انشاء اللہ اسکے انوار و تجلیات سے نوازے جاؤگے۔

خلاصہ یہ کہ ہر چیز کے کچھ طریقے ہوتے ہیں، آداب ہوتے ہیں، پہلے ان کو ذہن نشین کر لو، یہ نہیں کہ کتاب اٹھائی اور بسم اللہ کر دی، سب سے پہلے استغفار پڑھو، اس کے بعد بسم اللہ پڑھو، جب ختم کرو، تو دعا کر لو یا اللہ! یہ انوار و تجلیات کے کلمات میری زبان پر جاری ہوئے، میری فہم میں آئے، میرے قلب میں آئے، یا اللہ! ان کی حفاظت فرمائیے، اور آئندہ کثافتوں سے اسے محفوظ رکھیئے، اس کے انوار و تجلیات سے میری روح کو میرے ایمان کو منور رکھیئے، ان علوم کو محفوظ رکھیئے اور ان میں برکت عطا فرمائیے۔ پھر شکر ادا کرو کہ سبق پڑھنے اور حدیث پڑھنے کی توفیق اور سعادت حاصل ہو گئی۔

تعلیم کے بہت سے لوازمات ہیں، آپ کا یہ مدرسہ علوم قرآن کی تعلیم گاہ ہے، اخلاق و آداب کی تربیت گاہ ہے، اور اخلاق و آداب جزوِ ایمان ہیں، یہ ہمارے ایمان کا پانچواں شعبہ ہیں، تعلیم کا مقصود تہذیبِ اخلاق ہی سے حاصل ہوتا ہے، کیونکہ نفس کے اندر بڑی شرارتیں ہیں، بڑی گندگیاں ہیں، بڑے بڑے تقاضے ہیں، جب تم نے استغفار کر لیا تو س کی برکت سے نفس و شیطان سے انشاء اللہ تعالیٰ چھٹکارا حاصل ہو گیا۔

علم حاصل کرنے کے لئے ادب و احترام بھی نہایت ضروری چیز ہے، جبتک ادب نہ ہو، علم حاصل نہیں ہوگا، ادب یہ ہے کہ علم کے ذرائع کا احترام کیا جائے کہ جس جس چیز کو علم سے نسبت ہے، ہر ایسی چیز کا احترام کرو عزت کرو جو حصولِ علم کا وسیلہ ہے، اساتذہ کی، کتابوں کی، قلم کی، روشنائی کی، غرض جتنی چیزیں علم کے ساتھ وابستہ ہیں سب کی عزت کرو، سب کا احترام کرو، چیز علم کی تبلیغ کیلئے ہو، علم کی اشاعت کیلئے ہو، جبتک اس کا ادب نہ کروگے اس وقت تک علم کے انوار و تجلیات حاصل نہ

ہوں گے، کلام اللہ کو، کلام رسولؐ کو، فقہ کی کتابوں کو ادب کے ساتھ رکھو، اہتمام کے ساتھ رکھو، عزت کے ساتھ رکھو، جب ان کی عزت کرو گے، ادب کرو گے پھر ان شاء اللہ علوم حاصل ہونگے، علوم لدنیہ حاصل ہونگے۔

ادب بڑی شے ہے، دل و دماغ کی طہارت کے بعد اور روح و قلب کی طہارت کے بعد دوسرا مطالبہ ہم سے ادب اور احترام کا ہے کہ ان علوم کا ادب و احترام کرو۔ مثلاً ایک شخص کہہ رہا ہے کہ حدیث شریف میں یہ آیا ہے اور حقیقت میں حدیث نہ ہو، تو فوراً یہ مت کہو کہ حدیث میں نہیں ہے، بلکہ حکم یہ ہے کہ گردن جھکالو، کیونکہ اس نے حدیث کا نام لیا ہے، اس کے آگے گردن جھکا دو، پھر کہو کہ بھائی آئندہ ایسا نہ کہنا، یہ حدیث شریف نہیں ہے، بغیر تحقیق کے ایسی بات مت کہو، لیکن اولاً نام سنتے ہی حدیث کا یا قرآن کا ضرور گردن جھکا دو، کیونکہ اللہ اور اللہ کے کلام کا حوالہ دیا گیا ہے، جھک جاؤ، اپنی علمیت کا اظہار نہ کرو کہ فوراً مناظرہ کرنے لگو، حکم یہ ہے کہ قرآن کریم کا نام یا احادیث کا نام سنو تو گردن جھکا دو، اس کے بعد پھر تردید کرو، یہ ہے ادب۔ جن طالب علموں میں ادب نہیں ہے وہ محروم رہتے ہیں ؂

بے ادب محروم ماند از فضلِ رب

توجس طرح طہارت ضروری ہے جیسا کہ میں نے ابھی اس کی اہمیت اور فضیلت بتائی، اسی طرح قلم، دوات، روشنائی، کاغذ کے پرزے ان سب کا ادب بھی ضروری ہے، ہمارے حضرتؒ فرماتے تھے کہ اگر کاغذ کا کوئی پرزہ پڑا ہوتا ہے تو اس کو جلدی سے اٹھا لیتا ہوں، کہیں اس کے اوپر کسی کے پاؤں نہ پڑ جائیں تو کاغذ کا اس طرح ادب کرو گے تب جاکے تم کو علم حاصل ہوگا، ادب بہت بڑی چیز ہے، علم سے جتنی چیزیں تعلق رکھتی ہیں ان سب کا ادب کرو، جب کاغذ، قلم، روشنائی اور کتاب کا ادب ضروری ہے تو پڑھانے والے کا ادب اس سے بھی زیادہ ضروری ہے۔

اساتذۂ کرام کا ادب و احترام بڑا ضروری ہے، جب تک ان کا ادب و احترام نہ کرو گے ان سے محبت نہ کرو گے کچھ حاصل نہ ہوگا، وہ تم کو ایسی چیز عطا فرما رہے ہیں جو تمہاری استطاعت سے باہر تھی، یہ ان کی شفقت اور محبت ہے کہ تمہیں درس دے رہے ہیں، نہایت ادب کے ساتھ سنو اور ان کا ادب کرو احترام کرو، ان کی عزت کرو، کیونکہ وہ تم کو بہت بڑی نعمت کا حامل بنا رہے ہیں، جب تک ان کی عزت نہیں کرو گے احترام نہیں کرو گے اس وقت تک صحیح علم حاصل نہیں ہوتا، جو طالب علم اساتذہ کا ادب کریں گے وہی ہونہار ہوں گے وہی صاحب سعادت ہوں گے، وہی صاحب اقبال ہونگے۔

دوسری بات اساتذہ سے متعلق ہے، اساتذہ کے پاس اللہ کے اور اس کے رسولؐ کے کلام کی بہت بڑی امانت ہے جو وہ طالب علموں کی طرف منتقل کر رہے ہیں، ان کو بھی اسی طہارت کی ضرورت ہے، اسی نیت اور اخلاص کی ضرورت ہے، اسی ادب کی ضرورت ہے، ان کو اللہ تعالیٰ نے اس مرتبہ پر فائز کیا ہے کہ اخلاصِ نیت کے ساتھ، جذبۂ ایثار کے ساتھ، محبت کے ساتھ، شفقت کے ساتھ، پدرانہ محبت کے ساتھ، اللہ اور اللہ کے کلام کو طالب علموں کی طرف منتقل کریں، اپنے طالب علموں سے ایسی محبت ہونا چاہئے جیسی اپنی اولاد سے ہوتی ہے، ان کو اولاد سمجھیں، اور اولاد جس طرح جسمانی تعلق رکھتی ہے، اسی طرح شاگرد کا بھی ایک روحانی تعلق ہے، ایمانی تعلق ہے، اس لئے اساتذہ کو بڑا اہتمام کرنا چاہیئے کہ اپنے شاگردوں کے ساتھ شفقت کا، محبت کا، دل سوزی کا، ایثار کا معاملہ کریں۔ یہ ان کی ذمہ داری ہے، جب درس دینے کے لئے آئیں تو خوب مطالعہ کرکے آئیں، شرحِ صدر کے ساتھ آئیں اس کے بغیر درس کیلئے نہ آئیں۔

ایک واقعہ ضمناً یاد آگیا کہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ درس دیا کرتے تھے، ایک دن آگے

بیٹھے اور فرمایا کہ میں آج درس نہیں دوں گا، کیونکہ میں تیار ہو کے نہیں آیا! اس درس کا میں نے مطالعہ نہیں کیا حالانکہ وہ بہت جید عالم تھے۔ بغیر مطالعہ کے بیان کر سکتے تھے، لیکن اس کو انہوں نے خیانت سمجھا کہ مطالعہ کے بغیر سبق پڑھائیں۔

تو بھی جبتک اساتذہ بھی اس قدر احتیاط نہ کریں گے اس میں برکت نہیں ہوگی۔ برکت اس میں جب ہی ہوگی جبکہ ان کے قول میں اللہ کے ارشادات میں ان کی تشریحات میں اخلاصِ نیت ہو گا، جذبۂ ایثار رہے گا اور اللہ تعالیٰ کی رضا پیشِ نظر ہوگی۔

اساتذہ کو بھی اپنے طالب علموں کے ساتھ پدرانہ محبت و شفقت، دلجوئی اور دلسوزی کا معاملہ کرنا چاہیئے، اور طالب علموں کو بھی اساتذہ کی اپنے باپ سے زیادہ عزت کرنی چاہیئے، میں نے بتایا کہ ایک جسمانی عظمت ہوتی ہے اور ایک روحانی اور ایمانی، طلبہ کا اساتذہ کے ساتھ جو رشتہ ہے، یہ روحانی رشتہ ہے، ایمانی رشتہ ہے، اور جسمانی رشتہ سے بڑھ کر ہے، اس لئے اساتذۂ کرام کے ادب کا طلباء کو خاص اہتمام کرنا چاہیئے، ایسا کریں گے تو انشاء اللہ تعالیٰ ہمیشہ کامیابی ہوگی، ہمیشہ مقصود حاصل ہوگا۔ درسگاہ اور تعلیم و تعلّم کے جو مقاصد ہیں وہ یہی ہیں کہ فطرتِ انسانیہ انسان کو حاصل ہو جائے اللہ اور اللہ کے رسول سے صحیح تعلق ہو جائے، اس کی یہی تدبیریں ہیں جو ہم نے بتائیں یعنی طہارت و ادب۔

منتظمین سے بھی مجھے کچھ عرض کرنا ہے۔ آپ منتظمین ہیں، اللہ تعالیٰ آپ کو حسنِ انتظام کی توفیق دے!

حسنِ انتظام بہت بڑی چیز ہے، حسنِ انتظام سے سب کو راحت رہتی ہے۔ اپنے آپ کو بھی راحت رہتی ہے، پوری برادری کو راحت رہتی ہے۔ ایسے انتظامات ہونے چاہئیں کہ کوئی تکلیف نہ ہو، دوسروں کیلئے کوئی دشواری نہ ہو، یہاں پر سب مہمانانِ رسول ہیں، طالب علم ہیں، منتظمین کو چاہئے کہ ان کی آسائش کا آرام کا خیال رکھیں۔

طالب علموں کیلئے ایک اور اہم نصیحت ہے کہ خبردار! جبتک طالب علم ہو دارالعلوم کے احاطہ کے اندر ہو اپنی دینی علمی کتابوں کے علاوہ غیر چیزیں تمہارے سامنے نہ آئیں، اخبارات ہیں، ریڈیو ہیں، رسالے ہیں، جانے کیا کیا چیزیں ہیں، یہ تمہارے سامنے نہ آئیں، یہ چیزیں ہرگز تمہارے سامنے نہ آنی چاہئیں یہ سب چیزیں مُضر ہیں ان سب میں سمیت ہے، دل دماغ کو خراب کر دینے والی، ماؤف کر دینے والی چیزیں ہیں، بس تندہی کے ساتھ اللہ اور اللہ کے رسولؐ کے کلام کو پڑھتے رہو، نماز باجماعت کی پابندی کرو، ادعیۂ ماثورہ کا اہتمام کرو، اور خبردار غیر متعلق چیزوں کی طرف توجہ نہ دو بس اپنی طرف توجہ رکھو، آج کل کا ماحول۔ اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔ بڑا شر انگیز ہے، میں اساتذہ سے بھی اور طلبہ سے بھی کہتا ہوں کہ اس دارالعلوم کی چار دیواری کے اندر رہتے ہوئے ہرگز نظر نہ ڈالنا کہ باہر کیا ہو رہا ہے؟ کہاں کہاں کون کونسی انجمنیں اور بڑی بڑی جماعتیں قائم ہیں؟ خبردار ان انجمنوں اور جماعتوں کا تم سے کوئی تعلق نہیں، تم اپنی توجہ اپنی حدود کے اندر رکھو اپنی صلاحیتیں تعلیم و تعلّم اور درس و تدریس میں صحیح طور پر صرف کرو۔

خبردار! باہر بڑے فتنے ہیں، دین کے فتنے ہیں، جماعتیں اور انجمنیں قائم ہو رہی ہیں، اسلام کے نام پر، ایمان کے نام پر پارٹیاں بن رہی ہیں، تم کو ہرگز ان کے قریب نہ جانا چاہیئے، خبردار ان کی طرف کبھی بھی نظر نہ ڈالنا، اساتذہ بھی اپنی اپنی صلاحیتیں ان کاموں میں صرف کریں جن کیلئے انہیں مقرر کیا گیا ہے دارالعلوم کی چار دیواری کے اندر رہیں، باہر ہزاروں فتنے ہیں، دین کے نام پر فتنے برپا ہو رہے ہیں، ہمیں اپنے کام سے کام رکھنا ہے، ہم کسی پر اعتراض نہیں کرتے، ہم اپنے دارالعلوم کی خیر چاہتے ہیں، ہم اپنے مذہب اور دارالعلوم کی چار دیواری سے ہرگز نہیں نکلیں گے جب تک فارغ نہ ہوں۔ آپ کیوں ان چیزوں میں حصہ لیں؟ کیا آپ خدائی فوجدار ہیں؟ آپ کے اوپر وحی آئی ہے کہ دنیا بھر کی اسلامی ذمہ داریاں آپ اٹھاتے پھریں؟ آپ سوچتے ہوں گے کہ مسلمان ہونے کی وجہ سے، عالم ہونے کی وجہ سے یہی تقاضا ہے کہ اہلِ حق کی نمائندگی کرنی چاہیئے، اہلِ حق کو اگر رسوخ نہ ہوگا تو باطل

غالب آجائیگا بڑی اونچی سوچ ہے، بھئی تم کون ہوتے ہو باطل کو روکنے والے؟ حق کو غالب کرنے والے؟ کیا تم خدائی فوجدار ہو؟ تم اپنے مدرسہ کا اور کتابوں کا حق ادا کرو جو تمہارا شعبہ ہے اس شعبہ میں کام کرو، یہ کام دوسروں کو کرنے دو اپنے شعبہ کو چھوڑ کر دوسرے شعبوں کے کام اپنے ذمہ لوگے تو اس شعبہ سے بھی جاؤ گے، خبردار! میری نصیحت ہے کہ آجکل کی سیاست کی طرف طلبہ و اساتذہ ہرگز نظر نہ ڈالیں، آجکل کی سیاست کا فتنہ بہت بڑا فتنہ ہے۔

عام طور سے کہا جاتا ہے کہ اگر ہم خاموش رہینگے تو اہلِ حق کی نمائندگی کون کریگا؟ اہلِ حق کو حق بھی تو پہنچنا چاہیئے، باطل زور کر رہا ہے، اگر ہم بھی خاموش رہے تو حق پر باطل غالب آجائیگا، کیا آپ خدائی فوجدار ہیں کہ دنیا کا ہر کام آپ کے ذمہ ہے؟ بس جس منصب تک پہنچ گئے ہو اس کا حق ادا کرو، اسلامی سیاست کا منصب بھی بہت سے واعظین و مبلغین اور مصنفین و مؤلفین نے اختیار کر رکھا ہے، یہ ان کا مذاق ہے ان ہی کو کرنے دیجئے، آپ اپنے شعبہ کو سنبھالئے، اگر آپ میں قوم و ملت کی خیر خواہی کا بہت ہی زیادہ جذبہ ہے تو دار العلوم کی چار دیواری سے باہر چلے جایئے اور حصہ لیجئے یہ نہیں ہو سکتا آپ جس کام پر مامور ہیں اس کو بھی کریں اور دوسرے کاموں کو بھی سنبھالیں، ایک صلاحیت سے دو جگہ کام نہیں ہو سکتے، ایک صلاحیت ایک ہی جگہ ہو سکتی ہے، اور اس صلاحیت میں ترقی اور برکت جب ہی ہوگی جب آپ ایک ہی شعبہ میں لگے رہیں، اس لئے میں نصیحت کرتا ہوں آپ لوگوں کے سامنے باہر سے چاہے جتنے مطالبات اسلام اور دین کے نام پر آئیں آپ کو اس سے تعلق نہیں ہونا چاہیئے، آپ اس کے ذمہ دار نہیں کہ اعلائے کلمۃ الحق کیلئے چار دیواری پھاند کر چلے جائیں اور وہاں جا کے حق ادا کریں، بھئی سیاست سے آپ کو کوئی مس نہیں، کوئی مناسبت نہیں، اس لئے اگر آپ نے میری بات پر عمل نہ کیا تو ہمیشہ دھوکا ہوگا، یہ بالکل غلط خیال ہے کہ بھئی ہم خاموش کیسے رہیں؟ اللہ تعالیٰ نے ہم کو علم دیا ہے اس وقت ضرورت ہے حق کی حمایت کی، یہ محض شیطانی وسوسے ہیں، ہرگز ہرگز آپ سے اس کا مطالبہ نہیں، آپ سے مطالبہ یہ ہے کہ جو صلاحیت آپ کو دی گئی ہے اس کا صحیح استعمال کریں چار دیواری کے اندر رہ کر آپ جو خدمت کر سکتے ہیں کریں، درساً یا تحریراً، اچھی طرح ذہن نشین کر لو کہ ہزار کوئی آپ کو مدعو کرے کہ یہ انجمن ہے، وہ انجمن ہے کسی انجمن میں شریک نہ ہوں ہماری انجمن ہمارے سامنے ہے، ہماری انجمن کوئی معمولی انجمن ہے؟ یہ انجمن اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم، کے کلام کی بنیادی انجمن ہے، اس کی تعلیم کی درس و تدریس کی انجمن ہے، ہم اس کا حق ادا کرتے ہیں، خبردار! کبھی سیاست کی طرف نظر نہ اٹھانا ٹھوکر کھا جاؤگے۔

میری نصیحت یاد رکھنا، اس سلسلہ میں اللہ میاں تم سے مواخذہ نہیں کرے گا، جب انہوں نے تم میں اس کی صلاحیت ہی نہیں رکھی تو مواخذہ بھی نہ ہوگا، اگر ایک شخص آپ کا باورچی ہے تو آپ اس سے یہ مؤاخذہ نہیں کر سکتے کہ تم نے آج صفائی کیوں نہیں کی؟ کپڑے کیوں نہیں دھوئے؟ دار العلوم ہی کو لے لیجئے، جو لوگ مطبخ میں کھانا پکاتے ہیں ان سے یہ مؤاخذہ نہیں کیا جا سکتا کہ تم نے سبق کیوں نہیں پڑھایا؟ میں پھر نصیحت کرتا ہوں کہ چاہے جتنی جماعتیں قائم ہوں تمہیں کسی طرف جانے کی ضرورت نہیں، اس کے علاوہ بہت سی انجمنیں اور جماعتیں صرف یہ چاہتی ہیں کہ کچھ ایسے لوگوں کو بھی ساتھ لے لیں جن سے ان کا وقار بڑھ جائے، کچھ ان کی پشت پناہی ہو جائے، اس لئے وہ چاہتی ہیں کہ فلاں مولوی صاحب کو شامل کر لیں، فلاں مولوی صاحب کو بھی شامل کر لیں، وہ جماعتیں یہ سمجھتی ہیں ان سے ہماری جماعت میں تقویت پیدا ہو جائے گی، وہ تمہارے علم سے کچھ اخذ نہ کریں گی بلکہ اپنا اثر ضرور تم پر ڈال دیں گی، میں خیر خواہی سے محبت سے نصیحت کر رہا ہوں کہ خبردار سیاست کی طرف نہ جانا، ہماری سیاست درس و تدریس ہے، تصنیف و تالیف ہے میں دعوے کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ جو داعیہ آپ کے دل میں پیدا ہو رہا ہے کہ سیاست کے ذریعے خدمت اسلام کی جائے وہ سوائے نفسانیت

کے کچھ نہیں، آپ میں سے جس میں بھی یہ جذبہ پیدا ہوگا وہ محض نفسانی ہوگا ایمانی نہیں، الا ماشاء اللہ۔

ہاں اگر حکومت کسی دینی معاملے میں مشورہ کیلئے دارالعلوم کے علماء یا کسی اور عالم کو طلب کرے تو حق کی وضاحت کیلئے ضرور جانا چاہیئے، اور جاکر شریعت کا حکم واضح کردینا چاہیئے۔ لیکن اگر حکومت کی طرف سے کسی ایسی کمیٹی کا رکن بننے کی دعوت دی جائے جس میں ارکان کی اکثریت عظمتِ دین سے غافل اور دین کے معاملے میں تاویل کوشی ہو اور وہاں جاکر اس بات کا خطرہ ہو کہ اہلِ حق کا وقارِ دینی مجروح ہوگا یا خدانخواستہ دوسروں کی تاویل کوشی میں خود کو حصہ دار بننا پڑے گا تو ایسی رکنیت کو ہرگز قبول نہ کیا جائے، اور ایسی صورت میں اپنے فرائضِ منصبی کے مشاغلِ کثیرہ اور ایسے کام کی عدم صلاحیت و نااہلیت کا عذر کافی ہے۔

البتہ ایک بات آپ کے مقاصد میں داخل ہے، اور وہ یہ کہ آپ اپنے یہاں ایک شعبہ کھول لیں جو درس و تدریس کے علاوہ تبلیغ و اشاعت کا کام کرے، آپ کہتے ہیں کہ منکرات پھیلے ہوئے ہیں، اور اسلام کے خلاف سازش ہو رہی ہے آپ کو اللہ تعالیٰ نے علم دیا ہے قلم دیا ہے اور زبان دی ہے، زبان سے آپ وعظ و نصیحت کیجئے، قلم سے آپ مضامین لکھئے، دینی ماہناموں میں یا اخبارات میں شائع کردیجئے، بس اتنا کافی ہے، ہمارے حضرتؒ کا یہی طریقہ رہا کہ جہاں کوئی مسئلہ درپیش ہوا مضمون لکھ دیئے، رسالہ لکھ دیا اور شائع کرادیا۔

آج سے اساتذہ، طلبہ اور منتظمین سب کے سب یہ عزم کرلیں کہ اپنے بزرگوں کی روش پر چلتے رہیں گے اور اپنے نصب العین پر اپنی فطری صلاحیتوں کے ساتھ قائم رہیں گے اور دارالعلوم کو ایک معیاری اور مثالی دارالعلوم بنائیں گے۔

انشاء اللہ ثم انشاء اللہ۔

ایک خاص و اہم بات اور قابلِ عرض ہے، حضرات منتظمین اور اساتذہ کرام کو خصوصیت کے ساتھ اس طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ اخلاقیات جو دین کا ایک اہم اور بنیادی شعبہ ہے اس طرف ضرور اپنی خصوصی توجہات مبذول فرماویں۔ یعنی درستی و پاکیزگیٔ اخلاق خود بھی اہتماماً عمل کریں اور طلباء کو بھی اس کی اہمیت کی تعلیم دیں، اس کا طریقہ یہ ہے کہ اگر روزانہ اس کے لئے وقت نہ ہو تو کم از کم ہفتہ وار مثلاً جمعہ کے دن، یا کسی اور دن۔ ناظم اعلیٰ جو مناسب سمجھیں مقرر کرلیں کہ کچھ دیر کے لئے خواہ وہ ایک گھنٹہ ہی کیوں نہ ہو طلباء کو جمع کرلیا کریں۔ اگر اساتذہ بھی اس میں شریک ہوں تو اور بھی زیادہ مناسب ہے۔ ناظم اعلیٰ خود یا کسی استاذ کو اس کام کے لئے مقرر فرمائیں اور اس موقع پر کوئی کتاب جو اخلاقیات پر مشتمل ہو پڑھ کر سنائیں اور اس کی تشریح کردیا کریں۔ اس موضوع پر حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کی اکثر تصانیف، مواعظ و ملفوظات طبع شدہ موجود ہیں مثلاً تبلیغ دین، حیوٰۃ المسلمین، جزاء الاعمال، اصلاح المسلمین۔ اخلاقیات پر مشتمل مواعظ و ملفوظات جو نہایت سبق آموز اور بصیرت افروز ہیں۔ ان کو سناکر معمولی تشریح کرنا کافی ہے۔ تجربہ شاہد ہے کہ بہت ہی نافع اور دائمی عمل ثابت ہوتے ہیں اور درسی تعلیم کی روح رواں ہیں۔

اب میں ایک نہایت اہم اور سنگین ضرورت کی طرف حضرات منتظمین اور اساتذہ کو خصوصیت کے ساتھ متوجہ کرنا چاہتا ہوں وہ ہے آپس میں ہم آہنگی اور خلوص و ایثار کی قابلِ قدر ضرورت۔ جس پر دارالعلوم کا وقار اور اعتبار منحصر ہے۔

خوب یاد رکھئے اور حرزِ جان بنائیے کہ آپ کا تعلق اور دارالعلوم سے نسبت آپ کا کوئی نجی اور ذاتی معاملہ نہیں ہے۔ آپ کا تعلق دین کے ایک معظم و محترم ادارے و درسگاہ سے ہے اس لئے اس کا پاس و ادب ملحوظ رکھنا آپ کا فرض ہے۔ دیکھئے اگر کبھی میں کوئی اختلاف پیدا ہوجائے تو فوراً نیک نیتی کے ساتھ جلد از جلد آپس میں بلکہ اس کو رفع کرلیا جائے، خواہ یہ اختلاف اساتذہ کے درمیان ہو یا اساتذہ و منتظمین کے درمیان ہو۔ ایک دوسرے کے ساتھ بدگمانی رکھنا، یا شکوہ و شکایت کا تدارک بالمشافہ جلد نہ کرلینا، یہ یقیناً خباثتِ نفس ہے، اور نہایت مذموم ہے، اور انجام کے لحاظ سے شر انگیز ہے اور عاقبت سوز ہے، اور عاقبت میں

اندیشہ ہے کہ قابلِ مواخذہ ہے۔ سب سے زیادہ خرابی یہ ہے کہ دارالعلوم کی چار دیواری کے باہر رُسوائی اور بدنامی کا باعث ہے اور یہ اساتذہ اور منتظمین کے وقار پر بہت بدنما داغ ہے۔

اس لئے میں نہایت دلسوزی کے ساتھ اور اپنا حق تعلق محبت ادا کرنے کے لئے یہ بات آپ حضرات کے سامنے عرض کر رہا ہوں، اُمید ہے کہ آپ سب اس کو اپنا شعارِ زندگی بنائیں گے۔ ممکن ہے کہ پھر کوئی اور آپ کو اس لب و لہجہ سے مخاطب نہ کرے۔

نصیحت گوش کن جاناں کہ از جاں دوست تر دارند
جواناں سعادتمند بہتر پیر دانا را

دُعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو دولت تقویٰ سے اور صفائی قلب سے بہرہ اندوز رکھیں اور اپنی یاد اور اپنے ذکر سے ہمیشہ معمور فرمائیں۔ آمین۔

اب دُعا کر لو کہ یا اللہ! ہمارے بزرگوں کو درجاتِ رفیعہ عطا فرمایئے۔ یا اللہ! ان کے اخلاصِ نیت کو بارآور فرما دیجئے، ان درسگاہوں کو ہر طرح کے فتنوں سے محفوظ فرمایئے، یا اللہ! دارالعلوم کی ہر طرح نصرت فرمایئے، ہر طرح اعانت فرمایئے اس کو ہر طرح کی ظاہری و باطنی برکتیں عطا فرمایئے ہر طرح کے ظاہری و باطنی فتنوں سے محفوظ رکھئے، یا اللہ! دارالعلوم کو کسی کا محتاج نہ بنایئے، یا اللہ! دارالعلوم کے اساتذہ، طلبہ، منتظمین، ملازمین اور ان کے متعلقین کو ہر طرح کی عافیت سے نوازیئے، یا اللہ! اس کے بانی حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہٗ کی قبر کو انوار و تجلیات سے بھر دیجئے ان کو مقاماتِ عالیہ رفیعہ عطا فرمایئے، یہ دُعائیں آپ کے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے قبول فرمالیجئے۔

یا اللہ! آپ نے ایمان کی دولت دی ہے، اعمالِ صالحہ کی توفیق بھی دیجئے، ہمیں نفس و شیطان کے مکائد سے محفوظ رکھئے۔ دُنیا بھر کے فتنوں سے محفوظ رکھئے" ربنا اتنا فی الدنیا حسنة وفی الآخرة حسنة وقنا عذاب النار۔ " ربنا لا تؤاخذنا ان نسینا او اخطأنا، ربنا ولا تحمل علینا اصرا کما حملته علی الذین من قبلنا ربنا ولا تحملنا ما لا طاقة لنا به واعف عنا واغفر لنا، وارحمنا انت مولٰنا فانصرنا علی القوم الکٰفرین "۔ یا اللہ! ہمیں عافیتِ کاملہ عطا فرمایئے، یا اللہ! ہمارا ماحول شیطانی ہے، ہمارا ماحول کافرانہ ہے ہماری مدد فرمایئے، ہمیں بُرے ماحول سے بچالیجئے۔" ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا وھب لنا من لدنك رحمة انك انت الوھاب"۔ یا اللہ! آپ کے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک جامع دُعا ہے وہ ہم آپ کی بارگاہ میں پیش کرتے ہیں، یا اللہ اس کو ہمارے حق میں، ہمارے اہل و عیال کے حق میں اور سب کے حق میں قبول فرمالیجئے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ أَسْأَلُكَ مِنْ خَیْرِ مَا سَأَلَكَ مِنْهُ نَبِیُّكَ مُحَمَّدٌ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَأَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا اسْتَعَاذَ مِنْهُ نَبِیُّكَ مُحَمَّدٌ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ۔

اَللّٰھُمَّ زِدْنَا وَلَا تَنْقُصْنَا وَاَکْرِمْنَا وَلَا تُھِنَّا وَأَعْطِنَا وَلَا تَحْرِمْنَا وَارْضِنَا وَارْضَ عَنَّا۔

انت حسبی انت ربی أنت ولیی فی الدنیا والآخرة وأفوض أمری إلی الله ان الله بصیر بالعباد۔

یا اللہ! سب کو عافیتِ کاملہ عطا فرمایئے، سب کو تندرستی عطا فرمایئے، ہمارے اہل و عیال کو ہمارے دوست احباب کو سب کو تندرست رکھئے۔

میرے لئے بھی دُعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ صحت و تندرستی اور توانائی عطا فرمائے اور عافیتِ کاملہ عطا فرمائے، یا اللہ! نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ و طفیل ہماری دُعائیں قبول کرلیجئے۔ آمین الٰہ العالمین، آمین بحق سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

فہرستِ مجازین

عارف باللہ حضرت مولانا ڈاکٹر عبد الحی صاحب عارفی رحمۃ اللہ علیہ

مجازینِ بیعت

جن احباب کو اجازتِ بیعت دی گئی ان کے نام اور پتے درجِ ذیل ہیں:۔

۱ — جناب مولوی نذیر احمد صاحب۔ استاذ حدیث دار العلوم پیپلز کالونی۔ فیصل آباد۔

۲ — جناب مولوی عبد الرزاق ہاشمی صاحب۔ مدرس جامعہ اسلامیہ محمودیہ۔ مانسہرہ (ضلع ہزارہ)

۳ — جناب مولوی سبحان محمود صاحب۔ استاذ حدیث دار العلوم کورنگی، کراچی ۱۴

۴ — جناب مولوی مشرف علی صاحب۔ استاذ جامعہ اشرفیہ۔ مسلم ٹاؤن۔ فیروز پور روڈ۔ لاہور۔

۵ — جناب مولوی محمد رفیع صاحب عثمانی۔ مہتمم دار العلوم کورنگی۔ کراچی ۱۴

۶ — جناب مولوی محمد تقی صاحب عثمانی۔ نائب مہتمم دار العلوم کورنگی۔ کراچی ۱۴

۷ — جناب حافظ ابرار الحق صاحب۔ خطیب و امام جامع مسجد۔ فیڈرل کیپٹل ایریا۔ کراچی

۸ — جناب (ڈاکٹر) حافظ محمد الیاس صاحب، جنرل منیجر ہمدرد دواخانہ ۶۳۔ بہادر یار جنگ ہاؤسنگ سوسائٹی۔ کراچی۔

۹ — جناب حافظ عتیق الرحمٰن صاحب، جنرل اکاؤنٹنٹ ہمدرد دواخانہ۔ بیت الخلیل، سی۔ ۱۰ بلاک ایچ شمالی ناظم آباد۔ کراچی

۱۰ — جناب آدم بھائی پٹیل صاحب۔ فاطمہ منزل ۷۔ ۱/ ۲۲۔ ناظم آباد ۲ کراچی

۱۱ — جناب محمد کلیم صاحب۔ فرودگاہِ رضوان ۳/۵ الف۔ ناظم آباد ۲ کراچی

۱۲ — جناب نعمت احمد خان صاحب۔ ناظم نشر و اشاعت عائشہ باوانی وقف۔ مکان ۴۹ بلاک ۲ پی ای سی ایچ ایس۔ کراچی

۱۳ — جناب ڈاکٹر نعیم اللہ صاحب۔ اناج بازار۔ سکھر

۱۴ — جناب علی حماد رضا صاحب۔ ۱۰۵ بی بلاک 'این'۔ شمالی ناظم آباد۔ کراچی

۱۵ — جناب مولوی عبد الرزاق صاحب مدظلہ، بالمقابل مسلم کمرشل بنک، کوہاٹ سٹی

۱۶ — جناب مولوی عبد الرحمٰن افغانی صاحب۔ عرشی مسجد۔ سیٹلائٹ ٹاؤن۔ راولپنڈی

مجازینِ صحبت

جن احباب کو مجازِ صحبت بنایا گیا، ان کے اسماء اور پتے درجِ ذیل ہیں :-

۱ ۔۔۔ جناب مظفر احمد اشرف صاحب ۔ فنانس سیکریٹری پاکستان اسٹیل ملز ۔ کراچی
۲ ۔۔۔ جناب عابد حسین زبیری صاحب ۔ ۴۷ ۔ ڈی بلاک ایچ ۔ شمالی ناظم آباد ۔ کراچی
۳ ۔۔۔ جناب سید اختر حسن صاحب ۔ سیکریٹری وزارت مالیات حکومت آزاد کشمیر ۔ مکان نمبر ۳۴ اسکول روڈ اسلام آباد
۴ ۔۔۔ جناب رحمت علی صاحب ۔ ڈپٹی سیکریٹری ویمن ڈویژن ۔ خیابانِ قائدِ اعظم جی ۱/۹ ۳۰ جی ۔ اسلام آباد
۵ ۔۔۔ جناب دبیر علی صاحب ۔ کوارٹر ۲، ۱۷/۱ ای ۔ ۲/۶ جی ۔ اسلام آباد

تجدیدِ اجازت

۱ ۔۔۔ جناب حکیم سید محمد ابراہیم صاحب ۔ غریب آباد ۔ سکھر (مجاز حضرت ماسٹر ثامن علی صاحبؒ)
۲ ۔۔۔ جناب ڈاکٹر حفیظ اللہ صاحب ۔ اناج بازار ۔ سکھر (مجاز حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحبؒ)
۳ ۔۔۔ جناب مولوی محمد اسحاق صاحب صدیقی سندیلوی ۔ مشرف شعبہ تخصص فی الدعوہ والارشاد مدرسہ عربیہ اسلامیہ کراچی ۵
۴ ۔۔۔ جناب مولوی محمد احمد صاحب ۔ ۲/۷ ۳ اے ، بلاک ایچ شمالی ناظم آباد (مجاز حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ)
۵ ۔۔۔ جناب ظفر احمد صاحب تھانوی (انجینئر بحری) سی ۱/۱ بلاک اے شمالی ناظم آباد ۔ کراچی
۶ ۔۔۔ جناب مولوی ولایت حسین صاحب ۔ بلاک نمبر ۲ سب بلاک ای پلاٹ نمبر ۱ روڈ نمبر ۲ ناظم آباد کراچی نمبر ۱۸
۔۔۔ جناب مولوی عبد الرزاق صاحب ۔ کوہاٹ
۔۔۔ جناب مولانا یوسف لدھیانوی صاحب ۔ مدرسہ اسلامیہ علامہ یوسف بنوریؒ

نقد و تبصرہ

تبصرے کے لئے ہر کتاب کے دو۲ نسخے ارسال فرمائیے

مآثرِ حکیم الامّت (طبعِ جدید)

از افادات : عارف باللہ حضرت مولانا ڈاکٹر محمد عبدالحئیؒ صاحب عارفی قدس سرہٗ العزیز

ناشر : ادارۂ اسلامیات ۱۹۰ انارکلی ۔ لاہور ۔ ۳۶ × ۲۳ سائز کے ۵۱۲ صفحات سفید کاغذ پر عمدہ کتابت وطباعت خوبصورت ڈائی دار جلد ۔ قیمت ۵۶/- روپے ۔

حکیم الامّت مجدد الملّت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرّہٗ العزیز کی سیرت و سوانح آپکے متعدد عشّاق نے تحریر فرمائی ہے ، لیکن سیّدی و سندی حضرت ڈاکٹر عبدالحئیؒ صاحب قدس سرہٗ کی یہ تالیف ایک انفرادی رنگ کی حامل ہے ۔ یہ عام سوانح کی طرح محض حالاتِ زندگی پر مشتمل سوانح نہیں ہے ، بلکہ حضرت حکیم الامّت قدس سرہٗ کے مزاج و مذاق کی انتہائی دلکش تصویر ہے ۔ کتاب کو پڑھنے سے پڑھنے والے کو ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے وہ حضرت حکیم الامّت قدس سرہٗ اور آپکے اندازِ زندگی کو آنکھوں سے دیکھ رہا ہے ۔

حضرت عارفی قدس سرہٗ کے ایک مرحوم عقیدت مند جناب مسعود احسن صاحب مرحوم نے حضرتؒ کی زبانِ مُبارک سے حضرت حکیم الامّت قدس سرہٗ کے حالات اور آپ کے نداز زندگی کی تفصیلات سُن کر انہیں بڑے دلنشیں انداز میں قلمبند فرمایا ۔ حضرت عارفی قدس سرہٗ نے ان کی تحریر پر نظرِ ثانی فرما کر اسمیں جابجا حذف واضافہ فرمایا ، یہاں تک کہ یہ کتاب

تیار ہوگئی جسمیں مختصر حالاتِ زندگی کے علاوہ حضرتؒ کے مذاقِ زندگی، آپ کے علمی مقام آپ کے تجدیدی کارناموں اور آپ کے اندازِ تربیت کو اس حُسن و دلکشی کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے کہ اس کا ایک ایک صفحہ انسان کے لئے ایک مستقل درس ہے۔

حد یہ ہے کہ ابتداء میں خانقاہِ تھانہ بھون کی اتنی مفصل قلمی تصویر کھینچی گئی ہے کہ خانقاہ کی چھوٹی سی چھوٹی جزئیات اس میں محفوظ ہیں۔

اس کتاب کے اب تک دسیوں اڈیشن شائع ہو کر مقبولِ عام ہو چکے ہیں، لیکن اب ادارۂ اسلامیات نے جو نیا اڈیشن شائع کیا ہے وہ مندرجۂ ذیل خصوصیات کے لحاظ سے ممتاز ہے۔

① حضرت ڈاکٹر صاحب قدس سرہٗ اپنی تمام تالیفات، بالخصوص "مآثرِ حکیم الامّت" پر نظرِ ثانی فرماتے رہتے تھے۔ سب سے آخر میں حضرتؒ نے کتاب میں جو ترمیم و اضافہ فرمایا، وہ پہلی بار اس اڈیشن میں شامل ہوا ہے، چنانچہ اس اڈیشن میں بہت سی تصحیحات اور بعض مضامین کا اضافہ کیا گیا ہے۔

② حضرت والاؒ نے پہلے اڈیشنوں میں خانقاہِ تھانہ بھون کے متعدد حصّوں کی تصاویر بھی شامل فرمائی تھیں، لیکن وہ سادہ اور سیاہ تصاویر تھیں، اس مرتبہ ناشرین نے بڑی عرق ریزی سے یہ تصویریں رنگین بنوا کر شائع کی ہیں جو نہایت واضح اور دلکش ہیں۔

③ کتابت و طباعت کا معیار بھی اچھا ہے، خاص طور پر جلد نہایت خوبصورت ہے جو پچھلے تمام اڈیشنوں سے زیادہ مضبوط بھی ہے اور خوشنما بھی۔

اس لحاظ سے یہ اڈیشن پچھلے تمام اڈیشنوں پر سبقت لے گیا ہے، اللہ تعالیٰ ناشرین کو اس خدمت پر جزائے خیر عطا فرمائے، اور یہ مسلمانوں کیلئے مفید ثابت ہو۔ آمین۔ (م ت ع)